مطالب القرآن

فی

دروس الفرقان

سورۃ المائدہ

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے دیے گئے دروسِ قرآن

قرآنِ مجید کی تفسیر خود قرآنِ مجید سے

ادارہ طلوع اسلام رجسٹرڈ 25 بی گلبرگ 2 لاہور

CamScanner

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	....	مطالب القرآن فی دروس الفرقان (سورۃ المائدہ)
دروس	....	از: جناب غلام احمد پرویز رحمۃ اللہ علیہ
ناشر	....	بزمِ طلوع اسلام، لاہور
زیراہتمام	....	ادارہ طلوع اسلام 25بی 2 گلبرگ، لاہور
	....	فون نمبر 5714546-5753666
ایڈیشن اول	....	نومبر 2016ء
مطبع	....	یونس پرنٹنگ پریس، لاہور

ادارہ طلوع اسلام رجسٹرڈ کی طرف سے شائع کردہ لٹریچر کی جملہ آمدنی قرآنی فکر کو عام کرنے پر صرف ہوتی ہے۔

سرٹیفکیٹ تصحیح

مطالب القرآن فی دروس الفرقان
کی سورۃ المائدۃ کے قرآنی
عربی متن کو میں نے حرفاً بہ حرف
اور امعانِ نظر سے پڑھا ہے۔ میں
پورے وثوق سے تصدیق کرتا ہوں کہ
اس میں کوئی لفظی - اعراب - اور رسم
الخط کی غلطی نہ ہے۔

حافظ عطاء اللہ
28/8/16

حافظ قاری عطاء اللہ

انتساب

رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ کے نام

جو کافۃ للناس اور رحمۃ للعالمین بن کر آیا اور اپنے ساتھ وہ نظامِ عدل و حریت لایا جو انسان کو دنیا بھر کی غلامی سے آزادی دلانے کا کفیل تھا۔ یہ پیغام کوئی انوکھا پیغام اور یہ تعلیم کوئی نئی تعلیم نہ تھی۔ صداقت جہاں کہیں بھی تھی اُسی کتاب مبین کا کوئی نہ کوئی ورق تھی جو محمد ﷺ کی وساطت سے دنیا کو ملی۔ روشنی جس مقام میں بھی تھی وہ اسی قندیلِ آسمانی کی کوئی نہ کوئی کرن تھی جو قلبِ نبوی ﷺ میں اتاری گئی۔ شامِ جاں نواز نے جہاں کہیں بھی عطر بیزی و عنبر فشانی کی وہ لالہ و یاسمین کی ان ہی پتیوں کی رہینِ منت تھی جن کا گلدستہ اس نبی آخر الزمان ﷺ کے مقدس ہاتھوں محرابِ کعبہ میں رکھا گیا۔ پیغامِ محمدی ﷺ کیا ہے؟ ان ہی اوراق کی شیرازہ بندی جنہیں حوادثِ ارضی و سماوی کی تیز آندھیوں نے صحنِ کائنات میں اِدھر اُدھر بکھیر دیا تھا۔ اور مقامِ محمدی ﷺ کیا ہے؟ ان ہی درخشندہ و تابندہ ذراتِ نادرہ کا پیکرِ حُسن و زیبائی جن کی حقیقی آب و تاب کو ان کے ستائش گروں کی غلو آمیز عقیدت کی رنگینیوں نے مستور کر رکھا تھا۔ وہاں یہ جوہرا لگ الگ پڑے تھے' یہاں یہ پیکرِ جلال و جمال ان سب کا حسین مجموعہ تھا۔ وہاں یہ الفاظ بکھرے ہوئے تھے' یہاں ایک ایسے عدیم النظیر مصرعہ میں آب و تاب سے موزوں ہو گئے تھے جو ضمیرِ کائنات میں قرنہا قرن سے پہلو بدل رہا تھا۔ وہ موتی تھے' یہ مالا تھی۔ وہ پتیاں تھیں' یہ پھول تھا۔ وہ ذرے تھے' یہ چٹان تھی۔ وہ قطرے تھے' یہ سمندر تھا۔ وہ ستارے تھے' یہ کہکشاں تھی۔ وہ افراد تھے' یہ ملت تھی۔ وہ نقطے تھے' یہ خطِ مستقیم تھا۔ وہ ابتداء تھی' یہ انتہا تھا۔

خلق و تقدیر و ہدایت ابتداست
رحمۃ للعالمینیؐ انتہا ست

خدائے جلیل نے اپنے بندوں سے جو کچھ کہنا تھا آخری مرتبہ کہہ دیا۔ شرفِ انسانیت کی تکمیل کے لیے جو قوانین دیئے جانے تھے وہ اپنی انتہائی شکل میں دیدیئے گئے۔ اس کے بعد انسان کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے کسی دوسری مشعلِ راہ کی ضرورت اور کسی اور ہادیٔ طریقت کی احتیاج نہ رہی۔ اب انسانیت کے مقامِ بلند تک پہنچنے کے لیے وہی ایک صراطِ مستقیم ہے جس پر اس ذاتِ اقدس و اعظم ﷺ کے نقوشِ قدم جگمگ جگمگ کر رہے ہیں اور جنہیں دیکھ کر ہر دیدہ ور پکار اٹھتا ہے کہ

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق' دل بند و راہِ مصطفیٰؐ رو

[معراجِ انسانیت ص ۷۴ از۔ علامہ پرویزؒ]

اسوۂ حسنہ

ہمارا ایمان ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے کسی ارشاد یا حضور ﷺ کے کسی عمل کی صداقت سے اِنکار کرتا ہے، ہمارے نزدیک وہ مسلمان ہی نہیں کہلا سکتا، اِس لیے کہ حضور ﷺ کے ارشادات و اعمالِ حیات سے تو وہ ماڈل ترتیب پاتا ہے جسے خدا نے ''اسوۂ حسنہ'' قرار دیا ہے۔
اِس اسوۂ حسنہ سے انکار، نہ صرف انکارِ رسالت ہے، بلکہ ارشادِ خداوندی سے انکار ہے۔ اس انکار کے بعد، کوئی شخص مسلمان کیسے رہ سکتا ہے؟ اِسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس اسوۂ حسنہ کو خود قرآن میں محفوظ کر دیا ہے۔

[طلوعِ اسلام۔ اگست ۱۹۸۱ء]

قیصر و کسریٰ کے استبداد اور احبار و رہبان کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی انسانیت کو آزادی سے ہم کنار کرنے والے قائدِ انسانیت ﷺ تجھ پہ لاکھوں سلام

خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا ست
رحمۃ للعالمینی انتہا ست

[محمد اشرف ظفر]

تعارف: غلام احمد پرویز

بٹالہ / لاہور

(بشکریہ تحریک پاکستان گولڈ میڈل 1989ء

مطبوعہ شعبہ تحریک پاکستان، محکمہ اطلاعات وثقافت، حکومت پنجاب)

علامہ غلام احمد پرویز مرحوم کی تاریخ پیدائش 9/ جولائی 1903ء ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران مرکزی حکومت ہند کے ہوم ڈیپارٹمنٹ میں ملازم تھے۔ قیام پاکستان کے ساتھ ہی وہ مرکزی حکومت پاکستان میں منتقل ہو گئے اور 1955ء میں اسسٹنٹ سیکرٹری کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

شیدائی ء اقبالؒ ہونے کے ناطے، آپ 1930ء سے مسلمانوں کی جداگانہ آزاد مملکت کے اس تصور کو آگے بڑھاتے رہے جسے حضرت علامہ اقبالؒ نے الہ آباد کے مقام پر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں اپنے صدارتی خطبہ میں پیش کیا تھا۔

1937ء کے موسم گرما میں، علامہ اقبالؒ کے ایماء پر حضرت قائداعظمؒ نے اپنے قیامِ شملہ کے دوران علامہ پرویز کو بلا کر فرمایا کہ یہ مولوی صاحبان تحریک پاکستان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، اس کی مدافعت کے محاذ کو میں تمہارے سپرد کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ حضرت قائداعظمؒ کی ہدایت پر وہ تمام ضروری اقدامات کئے گئے جن کے نتیجہ کے طور پر ماہنامہ "طلوع اسلام" کے دورِ جدید کا اجراء، مئی 1938ء کے شمارے کے ساتھ عمل میں آیا۔ اس ماہنامہ میں پرویز صاحب نے قرآن کریم کے عطا فرمودہ "دو قومی نظریہ" اسلامی مملکت کی ضرورت اور اس کے بنیادی تقاضوں پر گرانقدر مقالات لکھے۔ اس دوران کانگرسی اور نیشنلسٹ علماء کی طرف سے مسلمانوں کی جداگانہ آزاد مملکت کے خلاف جو کچھ لکھا جاتا رہا، اس کا آپ نے موثر دفاع کیا۔

علامہ موصوف اس وقت سرکاری ملازمت میں تھے، اس لئے مسلم لیگ کے سٹیج سے بات کرنا تو ان کے لئے دشوار تھا تاہم دہلی اور اس کے گردونواح کے ایسے تمام شہروں میں جہاں شام کو جا کر اگلے روز علی الصبح واپس آیا جا سکے، مسلم لیگ کے شبانہ جلسوں کے فوراً بعد اسی سٹیج سے

بزمِ اقبال کی محفل آراستہ کی جاتی جس میں پرویز صاحب قرآن کریم اور فکر اقبالؒ کی روشنی میں تحریک پاکستان اور مسلمانوں کی جداگانہ مملکت کے تصور کو واضح طور پر قوم کے سامنے پیش کرتے۔

یہ عملی جدوجہد قیام پاکستان تک جاری رہی۔ حتیٰ کہ جب 1946ء میں سرخ پوشوں اور کانگرس کی ملی بھگت سے مسلم اکثریت کے صوبہ سرحد میں' پاکستان میں شمولیت/عدم شمولیت کے سوال پر ریفرنڈم کرانا طے پایا گیا تو پرویز صاحب صوبہ سرحد میں تشریف لے گئے اور اس وقت کے سرحد مسلم لیگ کے صوبائی صدر خان بخت جمال خان اور ان کے رفقاء کی معاونت سے صوبہ کی کانگرسی وزارت اور سرجوش لیڈر خان عبدالغفار خان کو ہمہ جہت مخالفتوں کے علی الرغم سرحد کے مسلم عوام کا فیصلہ کن ووٹ پاکستان کے حق میں ڈلوانے میں کامیاب ہوئے۔

علامہ پرویز 38-1937ء سے حضرت قائداعظم علیہ الرحمتہ کے' تحریک پاکستان کی دینی اساس کے موضوع پر ذاتی مشیر کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے۔ یہی وہ واحد شخصیت تھی جنہیں حضرت قائداعظمؒ سے پیشگی وقت لئے بغیر ان کی خدمت میں' کسی وقت بھی باریابی کا شرف حاصل رہا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ قائداعظمؒ نے قرآنی ہدایات سامنے آجانے کے بعد ہمیشہ انہی کے مطابق عمل کیا۔ پرویز صاحب ان معدودے چند دانشوروں میں شامل ہیں جنہوں نے بقول پیر علی محمد راشدی' پاکستان کی سکیم کی تیاری میں مدد کی تھی۔

حضرت قائداعظمؒ' علامہ پرویز پر غایت اعتماد رکھتے تھے اور ان کی رائے کو اس قدر اہمیت دیتے تھے کہ جب اس کا وقت آیا تو ان سے پاکستان کے سیکرٹریٹ کے لئے مناسب افسروں کے انتخاب کے لئے سفارش طلب کی۔

قیام پاکستان کے بعد اپنی وفات تک جب کسی دریدہ دہن نے بانی پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ یا ان کے رفقاء کے خلاف ہرزہ سرائی کی ناپاک کوشش کی تو یہی مردِ مجاہد آڑے آیا اور ہر موقع پر ایسے مدلل مقالات سپرد قلم کئے جن سے تحریک پاکستان کے ان زعماء کی عظمت کردار نکھر اور ابھر کر قوم کے سامنے آتی رہی۔

علامہ غلام احمد پرویز نے 24 فروری 1985ء کو وفات پائی۔

CamScanner

ایک ضروری وضاحت

''مطالب القرآن فی دروس الفرقان'' کا زریں سلسلہ محترم محمد اشرف ظفر صاحب کے بنیادی کام کے بعد اب تک محترم ڈاکٹر منظور الحق صاحب کی زیر ادارت تکمیل کے مراحل سے گذرتا رہا۔ فی الحقیقت اگر ڈاکٹر منظور الحق صاحب جیسی علمی اور تحقیقی شخصیت کی محنتِ شاقہ شامل نہ ہوتی تو شاید اس سلسلۃ الذہب کی پہلی کڑی ہی وجود میں نہ آتی۔ علامہ غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ کے دروس الفرقان کی تسوید، پروف ریڈنگ اور حاشیہ نویسی کے بعد طباعت کے مراحل طے نہ ہو پاتے اگر ڈاکٹر صاحب موصوف حامی نہ بھرتے۔ ''دروس الفرقان'' کی 29 ضخیم جلدوں کی اشاعت میں اگر یہ کہا جائے کہ کلیدی کردار انہی کا رہا تو بے جا نہ ہوگا۔

یہ ہماری کوتاہ بختی ہے کہ اب ڈاکٹر صاحب پیرانہ سالی کے باعث اور کچھ طبیعت ناساز رہنے کی وجہ سے اِس قدر باریک بینی کا کام اس رفتار سے نہیں کر پاتے جو کہ ان کا خاصہ رہا۔ بہ امرِ مجبوری دروس الفرقان کی آئندہ جلدیں کسی قسم کی ایڈیٹنگ کے بغیر علامہ پرویزؒ کے بولے ہوئے الفاظ کو جوں کا توں (As it is) درج کر کے شائع کی جا رہی ہیں تاکہ باقی ماندہ دروس کو کتابی شکل میں شائع کر کے اس سلسلۃ الذہب کو جلد از جلد مکمل کیا جا سکے۔ ان دروس کی کمپوزنگ/کتابت میں اغلاط کی نشاندہی کے لیے محترم شیخ اللہ دتا ایڈووکیٹ صاحب نے ذمہ داری قبول کی ہے جس کے لیے وہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔

محمد اکرم راٹھور

(چیئرمین ادارہ طلوعِ اسلام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مشمولات سورہ المآئدۃ
مطالب القرآن فی دروس الفرقان

پہلا باب: سورۃ المآئدۃ (آیات 1 تا 2)

لفظ عقد کا بنیادی مفہوم اور اس کی اہمیت ____ 29
انسانی کریکٹر کی بنیاد چھوٹے چھوٹے اصولوں کی نگہ داشت پر استوار ہوتی ہے ____ 30
انسانی کریکٹر کی بنیاد چھوٹی چھوٹی پابندیوں کو مکمل طور پر قبول کرنے پر ہوتی ہے ____ 30
حلال و حرام چیزوں کی وضاحت اور ہمارے ہاں کی فقہا کا عمل دخل ____ 31
حج کے فرائض کا بنیادی مقصد انسانیت کو ایک مرکز پر جمع کرنا ہے ____ 31
خدا تعالیٰ کے امر کی دنیا کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے ____ 32
مملکت کے جھنڈے کے احترام کی اہمیت کا اصل مقصد ____ 33
شعائر اسلام کے احترام کی عظمت کو پیشِ نظر رکھنے کا مقصد انسانی جذبات میں اصولوں کا احترام پیدا کرنا ہے ____ 34
غیر محسوس حقائق کو بیان کرنے کے سلسلہ میں محسوس حرکات و سکنات کی اہمیت ____ 34
کعبہ کی حرمت عالمگیر انسانیت کے لیے ایک مرکز کا نشان ہونے کی وجہ سے ہے ____ 35
جہاد ظالم کے ظلم کو مٹانے کی ترغیب دیتا ہے ____ 35
جنگ کے جذبے کو ٹھنڈا کرنے کے لیے سیز فائر کا ایک مصلحت آمیز حکم ____ 35
حج کے علاوہ عمرے کا حقیقی مقصد اور پھر ہماری عملی زندگی کا نتیجہ ____ 36
شروع دور میں عربوں کے ہاں حج اور عمرے کی نوعیت ____ 36
جنگ کے سلسلہ میں عالمگیر سطح پر قانون سازی کی ضرورت اور حج کے اجتماعات کے دوران خورد نوش کے مسائل کا حل ____ 37
یہ تمام کی تمام تگ و تاز اور یہ سارے کا سارا رختِ سفر آخر کس مقصد کے لیے تھا ____ 38
ہمارے ہاں حج کی موجودہ کیفیت اور لفظ رضوان کا لغوی اور قرآنی مفہوم ____ 39
13 سال تک اَن گنت مشکلات کو برداشت کرنے کے بعد مدینے کی طرف اس کی نقل مکانی اس کا ردِ عمل اور پھر فتح مکہ ____ 40
فتح مکہ کے بعد دشمنوں سے آپ ﷺ کا حسنِ سلوک جو پوری انسانیت کے لیے چراغِ راہ ہے ____ 40
قرآنِ حکیم کے نزدیک جب جنگ ہی اپنے ہتھیار رکھ دے تو پھر انتقام کا جواز باقی ہی نہیں رہتا ____ 40

دوسرا باب: سورہ المآئدۃ (آیات 3 تا 5)

قرآنِ حکیم کے ہاں اصولِ زندگی کی وضاحت کا طریق اور انہیں سمجھنے کا اصول ____ 42

CamScanner

علامہ پرویزؒ کے نزدیک تبویب القرآن کی اہمیت اور آپ کی محنت شاقہ کا ذکر ____ 43
حلال اور حرام کے معاملے میں قرآنِ حکیم کی وضاحت ____ 43
کوئی شے جو خدا کی ذات کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف منسوب کر دی جائے' وہ حرام ہے ____ 44
قلب و نگاہ کو ایک نقطے پر مرکوز کرنا داخلی تبدیلی کا پیش خیمہ ہوتا ہے ____ 45
کسی چیز پر خدا کا نام لینا اپنی توجہات کو پروگرامِ خداوندی کے لیے مرکوز کرنا ہے ____ 45
جانور کو ذبح کرتے وقت زبان پر اللہ اکبر کے الفاظ' خدا کی کبریائی کو تسلیم کرنا ہوتا ہے ____ 46
ہمارے ہاں جانوروں کو ذبح کروانے کا طریق اور چھریوں کو دم کروانے کا ماجرا ____ 46
قرآنِ حکیم کے نزدیک کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے کا معیار ____ 47
چڑھاوے کا معاملہ ہو، یا قال کا یا قرعہ، لاٹری کا یہ سب کا سب شرف انسانیت کے خلاف ہے ____ 48
قسمت کا تصور عقل و فکر کے دیئے کو اپنے ہاتھوں سے بجھا دینے کی مترادف ہے ____ 49
ہمارے ہاں دیوانِ حافظ کی اہمیت ____ 49
ہمارے ہاں کے لاٹری سسٹم کی نوعیت جاہلیت کو پروان چڑھانے کی سازش ____ 50
نجومیوں اور جوتشیوں کی روٹی کا سہارا یہ معاشرے کے

جان بچانے کی خاطر اضطراری حالت میں حرام چیز کے استعمال کی اجازت ____ 51
یورپ میں اڑھائی لاکھ مسلمانوں نے پانچ کروڑ کی لاگت سے مسجد کی تعمیر نو کی لیکن اپنے لیے کوئی نوع خانہ قائم نہیں کیا ____ 52
اگر ہندو' ہندو ہونے کی Definition بتانے سے آری ہے تو 1953ء میں منیر کمیٹی میں ہمارے علماء حضرات مسلمان کی Definition بھی نہ سکے تھے ____ 53
مسلمان ہونے کے سلسلہ میں عدالت کے سامنے غالب کا بیان ____ 53
دو اور دو کی طرح حق کبھی............پسند نہیں ہوتا ____ 54
یہودیوں کے بلمقابل ہجرت کے وقت مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی حالتِ زار کا ذکر ____ 54

تیسرا باب: سورة المآئدة (آیت 6)

صلوٰۃ کے بنیادی مفہوم کے علاوہ قرآنِ حکیم میں قرأت کے اختلافات کی نوعیت' نقطوں اور اعراب کے معاملے کی حقیقت اور اس کی سیر حاصل وضاحت ____ 66
خدا تعالیٰ کے پیچھے پیچھے چلنے سے مراد خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ قوانین کے پیچھے پیچھے چلنا' صلوٰۃ کے معنی میں بھی آتا ہے ____ 66
صراطِ مستقیم پہ چلنا الصلوٰۃ کا بنیادی تقاضا ہے جبکہ لفظ مسجد پورے کرۂ ارض پر محیط ہے ____ 67
لفظ صلوٰۃ کا ہو یا مسجد کا اُسے کسی چار دیواری تک محدود کرنا
مسجد اور صلوٰۃ کے وسیع تر مفہوم کو محدود تر کرنے کے

صدیوں سے ہماری کیفیت صلوٰۃ بے امام اور حیات بے
نظام کی شکل اختیار کیے ہوئے ہے ______ 68
عسکری نظام کی شکل وصورت نظامِ صلوٰۃ کی بہترین عکاسی
کرتا ہے ______ 68
دنیا کے کونے کونے میں منہ طرف کعبہ کا انداز اپنے اندر ایک
عظیم پروگرام کی ترغیب لیے ہوئے ہے ______ 69
امام کی طرف سے غلطی کی صورت میں سجدہ سہو دراصل غلطی کا
وہ کفارہ ہے جو پوری قوم کو بھی ادا کرنا پڑتا ہے ______ 70
صلوٰۃ کے دو اہم پہلوؤں کی وضاحت کے بعد صدیوں سے
پاؤں کے دھونے پر دو فرقوں کے مابین اختلافات کا معاملہ __ 70
علامہ پرویزؒ کے ذاتی نظریات وتصورات کی وضاحت اور
قرآنِ مبین کا ارشاد ______ 71
اَرْجُلَكُمْ کے سلسلہ میں کھٹک کے پیدا ہونے کی بنیادی وجہ
مثلہ معہ ہے ______ 72
قرآنِ حکیم کی قرأت میں اختلاف اور تجوید کے مختلف انداز __ 73
جہلم کی مساجد میں جھگڑے اور تراویحوں کے لیے کسی امام
کی تلاش کا معمہ ______ 73
کیا قرآنِ حکیم میں قراءت کا اختلاف ہو سکتا ہے؟ جبکہ اس
کا دعوہ ہے کہ یہ مکمل ہے غیر متبدل ہے اور پھر محفوظ بھی ہے __ 74
یہی وہ محفوظ ضابطۂ حیات ہے جو نوعِ انسانی کو قیامت تک
ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رکھ سکتا ہے ______ 74
قرآنِ حکیم کو محفوظ کرنے کے سلسلہ میں ہمارے ہاں کے
تاریخی بیانات کی نوعیت' بخاری شریف کی حدیث ______ 75
قرآنِ حکیم کی دو آیات کو بکری کھا گئی ______ 76
قرآن کی کئی آیات تو باقی ہیں لیکن اِن کا حکم منسوخ ہے ___ 77
اولوالعزم صحابہ کے پاس قرآنِ حکیم کے مختلف نسخے تھے؟ ___ 77
کتاب المصاحف کے مطابق قرآنِ حکیم میں ______ 138
مقامات میں اختلاف ہے ______ 78
جناب مودودیؒ کے ہاں لفظ ارجلکم کا مفہوم ______ 79
فکرِ قرآنی کے سلسلہ میں کسی سازش کو سازش تصور نہ کرنا بڑی
نقصان دہ چیز ہے ______ 79
قراءت کے متعلق بخاری شریف کی ایک قابلِ غور حدیث __ 80
اس سے بڑا رونے کا مقام اور کونسا ہو سکتا ہے ______ 80
سب سے بڑی سازش یہ تھی کہ کلام اللہ میں شکوک کی بنیاد رکھ
دی جائے ______ 81
قرآنِ حکیم کے جمع کیے گئے نسخے پر اعتراض کے سلسلہ میں
بخاری شریف کی ایک اور روایت ______ 82
بغداد کی گلیوں میں بہنے والا خون ہماری سوچ کا منہ بولتا
ثبوت ہے ______ 82
ایک لاکھ قرآنِ حکیم تو حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں
موجود تھے امام ابن اعظم کا ارشاد ______ 83
ہمارے ہاں قرآنِ حکیم کے متعلق پائی جانے والی متضاد خیالی
کا ذکر ______ 83
روایات کے سلسلہ میں محدثین کا فرمان ______ 84
یقیناً ایک دن آنے والی نسلِ انسانی خالصتاً علمی اور فکری طور
پر قرآنی حقائق تک پہنچ جائے گی ______ 84
علامہ پرویزؒ کے نزدیک کسی لٹریچر کے اچھا ہونے کا معیار نیز
قرآنِ حکیم کی تاریخی حیثیت کا ذکر ______ 85

حقائق کے برعکس قرآنِ حکیم کے متعلق ہمارے ہاں کی بیان کردہ روایات کا معیار ____ 85

قرآنِ حکیم میں جس طرح دو قراءتوں کا تصور غلط ہے اسی طرح قرآن میں نقطوں کے نہ ہونے کا تصور بھی غلط کرتا ہے ____ 87

نقطوں کے علاوہ مودودیؒ کا اعراب کے سلسلہ میں عجیب و غریب منطق ____ 87

کیا خداتعالیٰ کی آخری کتاب میں پائی جانے والی غلطیوں کی تصحیح حجاج بن یوسف نے کی؟ ____ 88

علامہ پرویزؒ کی آخری خواہش جس کو ہم 26 سال سے نظر انداز کررہے ہیں ____ 89

چوتھا باب: **سورۃ المائدۃ** (آیات 6 تا 11)

اختلافِ قراءت قرآنِ حکیم کے غیر محفوظ ہونے کی سازش ہے ____ 90

نماز کے لیے کھڑے ہونے سے پہلے وضو وغیرہ کے سلسلہ میں دی گئی وضاحت ____ 91

تیمم کی شکل میں مسح کی وضاحت ____ 91

لفظ تیمم کا مفہوم نفسیاتی طور پر اپنی توجہ کو ایک مقصد کے لیے مرکوز کرنا ہے ____ 92

قرآنِ حکیم میں نماز کی جزئیات کو بیان کرنے کے مقابلے میں وضو کی اس قدر وضاحت کیوں؟ ____ 93

جسمانی حرکات وسکنات کے باعث ذہنی حالت پر اثر انداز ہونے والی محسوس کیفیات ____ 93

لفظ طہارت کا قرآنی مفہوم ____ 94

قرآنِ حکیم نے تو نماز کے قبول ہونے یا نہ ہونے کے لیے ایک معیار متعین کر رکھا ہے ____ 5

مومنین اور خدا کے مابین باہمی تعلقات کی بنیاد جس معاہدے سے مشروط ہوتی ہے اس کی وضاحت ____ 6

پیدائشی طور پر کوئی شخص نہ کافر ہوتا ہے اور نہ ہی مسلم ____ 7

سب سے پہلی اسلامی مملکت کے سربراہ نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا عملی مظاہرہ ____ 7

نبی اکرم ﷺ کے زیرِ کنٹرول آنے والی پہلی اسلامی مملکت کا فریضہ ____ 8

بیع وشریٰ کے معاملات پر عمل داری کی خاطر نظام حکمت کی تشکیل کی اہمیت اور دنیائے تصوف کی سوچ ____ 8

دین کے برعکس مذہب ہو یا تصوف اس کی ساری سوچ انفرادیت کے گرد گھومتی ہے ____ 9

احکامِ خداوندی کے لیے اطاعت کو کس طرح ممکن بنایا جاسکتا ہے ____ 0

انتظامی لحاظ سے آج دنیا بھر کے معاشرتی ماحول کی حالت اور اس کا شافی حل ____ 0

بغیر کسی جبر کے انسانی نظریات کو ہر آن صراطِ مستقیم کی طرف متوجہ رکھنے کی خاطر ایک جذبہ محرکہ کی نشان دہی ____ 1

جیسا ایمان ویسا اس کا نتیجہ ____ 1

کائنات کا پورے کا پورا نظام عدل کے ترازو میں تلتا ہے ____ 2

امت مسلمہ کی سب سے بڑی ذمہ داری عدل کی تمام شقوں کو ملحوظ خاطر رکھنا ہے

دیتی ہے جو حقیقت کے ہی خلاف ہے ________ 103
ہمارے ہاں کا یہ تصور کہ اسلام شمشیر سے پھیلا تھا قرآنِ
حکیم کے بالکل خلاف ہے ________ 104
ایمان کی اس قدر اہمیت اور اس کی اس قدر ضرورت کیوں؟ _ 105
قانونِ مکافات پر یقینِ محکم ایمان باہر سے کسی Detect
کرنے والے کی ضرورت کو ہی ختم کر دیتا ہے ________ 105
یہ جاننے کے لیے کہ زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے
لفظ مغفرت، بخشش اور اجر کا قرآنی مفہوم جاننا ضروری ہے _ 106
خدا کے وعدے کا عملی مفہوم اپنے اندر اجرِ عظیم لیے ہوئے
ہے اور مومن کی زندگی اس کا ثبوت ہے ________ 106
تکذیبِ دین کرنے والوں کی عملی زندگی کی ایک مثال ____ 107
یہ تکذیب دین کرنے والے کون ہیں نیز روئی دھننے والے
کی ایک مثال ________ 107
تکذیبِ دینے کرنے والوں کا نتیجہ ________ 107
1965ء پاک بھارت کی جنگ میں دشمن کو شکستِ فاش
ایک بہت بڑی نعمت تھی ________ 108
ہم نے مجاہدین کی جانفشانی کو افسانوں کا رنگ دینے میں
کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ________ 109
1947ء میں آزادی کی عظیم نعمت کو برباد کرنے میں ہماری
شب و روز کی مصروفیات باعثِ شرم ہیں ________ 109
جنگِ آزادی میں 10 سال تک علامہ غلام احمد پرویزؒ کی
سعی و کاوش اور پھر پاکستان پہنچنے کی داستانِ غم ________ 110
مسلمانوں کی تباہی مسلمانوں کے ہاتھوں اور وحی کی طرف
سے ملنے والی ہدایت کا ذکر ________ 111
داستانِ بنی اسرائیل جو اپنے اندر سبق آموز حقائق لیے
ہوئے ہے ________ 112
پاکستان کی سلامتی کے سلسلہ میں افواجِ پاکستان کا کردار ____ 112
قائدِ اعظمؒ کے نزدیک مشرق اور مغرب کے بُعد کو یا اختلافات
کو ختم کرنے کا نسخۂ کیمیا ________ 113
انسانیت کے لیے قرآنِ حکیم کی تعلیم کا نقطہ ماسکہ ہی
جمیعًا ہے ________ 114
1947ء کے فوجی جوانوں کی شہادت جنھوں نے اپنا کل
ہمارے آج کے لیے قربان کر دیا ________ 114
خدا کو بار بار آزمانا کوئی اچھے نتائج پیدا نہیں کرتا ________ 114
مملکتِ پاکستان کے لیے علامہ پرویزؒ کی بارگاہِ خداوندی
میں دعا ________ 115

پانچواں باب: **سورۃ المائدۃ** (آیات 12 تا 20)

قرآنِ حکیم کی طرف سے پیش کردہ تاریخی واقعات کا مقصد
قوموں کے عروج و زوال کی وجوہات کو سامنے لانا ہوتا ہے _ 116
قرآنِ حکیم کے مختلف الفاظ کو سمجھنے کا طریق مادے یا
ROOT کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے ________ 118
مملکتوں کے انتظامی امور کے لیے نقیب کے فرائض کی
اہمیت آج پہلے سے کہیں زیادہ ہے ________ 118
دورِ فاروقؓ میں مملکت کے فرائض سے باخبر رہنے کی خاطر
حضرت عمرؓ کا کردار ________ 119
محکمہ انٹیلی جنس کے لیے دو بنیادی ضروریات کا جاننا
ضروری ہے ________ 120
خدا کا کسی کے ساتھ ہونے کا مفہوم نظامِ صلوٰۃ کے ساتھ

مشروط ہے ____ 120
نظامِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کے وسیع معنی کو سمٹانے کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہم تمام آسائشوں سے محروم ہو گئے ہیں ____ 121
ایتائے زکوٰۃ تو پوری انسانیت کو سامانِ نشوونما پہنچانے کا فریضہ تھا ____ 122
رسولوں پر ایمان لانے کے مفہوم کی عملی وضاحت ____ 122
قرآنِ حکیم کی روشنی میں رسول کے قائم کردہ نظام کی نوعیت اور اس رسول پر ایمان لانے والوں کا فریضہ ____ 123
لفظ عَزَّرْتُمُوْهُمْ کے متعلق ہمارے ہاں عمل پیرائی کا طریق ____ 123
قدرت کے اُصولوں کی نافرمانی کا نتیجہ اور لفظ لعنت کا لغوی اور قرآنی مفہوم اور ہمارے ہاں کے تراجم کی حالتِ زار ____ 124
قدرت کی طرف سے نوازشات قوموں کے حسنِ عمل کا نتیجہ ہوتا ہے ____ 125
بدعملیوں کا ثمر بڑا کڑوا ہوتا ہے اور پھر دل پتھر کے ہو جاتے ہیں ____ 125
سنگ دلی کا نتیجہ انسانی صلاحیتوں کو پامال کرنے کے مترادف ہے ____ 126
اُمّتِ مسلمہ کے لیے ملتِ اسلامیہ کے لقب سے سرفراز ہونے کی خاطر قرآنِ حکیم سے راہنمائی حاصل کرنے میں سب سے بڑی تحریف کا ذکر ____ 126
الفاظ کا صحیح مفہوم کر دیا جائے تو پھر انسانی تصورات ہی بدل جاتے ہیں ____ 127
قرآنِ حکیم میں تحریف کا عمل آپ ﷺ کی وفات کے اڑھائی۔تین سو سال بعد شروع ہو چکا تھا ____ 127
قرآنی الفاظ میں تحریف پر پُرزور احتجاج مگر مفہوم کی خیانت میں صدیوں سے خاموشی آخر کیوں؟ ____ 3
آخر نبی اکرم ﷺ نے قرآنِ حکیم کی کوئی تفسیر کیوں محفوظ نہیں کروائی؟ ____ 3
آپ ﷺ کی زندگی کے تین سو سال بعد روایات کے سلسلہ میں اسماء الرجال کا عمل اور تاریخ اور تفسیر کے سلسلہء دراز کا آغاز ____ 1
ختمِ نبوت تو انسان کے بالغ ہونے کا اعلان ہے ____ 1
ذہنوں پر غلط سوچ کی حکمرانی سیاہ بادلوں کی طرح چھا جاتی ہے ____ 1
قرآنِ حکیم کی تعلیم کو دوسروں کے سامنے پیش کرنے کا طریق ____ 1
فرقوں کو جڑ و بنیاد سے ختم کرنے کا ایک نہایت آسان طریق ____ 2
عیسائیت کا تمام کا تمام مذہب انفرادی ہے اور یہودیت کا نسلی جبکہ قرآن ایک نظام پیش کرتا ہے ____ 2
قرآنِ حکیم نے فرقہ بندی کو ایک صنعت قرار دیا ہے کہ جس میں اصل حقائق کو سامنے آنے ہی نہیں دیا جاتا ____ 3
کتاب اللہ کی بیان کردہ خصوصیات کے برعکس ہمارے ہاں کے تصورات ____ 3
لفظ سبل کا لغوی اور قرآنی مفہوم جن کے ذریعے نوعِ انسانی منزلِ مقصود پر پہنچ سکتی ہے ____ 4
عیسائیوں کے علاوہ خود مسلمانوں کے ہاں ذاتِ خداوندی کے متعلق پائے جانے والے غلو آمیز تصورات کا ذکر 5

CamScanner

خدا کا وہ تصوّر جو قرآنِ حکیم نے خود پیش کیا ہے انسان کو آخر کار اُس کو ہی اپنانا پڑے گا ______ 135
ایک آنے والے کے عقیدے نے مسلم قوم کو نفسیاتی، عملی اور جذباتی طور پر مفلوج کر رکھا ہے ______ 136
خدا کی ذات انسانی اعمال کو وحی کے ترازو کے مطابق ہی مرتب کرتی ہے ______ 137
بخاری شریف کے مطابق روزِ محشر نبی اکرم ﷺ کا خدا کی بارگاہ میں التجا کا ایک منظر ______ 138
صرف کسی رسول کی اُمت میں نام لکھوانا ہی کافی نہیں ہوگا ______ 138
انسانی زندگی کی زبوں حالی جہانِ فردا کی ترجمان ہی ہوتی ہے ______ 139
جب دین مذہب میں بدلتا ہے تو پھر وحی کی منزہ اور مشہود تعلیم کے اثرات بتدریج ماند پڑتے جاتے ہیں ______ 140
ختمِ نبوت کے بعد رسل ورسائل کی کیفیت اور اس کے اثرات ______ 141
کسی نعمت کا ملنا یا اس کا چھن جانا ایک اصول کے تحت ہوتا ہے ______ 142

چھٹا باب: **سورة المآئدة** (آیات 20 تا 26)

نعمائے خداوندی کو نظر انداز کرنے کے نتیجہ کی وضاحت ______ 143
داستانِ بنی اسرائیل کو بار بار سامنے لانے کا مقصد قرآنی اقدار کی اہمیت کو باور کرانا ہے ______ 144
قوت کے ساتھ ساتھ صحیح راہنمائی کا مل جانا بہت بڑی بات ہے ______ 145
دین کے بغیر قوت چنگیزیت اور ہلاکویت بن کر رہ جاتی ہے ______ 145
تحریکِ پاکستان کی کہانی بنی اسرائیل کے حالات کی زبانی ______ 146
قرآنِ حکیم زمین پر سرفرازی حاصل کرنے کے لیے کچھ حدود و قیود بھی متعین کرتا ہے ______ 146
ہمارے ہاں کی لکھی گئی تفاسیر کے متعلق علامہ غلام احمد پرویزؒ کے تاثرات ______ 147
اسماء الحسنٰی کے پیشِ نظر خدا تعالیٰ کی صفتِ جبار اور جبر کا قرآنی مفہوم ______ 148
خیر و شر کے سلسلہ میں جبر کی قوت کا استعمال ______ 149
فکرِ قرآنی کی روشنی میں لفظ خوف کا مفہوم ______ 150
لفظ توکل کا مفہوم کسی عمل کے ظہورِ نتائج پر یقینِ محکم کا ہونا ہے 151
ایک مردِ مومن کے توکل کی عملی شکل وصورت ______ 152
غلامی کے ماحول میں زندگی گزارنے والی قوم محکومیت کی لذت کی ہی خوگر ہو کر رہ جاتی ہے ______ 152
آزادی جیسی عظیم نعمت کو خوئے غلامی کی نذر کرنے والی قوم کا نتیجہ ______ 153
قرآنی نظامِ حیات میں پوری کی پوری ملت ایک جسدِ واحد کی مانند ہوتی ہے ______ 154
نظامِ ربوبیت کے بالمقابل نظامِ بادشاہت کے خدوخال ______ 154
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ۔ حدیبیہ کا روح پرور منظر رفاقت کے آئینہ میں ______ 155
خدا کی شفقت ہو یا مقامِ نبوت کی ہمدردی کا اظہار تو بڑی بلند ترین سطح پر ہوتا ہے ______ 158
قرآنِ حکیم کے ہاں سزا کے تصوّر کا مفہوم ______ 159
قومِ موسیٰ کو صحرائے سینا کی وادیوں میں چالیس سال تک

رکھنے کا مقصد ایک پروگرام کی تکمیل تھی ____ 160
مملکتِ پاکستان کو ہر قسم کی سازشوں سے محفوظ رکھنے کا مقصد اور ہمارے مجرمانہ تغافل کی ایک جھلک ____ 160
ہندو کی طرف سے مملکتِ پاکستان کی سرزمین کو ہتھیا لینے کی سعیِ لاحاصل اور خدا کا فضل وکرم ____ 161
شوکتِ سلیمانی اور سطوتِ داؤدی کی معراج کی بنیادی وجہ 40 سال تک نوجوان نسل کی تعلیم وتربیت میں پنہاں ہے ____ 162
ملکی تحفظ کے سلسلہ میں فوج اور قوم کے باہمی ربط کی مثال ایک انڈے کی سی ہے ____ 162

ساتواں باب: **سورۃ المآئدة** (آیات 27 تا 36)

ہابیل اور قابیل کے قصے کی اصل حقیقت ____ 164
قرآنِ حکیم کی تعلیم کا بنیادی مقصد انسانوں کے باہمی تعلقات کو سنوارنا اور اس کی اہمیت کو استوار کرنا ہے ____ 165
حسد ایک ایسی خطرناک بیماری ہے جو انفرادی بھی ہوتی ہے اور اجتماعی بھی ____ 165
قرآنِ حکیم میں ہابیل اور قابیل کا قصہ تمثیلی بیان کرنے کا مقصد اور آدم کی پیدائش کی وضاحت ____ 166
اپنی ناکامی کا علاج دوسرے کو حسد کی بنا پر قتل کرنا نہیں بلکہ اپنی کمی کو پورا کرنا ہے ____ 167
مقابلے میں دوسروں کو قتل کرنے کی بجائے اپنی مدافعت کی کوشش کرنا کہیں بہتر ہے ____ 168
روایت کی زبانی نسلِ انسانی کے ارتقاء کا معاملہ ____ 169
سگے بہن بھائی کی شادی کا ماجرا اور بھائی کے ہاتھوں قتل کی وجۂ جواز ____ 169

روایات کی شکل میں افسانہ تراشی کی کیفیت۔ آدم کی بیٹیوں کے لیے قیامت تک ناکردہ گناہوں کی سزا اور پھر کوّے کا ذکر ____
اس تمثیلی قصہ کو بیان کرنے کا اصل مقصد حسد کے نقصان رساں نتائج سے آگاہ کرنا ہے ____
قرآنِ حکیم کے نزدیک ایک انسانی جان کی قیمت اور اس کی وضاحت ____
قرآنِ حکیم کے ہاں لفظ فساد کی نوعیت اور اس کی تشریح ____
قرآنِ حکیم میں خدا اور رسول کی اصطلاح کا مفہوم خلافت علیٰ منہاجِ رسالت کے معنوں میں لیا جاتا ہے ____
قرآنی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے والے کی سزا کی نوعیت ____
معاشرے کی طرف سے ملنے والی سزا اور خود اپنی ذات کے خلاف جرم کی سزا میں فرق کی نوعیت ____ 5
ذاتِ انسانی میں پیدا ہونے والے مضمحل اثرات کو معدوم کرنے کا ایک سنہری اصول ____ 5
نیٹشے کے قول کے مطابق بداعمالی کی وجہ سے انسانی ذات پر پڑنے والے اثرات کی نوعیت ____ 6
توبہ کی قبولیت کا معاملہ ____ 6
ہر منزل کے آگے ایک دوسری منزل۔ زندگی تو جوئے رواں است و رواں خواہد بود ____ 7
سکونِ قلب سے تو زندگی کے خفیہ جوہروں کو بیدار کرنا مقصود ہے ____ 7
تقویٰ کے قرآنی مفہوم ہی کے تحت انسانی ذات میں حدِ بشریت کے اندر خدا کی صفات کی نمود ہوتی ہے ____ 8

انسانی ذات میں ارتقاء کا ہی دوسرا نام درجات کی بلندی
کریکٹر یا خدا کا قرب کہلاتا ہے ____ 178
قرآنِ حکیم میں نبی اکرم ﷺ کی شخصیت کا تعارف اور
آپؐ کے مقام کا تعین ____ 179
قرآنی نظام کی بنیاد انفرادیت کی بجائے اجتماعیت کے محکم
اور غیر متبدل اصولوں پر اُستوار ہوتی ہے ____ 180
تصوّف کی تو ابتدا ہی وسیلے کے تصوّر اور تشبیہات کی
رہینِ منت ہے ____ 180
تصوّف کی کہانی علامہ پرویزؒ کی اپنی زبانی ۔ جنت کے سمگلر ____ 182
عربی میں لفظ وسیلے کا بنیادی مفہوم اور اس سلسلہ میں
ہونے والی سازش کی وضاحت ____ 182
لفظ وسیلہ کے غلط مفہوم کی بنیاد پر روحانیت کی ایک الگ
سلطنت کا وجود ____ 183
خدا کے مقرب ہونے کے لیے ذاتِ انسانی کی صلاحیتوں
کی نشوونما پانا اشد ضروری ہے ____ 184
لفظ مرشد کا قرآنی یا لغوی مفہوم ____ 184
4 من عرقِ گلاب سے مزار کا غسل اور قرآنِ کریم کا ارشاد ____ 185

آٹھواں باب: **سورۃ المآئدۃ** (آیات 37 تا 44)

قرآنِ حکیم میں چار مختلف جرائم کی سزا کا تعین' اس کی نوعیت
اور سزا کا قرآنی تصوّر ____ 187
زنا کی سزا سنگسار کرنا قرآنِ حکیم میں نہیں ہے ____ 188
سزا کے سلسلہ میں طبقات کی ذہنی کیفیت کو ملحوظِ خاطر رکھنا
ازبس ضروری ہے ____ 189
قرآنی اصطلاحات کا وہ مفہوم جو قرآنِ حکیم نے از خود متعین
کر رکھا ہے اسے سامنے لانا ازبس ضروری ہے ____ 190
چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹ دینے کا قرآنی مفہوم اور اس
کے سدِّ باب کا طریق ____ 191
لفظ سرقہ کا لغوی اور قرآنی مفہوم ____ 192
اضطراری حالت میں حرام چیز کا حلال پا جانا ____ 193
خدا تعالیٰ کی صفاتِ عزیز اور حکیم کو ایک ہی مقام پر پیش
کرنے کا مقصد ____ 194
سزا کے سلسلہ میں قرآنی تعلیم و تربیت کا فلسفہ ____ 195
خدا تعالیٰ کی ذات تو ہوسِ اقتدار کے تصوّر سے ہی ماوراء ہے ____ 196
قرآنِ حکیم کے مروجہ تراجم کی رُو سے ہمارے ہاں پائے
جانے والے متضاد تصوّرات ہماری تباہی کا باعث ہیں ____ 196
'قرآنِ حکیم نے اپنے ہاں قانون کے لفظ کی بجائے قدر کا
لفظ استعمال کیا ہے ____ 197
آخر ہم قرآنی الفاظ کا مفہوم قرآنِ حکیم سے کیوں متعین
نہیں کرتے؟ ____ 198
قرآنی اقدار پر ایمان لانے کی ایک محسوس' واضح اور
بلیغ مثال ____ 199
لفظ کذب کا لغوی اور قرآنی مفہوم ____ 201
خدا کے ہاں ابلیس کا کھلا چیلنج چار قسم کی مختلف خطرناک
ترجیحات ____ 201
انڈیا میں بیٹھی آکاش وانی کی حالتِ زار ____ 202
1965 میں بی بی سی کا کردار ____ 203
قانونِ مکافاتِ عمل کی گرفت اور اس کی کیفیت ____ 203
تمام انسانی نفسیاتی خباثتوں کا علاج تطہیرِ نفس کے سوا کچھ

CamScanner

اور نہیں ___ 204

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے متعلق کذب کی شکل وصورت ___ 204

اسلامی عدالت سے فیصلوں کی نوعیت اور تورات پر ایمان لانے والوں کا کردار ___ 205

عدالتوں سے فیصلہ حاصل کرنے کے سلسلہ میں ہماری اپنی حالت ___ 206

کوئی نبی بھی کتاب کے بغیر نہیں تھا ___ 207

تورات دراصل کئی صحیفوں کا مجموعہ ہے ___ 208

جو لوگ کتاب اللہ کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں (5:44) ___ 209

تحریکِ پاکستان کی بنیاد صرف ایک قرآنی حکومت کا قیام تھا ___ 209

نواں باب: **سورۃ المآئدۃ** (آیات 45 تا 50)

قرآنی آیات کی روشنی میں مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کی وضاحت ___ 211

حضرت موسیٰؑ کے دَور میں شرعی سزاؤں کی کیفیت ___ 212

نظامِ خداوندی کی بنیادی خصوصیت اور اس کی حدِ فاصل ___ 212

حقائق کے پیشِ نظر قانونی اعتبار سے انجیل کی صورتِ حال ___ 213

مذہب کی بنیاد ہمیشہ سیکولر تصور پر استوار ہوتی ہے ___ 214

وحی کی طرف سے ملنے والی تعلیم کی خصوصیت اور آسمانی کتابوں کی وضاحت ___ 215

قرآنِ حکیم کی بلند ظرفی کا تذکرہ ___ 216

ہر نبی کی زندگی کا مقصد ہیئتِ اجتماعیہ کی برومندی ہی ہوتا تھا ___ 217

تین اصطلاحات یعنی فاسق، ظالم اور کافر کہلوانے والوں کی وضاحت ___ 218

مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ کے راستے پر گامزن ہونے میں سب سے بڑی رکاوٹ انسان کے اپنے سرکش جذبات ہوتے ہیں ___ 219

قرآنِ حکیم شخصیت پرستی کی بجائے احترامِ آدمیت کا سبق دیتا ہے ___ 220

قرآنِ حکیم ہر انسان کو شخصیت پرستی کی بجائے احترام اور باہمی مساوات کا درس دیتا ہے ___ 221

ما انزل اللہ کی دو قسموں کا عقیدہ اور اس کی حقیقت ___ 222

علامہ غلام احمد پرویزؒ کی شخصیت خود اپنے آئینہ میں ___ 222

انسان کو اپنے ابلیس سے خود ہی نجات حاصل کرنا ہوگی ___ 223

ما انزل اللہ کے متعلق یہودیوں کا عقیدہ اور اس کی نوعیت ___ 224

روایات کے علاوہ خود انجیل کی تاریخی حیثیت ___ 225

ما انزل اللہ کے متعلق امام بخاریؒ کے فرمان کے علاوہ امام مسلمؒ امام ترمذیؒ امام ابوداؤد اور امام نسائی کا بیان ___ 225

قرآنی احکام کی نوعیت کے سلسلہ میں پانچ سو آیات کی منسوخی کے تصور کا جائزہ ___ 226

قرآنِ حکیم کے مقابلے میں فقہ کے احکام کی اہمیت ___ 226

دنیائے تصوّف کے نزدیک ما انزل اللہ کی نوعیت اور حکمِ خداوندی ___ 227

علامہ پرویزؒ کی قرآنِ حکیم پر ایمان کی نوعیت اور اس کا ثمر ___ 228

کسی بات کو بھی تنقید سے بالاتر قرار دینا وہ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ (3:64) متصور ہوگا ___ 229

اسوۂ حسنہ کی روشنی میں مومن کی پہچان ___ 229

خود ساختہ شریعت اور منہاج بنانے کا نتیجہ نیز لفظ ''جَعَلْنَا'' کے سلسلہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر ___ 230

انسان کو مختلف صلاحیتوں سے مالامال کرنے کا مقصد ___ 231

CamScanner

لفظ خیرات کا لغوی مفہوم ___ 232
منزل کے حصول کی خاطر عقلِ انسانی کے لیے تجربات کا
ایک دوسرے طریقِ کار کا ذکر ___ 233
ما انزل اللہ کے سلسلہ میں ایک اور اہم گوشے کی وضاحت اور
اس کا نتیجہ ___ 234
ذلت وخوار قوم کی زندگی کا ایک ایک سانس تو پھر دوسری قوم
کا رہینِ منت ہوتا ہے ___ 235

دسواں باب: سورة المآئدة (آیات 51 تا 56)

زندگی کا ایک ایک لمحہ اور کائنات کا ذرہ ذرہ قرآنی حقائق کو
الحق ثابت کرنے میں مصروفِ کار ہے ___ 236
قرآنِ حکیم کے نزدیک دو قومی نظریہ کی اہمیت کے خدوخال ___ 237
زندگی کے اہم معاملات میں کوئی غیر مسلم مسلمانوں کا خیر
خواہ نہیں ہوسکتا ___ 238
جماعتِ مومنین کے علاوہ دوسروں کی سرپرستی یا دوست داری
قبول کرنا جرم متصور رہوگا ___ 239
غیر مسلمانوں کی ذہنی پراگندگی اور منافقت کے لیے تحریکِ
پاکستان کی روئیداد ہم سب کے لیے ایک زندہ ثبوت ہے ___ 239
منافق لوگوں کی ذہنی اور قلبی کیفیت اور لفظ عبرت کا مفہوم ___ 240
ایک نظریاتی مملکت کی بنیادی خصوصیت اور اس کو ماننے
والوں کا کردار ___ 241
ایک اسلامی ریاست کے ساتھ منافقت کا عمل بغاوت متصور
ہوگا جس کی سزا جہنم ہے ___ 242
قرآنِ حکیم میں منافقت کے عمل کی تصویر کشی اور اس کا نتیجہ ___ 243
لفظ مرتد کا لغوی اور قرآنی مفہوم کے علاوہ ہمارے ہاں پائی
جانے والی غلط سوچ ___ 245
حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں زکوٰۃ یعنی Taxes
سسٹم کی وصولی کا معاملہ ___ 245
خداتعالیٰ کی طرف سے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (2:256)
کے سلسلہ میں ملنے والی آزادی کے استعمال کی وضاحت ___ 246
قرآنِ حکیم کے ہاں جزا اور سزا کے تصوّر کی وضاحت ___ 247
آج 1971ء میں مملکتِ پاکستان میں پیدا ہونے والے
حالات کا تجزیہ ___ 248
خدا سے محبت کا ثبوت اس کی طرف سے عطا کردہ راہنمائی کو
عملی طور پر تسلیم کرنے میں ہے ___ 248
معاشرتی طور پر ہماری اجتماعی زندگی حق گوئی و بیباکی کی نعمت
سے محروم ہوچکی ہے ___ 250
ہر تھکی ہاری قوم کی تباہی کی اوّلین بنیادی وجہ کلمۂ حق کی آواز کو
بلند نہ کرنے کا جرم ہے ___ 250
بُرائی کو نہ روکنے والی قوم کی تباہی کا سیلاب چند ایک افراد تک
ہی محدود نہیں رہتا ___ 251
کسی ایک قوم کی جگہ دوسری قوم کا آجانا بھی قرآنِ حکیم کے
غیر متبدل اُصولوں کا رہینِ منت ہوتا ہے ___ 252
الدین کی طرف سے پیش کردہ تصورِ حیات کسی خاص قوم کی
برومندی کے لیے عطا نہیں ہوئے ___ 253
وحی کی طرف سے ملنے والی راہنمائی انسانیت کے بوجھ کو ہلکا
کردیتی ہے ___ 253
عقلِ انسانی کا طریق اپنے اندر تدریجی انداز اختیار کیے
ہوتا ہے ___ 254

CamScanner

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے نزدیک علامہ اقبالؒ کی فارسی
کتاب "جاوید نامہ" کی اہمیت ______ 254
اُمتِ مسلمہ کی زبوں حالی پر علامہ اقبالؒ کی جگر خراش کیفیت _ 256
جماعتِ مومنین کے لیے باہمی دوستی کا سرپرستی کا اور پاسباں
بنانے کا معیار نیز لفظ صلوٰۃ کا بنیادی اور عملی مفہوم ______ 258
حزب اللہ اور حزب الشیطان کے اپنے اپنے کردار کی وضاحت 259
مغربی جمہوریت کے تحت خود مسلمانوں کے مابین اپوزیشن
کی شکل میں حزبِ مخالف کا غیر قرآنی فرعونی تصوّر ______ 259
حکمرانی کے لیے فرعون کی میکیاولی سیاست کی چابک دستی کا
ذکر اور مذہبی پیشوائیت کی سوچ کی عملی شکل ______ 260

گیارھواں باب: سورۃ المآئدۃ (آیات 57 تا 64)

قرآنِ حکیم کے نزدیک غیر مسلموں سے تعلقات قائم کرنے کا
معیار، مرتد کی تعریف اور اس کی سزا ______ 262
جہاں کہیں بھی دینِ خداوندی کا یا کسی دوسرے کے مذہب کا
استہزا ہو رہا ہو، وہاں سے کنارہ کش ہو جاؤ ______ 264
انسانی زندگی کے دو مختلف تصورات کی وضاحت ______ 264
انسانی زندگی کے لیے وحی کی راہنمائی خیر و شر کی غیر متبدل
حدود کا مفہوم متعین کرتی ہے ______ 265
دنیا بھر میں قرآنِ حکیم کے علاوہ موت و حیات کے متعلق حقیقی
تصورات کہیں موجود نہیں ______ 266
مذہب کی دنیا میں تو ہر جگہ خیرات کا الگ الگ خود ساختہ تصوّر
پایا جاتا ہے ______ 268
جب دینی اقدار کو ہی تمسخر سمجھ لیا جائے تو پھر نورِ بصیرت
کا سوال کیا؟ ______ 269
قرآنی اقدار سے علیحدہ ہو جانے والوں کو بھی آخری دم تک
تلقین کرنے کی ہدایت ______ 270
عالم گیر سطح پر حج کے اجتماع کے علاوہ صلوٰۃ کے اجتماعات
کا بنیادی مقصد ______ 271
عقلِ انسانی کا اپنا معیار ہے اس کا ایک اپنا میدان ہے _ 272
فرعون کی سیاست کے مقابلے میں آج کی میکیاولی سیاست
کی چابک دستی ______ 273
فرعون کے دربار میں اس کے اپنے ہی پروہتوں کی طرف
سے صداقت کی آواز ______ 273
فرعون کی سیاست استبداد پر مبنی تو ضرور تھی لیکن وہاں کمینگی نہ تھی 274
استبداد اور پھر اس کے ساتھ کمینگی کا عمل قوموں کے لیے
پیغامِ موت ہے، ذلت ہے ______ 275
کمینے کی غلامی تو بڑی ہی عبرت ناک ہوتی ہے ______ 276
غلامی کے سلسلہ میں مشرقی بنگال کا دل خراش واقعہ اور اس
کا سبب ______ 277
منافقت کا دوسرا نام ہی کمینگی ہوتا ہے جس کو اپنانے سے نہ
انسان خالص کافر ہوتا ہے نہ مومن ______ 278
قانونِ مکافاتِ عمل کی وضاحت نیز اثم اور عدوان کا بصیرت
افروز مفہوم ______ 278
معاشرے کو غلط نظام کے تباہ کن نتائج سے ہم کنار کرنے
والے گروہ کی نشان دہی ______ 280
اثم اور عدوان سے پیدا ہونے والے خطرناک نتائج اور ایک
مومن کی عملی زندگی کے خدوخال ______ 281
قرآنِ حکیم کی طرف سے قدم قدم پر ہر آن انفاق کی تاکید اور

CamScanner

خدا کی طرف سے ملنے والے تصور کی وضاحت ____ 282

دعا کی قبولیت کا طریق ____ 283

نگاہ کی تبدیلی انسانی تصورات کی تبدیلی کا نام ہے ____ 284

بارھواں باب: سورۃ المآئدۃ (آیات 65 تا 69) ____ 286

کوئی فرد ہو یا کوئی قوم قوانینِ خداوندی کی خوشگواریوں کے ثمرات تو ہر کسی کے لیے برابر ہیں ____ 286

سما اور ارض کی برکات کے قرآنی مفہوم کی روشنی میں انسانی اور حیوانی زندگی کے بنیادی فرق کی وضاحت ____ 287

انسانی زندگی کا مسئلہ صرف روٹی تک یا طبعی زندگی تک محدود نہیں ____ 288

تصوف کی انتہا رہبانیت کا تصور ہے ____ 289

دین کا ماحصل ارض وسما کی نعمتوں سے استفادہ کرنا ہے ____ 289

قرآنی معاشرے کے بغیر انسانی زندگی کی عمارت ایسے ہی ہے جیسے چھت کے بغیر ستونوں کا وجود ____ 290

وحی کے بغیر بڑی سے بڑی قوم بھی اپنے ہاں خود کو مختلف احتیاج سے محسوس نہیں کر سکتی ____ 290

قرآنِ حکیم کی روشنی میں معاشرتی زندگی کی مختلف الجھنوں کا ذکر ____ 291

قرآنِ حکیم کی بیان کردہ غیر متبدل اقدار کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ____ 291

رزق کی فراوانی کے ساتھ اقدارِ سماوی انسانی زندگی کا لازمی جزو ہے ____ 292

کرۂ ارض پر ہلاک ہونے والی قوموں کے کھنڈرات کی خاموشی کئی ایک رموز اپنے اندر لیے ہوئے ہے ____ 293

اسلامی سوشلزم جیسا متضاد کیفیات کا تصور کبھی ثمر بار نہیں ہو سکتا 293

اسلام تو زندگی کے تمام اہم مسائل کو سماوی اقدار کے تابع رکھنے کا نام ہے ____ 294

دنیا بھر میں پانچ مرتبہ با آوازِ بلند اللہ اکبر پکارنے کی حقیقی وجہ اور اس کے عظیم مقصد کی نوعیت ____ 295

برکاتِ سماوی اور برکاتِ ارضی نظامِ حیات کی بنیادی اصطلاحات ہیں ____ 295

قرآنِ حکیم کی طرف سے پیش کردہ اصطلاحات کو خود ساختہ معنی پہنا دینے کا نتیجہ ____ 296

لفظ اعتدال کی اصطلاح کا مفہوم استعمال کے آئینہ میں ____ 296

معاشرتی طور پر ملتِ اسلامیہ کے اجتماعی نظامِ حیات کا ایک اہم پہلو اور پھر ہماری حالتِ زار ____ 297

انسانی زندگی میں دین کی اہمیت کے برعکس خود ساختہ مذہبی تصورات کی نشان دہی اور نبی اکرم ﷺ کی حساس قلبی ____ 298

قرآنِ حکیم کے نزدیک معاشرتی زندگی اور مقامِ انسانیت کی اہمیت ____ 299

مقامِ نبوت کی عظمت اور قدم قدم پر ذمہ داری کے احساس کی وضاحت ____ 299

مقامِ نبوت اور مقامِ وحی کی وضاحت کے خلاف باطنی علم کی ایک سازش اور اس کی نوعیت ____ 300

علمی دنیا میں باطنی علم کی کیفیت کا نتیجہ ____ 300

قرآنِ حکیم کی طرف سے پیش کردہ تعلیم کا تو ہر ہر پہلو بڑا واضح بڑا روشن اور دلیل و براہین پر مبنی ہے ____ 301

باطنی علم کا تصور سراسر غیر قرآنی تصور ہے نیز آیت (5:67)

کا حقیقی مفہوم خدائی مشن کی حفاظت ہے ______ 301
کائنات کے اندر انسان کے لیے سب سے بڑی نعمت اس
کی آزادیِ رائے ہے ______ 303
مذہبی پیشوائیت کی خود ساختہ شریعت کبھی ثمر بار نہیں ہوگی ______ 304
تمام آسمانی کتابوں کی تاریخی حیثیت کے لیے دیکھیے
کتاب ''آسمانی کتابیں'' از پرویزؒ ______ 304
نسلی اور قومی مذہب کا انجام نسل در نسل کے لیے عذابِ
عظیم ہے ______ 305
مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر پر علامہ پرویزؒ کا تبصرہ ______ 305
حق پر مبنی خدا پہ ایمان صرف اور صرف وہ ایمان ہے کہ جس
کی تصدیق قرآنِ حکیم کرے ______ 306
ابنِ عربی کے ہاں خدا کا وہ تصوّر جس کی ساری بنیاد
وحدتِ وجود پر استوار ہوتی ہے ______ 306
مختلف مذاہب کے ذہنوں میں پرورش پانے والا خدا کا وہ
تصوّر جو قدم قدم پر ایک نیا انداز لیے ہوئے ہے ______ 307
باطل تصوّرات کے برعکس قرآنِ حکیم کی حقیقی تعلیم اور اس
کی پکار ______ 307
خدا کو پانے سے پہلے آدمی کو انسان کے درجے تک پہنچنا
ہوگا اور ہم مسلمانوں کو ازسرِ نو ایمان لانا ہوگا ______ 308
مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہونے والا ہر بچہ قومی مسلمان ہوتا
ہے، قرآنی مسلمان نہیں ______ 310
اللہ اور آخرت پر ایمان یہ دو بنیادی شقیں ہیں ______ 310
تیرھواں باب: **سورۃ المآئدة** (آیات 70 تا 86)
سابقہ درس کا ملخص یعنی مذہب کی تنگ دامنی اور دین کی
عالمگیریت کی بنیاد اور اس کا نتیجہ ______ 313
پیدائشی لحاظ سے کوئی انسان بھی نہ کافر ہوتا ہے نہ مسلم اور نہ
ہی مومن ______ 314
ملی اعتبار سے مسلمان کہلوانے والے کو بھی عقل و بصیرت کی
روشنی میں قرآنِ حکیم کے مطابق ایمان لانا ہوتا ہے ______ 315
ایک تمثیل کے ذریعے دین اور مذہب کے مابین فرق کی
وضاحت ______ 315
تصوّف کی انتہا انسانی ذات کی نفی پر ہی ختم ہوتی ہے ______ 315
اسلامی جمہوریت کا حقیقی مفہوم جو حزبِ مخالف کی بجائے
باہمی مشاورت کی بنیاد کا تصوّر پیش کرتا ہے ______ 316
یہ تو غنیمت ہے کہ ہمارے ہاں فوج مغربی جمہوریت کے
تصوّر سے پاک ہے ______ 316
ایک جماعت کا تصوّر اور اس کا نصب العین ہمیشہ یک نگہی
کا متقاضی ہوتا ہے ______ 317
انسانیت کو جماعتی زندگی کا تصوّر ہمیشہ خوف و حزن سے مکمل
طور پر محفوظ رکھنے کی ضمانت دیتا ہے ______ 318
راہِ حق کو دلی طور پر تسلیم کرنے کے برعکس اپنے اپنے جذبات
کو معبود بنا لینے کا نتیجہ ______ 318
انسانی ذات کی پختگی صرف ارادے کی عزیمت میں پنہاں ہے 320
عیسائیت یہودیوں کی ہی ایجاد ہے ______ 320
مسیح ابنِ مریم ہی اللہ ہے کے عقیدے کے علاوہ ہندوؤں کے
ہاں اوتار کا عقیدہ اور پھر ہمارے ہاں کے تصوّف کی حقیقت ______ 321
قرآنِ حکیم تو شخصیت پرستی کی بجائے ہمیشہ اصول پرستی کی
تعلیم دیتا ہے ______ 321

CamScanner

فرقہ بندی کی بناء پر خود فریبی کا نتیجہ اور جنت کے حصول
کی کوشش ___ 322
ذاتِ خداوندی کے بارے مختلف تصورات کی نوعیت ___ 323
خدا کو عملاً ماننے کا صحیح طریق صرف توحید پر مبنی ہے ___ 324
عیسائیت کے تاریخی نشیب وفراز کی کیفیت ___ 324
ملتِ اسلامیہ کے بحرِ ذخار کی حالتِ زار کی وجہ جواز اور اس
کا شافی علاج ___ 325
حضرت مسیحؑ کے متعلق قرآنِ حکیم کا فرمان ___ 325
قرآنِ حکیم میں حضرت مریم کے پاک دامن ہونے کی
شہادت ___ 326
حضرت مریم میں کیا کوئی الوہیت کی بات تھی؟ قرآنِ حکیم
کا جواب نفی میں ہے ___ 326
قرآنِ حکیم کی واضح تعلیم کے باوجود انسان کے نفسیاتی
الجھاؤ کی کیفیت ___ 327
احکام خداوندی کو توڑنے کا اختیار تو کسی کو حاصل نہیں ___ 328
غلو آمیز عقیدت تو انسان کو انسان کے مقام سے ہی گرا
دیتی ہے ___ 329
وحی کی روشنی کے بغیر انسان کی جذباتی کیفیت گمراہی تک
جا پہنچتی ہے ___ 329
عربی زبان میں لعنت دراصل زندگی کی خوشگواریوں سے
محروم ہونا ہے ___ 330
قوموں کی تباہی کی سب سے بڑی وجہ امر بالمعروف اور
نہی عن المنکر کے عمل سے رُوگردانی ہے ___ 331
قرآنی معاشرے کی مثال تو ایک زنجیر کی سی ہوتی ہے ___ 331
قرآنِ حکیم کا ارشاد کہ اپنوں کے علاوہ کسی کو راز دان نہ بناؤ ___ 332
قرآنِ حکیم کے نزدیک لفظ فاسق کے مفہوم کی وضاحت ___ 333
نزولِ قرآن کے وقت مخاطبینِ قوم کا احوال ___ 334
اسرائیلی حکومت کے قیام پر ہماری کم مائیگی اور مذہبی فتویٰ
سازی کی نوعیت ___ 334
عیسائیت اور یہودیت کی سوچ میں ایک فرق کی نشان دہی ___ 335
قرآنِ حکیم تمام عالمِ انسانیت کے لیے حسن کارانہ انداز کا
سبق دیتا ہے ___ 336

چودھواں باب: **سورۃ المآئدۃ** (آیات 87 تا 90)

قرآنِ حکیم کے نزدیک حلال وحرام کے پیش کردہ تصور میں
تصوف کا کردار ___ 338
قرآنِ حکیم کے نزدیک حلال وحرام، جائز و ناجائز جیسے اہم
مسئلہ کی اہمیت اور اس کی وضاحت ___ 338
دین کے خلاف ہونے والی بنیادی سازش کا تفصیلی ذکر ___ 339
قرآنی تعلیم کے خلاف حیاتِ انسانی کے لیے زیب وزینت
کو قابلِ نفرت قرار دینے کی سازش ___ 340
دنیا سے اجتناب کرنے والے صاحبِ روحانیت اور
استبدادی قوتوں کا ذکر ___ 340
ہمارے ہاں کی اس سازش یعنی Dualism نے ہماری
نفسیات کو بدل کر رکھ دیا ___ 341
مغز دین کے اس عملِ پیہم سازش کا وہ نتیجہ جو بڑا ہی اثر انگیز
ثابت ہوا ___ 342
تصوف کی بنیاد اور اس کے ابتداء کے خدوخال ___ 343
کلمہ (آئیڈیالوجی) کی حقیقت جاننے کے سلسلہ میں

CS CamScanner

حضرت عمرؓ کے دور میں ایک عیسائی کا سوال و جواب ____ 343

ممتاز صوفی ابنِ ایاز کا ایک اہم قول ____ 343

اسباب زوالِ امت اور پرویزؒ صاحب کی اپنی زندگی کے لمحات ____ 344

محکمہ اوقاف کے زیرِ کنٹرول وقف جائیدادوں کا مصرف ____ 344

بابا فرید گنج شکرؒ اور 12 سال تک لکڑی کی روٹی پر گزر اوقات کا قصہ ____ 345

رسولِ اکرم ﷺ کے بعد کسی کو وحی کے ملنے کا دعویٰ ختمِ نبوت کی مہر کو توڑنے کے مترادف ہے ____ 345

مسلمانوں کی تاریخ میں تصوّف کا کردار اور محی الدین شیخ اکبرؒ کا تذکرہ اور مولانا غلام رسول کا کچھ ذکر ____ 345

قرآنِ حکیم نے صرف چار چیزوں کو حرام قرار دیا تھا جبکہ ہمارے ہاں اس میں فہرستوں کی فہرستیں تیار ہیں ____ 347

خدا کی طرف سے ملنے والی نعمتوں کو حرام قرار دے کر ان سے اجتناب کرنے کا نام متقی اور پرہیزگار رکھ دیا ____ 347

جنت کے لوازمات کی تفصیل اور ایک طرف اربابِ روحانیت اور شریعت کے فتویٰ ____ 348

حرام و حلال کے سلسلہ میں قرآنِ حکیم کا چیلنج ____ 348

حلال چیزوں کو حرام قرار دینا دراصل استبدادی نظام کی آبیاری کرنا اور خانقاہیت کو پروان چڑھانا ہے ____ 349

حرام چیزوں کو کھانا اور حلال چیزوں کو حرام قرار دینا دونوں حدود شکنی ہیں ____ 349

حلال و حرام کے سلسلہ میں نبی اکرم ﷺ کی زندگی سے متعلقہ واقعہ ____ 350

شعوری یا غیر شعوری طور پر مسلمانوں میں ایک پنپنے والا گہرا غلط تصور ____ 350

وہابی حضرات کی موومنٹ حرام و حلال کا مسئلہ اور ابنِ عربی کے ہاں علمِ لدُنی کا مقام اور پھر اس کی پذیرائی ____ 351

انسان کے لیے کائنات کے ذرّے ذرّے کو مسخر کر لینے کی نوید کو حرام قرار دینا انسانیت کے نزدیک جرمِ عظیم ہے ____ 351

عقل و فکر کو پامال کر دینے والی باتیں ____ 352

مفہوم کے اعتبار سے تو قرآنِ حکیم کا ایک ایک لفظ اپنے اندر ایک جہانِ نو لیے ہوئے ہے ____ 353

خدا تعالیٰ نے اپنے قوانین کی نگہداشت کا حکم دیا ہے تاکہ تم کسی حلال چیز کو حرام نہ کہو ____ 354

تصوّف کو نہ ماننے والے تصوّف کے پیروکار کیسے؟ ____ 354

نفسیاتی طور پر لغو باتوں کی ممانعت اور اس کے اثرات ____ 355

دل کے ارادے کے بغیر کوئی عمل یا کوئی فعل قابلِ گرفت نہیں ہوتا ____ 356

عہد و پیماں کی اہمیت اور اس کی حفاظت کا تذکرہ اور روٹوں کے بعد کفارے کی دیگوں کے پکوان ____ 356

ختمِ نبوت کے قرآنی تصوّر کو بنیادی طور پر ختم کر دیا ____ 357

ناجائز قرار دی جانے والی اشیاء کو جائز قرار دینے کی مزید وضاحت اور پھر قانون سازی کی ضرورت کی اہمیت ____ 357

لفظ یسر کا لغوی قرآنی مفہوم محنت کے بغیر حاصل کردہ دولت کا بھی ہے نیز لفظ برج (جوا) کی وضاحت اور اس کا استعمال ____ 358

تقلید پرستی کے تحت عقل و فکر سے ماوراء سکھوں کے ہاں فال لینے کا عقیدہ اور اس پر عمل کا طریق ____ 360

زندگی کے معاملات میں انسان کی عقل و فکر کو ماؤف کرنا

شیطان کا کام ہے ______ 360

میسرہ ہو یا خمر یہ تو زندگی کے معاملات کو الجھانے اور سٹے کا نمبر بتا دینے والے مجذوب بننے کے کام آتی ہے ______ 361

آج تک کسی کسان نے اپنی کھیتی کے سلسلہ میں قرعوں اور فالوں کا سہارا حاصل نہیں کیا ______ 361

قومِ عرب جہالت کی بناء پر بُتوں کی قائل تو ضرور تھی لیکن تصوّف کی قائل نہ تھی ______ 362

عرب قوم جو اپنی عزتِ نفس کی خاطر بُتوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتی تھی ______ 362

تصوّف کی سوچ میں اُلجھی ہوئی قوم کا انجام ______ 363

پندرھواں باب: **سورۃ المآئدۃ** (آیات 91 تا 102)

شراب یا خمر' میسر' انصاب و ازلام وغیرہ کی کیفیت متعین کرنا اسلامی مملکت کا ہی فریضہ ہے ______ 365

قرآنِ حکیم میں خمر' میسر یا انصاب وغیرہ کی اصطلاحات کو یک جا کرنے کا بنیادی مقصد عقل و فکر کی اہمیت اور اس کے مقام کو واضح کرنا ہے ______ 365

عقل اور وحی کا باہمی رشتہ فضیلت کے لحاظ سے بڑا ہی سائنٹفک ہے ______ 366

خمر و میسر کے تباہ کن نتائج اور پھر فال اور قرعہ اندازی کی تباہی و بربادی کی کیفیت اور مومن کا شعار ______ 367

تحفظِ خویش کے سلسلہ میں حیوان اور انسان میں فرق اور قرآنِ حکیم کی منشاء ______ 367

لفظ شیطان کا بنیادی مفہوم Aggressiveness یعنی بے باکیت ہے تو ابلیسیت مایوسی کا برتاؤ ______ 369

شیطنت اور ابلیسیت سے محفوظ رہنے کا طریق ______ 369

لفظ توبہ کے حقیقی مفہوم کا اور اس کی قبولیت کا طریق ______ 370

فکرِ قرآنی کی روشنی میں انسان کے سرکش جذبات ہی انسان کو باہمی عداوت اور بغض کے مرض میں مبتلا کرتے ہیں ______ 371

قرآنِ حکیم کا دعویٰ یہ ہے کہ اس میں انسان کی تمام نفسیاتی امراض کا علاج موجود ہے ______ 372

جنتی معاشرے کی بنیادی خصوصیات اور لفظ صلوٰۃ کی اہمیت اور ہمارے ہاں کی محدود فکر ______ 372

صلوٰۃ کے اجتماع کے دوران جس مقام پر بھی عقل کا دامن ہاتھ سے چھوٹا' آپ کا وضو ہی باقی نہ رہا ______ 373

رسول کی اطاعت کے سلسلہ میں خدا کی طرف سے ملنے والے نظام کے اندر قانون کی وضاحت کے فریضہ کی اہمیت اور اُس کا طریق ______ 374

حلال اور طیب چیزوں کو استعمال کرنے کے سلسلہ میں یہودیوں کی شریعت اور ہمارے ہاں کے فقہی فتوے ______ 375

قرآنِ حکیم نے زندگی کے ہر معاملے اور ہر شعبہ میں توازن بدوش اصول کو اپنانے کی تاکید کی ہے ______ 375

قرآنِ حکیم کی طرف سے کھانے پینے کے سلسلہ میں پابندیوں کا مقصد ذاتِ انسانی میں توازن اور ڈسپلن پیدا کرنا مقصود ہے ______ 376

حج کے موقعہ پر احرام کی حالت انسانی مساوات پیدا کرنے کا ایک محسوس عملی ذریعہ ہے ______ 376

روزوں کا بنیادی مقصد انسان میں ڈسپلن صبر و استقلال کے جوہر کی نمود ______ 377

ضبطِ نفس تو قوم کی زندگی کا زیور ہوتا ہے جانتے بوجھتے غلطی

CamScanner

کا ارتکاب کرنے پر کفارہ ادا کرنا ہوگا ____ 378

قانون ہمیشہ اس دن سے لاگو ہوتا ہے جس دن سے اس کی
اناؤنسمنٹ ہو نیز قانون کی سزا انتقام کے تصور سے بالاتر ہوتی ہے ____ 379

مذکورہ بالا لفظ حشر کے قرآنی مفہوم کے پیشِ نظر حج کے اجتماع
کی اہمیت اور ہماری وضع کردہ سوچ ____ 379

قرآنِ حکیم کے کسی ایک لفظ کا مفہوم بدل دینے سے پوری
نوعِ انسانی کا چہرا ہی مسخ ہو جاتا ہے ____ 380

حج کے بعد عمرے کے اجتماع مقصدِ حیات اور ان کے لیے
بھیجے گئے تحائف کی قدر و منزلت کا ذکر ____ 381

قوموں کی موت و حیات کے لیے اجتماعی نظام کی اہمیت
کے پیشِ نظر خارجی کائنات پر غور و فکر کی مثال ____ 381

قرآنِ حکیم میں صفاتِ خداوندی کو بیان کرنے کا مقصدِ عظیم ____ 382

محمود غزنوی کی شخصیت کو بنانے میں ایک والدہ کا کردار ____ 383

نوعِ انسانی کے لیے دینِ خداوندی کا مکمل ہونا ایک
عظیم نعمت ہے ____ 385

مختلف قسم کی جزئیات پر اٹھائے جانے والے اعتراضات
کا جواب ____ 385

جزئیات کے سلسلہ میں یہودیوں کی پیدا کردہ مشکلات اور
قرآنِ حکیم کی ابدی ہدایت ____ 387

کہاں خداتعالیٰ کے حلیم ہونے کا مفہوم کہاں دلی میں پکنے
والی حلیم شریف اور پھر کسی اونٹ کے حلیم ہونے کی عملی مثال ____ 388

جکڑ بندیوں میں پھنسی بنی اسرائیل کی قوم کے طرزِ عمل کا
نتیجہ دین سے بیزاری ____ 389

قوم مسلم کے نوجوانوں کی پریشانی کا حل صرف قرآنی
نظامِ حکومت میں ہی ہے نہ کہ مختلف فقہی جزئیات میں ____

سولھواں باب: **سورۃ المآئدۃ** (آیات 103 تا

سابقہ درس میں پیش کردہ حقائق کی اہمیت کے متعلق ان کی
مزید وضاحت ____

خداتعالیٰ کی طرف سے انسانی عقل و فکر کے لیے مزید راہنمائی
کا اہتمام ____ 2

انسانی عقل کے تدریجی مراحل کی کیفیت ____ 2

عقلِ انسانی کی راہنمائی کے لیے وحی کے روشن چراغ کی
اہمیت و ضرورت اور مقامِ نبوت ____ 4

عقلِ انسانی تو عہدِ شباب کی بلند سطح پر پہنچ کر بھی وحی کی ابدی
اقدار اور اس کے ازلی اصولوں کے سہارے کی طلبگار رہتی ہے ____ 4

وحی کو ہمیشہ کے لیے مکمل اور محفوظ کرنے کا مقصد حقیقت میں تو
ختمِ نبوت کا اعلانِ عظیم انسانیت کے بالغ ہونے کی نوید ہے ____ 95

وحی ایک ایسا خزینہ ہے کہ جو عالم گیر سطح پر انسانیت کی اجتماعی اور
تمدنی زندگی کے گیسوؤں کو قدم قدم پر سنوارنے کے کام آتی ہے ____ 96

تمدنی اور معاشرتی زندگی کے لیے نظامِ مملکت کی اہمیت ____ 96

ماں باپ کی اطاعت کو فرض قرار دینا انسان میں احساسِ
ذمہ داری اور معاملہ فہمی کا ملکہ پیدا ہی نہیں ہونے دیتا ____ 97

دین انسان کو اصولوں کی چار دیواری میں رہ کر ہر قسم کی
آزادی سے ہم کنار کرتا ہے ____ 398

بچپن گزارنے کے باوجود سنِ بلوغت کے عہد میں بھی
عقل و شعور سے محرومی کی بنیادی وجہ ____ 398

قرآنِ حکیم کی پیش کردہ راہنمائی کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ____ 399

ہم نے ذمہ داری چھوڑی تو عقا...

CamScanner

اپنی راہ لی ____ 399

نبی اکرم ﷺ کے عہد میں جو جزئیات مرتب کی وہ اس دور کے تقاضوں کی عکاس تھیں ____ 400

اپنے اپنے دور کی اختیار کردہ جزئیات کو ہمیشگی کا درجہ دینے کا نتیجہ ____ 401

جزئیات کے سلسلہ میں قرآنِ حکیم کا ارشاد اور ہمارا طرزِ عمل پھر اس کا نتیجہ ____ 401

سیکولر اسٹیٹ کے قیام کی بنیادی وجہ ____ 402

نبی اکرم ﷺ کی وفات کے فوری بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اہم اعلان اور نبی اکرم ﷺ کی سنت کا عملی مظاہرہ ____ 403

آپ ﷺ کی زندگی کے تین سو سال بعد لکھی گئی تاریخ کی نوعیت اور اس کا نتیجہ ____ 405

ملتِ اسلامیہ کی زبوں حالی کی بنیادی وجہ دورِ اولیٰ میں متعین کردہ جزئیات کو غیر متبدل قرار دیا گیا ____ 405

قرآن فہمی کے سلسلہ میں علامہ پرویزؒ کا اظہارِ خیال ____ 405

امام شافعیؒ نے پہلے دور کی جزئیات کو غیر متبدل قرار دینے کے ذکر کے علاوہ وحی کی دو قسموں کی تفصیل دی ____ 406

اڑھائی سو سال بعد انسانوں نے وحی کی اس دوسری قسم کو صحیح کرنے کا فریضہ سرانجام دیا ____ 407

حضور ﷺ کی طرف منسوب کردہ روایات کے مجموعوں کی نوعیت کی تفصیل ____ 407

امامِ اعظمؒ۔ امام ابوحنیفہؒ کی سعی و کاوش ____ 408

اجتہاد کا دروازہ بھی بند کر دیا گیا ____ 408

علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں ملتِ اسلامیہ کی زبوں حالی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نے قرآن حکیم کو چیستاں بنا رکھا ہے ____ 409

جن کی جزئیات کو قرآن حکیم نے اپنے ہاں ذکر نہیں کیا اس کی بنیادی وجہ ____ 410

عربوں کے ہاں کی وضع کردہ جزئیات کے متعلق قرآن حکیم کا ارشاد ____ 410

عقل وفکر کو بروئے کار لائے بغیر اسلاف پرستی انسان کو سہل انگاری کے مرض میں مبتلا کر دیتی ہے ____ 411

ماں باپ کے احترام کی آڑ میں ذمہ داری سے شرک کا نتیجہ بے چارگی اور جہالت کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا ____ 411

نماز کی غرض وغایت کو سمجھے بغیر بچوں کی نماز عید کا نقشہ بڑوں کی چھتری کے سایہ میں ____ 412

ایک تنخواہ دار مولوی صاحب کے بغیر نماز ادا کرنے والوں کی کیفیت ____ 413

اسبابِ زوالِ اُمت کی بنیادی وجہ ____ 413

مقامِ انسانیت کی سرفرازی تقلید پرستی کی بجائے خود اپنی ذمہ داری کو قبول کرنے میں پنہاں ہے ____ 414

انسانیت کے لیے قرآنِ حکیم کا بیان کردہ صراطِ مستقیم اسے کبھی دھوکا نہیں دے گا ____ 416

نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے بعد براہِ راست باطنی علم کی کوئی سند قابلِ قبول نہیں ____ 416

قرآنِ حکیم کے برعکس مختلف ٹکڑوں میں بٹی ملتِ اسلامیہ کی زبوں حالی کا آخری علاج ____ 417

ہر وہ قوم جو دین کی بجائے خود ساختہ مذہب کے جال میں الجھ گئی، وہ تباہ ہو گئی ____ 418

مملکتِ پاکستان کا ایک عرصہ تک آئین سے محروم رہنے کی بنیادی وجہ اور اس کا حل ____ 418

سترھواں باب: سورۃ المائدۃ (آیات 106 تا اختتام)

جزئیات کے سلسلہ میں سابقہ درس میں زیرِ بحث آنے والے بنیادی اصول کی تجدید ____ 421

ختمِ نبوت کے عقیدے کے باوجود ختمِ نبوت کی مہر کو توڑنے کی سرتوڑ کوشش اور اس کا طریقہ ____ 422

ختمِ نبوت کی خلاف ورزی کے سلسلہ میں وصیت کے وضع کردہ اصول اور اُن کی شکل وصورت ____ 422

وحی کے اصولوں کے مطابق ہمارے ہاں قرآنی وصیت کی اجازت ہی نہیں بلکہ انہوں نے تو یہ آیت ہی منسوخ کر دی ____ 424

وصیت کے سلسلہ میں بیان کردہ ایک روایت لیکن اس کے ساتھ ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایک بیان ____ 424

ابتداء میں قرآنِ حکیم کی منسوخ شدہ آیات کی تعداد 500 تک تھی جبکہ اس کی جگہ فقہ نے اور الہام نے لی اور پھر جہاد منسوخ قرار پایا ____ 425

خدا کے حضور روزِ قیامت نبی اکرم ﷺ کی شکایت کہ انہوں نے قرآنِ حکیم کو ہی مھجور (چھوڑا ہوا) تھا ____ 426

حضرت عیسیٰؑ کی اُمت کے عقائد آج تک سراسر شرک پر مبنی تھے ____ 427

کتاب اللہ کے الفاظ تو ہم نے باقی رکھے لیکن ان کے مفہوم کو بدل دیا ____ 427

ہمارے ہاں کی پیش کردہ تفاسیر اور تراجم کی دو ایک مثالیں ____ 428

قرآنِ حکیم کے بسیط اور مجرد حقائق کو سمجھنے کا طریق ____ 428

کو تشبیہات کی شکل میں بھی پیش کیا ہے ____

انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ان کے حواریوں کا حال کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے ____

انجیل کے برعکس قرآنِ حکیم میں حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کا ذکر ____

وحی کے سلسلہ میں اپنے مفاد کی خاطر نئی نبوتیں کس کس قسم کا سہارا حاصل کرتی ہیں ____

وحی کا قرآنی مفہوم ____

اطمینانِ قلب کی خاطر قرآنی معاشرے میں قوانین کے تابع ملنے والا رزق خدا کی طرف سے متصوّر ہوگا ____ 2

قرآن میں لفظ شہادت تو وہ لفظ ہے کہ جو محسوس طور پر سامنے دکھائی دے ____ 3

قرآنی معاشرے اور غیر قرآنی معاشرے میں حاصل ہونے والے رزق کی وضاحت ____ 3

ارض کی بجائے سماء سے ملنے والا رزق اپنے اندر اطمینانِ قلب کا واضح فرق لیے ہوتا ہے ____ 4

سوال یہ ہے کہ کیا یہ سماوی رزق بلا مشروط ہوگا؟ ____ 5

سماوی رزق کے متعلق ہمارے ہاں کے تراجم اور تفسیریں کیا کہتی ہیں ____ 35

ہمارے ہاں کی پہلی تفسیر امام طبریؒ کی ہے جسے اُم التفسیر کہا جاتا ہے جو تیس جلدوں پر مبنی ہے ____ 36

تفسیروں کی زبانی حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے حالات اور آسمانوں سے دسترخوان اترنے اور کھانے کی مکمل تفصیل ____ 36

چالیس دن تک دسترخوان کے اترنے کے منظرنامہ کے بعد

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم . بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المآئدہ۔ پہلا باب

عزیزانِ من!

(یاایھا الذین اٰمنوا) (5:1) کیا عظیم چیز ہے صاحب!! کس دھڑلے سے ایک چیز کہی ہے لفظ ایک کہا ہے اور آپ دیکھئے ذمہ داریوں کی ساری کائنات سمٹ کے آ گئی۔(یاایھا الذین اٰمنوا اوفوا بالعقودہ) (5:1) واہ واہ واہ!! رسی کھلی چھوڑ دی جائے ادھر کا سرا بھی ادھر کا سرا بھی وہ کھلی چھوڑی ہوئی ہوتی ہے پابند نہیں ہوتی۔ دونوں سروں کو ملا کے جب گرہ دیدی جاتی ہے تو پھر وہ پابند ہو جاتی ہے اسے عقد کہتے ہیں عربی زبان میں' گرہیں جمع اس کی عقود آتی ہے۔ لفظ تو یہی ہے عقد کا ہی اور اس ایک لفظ میں ساری پابندیاں آ گئیں جو آپ کے اوپر وارد ہیں۔ قرآن نے وارد کی ہیں وہ پابندیاں حکومت کی طرف سے وارد ہوئی ہوئی ہیں آپ نے اپنے اوپر پابندیاں کچھ عائد کی ہیں اور اسی لیے معاہدہ یا وعدہ سب سے بڑی پابندی یہ ہوتی ہے معاہدے کی Agreement کی اور وعدے کی۔ یہ بڑی بڑی پابندیوں کو تو آپ چھوڑ دیجیے یہ روز جو آپ کے ہاں ہوتا ہے کہ بھئی چار بجے وقت مقرر ہے ٹھیک ہے آ جاؤ گے' ہاں جی آ جاؤں گا۔ اول تو وہ وہیں اسی وقت ہی گنجائش رکھ لیتا ہے انشاءاللہ کہہ کے اور پھر ہر ایک جانتا ہے جب وہ کہتا ہے کہ بھئی میں آؤں گا انشاءاللہ' وہ کہتا ہے''یار انشاءاللہ چھڈ پکی طراں دس آئیں گا کہ نئیں''۔ اندازہ لگایئے ہم نے کیا چیز بنا دی۔ یستھزوا مذاق کرتے ہیں خدا سے۔ بہرحال چار بجے آؤ گے' ہاں جی۔ آپ دیکھئے آپ نے اپنے اوپر ایک پابندی کی یہ وعدہ کیا کتنے ہیں ہم میں سے جو پھر اس کا خیال رکھتے ہیں کہ چار بجے مجھے وہاں پہنچنا ہے۔ افراد سے گذر کے جب یہ چیز کسی قوم کا شعار بن جاتی ہے نا تو پھر اس کے بعد''چار بجے او پچھدے ہیگے نیں پئی انگریز ٹائم یا پاکستانی ٹائم' مطلب گھڑی تو نئیں ہوندا'' مطلب یہ ہوتا ہے کہ ٹھیک چار بجے یا چار کے بعد پھر جتنے بجے وہ پاکستانی ٹائم کہلاتا ہے۔ جس قوم کی کیفیت یہ ہے عزیزانِ من! کہ دو فرد باہمی رضامندی سے طے کرتے ہیں کہ وہاں چار بجے پہنچ جانا ہے اور کوئی Serious ہی نہیں لے رہا۔ آپ سوچئے کہ زندگی کے باقی وعدوں میں معاہدوں میں ذمہ داریوں میں حقوق یہ قوم پوری اترے گی یہ افراد پورے اتریں گے؟۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں سے کریکٹر بنتا ہے بڑی چیزیں جو ہیں اس کے لیے تو آدمی احتیاط برتتا ہے کہ ایسا نہ کیا تو بدنامی ہو جائے گی۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں میں احتیاط نہیں برتتا اور کریکٹر نام ہی اس کا ہوتا ہے۔ کتنے لوگ ہم میں یہ جانتے ہیں کہ یہ جو وعدہ کیا گیا ہے اور قرآن نے خاص طور پہ یہ کہا ہے کہ یاد رکھو وعدے کے متعلق تم سے سوال کیا جائے گا۔ خواہ وہ دوست کے ساتھ یہ وعدہ ہی کیوں نہ ہو کہ چار بجے سینما جائیں گے۔ پوچھا جائے گا اس لیے عزیزانِ من! کہ تم نے تو اس کو Lightly لیا ہے اور وہ جو دوسرا ہے جس نے پابندی کر لی ہے عائد اپنے

اوپر آپ دیکھتے ہیں اس کا حرج کتنا ہوا ہے۔علاوہ اور نقصان کے یہ جو ذہنی کوفت اس کو ہوتی ہے سارے پروگرام اپنے وہ دوسری طرف رکھ لیتا ہے اب انتظار میں بیٹھا ہے نہ کسی اور کام کے لیے جا سکتا ہے نہ تم آتے ہو وہاں یہ کیفیت ہوتی ہے۔یعنی انتظار کی کیفیت یہ ہے کہ پھر آپ کو معلوم نہیں ہوتا کہ مجھے کب تک انتظار کرنا ہے وہ تو زندگی بھر کا انتظار ہوتا ہے

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا

اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

یہاں سے وہ عقود کی بات شروع ہوتی ہے انفرادی دو وعدوں کی۔قوموں کے اندر معاہدے۔تمام ذمہ داریاں جو اپنے اوپر آپ لیتے ہیں عقود' خدا نے جو چیزیں عائد کی ہوئی ہیں وہ عقود ہیں۔اور ایک لفظ ہے(**یاایھا الذین اٰمنوا اوفوا بالعقودہ**) (5:1) جو پابندیاں ہیں تمہارے اوپر ان کو پورا کیا کرو۔یہاں وہ ایمان کی شرط قرار دیتا ہے **یاایھا الذین اٰمنوا** کہہ کے پکارتا ہے۔**اوفوا بالعقودہ** عزیزانِ من! کہتے ہیں اسلامی زندگی ہمیں بسر کرنی چاہیے اور پھر وہ بڑی بڑی چیزیں لے آتے ہیں' یہ اتنی سی چیز جو ہے اس کو ہی لے لیا جائے اگر **اوفوا بالعقودہ** کو آپ دیکھئے پھر قوم کی حالت کہاں سے کہاں جا پہنچتی ہے۔**اوفوا بالعقودۃ** اب اس نے ان پابندیوں میں عام زندگی میں روزمرہ کھانے پینے کی چیزیں جو پابندیاں ہیں یہاں سے اس نے ذکر چھیڑا ہے اس لیے کہ اس کے سمجھنے کے لیے کسی ارسطو کے عقل کی ضرورت نہیں۔یہ چیزیں تم پہ حرام ہیں ان کے قریب نہ جانا تم نے یہاں سے بات شروع کی۔حرام اور حلال کے متعلق اس سے پیشتر دو تین درس ہی ہوئے ہیں میں بڑی تفصیل سے بیان کر چکا ہوں یہ آیات بھی اس وقت میں نے ضمناً ان کو بھی Quote کر دیا تھا اس لیے اس وقت اس پہ زیادہ وقت دینے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔(**الحت لکم بھیمة الانعام الا ما یتلیٰ**) (5:1)

یہ سارے مویشی جو ہیں چرنے پھرنے والے یہ سب حلال ہیں۔میں نے عرض کیا تھا نا کہ قرآن کا انداز یہ ہے کہ سب حلال ہیں بجز ان کے' وہ فہرست حلال کی نہیں دیتا' حلال اس میں سے یہ پابندیاں ہیں تمہارے اوپر یہ حرام ہیں ان کے قریب نہیں جانا تم نے۔حلال میں سے طیب جو تمہاری مزاج کے مطابق خوشگوار ہو وہاں تمہیں اجازت ہے۔(**الا ما یتلیٰ**) (5:1) صرف وہ اس میں سے حرام ہیں جو وحی متلو کے ذریعے سے حرام قرار دیے ہیں ہم نے۔**ما یتلیٰ** کا لفظ یہ بتا رہا ہے کہ وحی کے ذریعے سے جو حرام قرار دیے ہیں۔ابھی وہ بات آ جاتی ہے سامنے اسی اگلی آیت میں۔(**غیر محلی الصید و انتم حرم**) (5:1)

یہ جنہیں حلال بھی قرار دیا ہے اگر حالت احرام میں حج کے دوران میں اس اجتماع کے اندر تم ہو تو وہاں پھر ان کا بھی شکار نہ کرو۔یہاں حج

کے متعلق کچھ کہنے کا موقعہ نہیں ہے ورنہ میں عرض کرتا کہ عظیم نقشہ قرآن نے قائم کیا تھا پوری انسانیت کو ایک مرکز پر جمع کرنے کے لیے اس نے یہ پروگرام دیا جسے آپ حج کہتے ہیں۔ اور وہاں اس اجتماع کو Serious اتنا بنایا ہے قرآن نے کہ عام زندگی میں بھی جو چیزیں آپ کرتے پھرتے ہیں نا وہ کہتا ہے وہاں ان سے بھی رکے رہو ایک مقصد کے اوپر Concentrate کرو اپنی توجہ۔ اور اسی میں یہ چیز ہے کہ وہ کھلا ہوا جنگل یا صحرا جس میں تم وہاں جمع ہو اب ادھر اُدھر جانور پھر رہے ہیں ان کا شکار کرنا وہ حلال ہے تمہارے لیے' وہاں اگر یہ ڈسکس ہو رہا ہو کہ پاکستان کے اس ایشو کو کیسے حل کیا جائے اور اس پہ Concentrate کر رہے ہوں وہاں سے ہرن گذر رہا ہے تو آپ تیر کمان لے کے اٹھ کے پیچھے بھاگ جائیں۔ جیسے ہمارے ہاں ہوتا ہے وہ تو ہرن گذرتا ہے یہاں ڈگڈگی بجے آپ دیکھئے ساری دنیا چلی جاتی ہے۔ اس نے کہا کہ یہ چیز حلال ہے طیب ہے تم ان کا شکار کر سکتے ہو حالت حرم میں نہیں' **انتم حرم** کے معنی یہ ہیں کہ تم نے ایک اور پابندی اپنے اوپر عائد کی ہوئی ہے احرام کے معنی یہ ہیں کہ نئی پابندیاں کچھ عائد کر لینا۔ حج کی تقریب میں جب آپ جاتے ہیں تو جو روزمرہ کی چیزیں حلال ہوتی ہیں ان میں سے بھی کچھ اپنے اوپر آپ پابندیاں اور عائد کر لیتے ہیں **ولا خصوبا ولا جلال ولا اربعہ** وہ قرآن میں ہے۔ اسی لیے وہ حالت احرام یہی نہیں ہے کہ وہ کپڑے اتارے اور چادریں لپیٹی تو وہ احرام ہو گیا' ہم نے تو اتنا ہی احرام سمجھا ہے نا۔ کچھ اور اضافہ کرتے ہو تم اپنی پابندیوں کا اسے کہتے ہیں **انتم حرم** جب تم ان پابندیوں کی عائد شدہ حالت کے اندر ہو اس میں ایک پابندی یہ بھی ہے کہ حلال طیب مویشی جس کو حرام نہیں قرار دیا اس کا بھی شکار نہیں کرنا۔ یہاں آگے ایک چیز آتی ہے۔ (**ان اللہ یحکم ما یرید**) (5:1) ہمارے ہاں تقدیر کے مسئلے میں یہ چیز لی جاتی ہے **ان اللہ یحکم ما یرید** جو وہ ارادہ کرتا ہے حکم دیدیتا ہے صاحب۔ وہ یہ بات نہیں ہے کہ وہ ہر وقت جس طرح سے جی چاہے حکم دیتا چلا جاتا ہے۔ بڑی عظیم چیز ہے یہ' بنیادی چیزیں یہ آتی ہیں کہ خدا نے یہ جو پابندیاں عائد کی ہیں اس نے یہ جو قوانین بنا دیے ہیں یہ کیوں بنائے ہیں۔ یہ قانون جو ہے کہ آگ جلاتی ہے یہ کیوں اس نے قانون بنا دیا' پانی نشیب کی طرف بہتا ہے اس سے آپ دیکھتے ہیں سیلاب آتے ہیں اس نے یہ قانون کیوں بنا دیا۔ اس نے یہ کہا ہے کہ اس کیوں کو تم نہیں پوچھ سکتے۔ ہمارا ایک بہت بڑا مشیت کا پروگرام ہے جس کے مطابق ہم نے کائنات کو پیدا کیا اس کائنات میں ہم نے قوانین بنا دیے وہ قوانین ویسے کیوں بنائے ہیں یہ تم نہیں پوچھ سکتے۔ (**یفعلوا ما یشآء و یحکم ما یرید**) وہاں یہ کیفیت ہے ہمارا ایک ارادہ تھا جس ارادے کے ماتحت ہم Nothingness (عدم) سے ایک شے کو وجود میں لائے اس کائنات کو (**انما امروہ اذا اراد بشیء فیقولوا لھم کن فیکون**) ہمارے ارادے کی تو کیفیت یہ ہے۔ وہاں یہ کیوں کا سوال نہیں ہوتا۔ یہ ہمارا ایک بڑا پروگرام ہے اسکے ماتحت ہم نے یہ قوانین بنائے ہیں یہ سمجھ لو کہ یہ ایسے قوانین ہیں یہ بدلے نہیں جائیں گے۔ آگ جلاتی ہے کیوں ہے ہمارے پروگرام کی ایک کڑی ہے اس کے اندر نہ ہم نے

کسی سے مشورہ کیا ہے نہ مشورے کی ضرورت تھی۔ یہ ہم نے جو بنائے ہیں قوانین اس میں یہ ہے عزیز انِ من! **یفعلوا ما یشآء و یحکم ما یرید** اور جب وہی قوانین نافذ کر دیے ہیں تو کہا کہ ہم نے بنا دیے اب ہم انہیں بدلیں گے نہیں۔ اب یہ نہیں ہوگا کہ جس وقت جی چاہے ہمارا پانی سے کہدیں کہ نشیب کی طرف جاؤ اور کبھی کہدیں کہ تم اوپر کی طرف چڑھ جاؤ۔ کبھی آم کی گٹھلی سے کہدیں کہ ٹھیک ہے صاحب اس میں آم ہی اگے دوسری دفعہ کہدیں کہ ''نئیں! کھجوراگنی چاہیدی اے ایہدے وچ''۔ اب یہ نہیں ہم کرتے بات یہ تھی **ان اللہ یحکم ما یرید** جہاں بنیادی قوانین دیتا ہے وہاں یہ چیز وہ کہتا ہے۔ یہ تو ہوئی وہ چیزیں جو اس طرح سے حرام قرار دی گئی ہیں۔ یہ پابندیاں کہ ایک نظم ونسق ہونا چاہیے آپ کے ہاں ایک نظام کے تابع زندگی ہونی چاہیے جسے آپ حکومت مملکت کہتے ہیں اس میں قوانین خداوندی نافذ ہونے چاہئیں ان قوانین کی اطاعت کرنی چاہیے۔ بالکل ٹھیک ہے یہ تو **عقود** ہیں ان کی پابندیاں لازم ہیں۔ دیکھئے قرآن کریم آگے کہاں جاتا ہے۔

مملکت آپ کی اس مملکت کے لیے کچھ محسوس نشانات ہیں جھنڈا: اس کی حیثیت کیا ہوتی ہے؟ ایک بانس اس کے اوپر ایک کپڑا بس۔ لیکن وہ بانس اور کپڑا تو ایک طرف رہا اس کی تصویر بھی جب آپ کے سامنے آتی ہے تو آپ کو کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ جھنڈے کا سرنگوں ہو جانا آپ دیکھئے وہاں سے آپ کے ہاں جو اصطلاحات آئی ہیں' فوج کے ہاتھ میں جھنڈا اس جھنڈے کا گر جانا شکست ہے۔ تخت کیا چیز ہے؟ اب تو بہر حال وہ کوئی ہوتا ہی نہیں جس زمانے میں ہوتا بھی وہ تھا وہ ایک پلیٹ فارم سا تخت ہے لکڑی کا ہو خواہ وہ تخت طاؤس ہی کیوں نہ ہو اس کی حیثیت کیا ہوتی تھی۔ لیکن تخت کا الٹ جانا تخت نشین ہو جانا آپ دیکھتے ہیں کہ یہ کیا چیزیں ہیں۔ یہ جھنڈا جسے آپ کہتے ہیں اس مملکت کا ایک سمبل ہوتا ہے جب آپ کھڑے ہو کے اس کی تعظیم کرتے ہیں تو آپ اس لکڑی اور کپڑے کی تعظیم نہیں کرتے آپ اس مملکت کی تعظیم کرتے ہیں۔ اس جھنڈے کا احترام اگر آپ نہیں کرتے تو آپ کے دل میں اس مملکت کا احترام نہیں ہوتا۔ کل تک انگریز کی یہاں حکومت تھی تو یونین جیک کے لیے آپ کو کھڑا ہونا پڑتا تھا آج آپ کی آنکھوں کے سامنے وہ جل جائے آپ کے ذہن میں کبھی یہ خیال ہی نہیں پیدا ہوتا اس لیے کہ آج وہ مملکت جو ہے اس کا احترام آپ کے دل میں نہیں ہے اسکے جھنڈے کا بھی احترام نہیں ہے۔ آج اگر آپ میں سے کسی کے دل میں پاکستان کے اس جھنڈے کا احترام نہیں وہ کرتا اس کے معنی یہ ہیں کہ مملکت کی طرف سے وہ غدار ہے۔ یہ Symbols جو ہیں اسکے معنی یہ ہوتے ہیں کہ فی ذاتہٖ تو یہ شے نہیں ہوتی یہ نشانی ہوتا ہے کسی اور چیز کی اس لیے اس شے کا احترام جو ہے یہ اس اصل کا احترام ہے۔ قرآن کریم زندگی کے بلند مقاصد دیتا ہے لیکن آپ دیکھئے کہ یہ ضابطۂ ہدایت کتنا جامع ضابطۂ ہدایت ہے۔(**یایھا الذین اٰمنوا لا تحلوا شعآئر اللہ**) (5:2)

یہ جتنی چیزیں پابندیوں کی کہی ہیں ان کے متعلق تو ایک طرف رہا ان چیزوں کے جو Symbols ہوں علامات ہوں ان کا بھی احترام

کرو بلکہ یہ ان کی بے حرمتی مت کرو یوں کہا ہے۔شعائر اللہ یہ خدا کا مقرر کیا ہوا پروگرام اس کے نام پہ حاصل کردہ مملکت اس مملکت میں خدا کے قوانین کا نفاذ یہ ساری چیزیں وہ ہیں کہ جو خدا کی طرف منسوب ہیں اس کے اندران کے لیے جو Symbolic چیزیں ہیں یہ علامتی چیزیں جو ہیں ان کی اُن کی بھی بے حرمتی مت کرو۔ کہاں چلا جاتا ہے قرآن۔ دیکھا آپ نے عزیزانِ من! ان چیزوں کی اہمیت کتنی ہے۔اصل چیز یہ ہے کہ انسان اس محسوسات کی دنیا میں ہے جتنے غیر محسوس حقائق ہیں وہ محسوس طور پہ اس کے سامنے آتے ہیں۔ جب بھی آپ کے سامنے کوئی قابل احترام ہستی آتی ہے تو آپ یہ جو کرتے ہیں یہ ہے کیا' ویسے ہم بیس دفعہ یہ کرتے ہیں لیکن اس کرنے میں اور واجب الاحترام ہستی آپ کے سامنے آئے اور آپ ہاتھ اٹھا کے سلام کریں۔ بات ہاتھ اٹھانے کی نہیں ہے بات اس کے احترام کے جذبے کو محسوس شکل میں ظاہر کرنے کی ہے۔ یہ جو سر جھکتا ہے آپ کا بات ہی کونسی ہے یہ' انسان کے اندر جو جذبات پیدا ہوتے ہیں ان کا اظہار آپ کے بدن کی محسوس حرکات میں ہوتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا فلسفہ ہے Philosphy of Parallelism اسے کہتے ہیں جذبات کے متوازی حرکات انسان کے جسم کی اور یہ بڑی غیر شعوری طور پہ ہوتی ہیں۔آپ کسی مقرر سے کہیے کتنا ہی بڑا وہ آتش نوا کیوں نہ ہو کہ صاحب تقریر کیجیے لیکن کوئی حرکت نہیں ہونی چاہیے نہ چہرے کی نہ ہاتھ کی نہ جنبش کوئی' پانچ منٹ کے بعد بیٹھ جاتا ہے۔ بیک وقت دو قوتیں اندر کارفرما ہوتی ہیں ان کے اندر توازن جو ہے وہ چیز نہیں رہتی ان میں۔ بیان کرتا ہے زبان سے جذبے کو ان کے اظہار کے جو محسوس ذرائع ہیں ان کو روکنا پڑتا ہے اس کو' چل ہی نہیں سکتا۔تعظیم کے لیے سر جھکتا ہے' ہاتھ اٹھتے ہیں یہ جتنی چیزیں قوانین خداوندی کے لیے جو چیزیں آپ مملکت کی شکل میں قائم کرتے ہیں اس کے محسوس مظاہر جو ہیں ان کا احترام قرآن سکھاتا ہے ان کی فی ذاتہٖ کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ کعبہ ہے کیا؟ پتھروں کی ایک عمارت سی ہے یہی ہے نا۔لیکن وہ آپ کے ہاں جو عالمگیر انسانیت کی برادری بناتا ہے قرآن اس کا وہ مرکز محسوس ہے۔ دارالخلافہ ہوتا کیا ہے؟ جیسے اور شہر ہیں وہ دارالخلافہ ہوتا ہے۔اب تو ذرا لڑائی کے ڈھنگ بدل گئے ورنہ دارالخلافہ کا فتح ہو جانا مملکت کا فتح ہو جانا تھا۔ وہ اس کا مرکز ہے کعبہ جسے آپ کہتے ہیں وہاں جو مناسک عام طور پہ جنہیں آپ کہتے ہیں وہ محسوس حرکات ہیں آپ کے دلی جذبات کی ترجمانی کے لیے۔اسی لیے قرآن نے حج اور اس کے مناسک کے متعلق یہ چیزیں کہیں کہ وہ شعائر اللہ ہیں۔(لا تحلوا شعآئر اللہ) (5:2) اس میں ایک اور چیز ہے (ولا الشھر الحرام) (5:2) پھر وہی حرمت وہی پابندی والی بات آ گئی۔ جنگ کے لیے قرآن نے جو تعلیم دی ہے وہ یہ کہ جنگ معمول بہ چیز نہیں ہے انسانوں کا کہ وہ آپس میں لڑتے رہیں یہ ظالم کے ظلم کو مٹانے کا آخری حربہ ہے۔ جب سے باز نہ آئے اپنے جور و تعدی سے فرد ہو یا دوسری قوم ہو تو اس وقت پھر اس کو قوت کے استعمال سے روک دیا جائے اس کے ظلم سے اسے جنگ کہا ہے۔اور قرآن نے یہ کہا ہے کہ یہ جنگ جاری رکھنی پڑے گی (حتٰی ؟؟؟ الحرب اوزار) اس وقت تک جب تک خود لڑائی اپنے ہتھیار نہ رکھ

دے۔یعنی دشمن تو ایک طرف رہا دنیا میں جنگ ہی اپنے ہتھیار رکھ دے۔انسانوں کی سطح اتنی اونچی ہوجائے صلاحیتیں اتنی بیدار ان کی ہوجائیں کہ پھر ظلم وستم کو روکنے کے لیے قوت کی ضرورت ہی نہ پڑے۔لیکن اس سے پہلے تو بہرحال جنگ کی ضرورت ہوگی۔اس میں اس نے ایسا کیا ہے کہ اس میں اس قسم کے بریکس لگائے ہیں کہ جنگ کے جذبے جو ہیں وہ ٹھنڈے پڑ جائیں۔جنگ کا جذبہ بیدار رہتا ہے Continously جنگ ہونے سے مسلسل جنگ ہونے سے۔جنگ میں سیز فائر کردیجیے اوراس کے بعد پھر دوبارہ جنگ لڑیئے آپ دیکھئے گا اس پچ پر لانے کے لیے جذبات کو بڑی مشکل پیش آئے گی آپ کے لیے۔کیونکہ وہ چاہتا نہیں ہے کہ مسلسل خوں ریزی رہے انسانوں میں' اس نے یہ پابندی عائد کی کہ سال میں قرآن میں چار مہینے کا ذکر ہے کہ ان میں جنگ بند ہونی چاہیے اور امن ہونا چاہیے ملک کے اندر آنے جانے والوں کے لیے مسافروں کے لیے۔لوٹ مار بھی بند ہونی چاہیے صرف جنگ ہی بند نہیں ہے۔یہ حج کی تقریب کے سلسلے میں ہی یہ کہا گیا ہے۔تین مہینے تو یہ ہیں یہ شہر الحرام جن کو کہتے ہیں ذیقعد' ذی الحج اور یہ محرم یعنی ایک حج سے پہلے کا مہینہ ایک حج کا مہینہ ایک حج کے بعد کا مہینہ تاکہ یہاں آنے میں اور جانے میں امن بھی رہے اور جنگ بھی نہ رہے۔میں شاید بتا چکا ہوں آپ کو کہ یہ حج جو تھا یہ تو ایک Annual جو ہے آپ کے ہاں All World Muslim Conference۔ اوراس کے علاوہ یہ چھوٹی چھوٹی کانفرنسوں کی بھی ضرورت آپ کو پڑے گی اس مقصد کے لئے' اسے عمرہ کہا جاتا ہے۔یہ جواب عام طور پہ یہاں سے لندن جاتے ہوئے واپسی پہ آتے ہوئے ''ایویں لنگدیاں کراوندے نیں نا' اوہنوں جھنگے دا کیندے ہیگے نیں پنجابی اچ کہ میں اوہدوں آیا سی میں کیا رستے اچ عمرہ وی کردیا ای جاواں''۔عام طور پہ ہمارے ہاں کے یہ سرکاری افسر جو ہیں ان کے لیے یہ بہت کچھ ہوتا ہے۔کہاں گئے تھے' جی! وہ کانفرنس تھی ایک وہاں اسے Attend کرنے گیا تھا کہنے لگے جی الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے بڑا فضل اور رحمت کی میں آتے ہوئے پھر عمرہ بھی کر آیا جی۔یہ سال بھر میں جو ذیلی کانفرنسیں آپ کے ہاں کی ہوں نا Emergent Meetings اسے عمرہ کہا جاتا ہے۔عربوں کے ہاں اس زمانے میں یہ دو حج ہوتے تھے ایک تو یہ تھا حج اکبر گویا مرکزی Gathering ہوتی تھی سال کے بعد اور ایک چھٹے مہینے میں سال میں دوسری دفعہ وہ ہوتا تھا وہ رجب کے مہینے میں ہوتا تھا وہ اسے عمرہ کہتے تھے۔ایک رجب کا مہینہ بھی شہر حرام کے اندر ہے یوں یہ چار مہینے ہیں جس میں جنگ بھی منع ہے اور لوٹنا کھسوٹنا بھی منع تھا۔ان کے متعلق بھی قرآن نے کہا(ولا الشھر الحرام) ان کا بھی احترام کروتم۔لیکن یاد رہے کہ یہ احترام؟؟؟ ہوگا نا یعنی جو فریق مقابل ہیں آپ کے وہ معاہدے کی رو سے وہ بھی ان کا احترام کریں تو جب بند ہوگا نا۔یہ تو صورت نہیں ہے کہ وہ کہیں کہ نہیں صاحب! ہم تو لڑتے رہیں گے اور آپ کہیں کہ نہیں صاحب! ہم تو اس مہینے میں نہیں لڑ سکتے اوراس کے بعد پتہ ہے پھر جو کچھ ہوگا۔وہ چاہتا یہ ہے کہ بین الاقوامی قانون ایسا بنے Internation Treaty اس قسم کی ہو قوموں کے درمیان کہ فلاں فلاں مہینے میں سال میں کہیں جنگ نہیں ہوگی۔یہ قانون بنا

دیکھیے آپ دیکھیے ویت نام کی جنگ کس طرح ختم ہو جاتی ہے۔(**ولا الشھر الحرام**) ۔پھر یہ چیزیں اس اجتماع میں' بہت اجتماع بڑا ہوتا تھا میں نے عرض کیا تھا حج کے سلسلے میں کہ وہ وادیٔ غیر زرع وہاں کے لوگوں کو کچھ نہیں ملتا وہاں ہوتا ہی کچھ نہیں تھا وہاں جو لاکھ آدمی جمع ہو جائے وہ کھائے گا کہاں سے۔تو انہیں یہ کہا تھا کہ اپنے کھانے کا انتظام خود کیا کرو اپنے ساتھ کچھ لے جایا کرو جانور اور دوسرے لوگوں سے کہا کہ وہاں جو لوگ اتنے آئیں گے ان کے لیے کچھ تحفے بھیجا کرو یہاں سے۔انہیں کہا جاتا ہے کہ یہ جو ہدیہ ہوتا ہے نا قرآن میں آیا ہے جس کے معنی قربانی پھر کر لیے ایسے یہ وہ تحائف ہیں ان لوگوں کی طرف سے جو خود نہیں وہاں جا رہے لیکن وہاں جانے والوں کے لیے وہ یہاں سے بھیجتے ہیں۔(**ولا الھدی ولا القلآئد**) (5:2) لوٹ مار عام ہوتی تھی اس زمانے میں وہاں کوئی محفوظ ہی نہیں ہوتا تھا۔حج کا احترام وہ لوگ کرتے تھے ایک قومی تہوار تھا۔وہ لوٹ لیتے تھے اور وہ کہتے تھے ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ حج کے متعلق یہ سلسلہ ہے یہ جانے والے ہیں۔انہوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ بھئی حج کے لیے جو جانور بھیجے جائیں جو ہدیے بھیجے جائیں وہ انہیں کوئی نشانی باندھ دی جائی ان کو۔تو وہ ان کے گلے میں ایک گانی سی ڈال دیتے تھے ایک نشانی کے طور پہ یہ جو چیز تھی اسے **قلائد** کہتے تھے۔**قلد** کہتے ہی ہیں جو گلے میں رسی ڈالی جاتی ہے یہ جانور کے گلے میں جو رسی ہوتی ہے اسے **قلد** کہتے ہیں۔یہ تقلید کا لفظ وہیں سے نکلا ہے''آ ساری تقلید جیہڑی ہوندی اے تہانوں پتہ اے نا مقلد جیہڑا ہوندا اے جیہدے گل اچ رسی پائی ہوئی ہووے تے او کھچ کے لئی ترا جانڈیا ہووے تے اے میں میں کردا مگر تریا جانڈیا ہیگا''۔عزیزانِ من! قرآن نے جو ان چیزوں کے متعلق کہا تھا کہ یہ باعث ذلت انسانیت ہے آپ دیکھتے ہیں کہ جب ان لفظوں کے معنی سامنے آتے ہیں استہزاء کی ہنسی آجاتی ہے بے ساختہ ہمارے ذہنوں میں۔یہ ہے قرآن' تقلید کو اس لیے اس نے باعث تحقیر انسانیت کہا تھا۔یہ کوئی انسانیت ہے کہ تم اپنے گلے میں خود رسی ڈالو۔ایک تو ظالم کی رسی تھی اس رسی کے متعلق تو ہر وقت تمہارے ذہن میں تھا کہ جس وقت جی چاہے میں کھینچ لوں۔یہ جو Domesticated جانور نہیں ہوتے ان کو لا کے کسی وقت ان کے گلے میں رسی ڈال کے دیکھیے وہ ہر وقت کوشش اس کی ہوتی ہے کہ تڑائے رسی کو۔ظالم کی رسی کو تو تڑانے کے لیے یہ کچھ ہوتا ہے اور یہ جو رسیاں آپ عقیدت مندی کی اپنے گلے میں ڈالتے ہیں ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اگر وہ کہیں گھس کے ٹوٹنے لگیں تو آپ ان کو باندھتے ہیں کہ کہیں ٹوٹ نہ جائے یہ رسی۔لفظ **قلائد** ہے **ولا القلائد** یہ وہ شعائر ہیں ان کی حیثیت اپنی کچھ نہیں ہے نہ یہ جو ہدیے بھیجے گئے نہ جو جانور بھیجے جا رہے ہیں ان کے ساتھ اور ان کو نشانی کے طور پہ متمیز کرنے کے لیے کہ یہ اس Purpose کے لیے بھیجے جا رہے ہیں۔اب بھی ہمارے ہاں فوج کا سامان جاتا ہے اس پہ دیکھتے ہیں باہر نشان لگا دیے جاتے ہیں ان چیزوں پہ۔یہ وہی نشان ہیں ان کے احترام کے معنی یہ ہیں کہ یہ جو اتنا بڑا پروگرام ہمارا ہے اس کا احترام رکھو جن چیزوں کو نسبت ہے ان سے ان کا بھی احترام کرو۔نسبت سے احترام کے معنی یہ ہو جائیں گے کہ اصل کا احترام تمہارے دل کے اندر

موجود ہے۔اور ہمارے ہاں نسبتیں ہی اصل بن گئیں اصل گم ہی ہو گیا۔(ولا القلآئد ولا آمین البیت الحرام) (5:2)اور یہ جو کعبے کی طرف جانے کا ارادہ کرنے والے یہ قافلہ در قافلہ لوگ جا رہے ہیں ان کا بھی احترام کرو تمہارے مقصد کے لیے جا رہے ہیں۔ بات یہ ہو رہی تھی کہ ان چیزوں کا بھی احترام کرو اب بیت الحرام کی طرف جانے والے جو کارواں ہیں قافلے ہیں ان کا ذکر آ گیا ہے۔ وہ تو کسی مقام کے اوپر (معاذ اللہ کہونگا) چوکتا ہی نہیں ہے یہیں بات واضح کر دی یہ جا رہے ہیں(یبتغون فضلًا من ربھم و رضوانًا) (5:2) کیوں جا رہے ہیں' میں نے عرض کیا ہے نا کہ بات تو یہ کہہ رہا ہے وہ لیکن چونکہ ذکر ان کا آ گیا ہے اس واسطے ذہن کو فوراً اس طرف متوجہ کرنے کے لیے یہیں کہہ دیا کہ یہ کیوں جا رہے ہیں۔غور کیجیے عزیزانِ من! پھر یہ لفظ فضل بھی آیا اور رضوان بھی آیا۔فضل تو میں نے کہا ہے کہ معاشی سہولتوں کے لیے قرآن یہ کہتا ہے وہ ان چیزوں کو زندگی کے سامان کو زیست کے سامان کو الگ کرتا ہی نہیں ہے اپنے پروگرام سے۔سورۃ حج میں جو قرآن نے یہ کہا ہے کہ لوگوں کو آواز دو کہ آ کے یہاں جمع ہوں' دوسروں کو' ان سے کہو آئیں یہاں' کا ہے کے لیے(لیشھدوا منافع لھم) تا کہ وہ آ کے دیکھیں کہ ان کی منفعت کے لیے تم کیا کر رہے ہو۔کیا بات ہے!!۔اپنی منفعت کے بھی سامان یہ دیکھیں گے اور انسانیت کی منفعت کے لیے جو کچھ کیا جا رہا ہے اسکی بھی؟؟ وہاں ہوگی کہ وہ دیکھیں کہ تم ان کی منفعت کے لیے کیا کر رہے ہو۔یہاں جو کہا ہے(یبتغون فضلًا من ربھم) (5:2) کہ یہ جا رہے ہیں وہاں اللہ کا فضل جو ہے اسکی جستجو میں۔ایک مقصد تو یہ بتایا ہے صاحب۔اتنے حصے تک تو میں سمجھتا ہوں جہاں تک خبریں مل رہی ہیں پاکستانی حاجی جو ہیں اللہ کے فضل سے بہت شدت سے کارفرما ہیں۔جس کے پاس دو تین ہزار روپیہ جمع ہوتا ہے جانے لگتا ہے تو اس سے کہتے ہیں کہ بھئی غریب آدمی ہو تو اس کے لیے اتنا روپیہ کسی اور کام آئے' وہ تھوڑی سی ہنسی سے وہ کہتا ہے کہ صاحب دیکھئے نا آتے وقت اتنا سامان وہاں سے آ جاتا ہے کہ ''اے وی نکل جاندا اے تے چار پیسے وی بچ جاندے ہیگے نیں۔آ فضلًا من ربھم تے آ ہونداا ے ناہن'' سمگل کر کے لیے چلے آ رہے ہیں۔اسی لیے ہر وہ مقام جو اس طرح بنا ہوتا ہے اس کے لیے لکھا ہوتا ہے ھٰذا من فضل ربی ''میری اپنی کمائی نئیں ہیگی' اج کل اپنیاں کمایاں اچ مکان بندے نیں' کرایہ نئیں دتا جاندا''۔(یبتغون فضلًا من ربھم) (5:2) یہاں تک تو یہ ہو سکتا تھا کہ ٹھیک ہے سمگل کر کے لاؤ فضلًا من ربھم ' قرآن ہے جانے دیتا ہے؟ (و رضوانًا) بشرطیکہ وہ قوانین خداوندی سے ہم آہنگی سے لیا ہوا ہو۔افوہ۔رضوان جس کے معنی ہم نے خدا کی خوشنودی کر لیا' ان الفاظ کے معنی سے کہاں سے کہاں بات پہنچی وہ خالص ذہنی بات رہ گئی کہ وہاں گئے احرام باندھا چکر لیے وہاں عرفات میں جا کے جمع ہو گئے وہاں جا کے دو چار بکرے ذبح کیے۔کیا ہوا صاحب؟ خوشنودئ باری تعالی کے لیے یہ سب کچھ کیا جاتا ہے' رضوان کا مقصد تو یوں پورا ہو گیا یہ تو ہو گیا وہاں باقی رہا فضل وہ فضل جو ہے وہ لے آئے پھر سمیٹ کے۔کہا یہی تھا نا مقصد فضل اور رضوان ''رضوان تے اسی ایوں پورا کر لیا اے''۔(فضلًا من

ربھم و رضوانًا) (5:2) فضل تو ہر طریق سے حاصل ہوتا ہے لیکن اس میں اور اُس میں فرق یہ ہے کہ یہ رضا کے معنی ہوتا ہے کسی شے کا کسی دوسری شے سے ہم آہنگ ہو جانا۔(رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ) کتنی عظیم چیز ہے جو مؤمنوں کے لیے کہی گئی ہے وہ خدا کے قوانین سے ہم آہنگ ہو گئے ان قوانین کے نتائج ان سے ہم آہنگ ہو گئے زندگی کا مقصد پورا ہو گیا۔مما رضک اللہ جسے کہا جاتا ہے خوشنودی آپ ترجمہ کیجیے مذہب کی سطح پہ آپ آ گئے۔جو بھی اپنے اپنے مندر میں اپنے اپنے گرجا میں جو بھی خدا کے حضور کوئی گھنٹہ بجاتا ہے کوئی گانے گاتا ہے کسی سے پوچھیے وہ یہی کہتا ہے کہ یہ خوش ہوتے ہیں اس سے۔خوشنودی نہیں و رضوانًا ۔یہاں تک پابندی تھی۔(و اذا حللتم فاصطادوا) (5:2) وہ جب پھر یہ پابندیاں ہٹ جائیں عام زندگی کے اندر آ جائیں تو ٹھیک ہے پھر وہ جو شکار وغیرہ والی بات جو ہے وہ تو وہاں تک تھی۔کھانے پینے کی چیزوں کی بات آ رہی ہے پھر درمیان میں ایک چیز آ گئی۔وہ تو انسانیت کی دنیا ہے نا طبعی دنیا سے آگے اخلاق کی دنیا اقدار کی دنیا کہیں نظر انداز ہی نہیں اس کو کرتا۔(لا یجرمنکم شنان قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا) (5:2) تیرہ سال مکے کی زندگی میں انہوں نے ان کو ستایا اس بری طرح سے ستایا وہاں سے نقل مکانی کیا مدینے میں آ گئے۔ہر سال قریباً لشکر جرار لے کر ان کے پیچھے آتے سن 7 ھجری تک تا وقتیکہ مکہ فتح نہیں ہو گیا ایک دن انہوں نے چین سے نہیں قریش نے بیٹھنے دیا۔مکہ فتح ہوا حج سن 9 ہجری میں فرض ہوا پہلا حج کرنے کے لیے یہاں وہ گئے۔اب یہ مکہ یا کعبہ یہ تو ان لوگوں کا بھی تو مرکز تھا اس سے پیشتر' یہ سارے لوگ وہاں آئے کہ جنہوں نے تئیس سال یا کم از کم بیس سال تک مسلسل ان لوگوں کو ہر قسم کی اذیتیں پہنچائیں ہر قسم کی دشمنی۔لیکن فتح مکہ کے بعد انہوں نے سرنڈر کیا آ گئے اس اسلام کے نیچے۔یہ میں سمجھتا ہوں کہ پہلی دفعہ تھی کہ جب پھر آمنا سامنا ان کا آپس میں یہ ہوا اس طرح سے۔آمنا سامنا ہونے سے بیس برس تک جنہوں نے اس قدر تیر و سنا سے چر کے ان پہ لگائے ہوئے تھے وہ زخم کیوں نہیں ہرے ہو رہے' اب یہ فاتح کی حیثیت سے وہاں ہیں کعبہ کے اندر غالب کی حیثیت سے ہیں ان کی حکومت ہے اس کے تابع وہ لوگ آ رہے ہیں۔یہ چیز انسان ہی تو ہے جذبہ بیدار ہو سکتا ہے اس انتقام کا۔انہوں نے حدیبیہ میں نبی اکرم ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ آئے تھے عرب کے قومی معمول کے مطابق بھی ہر قبیلے کو اجازت تھی کہ وہ آ کے حج میں شریک ہو جائے قریش نے ان کو منع کر دیا کہ تمہیں ہم نہیں آنے دیں گے اور بغیر کعبے کو چھوئے ہوئے واپس انہیں آنا پڑا تھا یہاں تک انہوں نے ان پہ بندشیں کی تھیں۔آج یہ وہاں غالب فاتح کی حیثیت سے اپنی حکومت کے زیر اہتمام یہ حج انعقاد ہو رہا ہے آج وقت تھا کہ یہ کہتے کہ انہوں نے ہمیں بیس سال تک یہاں نہیں آنے دیا ہم انہیں نہیں یہاں آنے دیں گے حق پہنچتا تھا۔ذکر یہ ہو رہا ہے (لا یجرمنکم شنان قوم ان صدوکم عن المسجر الحرام) (5:2) کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پہ آمادہ نہ کر دے کہ تم وہی کچھ کرنے لگ جاؤ جو انہوں نے تمہارے ساتھ کیا تھا۔اللہ اکبر۔دیکھ رہے ہیں کس مقام پہ لے جاتا ہے قرآن۔بات حج

کے احرام کی ہورہی تھی وہاں کے شکار کی ہورہی تھی لیکن فوراً یہ کچھ **یجرمنکم** یعنی یہ جرم ہو جائے گا اگر تم نے ایسا کیا تو۔**شنان قوم** کہہ کے واضح کیا کہ یہ ٹھیک ہے، ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بڑی دشمنی تھی ان کے ساتھ۔لیکن نہیں۔مقصد تو یہ تھا کہ یہ اس قابل نہ رہیں اتنی قوت ان کی توڑ دی جائے کہ کسی مظلوم پہ ظلم نہ کریں وہ قوت ان کی ٹوٹ گئی ہے بات ختم ہوگئی اب ان سے اس انتقام نہ لو۔لہٰذا یہ یاد رکھنا یہ آئیں گے تمہارے سامنے آئیں گے ایک ایک کو دیکھ کے تمہارے دل میں یہ جذبات انتقام بیدار ہو جائیں گے' قطعاً نہیں۔جرم ہوگا یاد رکھو ایسا نہیں کیا جا سکے گا۔(**تعاونوا علی البر و التقوٰی**) (5:2) یہی بات نہیں' دنیا کے کسی گوشے سے آواز اٹھے جہاں براور تقویٰ کی بات ہو رہی ہو تعاون کرو اس کے ساتھ۔(**ولا تعاونوا علی الاثم و العدوان**) (5:2) اثم اور عدوان کی جو باتیں ہیں ان میں تعاون تم نہیں کر سکتے۔(**واتقوا اللہ**) (5:2) قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو۔(**ان اللہ شدید العقاب**) (5:2) باقی رہا یہ کہ صاحب ان جرائم کے متعلق ان کی باز پرس ان کا مواخذہ ان کا نتیجہ ہم پہ چھوڑ دو وہ ہم بھگت لیں گے تم اپنی سطح سے نیچے مت گرو تمہارے لیے یہ چیز نہیں ہے۔سورۃ المآئدہ کی دوسری آیت تک ہم آ چکے عزیزانِ من! تیسری آیت سے ہم آئندہ لیں گے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم . بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المآ ئدہ۔دوسرا باب (آیات 3 تا 5)

عزیزانِ من!

آج مارچ 1971ء کی 14 تاریخ ہے اور درس قرآن کریم کا آغاز سورۃ المآ ئدہ کی تیسری آیت سے ہوتا ہے (5:3)

قرآن کریم کی رو سے حرام اور حلال کی تفصیلی بحث اس سے پہلے ایک درس میں ہمارے سامنے آچکی ہے بلکہ ایک سے بھی زیادہ درسوں میں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ قرآن کریم کا انداز یہ ہے کہ وہ ایک بات کو اجمالی طور پر ایک جگہ بیان کرتا ہے اس کی مزید تشریح دوسرے مقام پر کر دیتا ہے پھر اس میں اضافہ کسی اور مقام پہ جا کر ہوتا ہے اس کی استثنیٰ کہیں اور ہوتی ہے۔ اسے وہ تصریف آیات کے ذریعے مطلب کو واضح کرنے کے الفاظ سے تعبیر کرتا ہے بار بار ایک بات کو لانا اور اس سے پورا مطلب واضح کرنا۔ اور میں نے عرض کیا تھا کہ قرآن سمجھنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو موضوع آپ کے سامنے ہو اس کے لیے صرف ایک آیت نہ لیجیے بلکہ یہ دیکھئے کہ اس سے متعلق قرآن کریم میں کہاں کہاں اور کیا کیا آیا ہے بالواسطہ یا بلا واسطہ۔ بلا واسطہ تو یہ کہ انہی الفاظ میں اس حکم کے متعلق کچھ کہا گیا ہو بلا واسطہ یہ کہ دوسرے مقامات سے استنباط کیا جائے کہ قرآن نے یہاں یہ بات یوں کہی ہے اس سے یہ مقصد اس کا ہے اور اس کا اثر فلاں آیت کے فلاں احکام پہ پڑتا ہے۔ یہ ساری چیزیں بیک وقت اگر آپ کے سامنے آ جائیں تو پھر قرآن کریم کا وہ مطلب مقصد واضح ہو جاتا ہے۔ اور یہ چیز اپنے ذاتی تجربے کی بناء پہ عرض کر رہا ہوں کہ یوں قرآن کو سمجھا جائے تو کوئی مقام ایسا قرآن کا نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آ سکے۔ ضمناً یہ عرض کر دوں آپ کو معلوم ہے کہ میری پوری زندگی قرآن کریم کے ہی مطالعہ میں گذری ہے اس وقت تک بہت کچھ لکھ چکا ہوں۔ لیکن یہ جو چیز ہے کہ کوئی موضوع سامنے آئے بیک وقت معلوم ہو کہ قرآن کریم میں اس کے متعلق کیا کیا اور کہاں کہاں کہا گیا ہے۔ یہ بڑی اہم اور بنیادی چیز ہے میں نے خود تو اسی طرح سے قرآن کو سمجھا۔ سب کچھ لکھنے کے بعد پھر احباب نے یہ کہا کہ یہ چیز بھی اسی طرح سے مرتب ہو کر سامنے آ جانی چاہیے اسے اصطلاح میں تبویب القرآن کہتے ہیں تبویب کے معنی ہوتا ہے باب باب Chapter کے اندر کسی چیز کو Divide کر دینا کہ ایسے آ جانا چاہیے جیسے انسانی تصانیف میں ہوتا ہے کہ ایک موضوع کے متعلق جو کچھ کہا جائے وہ ایک ہی مقام پر سامنے آ جائے کہ یہ ہونا بھی ضروری ہے۔ تو میں نے بھی یہ سمجھا کہ بات بڑی اہم ہے ضروری ہے اگرچہ لغات القرآن اور مفہوم القرآن کے بعد میں سمجھتا تھا جو مشن میرے سامنے تھا میں نے غالباً اسے پورا کر دیا ہے۔ لیکن اس کی اہمیت کے پیش نظر میں نے سمجھا کہ ہاں کچھ زندگی کی مہلت اور ملی ہے تو یہ چیز بھی ہونی ہی چاہیے۔ تو میں گذشتہ دو تین برس سے اس کے اوپر بھی لگا ہوا ہوں یہ سفینہ چاہیے اس بحرِ بےکراں کے لیے۔ سینکڑوں ہزاروں

عنوانات ہیں جو سامنے آجاتے ہیں اور جب اس کو ختم کرتا ہوں تو اس کے بعد نظر آتا ہے کہ نہیں ابھی تشنہ رہ گیا اس میں تو فلاں فلاں چیزیں بھی آسکتی ہیں تو اس لیے وہ بڑھتا چلا جا رہا ہے بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ٹھیک ہے جتنا کچھ بھی اس عمر میں ہو سکے گا کر جاؤنگا تو آپ احباب کے سپرد کر جاؤنگا۔اسے یہ تو کہہ ہی نہیں سکوں گا کہ مکمل ہو گیا تکمیل تک تو اسے دنیا کا آخری انسان ہی پہنچائے گا۔بہرحال میں نے عرض کیا ہے کہ قرآن سمجھنے کا یہ طریقہ ہے۔حلت اور حرمت کی بات اس سے پیشتر دو تین مقامات پر آ گئی یہاں پھر آیت کو دہرایا گیا ہے کہ (**حرمت عليكم الميتة و الدم و لحم الخنزير وما اهل لغير الله به**) (5:3) یہ الفاظ اس سے پہلے آچکے ہیں۔

قرآن نے اصولاً تو یہ بتایا کہ جتنی چیزیں دنیا میں رزق کی پھیلا رکھی ہیں وہ حلال ہیں تمہارے لیے اور حرام چیزوں کے متعلق ہر جگہ تصریح کردی: مردار' بہنے والا لہو' خنزیر کا گوشت اور وہ چوتھی چیز کہ جسے سن لینے کے بعد بھی طبیعتوں کے اندر کچھ تھوڑا سا اضمحلال رہتا ہے کہ یہ کیسے حرام کر دیا۔سنا نہ ہی ہوتا تو اچھا تھا اور سننے کے بعد اگر یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ہے حرام تو اس سے باز کون آتا ہے۔یعنی ہر وہ شے حلال اور طیب جو اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کر دی جائے۔ ہر مقام پہ قرآن نے ان تین چیزوں کے ساتھ اس چوتھی چیز کا اضافہ کیا ہے کہ یہ بھی حرام ہے۔وہ چیزیں تو طبعی تھیں مردار' لہو بہتا ہو' خنزیر اور یہ چوتھی چیز جو ہے خالصتاً اعتقادی چیز ہے۔اور قرآن تو انسانیت کی بنیاد ہی اس عقیدۂ توحید پہ رکھتا ہے۔خدا اور خدائے واحد اس کے علاوہ کسی اور کو وہ مقام الوہیت نہیں دیتا۔اس لیے جہاں یہ تین چیزیں جن کو آپ طبعی یا Physical کہتے ہیں ان کا ذکر آتا ہے چوتھی چیز ساتھی ہی اس کے اضافہ کر دیا جاتا ہے حلال اور طیب میں سے بھی کوئی ایسی چیز جسے خدا کے علاوہ کسی اور کے نام پہ منسوب کر کے دیا جائے وہ بھی حرام ہو جاتی ہے۔اس سلسلے میں میں اور عرض کروں کہ یہ جو حلال چیزیں ہیں حلال جانوران کے متعلق بھی یہ شرط ہے کہ ان کو ذبح کیا جائے تو اس پر خدا کا نام لیا جائے۔یعنی یہ جو چیز تھی کہ اسے خدا کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب نہ کیا جائے اس کی ایک متعین شکل یہ بتادی گئی کہ اسے منسوب ضرور کیا جائے خدا کی طرف۔ایک تو یہ بات ہے نا کہ خدا کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا جائے ایک چیز یہ ہے کہ اسے کسی کی طرف منسوب ہی نہ کیا جائے یہ بھی نہیں یہ Negative Aspect ہو جائے گا منسوب نہیں کیا جائے۔وہ اس میں Positive چیز لاتا ہے کہ جانور کو ذبح کرتے وقت اسے خدا کی طرف منسوب کیا جائے۔دو شکلیں ہو گئیں نا غیر اللہ کی طرف منسوب کیا جائے یا کسی کی طرف بھی منسوب نہ کیا جائے دونوں حرام ہو جاتی ہیں۔اس کے لیے Positive چیز ہے کہ بالضرور کیا جائے (**فكلوا مما ذكر اسم الله عليه**) (6:119) اسے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو جسے منسوب کیا گیا ہو خدا کی طرف۔اور یہ اتنی اہم چیز ہے (**ان كنتم بايٰته مؤمنين**) (6:119) اگر تم احکام خداوندی پر ایمان رکھتے ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ یہ کرو کتنی بڑی اہم شرط ہے۔اب یہاں یہ کہا کہ جس پر خدا کا نام لیا جائے اسے کھاؤ۔سوال

یہ تھا کہ نام کسی کا نہ لیا جائے (**ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ**) (6:122) جس پر خدا کا نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ۔ غیر اللہ کا نام لیا جائے تو حرام، کوئی نام نہ لیا جائے تو بھی حرام اور بالضرور خدا کا نام لیا جائے تو حلال۔ حلال میں سے ایک تو اس کا طیب ہونا شرط ہے خوشگوار ہو تمہارے لیے پسندیدہ ہو طبی نقطۂ نگاہ سے صحت کے لیے اچھا ہو یعنی یہ طیب میں تمام چیزیں آ جاتی ہیں۔ اور دوسری چیز خالص اعتقادی کہ اسے خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہو اس کا نام لیا گیا ہو۔ یہ جو بسم اللہ اللہ اکبر جو پڑھتے ہیں تو یہ بسم اللہ جو ہے یہ اللہ کا نام لینا ہے Positive چیز ہے مثبت چیز ہے ضرور ہے کہ یہ کیا جائے۔ پہلی چیز تو یہی آپ دیکھئے کہ ایسے وقت میں ہر طرف سے توجہ کو ہٹا کر وہ جو حضرت ابراہیمؑ نے ہٹا کر توحید کی بات کی تھی کہ (**انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوٰت و الارض حنیفًا ومعنا من المشرکین**) یہ بات کہ میں مشرک نہیں ہوں اس کا ثبوت یہ ہے کہ میں ہر طرف سے اپنی توجہ کو ہٹا کر صرف اس ایک نقطے پر مرکوز کرتا ہوں کہ جسے خدا کہا جاتا ہے۔ یہ بڑی چیز ہے عزیزانِ من! Psychologically، قلب و نگاہ کا کسی خاص نقطے کے اوپر مرکوز ہو جانا اس سے بڑی اندرونی داخلی تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ اور خارجی تبدیلیاں تو جیسا میں نے عرض کیا تھا وہ منحصر ہیں اس داخلی تبدیلی کے اوپر۔ قرآن کے متعلق اس لیے تو اقبالؒ نے کہا ہے کہ

چوں بجا در رفت جاں دیگر شود

یہ جب انسان کے قلب کی گہرائیوں میں جان میں اتر جاتا ہے تو جان بدل جاتی ہے اور

جاں چوں دیگر شود جہاں دیگر شود

اور جان میں تبدیلی آتی ہے تو باہر کی دنیا میں تو خود تبدیلی آ جاتی ہے۔

یہ جو جسے کہا جاتا ہے اللہ کا نام لینا وہ یہ ہے اس کے اندر، بنیاد ہے اس چیز کی۔ (**قل ان صلوتی و نسکی و ما یحیی و مماتی للہ رب العٰلمین**) اعلان کر دو اس چیز کا کہ میری صلوٰۃ میرا طور طریق زندگی میری ساری زندگی حتیٰ کہ میری موت صرف خدا کے لیے ہے۔ یہ ہے اسلام۔ (**و بذلک امرتوا**) مجھے اسی حکم دیا گیا ہے (**و معنا من المشرکین**) یوں میں کرونگا تو پھر یہ کہا جائے گا کہ میں مشرک نہیں ہوں۔ تو یہ جو چیز ہے کہ اس پہ خدا کا نام لیا جاتا ہے صرف نام لینے کے معنی نہیں ہیں کہ دو لفظ دہرا دیے جاتے ہیں اس کے اندر ایک بڑا خاص جیسا میں نے عرض کیا ہے Psychological گہرائیاں ہیں اس کے اندر۔ توجہات کا رخ اس طرف کہ یہ سب کچھ خدا کے پروگرام کی تکمیل کے لیے کیا جا رہا ہے یہ ہے خدا کا نام لینا۔ اور میں تو سمجھتا ہوں کہ بسم اللہ کے ساتھ جو اللہ اکبر کے الفاظ رکھے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے ہی تجویز فرمودہ ہو سکتے ہیں بڑی بلند حقیقت ہے اس کے اندر صاحب۔ ذرا سوچئے مقام یہ ہے کہ ایک جانور کو پکڑا ہے لٹایا ہے دبایا ہے چھری ہاتھ میں ہے

اس کی جان لے رہے ہیں آپ دیکھتے ہیں کہ اس میں انسان کے Ego کے اندر کتنی بڑائی اور رعونت کی چیز پیدا ہو جاتی ہے قوت کا مظاہرہ ہو رہا ہے دیکھتے ہیں نا آپ کہ کسی جاندار کی جان لے رہا ہے اس کو مسخر کر کے اس کو اپنے قابو میں لا کے گرفت میں لا کے۔ چھری ہاتھ میں لی ہوئی ہے Ego انسان کا اس سے بہت بڑا پھولتا ہے جسے کہتے ہیں۔ اس مقام کے اوپر کہا گیا ہے کہ کہو اللہ اکبر' میں بڑا نہیں ہوں بڑا وہ ہے۔ کتنا بڑا Change اس سے نظر آتا ہے کہ جس مقام کے اوپر یہ نظر آتا تھا کہ اس وقت وہ کہہ سکتا تھا کہ مجھ سے اس وقت تو کم از کم کوئی دوسرا بڑا نہیں ہے ایک جان ہے میرے قابو میں خنجر میرے ہاتھ میں ہے چلا رہا ہوں کوئی روک نہیں سکتا اس سے بڑی بڑائی اور کیا ہو سکتی ہے۔ ایسے مقام پہ توجہ کا رخ اس طرف پھیر دینا کہ نہیں! تو بڑا نہیں ہے تجھ سے بھی بڑی ایک ہستی ہے کہ کرو اقرار اس چیز کا کہ اللہ اکبر۔ اکبر وہی ہے سب سے بڑا وہی ہے یہ میری قوتیں اس کی عطا کردہ ہیں مجھ میں جو کبریائی کی شان آئی ہے یہ اس کی عطا کردہ ہے درحقیقت مرکز و منبع و سرچشمہ جو ہے ان تمام توانائیوں کا ان تمام قوتوں کا یہ اسی کی ذات ہے یہ اس کی عطا کردہ ہے۔ اس لیے میری کیفیت یہ ہوگی (مسلمة ؟؟) میں تیرے سامنے جھکا ہوا ہونگا اور کائنات میرے سامنے جھکی ہوئی ہوگی' یہ ہے اسلام عزیزانِ من! سارا۔ تو یہ جو آپ کے ہاں تسمیہ اور تکبیر ہے بڑی گہری چیز ہے۔

اور پھر اس کے بعد جو اس کا حشر ہوتا ہے وہ جا کے وہاں دیکھئے مذبح میں کسی وقت جس طرح سے یہ جانور ذبح آپ کے ہاں ہوتے ہیں اور پھر وہ جسے کہتے ہیں کہ ہاں صاحب یہ حلال ہے وہ ہوتا کس طرح سے ہے۔ وہاں وہ فی جانور ایک دھیلا یا ایک پیسہ اور وہ ایک کے ہاتھ میں وہ ملا جو وہاں لے جاتے ہیں اس کے ہاتھ میں چھری ہوتی ہے ذبح کرنے والا اور ہر ایک کو عجلت ہوتی ہے وہاں قصاب کو کمیلے میں کہ پہلے میرا بکرہ کسی طرح ذبح ہو جائے میں پہلے گوشت لے کے دوکان پہ پہنچ جاؤں وہاں افراتفری مچ رہی ہوتی ہے اور ہر ایک اپنا اپنا بکرا آگے اس کے کر رہا ہوتا ہے صاحب اور ایک ایک کے پانچ پانچ چار چار بکرے ہوتے ہیں۔ وہاں جا کے دیکھئے وہاں کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اس نے بکرا آگے کیا اس نے یوں کیا اور کہا تین دھیلے تیری طرف ادھر کیا پانچ تیری طرف ''او دھیلے گنن ڈیا ہونداائے''۔ کہاں سے بات کہاں جا کے پہنچ جاتی ہے صاحب۔ اور پھر یہ تو یہاں یہ ہے کہ ایک ایک کے اوپر کچھ کرنا پڑے اب معلوم نہیں یہاں یہ ہے یا نہیں' ہم دلی میں تھے تو وہاں تو یو پی میں ایک خانقاہ تھی شاہ مدار کی یہ قصائی سال کے بعد وہاں عرس ہوتا تھا تو اپنی اپنی چھریاں لے جاتے تھے تو وہ جو چھریاں وہاں کے جو خانقاہ والے تھے (وہ خانقاہ اسی مقصد کے لیے تھی قصائیوں کے لیے) وہ چھری کو وہاں دم کر دیتے تھے بسم اللہ اللہ اکبر تو سال بھر کے لیے وہ چلتی تھی۔ جیسے Magnatize کرالاتے ہیں کسی چیز کو بلکہ اب تو کہیے سٹین لیس بن جاتی تھی وہ' وہ سال بھر پھر نہیں کچھ پڑھنے کی ضرورت ہوتی تھی وہ۔ وہ چھری لاتے تھے تو وہ کہتا تھا ''پڑھی ہوئی لیاویں اوتھوں'' وہ الگ رکھ چھوڑتے تھے۔ دین جب مذہب میں تبدیل ہو جاتا ہے تو پھر

ورنہ عزیزانِ من! ایک بکرا یا ایک جان اس طرح سے لی ہوئی ہو اور ذبح کیا ہوا ہو تو پھر دیکھئے وہ کیسے حلال ہوتا ہے آپ کے لیے۔لیکن آج تو حلت وحرمت کا سوال ہی نہیں رہا اٹھ ہی گیا ہے صاحب۔ بہرحال قرآن نے یہاں پھر یہ کہا کہ یہ چار چیزیں ہیں(وما اهل لغير الله به) (5:3) خاص طور پر پھر اس میں آیا۔ میں نے عرض کیا تھا کہ قرآن دوسرے مقام پہ پھر تشریح کرتا ہے میتة کی پھر تشریح کی ہے قرآن نے۔میتة تو مردار ہے مر گیا ہوا اب اس میں اضافہ ہے۔(والمنخنقة واموقوذة و المتردية والنطيحة وما اكل السبع) (5:3) گلا گھٹ جائے کسی جانور کا، چوٹ لگ جائے، گر جائے کہیں سے، دوسرے جانور نے سینگ مار دیا ہو، درندہ کھا گیا ہو یہ شکلیں بھی ہیں۔ کہا کہ ان میں اگر ایسی صورت ہو کہ ہنوز جان باقی ہے(الا ما ذكيتم) (5:3) جان باقی ہے اور تم ذبح کرلو اگر اس کو تو وہ پھر حلال میں آجاتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر وہ میتة میں آجاتا ہے۔ یہ اس کی تشریح ہے۔آگے ہے وہ چیز جسے میں نے کہا ہے کہ ما اهل کے بعد اس کی تشریح آئی(وما ذبح على النصب) (5:3) نصب جس کا واحد نصیب ہے کوئی چیز جو گاڑ دی جائے پتھر گاڑ دیا جائے کوئی چیز جو نشان کے طور پر گاڑ دی جائے اسے کہا جاتا ہے۔اس زمانے میں جاہلیت کے زمانے میں یہ اپنے معبودوں کے نشان کے طور پر پتھر گاڑ دیے جاتے تھے اور کعبے کے گرد بہت سے پتھر گڑے ہوئے تھے: حبل کے لیے، ؟؟ کے لیے۔یعنی معبودوں کے نشان کے طور پر ایک پتھر گاڑ دیا جاتا تھا اور اس پہ جا کے چڑھاوا چڑھایا جاتا تھا جانور بھی ذبح کیے جاتے تھے اور چڑھاوے بھی چڑھائے جاتے تھے۔ یہ ہے نصب کہ وہاں جا کے ان آستانوں کے اوپر جا کے جو ذبح کیا جائے یا چڑھاوا چڑھایا جائے وہ حرام ہے۔ اب وہ بتوں کے آستانوں پہ جو نصب کیے جائیں کتبے وہاں کا چڑھاوا تو حرام اور قبروں پہ سرہانے جو کچھ چڑھایا جائے حلال وطیب۔ حالانکہ اس میں دونوں شقیں ہوتی ہیں(اهل لغير الله به) نیاز پیر جی کی یہ تو اس میں آ گیا، پہلے درجے کا حرام اور یہ جو نصب ہیں یہ جو گاڑے ہوئے کتبے وہاں جا کے چڑھاوا دوآتشہ حرام اور اتنا ہی زیادہ یہ متبرک ہوتا ہے۔یعنی اس قوم کی حالت یہ ہے کہ حلال تو ان کے ہاں متبرک رہا ہی نہیں ہے جتنا زیادہ حرام ہوتا جاتا ہے اتنا زیادہ متبرک ہوتا جاتا ہے۔ یہ آیتیں آتی ہیں تو پھر اس کی تفسیر آپ کے ہاں: وہ عربوں کے ہاں جاہلیت کے زمانے میں بتوں کے آستان تھے اس پہ جا کے چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ وہ جب کعبے کی تطہیر ہوگئی وہ بت تو نکال دیے گئے وہ نصب توڑ دیے گئے تو اس کے بعد کہا کہ صاحب وہ تو اب رہے ہی نہیں ہیں لہٰذا یہ اس زمانے کی داستانیں ہیں گویا قرآن نے بیان کی ہوئیں۔ یہ آپ کے ہاں کے جو نصب ہیں آپ کے ہاں کے جو نشان اور کتبے اور یہ پتھر ہیں آپ کے ہاں اهل لغير الله جو ہے یہ اب ختم ہوگیا ہے یہ جاہلیت عرب کی بات تھی ہمارے ہاں کی بات نہیں ہے آپ جو جی میں آئے کریں۔ اور اس سے آگے چلئے دیکھئے قدم بقدم کہاں لے جا رہا ہے قرآن۔ بات صرف یہ گوشت تک کی یا چڑھاؤں

کے کھانے تک کی نہیں ہے۔(و ان تستقسموا بالازلام) (5:3) فالوں کے ذریعے سے قسمتیں معلوم کرنا۔اللہ اکبر۔یہ تستقسموا قسمت لفظ ہے یہاں۔یہ کبھی آپ نے غور کیا کہ یہ فال قرعہ لاٹری یہ ساری چیزیں جتنی بھی ہیں یہ کیا چیز ہے اس کے اندر جو اس کو بھی حرام قرار دیا۔یہ تو آپ کہیں گے کہ اس میں تو صاحب نہ کوئی غیر خدا کا نام آتا ہے نہ کوئی شرک کی بات آتی ہے۔لیکن یہاں تو شرف انسانیت کی جڑ کٹ جاتی ہے اس مسئلے پہ آکے۔شرف انسانیت کیا ہے؟ کوئی بات سامنے آئے اسے دلیل اور برہان کی رو سے سمجھا جائے یہ دین ہے۔سمجھنے کے بعد ایک پروگرام مرتب کیا جائے محنت سے کاوش سے اس کے حاصل کرنے کے لیے کوشش کی جائے یہ ہے طریقہ صحیح اسلام نے جو سکھایا آکے۔آپ جہاں بھی کوئی چیز جسے آپ کہتے ہیں نا Gains of chance یہ جوئے کا نام ہی رہ گیا ہمارے ہاں' جہاں بھی آپ کوئی چیز چانس پہ چھوڑتے ہیں یہ دونوں چیزیں ختم ہو جاتی ہیں۔جب آپ کہتے ہیں کہ صاحب قسمت میں ہوگا تو مل جائے گا کونسی بات ہے دلیل اور برہان پہلے ختم ہوگئی کہ صاحب آپ کو کیوں ملے گا کیوں کا جواب آپ نہیں دیتے کہ صاحب قسمت میں ہوگا تو مل جائے گا تو پہلی چیز تو یہ چلی گئی۔اگلی چیز کہ جو کچھ حاصل کرنا ہے اس کے لیے کچھ کوشش کرو' جب کہا جائے قسمت میں ہوگا تو مل جائے گا کوشش دوسری چیز تھی وہ بھی چلی گئی۔جسے آپ چانس یا قسمت کہتے ہیں اس میں یہ دونوں ہی چیزیں ختم ہو جاتی ہیں نہ آپ اس کی تدبیر دلیل و برہان علم و بصیرت کی رو سے کرتے ہیں نہ اس کے حاصل کرنے کے لیے سعی و عمل کرتے ہیں۔قسمت میں ہوگا تو مل جائے گا اور نہیں ملا تو صاحب قسمت میں ہی نہیں تھا یعنی اس وقت بھی یہ نہیں سوچنا کہ کہیں تدبیری غلطی ہوئی تھی مجھ سے اس لیے نہیں ملا کہیں اس کی کوشش میں میرے نقص رہ گیا تھا کوئی کمی رہ گئی تھی اس لیے نہیں ملا' نہ۔ملا بھی تو تقدیر کی رو سے قسمت کی رو سے بیٹھے بٹھائے چھت پھاڑ کر' نہیں ملا ہے تو اس پہ بھی یہ چیز کہ قسمت میں نہیں تھا یہ Gains of Chance نہیں ہے تو اور کیا ہے۔جوا تو حرام اور یہ سب کچھ جائز۔میں کہتا ہوں اس سے زیادہ انسانیت کی شکست کا اعتراف کیا ہے کہ آپ فالوں سے فیصلے لیتے پھریں کروں سے فیصلے لیتے پھریں استخاروں سے فیصلے لیتے پھریں عقل و فکر کے دیے خود اپنے ہاتھوں سے بجھا دیں یہ سوئچ آف کر دیں۔یعنی میں عقل و فکر تدبیر و برہان کی رو سے نہیں فیصلہ کچھ چاہتا' آنکھیں بند کرنے کے بعد تسبیح کے دانوں کے اوپر یوں کرتا ہوں دو دو یا تین وہ الٹتا چلا جاتا ہوں ایک باقی رہ جائے تو کام کرونگا پورے ہو جائیں نہیں کرونگا۔اللہ اکبر۔یہ اپنے متعلق فیصلے کیے جا رہے ہیں۔یہاں سے بھی چلے گئے آگے' دیوان حافظ علیہ الرحمۃ کی طرف سے' وہ آپ کو پتہ ہے دیوان ایسے کہتے ہیں جیسے ان کا کچھ یہ تلخص ہوتا ہے حالانکہ اس کتاب کا نام ہے۔دیوان حافظ صاحب فرما گئے ہیں جی۔وہ بڑی تبرک سے پھر وضو کر کے رکھا جاتا ہے اس کو پھر آنکھیں بند کر کے اس کو کھولا جاتا ہے۔یعنی کھولا بھی آنکھیں کھول کے نہیں جاتا آنکھیں کھلی ہوتیں تو یہ کرتا ہی کیوں۔ہارون رشید کے دربار میں ایک مدعیٔ نبوت آ گیا ہارون نے پوچھا او کیا کھا کے آئے ہو جو بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو' کہنے لگا جی کھانے کو ملتا

تو باتیں ہی ایسی کیوں کرتا۔ آنکھیں بند کر کے کھولا جاتا ہے' پہلے صفحے پہ پہلا جو حرف ہوتا ہے وہ جو شعر نکلتا ہے اس سے آپ فیصلہ لیتے ہیں کہ ہاں یہ کرنا چاہیے مجھے۔ آپ کو پتہ ہے سکھوں کے ہاں نام کیسے رکھے جاتے ہیں۔ یہ فال لینے کا تو آپ کو پتہ ہے اپنے سکھ ہونے کا پتہ نہیں ہے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو جاتے ہیں گردوارے تو وہ اسے کہتے ہیں جو گرنتھی ہوتا ہے کہ وہ جی لڑکا پیدا ہوا ہے نام' تو وہ اسی طرح سے نہا دھو کر گرمکھی کو لیتے ہیں تو اسے ایسے کھولتے ہیں اور وہ صفحے کے اوپر پہلی سطر میں جو پہلا لفظ ہے اس کا جو پہلا حرف ہوتا ہے وہ کہتے ہیں یہ نکلا ہے جی حرف اب اس حرف کے مطابق نام رکھا جاتا ہے۔ وہاں اگر گ گا نکل آیا نا' ان کے ہاں جو گرمکھی ہے اس میں گ نہیں ہوتا گ گا ہوتا ہے' تو وہاں گ گا اگر مثلاً نکل آیا گ تو اب انہوں نے گ سے نام کوئی رکھنا ہے گروگنڈا ل سنگھ۔ ہنسے آپ' فال لیتے وقت نہیں شرم آتی۔ یہ کیا ہو رہا ہے' عقل و فکر کے دیے بجھائے جا رہے ہیں یہ سوئچ آف کیے جا رہے ہیں۔ اور اب تو آپ کے ہاں لاٹریاں نکالنے کے لیے بڑی بڑی بزرگوار ہستیوں کو بلایا جاتا ہے۔ یہ بانڈز جو آپ کے ہاں نکلتے ہیں ان کے نمبر جو نکلتے ہیں آپ کے ہاں بڑی بڑی تقاریب اس کے لیے ہوتی ہیں اہتمامات ہوتے ہیں یہ سارے کے سارے' یہ کیا ہے؟ یہ کرے نہیں تو اور کیا ہے۔ جو وہاں سے فیصلہ ہوتا ہے اس کے سامنے سر تسلیم خم۔ ارے عزیزانِ من! ہم سے تو وہ جاہلیت عرب والے جو تھے وہ اچھے تھے کچھ تو اپنا ارادہ رکھتے تھے۔ امرالقیس بہت بڑا شہزادہ تھا بہت بڑا سردار تھا قبیلے کا شاعر بھی بہت بڑا تھا۔ اس کے باپ کو کسی نے قتل کر دیا عقیدے اور مسلک کے مطابق وہ آیا فال لینے کے لیے آ کے اس نے کاہن سے پوچھا کہ مجھے انتقام لینا چاہیے یا نہیں۔ حبل بہت بڑا معبود تھا انہوں نے کہا کہ وہاں سے فال لیتے ہیں۔ تیر لیے وہ تیر ہوتے تھے ایک پہ نہ ہوتا تھا ایک پہ ہاں ہوتا تھا ایک خالی ہوتا تھا خالی ہوتا تھا تو پھر وہ دوبارہ اسی طرح سے فال لینی پڑتی تھی۔ وہ آپ کو پتہ ہے خالی رکھا جاتا ہے۔ وہ سردار جی نے مکان بنایا تھا اس میں سوئمنگ پول بنائے تھے نہانے کے لیے تو وہ دکھانے کے لیے لے گئے دوست کو کہ یہ دیکھیے۔ وہ تین حوض بنائے تھے انہوں نے' انہوں نے پوچھا کہ جی یہ تین حوض کاہے کے لیے ہیں کہنے لگے اس میں تو ٹھنڈا پانی ہوتا ہے ٹھنڈے پانی سے نہانے کو جی چاہا ٹھنڈے میں نہا لیا کہنے لگا بہت اچھا ہے' کہنے لگا اس میں گرم پانی ہوتا ہے گرم سے نہانے کو جی چاہے تو گرم سے نہا لیا کہنے لگا سردار جی یہ تیسرا حوض کاہے کے لیے ہے کہنے لگا یہ خالی رکھا جاتا ہے ''نہ نہاون نوں جی کیتا تے بس ایہدے اچ پے گیا''۔ یعنی اس کی تقدیر مکمل ہے ''تہاڈا نہاون نوں نہ جی کرے تے کی کرو فیر تسی''۔ وہ ایک تیر خالی رکھا جاتا تھا۔ تو وہ گیا اور اس نے جا کے کہا کہ فال دیجیے صاحب انتقام لوں یا نہ لوں تیر چلایا اور نکلا کہ نہ لیجیے ذرا سا غصہ چڑھا۔ دوسری دفعہ پھر تیر چلایا پھر نہ نکلی' تیسری دفعہ تیر چلایا نہ نکلی۔ تیروں کا مٹھا ہاتھ میں تھا جب 'نہ' نکلی تو وہ تیر لے کے اور ایک حبل کے منہ پہ دیا کہنے لگا سالا کہیں کا تیرا باپ مرتا پھر میں دیکھتا کہ تو کہتا کہ نہ لو انتقام' ضرور انتقام لونگا۔ عزیزانِ من! ہم سے تو وہ اچھے تھے اس فیصلے کے بعد بھی کہیں تو اپنی انا ان کی آتی تھی آپ تو اس طرح سے جھکے ہوئے ہیں

ان فیصلوں کے سامنے۔ اس نے تو اتنی ہمت کی تھی کہ اپنے معبود کے منہ پہ بھی تھپڑ مار دیا تھا اگر اس کی مرضی کے مطابق فال نہیں نکلا تھا تو۔ آپ کیفیت یہ ہے اگر ان فالوں کے بعد آپ کے دل کی گہرائی میں گرانی محسوس ہو جائے تو کانپ اٹھتے ہیں کہ حافظ صاحب پتہ نہیں کیا کر دیں۔ ''او جیہڑا آپ انھا حافظ ہیگا سی تہانوں کی کرنا اوہنے'' ۔عزیزانِ من! یہاں پہنچ گئے ہوئے ہیں۔ ازلام کے ذریعے سے فالیں لینا قرعے ڈالنا لاٹریاں ڈالنا قسمتیں معلوم کرنا یہ سب چیزیں دور محکومی اور محتاجی کی پیدا کردہ ہیں یہ سب وہ کچھ کرتا ہے جو ناکام رہ جاتا ہے اور کوئی اس کو تدبیر پھر سوجھتی نہیں ہے پھر وہ یہاں جاتا ہے قسمتیں معلوم کرنے کے لیے۔ جس کا ہر کام صحیح ہوتا چلا جاتا ہے ملتا چلا جاتا ہے اس کو کبھی ضرورت پیش نہیں آتی ہے یہ جا کے پوچھتا پھرے۔ ہمارے اس دور کی یادگار اور ہم میں سے بھی چونکہ یہ ہمارا طبقۂ نسواں ہماری بیچاری مستوارت ہم سے بھی زیادہ دبی ہوئی مجبور' اس لیے آپ دیکھئے وہاں سڑکوں کے اوپر جا کے یہ جتنے نجومی اور جوتشی اور یہ سارے بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں ان کے گرد یہ بیچاریاں سب بیٹھی ہوئی ہوتی ہیں ہاتھ سامنے رکھے ہوئے ہوتے ہیں قسمتیں معلوم کر رہی ہوتی ہیں۔ ورنہ جس قوم میں ہر کام قاعدے اور قانون کے مطابق ہوتا چلا جائے ہر ایک کی کوشش کا صلہ ملتا چلا جائے اسے کیا ضرورت ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں سے لکھی ہوئی تقدیر کو دوسروں سے جا کے پڑھواتا پھرے۔ قرآن نے جو کہا ہے (**ان تستقسموا بالازلام ذٰلکم فسق**) (5:3) کیا لفظ ہے صاحب!! وہ کہا ہے ہم نے تمہیں ایک پیٹرن دیا ہے جس کے اندر رہتے ہوئے تمہاری انسانیت کی تمہاری شخصیت کی Development ہوگی۔ میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ فسق کہتے ہیں یہ جو ہر پھل کے اوپر ایک خول ہوتا ہے جس کے اندر رہتے ہوئے وہ پھل پکتا ہے۔ یہ جو سڑا ہوا آم ہوتا ہے آپ دیکھتے ہیں کہ وہ ایک طرف سے نکل گیا ہوتا ہے پھل اپنے اوپر کے چھلکے کو توڑ کے وہ کبھی نہیں پکتا سڑ جاتا ہے۔ یہ جو اوپر کے چھلکے کو توڑ کے دوسری طرف نکل جانا ہے اسے فسق کہتے ہیں۔ کہا یہ تو جس پیٹرن میں ہم نے تمہیں رکھا تھا کہ اس کے اندر رہتے ہوئے تمہاری شخصیت کی تکمیل ہوگی تم اس کو توڑ کے دوسری نکلے چلے جا رہے ہو۔ اور یہ نکلنا کیا ہے؟ بجائے اس کے کہ دلیل و برہان کی رو سے بات سمجھو سعی و کاوش سے اسے حاصل کرنے کی کوشش کرو یہ وہ پیٹرن ہے جو ہم نے تمہیں دیا ہے' یہ جو تم فالیں لینے لگ جاتے ہو اس پیٹرن کو چھوڑ کے دوسری طرف نکل جاتے ہو تمہارا پھل یہ پک نہیں سکتا (**ذٰلکم فسق**) ۔ دوسری جگہ ؟؟ **من عمل الشیطٰن** بھی کہا اس چیز کو وہاں وہ آئے گا تو میں عرض کرونگا یہ کیا چیزیں ہوتی ہیں۔ اسی کے ساتھ ہی آیت لمبی ہے چلی جا رہی ہے اور آخر میں اس کے پھر وہی استثنیٰ ہے جو ہر جگہ آتا ہے۔ (**فمن اضطر فی مخمصۃ غیر متجانف لاثم فان اللہ غفور رحیم**) (5:3) یہ حرام چیزیں ہیں لیکن انسان کی جان کی قیمت ان چیزوں سے زیادہ ہے اگر ایسا وقت آ جائے کہ بھوک کی وجہ سے اضطراری حالت پیدا ہو جائے کوئی چیز حلال وطیب ملتی نہیں ہے اور جان پہ بن آئی ہے بچ نہیں سکتے تو اس کے لیے اجازت ہے کہ ان میں سے اس چیز کو اتنا کھا لیا جائے جس سے جان بچ جائے۔ بشرطیکہ محض لذت

لینے کے لیے ایسا نہ کیا جائے مجبوری کے عالم میں ایسا کیا جائے ۔قرآن نے کہہ دیا اضطراری حالت مجبوری کی حالت تو پھر مجبوری کی حالت جو ہے ٹھیک ہے صاحب کیا کیا جاتا ولایت میں جاتے ہیں وہاں میز پہ بیٹھتے ہیں وہاں یہی چیز جو سامنے آتی ہے اب بعض تو یہ ہیں کہ دوسری چیزیں بھی آتی ہیں تو کہتے ہیں اس سے نہ کیا جائے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ بڑے Backward Community کے لوگ ہیں یہ صاحب اس تہذیب کے زمانے میں بھی ان کی کیفیت یہ ہے کہ یہ سور کے گوشت کو بھی ناجائز سمجھتے ہیں اور اس کو ہاتھ نہیں لگاتے ۔تو وہاں تو یہ ماڈرن بننے کے لیے بھی کھایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں جی وہاں مجبوری ہوتی ہے سوسائٹی میں جو بیٹھا ہوتا ہے آدمی ۔اور اس سے اگلی مجبوری کہ جی وہ لندن میں کیا کریں یعنی یورپ میں جا کے یا ولایت میں کیا کریں جنہوں نے پوچھا مجھ سے' میں نے معلوم کیا بریڈفورڈ میں وہ کہتے تھے دواڑھائی لاکھ مسلمان ہیں دواڑھائی لاکھ مسلمان بھی اگر اپنے لیے انتظام نہیں کر سکتے کہ ایک بکرا ہی ذبح کر لیا جائے تو پھر تمہیں کون بتائے کہ تم کیا کرو ۔ٹھیک ہے ایک فرد تو وہاں یہ کہہ سکتا ہے کہ میں کیا کروں ۔اتنی بڑی کمیونٹی یہاں ایک اچھے خاصے شہر کی اتنی آبادی ہوگی اتنے موجود ہیں وہاں لوگ اور بے بسی کا یہ عالم ہے کہ وہ روز پوچھتے ہیں کہ صاحب کیا کریں حلال ملتا نہیں ہے ملتا ہے تو وہ یہودیوں کے ہاں کا وہ بڑا مہنگا دیتے ہیں ۔وہ تو کاروباری قوم ہے نا وہ ان کی دکھتی ہوئی رگ کو جانتی ہے وہ ٹھیک ہے وہ دگنے دام لیتے ہیں ۔ان سے اتنا نہیں ہوسکتا وہاں اس کمیونٹی سے کہ اپنے لیے ایک مذبح قائم کر لیں ۔اور پھر دنیا بھر کی اسلامی مملکتوں کے نمائندے وہاں ہائی کمشنر اور Ambassador یہ بھی وہاں موجود ہوتے ہیں کسی کو توفیق نہیں وہاں ہوتی کہ اتنا ہی یہ کچھ کر لیں ۔یہ تو ہر روز خبریں آئیں گی پانچ کروڑ کی لاگت سے ایک مسجد تعمیر کی گئی وہاں' ٹھیک ہے جی اپنا مقام ہے اس کا ۔ارے پچاس ہزار روپے سے یا ایک لاکھ روپے سے مذبح کیوں نہیں وہاں ایک تیار کرتے ۔اس کی اہمیت نہیں ہے ۔سنئے اس کی اہمیت کتنی ہے حرام اور حلال کی بات کہی' کہا(**الیوم یئس الذین کفروا من دینکم**) (5:3)

یہ حلال اور حرام کے جو ہم نے تم میں یہ پابندیاں کی ہیں لو بھئی' کہا آج یہ غیر مسلم تم سے مایوس ہوگئے کہ صاحب نہیں! ان سے مفاہمت اور Compromise نہیں ہوسکتا۔کبھی غور کیا آپ نے کہ کہاں یہ آیت آئی ہے کیا کہہ گیا ہے قرآن ۔یہ جو حرام اور حلال کی بات ہے یہ بڑی وجۂ امتیاز ہوتی ہے دو قوموں کے اندر۔ہندو کی Definition کیا ہے؟ سارے ہندو عاجز ہیں اس سے کہ ہندو کی Definition کیا ہے۔ تفصیل معلوم کرنا ہو تو وہ میری کتاب ہے آسمانی کتابوں کی کہانی اس میں یہ ہندوؤں کے ویدوں وغیرہ کا بھی ذکر ہے اس میں میں نے تفصیل سے یہ بتایا ہے کہ متعین ہی نہیں کر سکے کہ ہندو کسے کہتے ہیں ۔بات دوسری طرف نکل جائے گی اس پہ تو ہم شاید ایک تھوڑی سی ہنسی آئے ہمیں کہ صاحب دیکھئے نا مذہب ہوا نا جس میں یہ طے ہی نہیں ہوسکتا ہندو کسے کہتے ہیں ۔آپ کو پتہ ہے کہ جناب کے ہاں بھی جب یہ سوال کیا گیا تھا منیر کمیٹی میں

1953ء کی Agitation کے زمانے میں اور کیا کہیں بازار میں چلنے والے جہلاء سے نہیں ملک کے علمائے کرام سے یہ سوال کیا گیا تھا کہ صاحب مسلمان کی Definition کیا ہے؟ سارے ملک کے علماء اکٹھے ہو کے اس کی Definition نہیں دے سکے تھے وہ رپورٹ موجود ہے پڑھ لیجیے۔ اکثر حضرات نے تو یہ کہا تھا کہ صاحب! We require notice ایسا سوال اور آپ نے پوچھ لیا کھڑے کھڑے ہی۔ اندازہ لگائیے۔ جنہوں نے جواب دیا ایک کا جواب دوسرے سے نہیں ملتا تھا۔ بات میں یہ کہہ رہا تھا کہ وہاں ان کے ہاں یہ چیز تھی کہ ہندو کی Definition نہیں تھی۔ بالآخران لوگوں نے یہ طے کیا کہ اچھا صاحب! اور تو نہیں اتنا بات تو کہو کہ جو گائے کا گوشت نہیں کھاتا تو وہ ہندو ہے۔ اگر چہ وہاں ایسے قبیلے موجود تھے کہ جو کھاتے تھے انہوں نے کہا یہ استثنٰی کی بات ہے۔ یعنی یہاں آ کے مسئلہ ٹکا کہ جو اس چیز کو حرام سمجھے اسے ہندو سمجھئے۔ یہ حلت وحرمت اتنی بڑی چیز ہے۔ اس گئے گذرے زمانے میں بھی آپ کے ہاں یہ چیز کہتے ہیں کہ صاحب میرے لیے تو سؤر حرام کی طرح ہے یہ چیز۔ غالب نے بھی اپنے مسلمان ہونے کے لیے یہ کہا تھا جب اس سے پوچھا تھا چیف کمشنر نے نام کیا؟ اسد اللہ' انہوں نے کہا کہ مسلمان ہو؟ اس نے کہا کہ جی آدھا مسلمان ہوں' کہا جی آدھا کیسے؟ کہنے لگے شراب پیتا ہوں سور نہیں کھاتا۔ گویا سور نہ کھانے سے آدھا مسلمان ہونا متعین ہو گیا۔ یہ حرام کی چیز ایسی ہے یہ متعین کر دیتی ہے اس چیز کو۔ اس سارے دوران میں وہاں جو مدینے میں آ کے اتنی بڑی کشمکش ہو رہی تھی ان یہودیوں کے ساتھ ان کا خیال یہ تھا کہ Compromise ہو جائے کسی طرح سے باہمی' بڑی کوشش انہوں نے کی۔ قرآن کریم میں ہے (ودوا لو تدھن فیدھنون) (68:9)

کہ ان کی انتہائی خواہش یہ ہے کہ کسی طرح سے تم تھوڑے سے اپنے مقام سے نیچے جھکو تو یہ اپنی جگہ سے کچھ آگے بڑھ جائیں اور اس طرح سے تم دونوں میں مفاہمت ہو جائے Compromise ہو جائے یہ تھی کوشش ساری۔ اور جیسا کہ عزیزانِ من! متعدد بار میں اس کو عرض کر چکا ہوں جو حق پر ہوتا ہے وہ Compromise کر نہیں سکتا۔ وہ جو میں مثال دیا کرتا ہوں حق کہتے ہیں دو اور دو چار باطل ہے دو اور دو پانچ یا دو اور دو تین۔ اب ان دونوں میں ہو جائے جھگڑا تو آپ کو پتہ ہے ہر ثالث آ کے یہ کہتا ہے کہ صاحب یہ تو بات بنے گی نہیں کہ اپنے مقام پہ تم اڑے رہو اپنی بات پہ تم اڑے رہو تو فیصلہ کیسے ہو کچھ تمہیں جھکنا ہو گا کچھ تمہیں بڑھنا ہو گا یوں فیصلے ہوتے ہیں نا۔ اگر طے یہ پا جائے کہ ہاں صاحب! بہت اچھا دو اور دو ساڑھے تین یہ اب تین والا بڑھ گیا نا کچھ آگے آٹھ آنے اور اگر دو اور دو چار گھٹ کے ساڑھے تین پہ آ جائے تو اس کا تو کچھ نہیں گیا یہ پہلے بھی باطل پہ تھا اب بھی باطل پہ ہے حق والا جو ہے تو اس کا تو کچھ بھی نہ رہا وہ تو پونے چار بھی نہیں کہہ سکتا۔ اسی لیے حق کہتے ہی اسے ہیں جو اٹل ہو اپنے مقام پہ' حق Compromise نہیں کر سکتا۔ ۔ ان کی خواہش یہ تھی کہ کسی طرح سے کہیں Compromise ہو جائے اور

Compromise کے Issues کے لیے آپ کو پتہ ہے پہلی چیز کیا تھی حلت وحرمت کا مسئلہ۔عجیب بات سامنے آ گئی ہمارے۔ مکے سے ہجرت کر کے یہ گئے بے بس بے کس خانماخراب غریب الوطن' جہاں گئے تھے وہاں کونسی مملکت تھی دس گیارہ آدمی تھے مدینے کی بستی میں جو مسلمان تھے انہوں نے ہی دعوت دی تھی یہ یہاں سے ہجرت کر کے بیچارے گئے تھے اس کمزور حالت کے اندر یہاں سے گئے تھے۔ مدینے میں یہودیوں کا بڑا زور تھا ساری تجارت ان کے ہاتھ میں تھی۔تو جب وہاں یہ گئے ہیں تو یہودیوں نے یہ سمجھا کہ یہ ٹھیک ہے یہ وہاں سے پناہ گزینوں کی حالت میں آ رہے ہیں یہاں ان کے پاس کچھ نہیں ہوگا تو یہاں ہمارے یہ دست نگر اور محتاج ہونگے اس لیے ہم ان کے ساتھ ایسی مفاہمت کر لیں گے کہ جس میں بین بین کی کوئی صورت نکل آئے ان کے دین کی اور ہمارے مذہب کی۔اور وہ سوال تھا یہی حلت وحرمت کا۔آپ کو پتہ ہے کہ ایسے وقت میں جب یہ یہاں سے ہجرت کر کے جا رہے تھے اور وہاں یہ وہ خیال کر رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ یہ بہت کمزور اور ناتواں ہیں ان کو مجبوراً ماننا پڑے گا یہ۔تو پتہ ہے سورۃ کوثر جو ہے یا یہ چھوٹی چھوٹی جو سورتیں ہیں قرآن کے تیسویں پارے کی یہ ہجرت کے زمانے میں نازل ہوئیں جبکہ دنیا کے ہر معیار کے مطابق ان پر بے کسی اور بے بسی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔اس زمانے میں یہ جو تھیں یہ سورتیں اذاء جآء نصر اللہ و الفتح . تبت یدٰی ابی لھب وتب . یعنی ان کو بشارتیں دی جا رہی ہیں فتح اور نصرت کی۔ان کی تباہیوں کے متعلق اعلان ہو رہا ہے ایسے وقت میں کہ دل نہ ٹوٹ جائے ہمت نہ ہار جائیں۔ یہ جو مسئلہ تھا یہودیوں کا یہ تھا ایشو بڑا کہ ان کو یہ معلوم ہو کہ Compromise ہوگا۔ یہودیوں کے ہاں اونٹ حرام تھا۔عین اس وقت یہ سورۃ نازل ہوئی فصلی لربک و النھر صلوٰۃ کا نظام قائم کرا اور اونٹ کی قربانی دو اونٹ کو ذبح کرو وہاں۔ یہ جو نھر سے مسئلہ چھڑا ہوا ہے کہ قربانی ہے صاحب' نھر کہتے ہیں اونٹ کو ذبح کرنے کو ہیں۔اس وقت یہ چیز آپ سوچیے کہ یہ کیا بات ہوئی' سمجھ میں یوں بات آئے گی کہ آج جو یہاں سے کوئی لٹا پٹا ہوا قافلہ انڈیا کی طرف جائے نہایت بے کسی کی حالت میں اور اس سے کہا جائے کہ صاحب جونہی گنڈا سنگھ والے سے آگے قدم رکھو پہلا کام یہ کرنا کہ گائے ذبح کرنا وہاں۔تو نظر آ گیا نا کہ محتاجوں کی حیثیت سے نہیں آ رہے دم خم رکھ رہے ہیں۔ یہ وہ مقام ہوتا ہے حالانکہ یہ کوئی بات نہیں ہے کہ ضرور گائے ذبح کی جائے۔لیکن ایسے مقامات آ جاتے ہیں جہاں اس قسم کی چیز جو عام حالت میں صرف اجازت ہے وہ نہایت ضروری ہو جاتی ہے۔ کیا بات ہے اس چیز کی !! وہ سرسیدؒ کہ جس کے کفر کے فتوے مکے سے جا کے لائے تھے۔نواب وقار الملک اس زمانے میں کسی دفتر میں کلرک تھے دفتر کے اوقات کے درمیان نماز کا وقت آتا تھا دفتر کا جو افسر تھا اس نے روک دیا کہ تم نہیں جا سکتے دفتر کے وقت میں حرج ہوتا ہے۔انہوں نے چٹھی لکھی سرسیدؒ کو کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔اس کافر کا جواب موجود ہے(Quoted کہہ رہا ہوں کافر) کہ نماز کے متعلق مجھ گنہگار کی بھی یہ صورت ہے کہ بھئی کبھی کبھی رہ بھی جاتی ہے کچھ گھٹے دار سی بھی ہے اتنا سختی سے پابند نہیں ہوں۔لیکن اگر وقت ایسا

آ جائے کہ Tie پڑ جائے کسی غیر مسلم کے اس حکم میں جس کا اثر تمہاری ملازمت پہ پڑتا ہو اور دوسری طرف خدا کا حکم ہو ایسے وقت میں فرض ہو جاتا ہے انسان کے اوپر کہ اس کا جواب دے کہ میں تمہارے حکم کے مقابلے میں خدا کے حکم کو ترجیح دونگا۔ وقار! کیا ہوتا نوکری چھوٹ جاتی تم مرجاتے تمہارے بچے مرجاتے اسلام کا جھنڈا گاڑ جاتے تم۔ یہ تھے جن کے اوپر کفر کے فتوے لگ رہے تھے' لگانے والے یہ لوگ تھے جو روز کہتے ہیں کہ صاحب حکمت عملی کے تابع اسلام چلتا ہے روز اسلام بدلتا رہتا ہے' وہ کافر تھا یہ دین دار ہیں۔ یہودیوں کے ذہن میں یہ چیز ہے کہ بہت کمزوروں کی ناتوانوں کی ایک قوم آ رہی ہے ہمارے پاس یہ جھک کر سویا کریں گے۔ وہاں جاؤ **فصلی لربک** جاتے ہی پہلے تو اپنے انداز سے یہ صلوٰۃ جو ہے اس کو قائم کرو اور دوسرا کام یہ کرو کہ اونٹ ذبح کرو جا کر تا کہ انہیں پتہ چل جائے کہ محتاجوں کی قوم نہیں آ رہی۔ (**الیوم یئس الذین کفروا من دینکم**) (5:3) یہ جو Compromise کی کوششیں کر رہے تھے کہا آج ناامید ہو گئے اس چیز سے کہ نہیں یہ بڑی سخت ہڈی کی قوم ہے Compromise پہ تیار نہیں ہوتی۔ یہ اور بات ہے کہ ساری عمر کوئی شخص گائے کا گوشت ہی نہ کھائے کوئی ساری عمر اونٹ ذبح ہی نہ کرے۔ لیکن ایسے وقت میں جب اس کا اثر یوں پڑنے والا ہو پھر تو یہ کیفیت ہے۔ (**الیوم یئس الذین کفروا من دینکم**) (5:3) دین کے معنی غلبہ ہوتا ہے اصل میں۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ نہیں! غلبہ ہے تمہارا' قوت ہے تمہارے پاس' مایوس ہو گئے۔ کہا اب یہ صورت کہ ایسے وقت میں ان کے اس طرح سے کھلا ہوا بگاڑ پیدا کر دینا وہیں ان کی سرحد پہ جا کے گائے ذبح کر دینا (**فلا تخشوھم**) (5:3) مت ڈرنا ان سے۔ دیکھا کہاں **تخشو** آیا ہے ڈر کی بات آ جاتی ہے نا ایسے میں' ہزار مصلحتیں دامن گیر ہو جاتی ہیں انسان کے (**فلا تخشوھم و اخشون**) (5:3) ڈرنے کی بات تو صرف یہ ہے کہ ہمارے قانون کی معصیت نہ ہو بس' اور کسی چیز کے ڈرنے کی بات نہیں ہے۔ جہاں جہاں بھی عزیزانِ من! یہ آیا نا قرآن کریم میں خدا کہتا ہے کہ مجھ سے ڈرو' یہ ڈر و والی بات جو ہے نا یہ غلط ہے اس کا مفہوم۔ ڈر تو بجائے خویش ایک Psychological بے حد بری مرض کا نام ہے۔ قرآن تو ڈر کو نکالتا ہے (**ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون**) کہتا ہے مومن کی Definition کہ ان کو تو کسی قسم کا خوف اور حزن ہوتا ہی نہیں ہے' ڈر کیا معنی۔ یہ خدا سے ڈرنا نہیں ہوتا ڈرنا یہ ہوتا ہے جیسے ہم بچے کو کہتے ہیں کہ آگ کے پاس نہ جانا جل جاؤ گے' سانپ کو نہ چھیڑنا ڈس جائے گا۔ ہم اس آگے سے جو مضر اثر پہنچتا ہے اس سے ڈرتے ہیں' سنکھیا جو ہلاکت آفریں ہوتا ہے اس سے ڈرتے ہیں یہ کسی فرد کا خوف نہیں ہوتا دل کے اندر۔ یوں کہیے کہ قوانین خداوندی کی خلاف ورزی سے جو تباہ کن نتائج ہوتے ہیں ان کی احتیاط ان کا جو احساس ہوتا ہے اسے خوف کہا جاتا ہے۔ قرآن نے کہا ہے کہ ان سے مت ڈرو کہ ان کے ساتھ اس طرح سے بگاڑ پیدا ہو جائے گا تو یہ نقصان ہوگا یہ نقصان ہوگا یہ کوئی چیز دنیا میں ڈرنے کی نہیں ہے ڈرنے کی تو ایک ہی بات ہے کہ قانون خداوندی کی معصیت اگر ہو جائے گی خلاف ورزی ہو جائے گی تو وہاں سے ڈرنے کی بات ہے

تمہارے لیے۔ یہ جو کہا کہ آج مایوس ہوگئے یہ تمہارے دین سے تمہارے غلبے کی طرف سے۔ تو کہا (**الیوم اکملت لکم دینکم**) (5:3) آج تمہارے لیے تمہارا دین ہم نے مکمل کردیا۔ یہ **الیوم** جو ہے عربی زبان میں ٹھیک ہے اس کو بھی کہتے ہیں دن (Day) جسے کہتے ہیں صبح سے شام تک کا وقت لیکن یہی معنی نہیں ہوتے۔ یہ Day انگریزی میں بھی آپ دیکھیں گے اس کے بڑے وسیع معنی ہوتے ہیں Good All Days۔ دور، عہد، زمانہ ان سب کے لیے قرآن میں یوم آتا ہے۔ حتیٰ کہ جو کہا ہے کہ خدا کا ایک ایک یوم پچاس پچاس ہزار سال کا ہوتا ہے اس کے لیے بھی لفظ یوم کا ہی آیا ہے (Period , The Age , Era) زمانہ۔ دو معنی ہوسکتے ہیں۔ عام طور پہ کہا جاتا ہے کہ یہ آیت آخری آیت تھی قرآن کریم میں جس میں کہا گیا کہ آج تمہارا دین مکمل ہوگیا ہے اس کے بعد قرآن مکمل ہوگیا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ بھی ہو میں نہیں یہ کہہ سکتا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یوم کو اگر وسیع معنوں میں لیا جائے اس دور میں آ کے، قرآن نے کہا ہے کہ دین کی ابتدا حضرت نوحؑ سے ہوئی پہلے دن سے اور آہستہ آہستہ انسان کی ارتقائی حالتوں کے ساتھ یہ چیز آگے بڑھتی چلی گئی آگے بڑھتی چلی گئی تا نکہ انسانیت اپنے بلوغ کو پہنچ گئی بچپن کے دور سے نکل گئی۔ یہاں آنے کے بعد دین کو مکمل کردیا تکمیل ہوگئی دین کی۔ دین کے معنی ہیں وہ غیر متبدل اصول جن کے تابع زندگی بسر کرنے سے اس دنیا کی حسنات بھی حاصل ہوتی ہیں اگلی زندگی کی حسنات بھی حاصل ہوجاتی ہیں۔ دین نظام کو کہتے ہیں کہ اب اس دور میں آ کے وہ دین جس کا آغاز اتنے عرصے پہلے ہوا تھا آج اس دور میں وہ تکمیل تک پہنچ گیا قرآن کے اندر اسے دیا قرآن کو محفوظ کردیا ہمیشہ کے لیے دین کی تکمیل بھی ہوگئی۔ (**تمت کلمت ربک صدقًا و عدلًا، لا مبدل لکلمة الله**) تکمیل ہوگئی کہ کسی اضافے کی ضرورت نہیں، تبدیلی کی بھی اس میں کوئی ضرورت ہیں اس میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکے گا غیر متبدل مکمل محفوظ دین قرآن کے اندر۔ تو کہا کہ اس کی تکمیل کردی ہم نے یہاں، یہ معنی بھی اس کے ہوسکتے ہیں۔ (**و اتممت علیکم نعمتی**) (5:3) اور اس طرح سے ہم نے اپنی نعمت کو مکمل طور پر تمہیں دیدیا مکمل کردی نعمت بھی۔ یہ بڑی چیز ہے تکمیل نعمت۔ یہ نعمت کیا ہے؟ ویسے تو بڑی تفصیل طلب بات ہے قرآن کی رو سے۔ لیکن آپ غور کیجیے انسانوں کو پیدا کیا تو ان کے لیے زندگی کے جتنے سامان کی ضرورت تھی وہ خدا نے اپنی طرف سے بلا مزد و معاوضہ یہاں مہیا کردیا: یہ روشنی، حرارت، ہوا، پانی، زمین جس میں ذخیرہ ہے انسان کی زیست کا خوراک غذا کا۔ یہ ساری چیزیں بطور نعمت دی ہیں۔ یہ تو اس کی طبعی زندگی ہوئی۔ انسان کی زندگی طبعی زندگی یا حیوانی زندگی ہی تو نہیں ہے اس کی انسانی زندگی کے لیے پھر اس نے اپنی طرف سے یہ راہنمائی دی یہ بھی بلا مزد و معاوضہ دی۔ یہ دونوں چیزیں دیں تو یہ تکمیل نعمت ہوئی۔ اب اس کی طبعی زندگی اور انسانی زندگی کے لیے جن چیزوں کی بنیادی طور پہ ضرورت تھی وہ ساری بلا مزد و معاوضہ خدا کی طرف سے ان کو مل گئیں یہ ہے نعمت۔ کہا اس کی بھی تکمیل ہم نے کردی دونوں چیزیں دیدیں۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ یہ جو نعمت خداوندی ہے پھر ان سے انسانوں کو کون محروم کرتا ہے؟ یہ بالا دست سرمایہ داروں

کا طبقہ، جتنی چیزیں Physical زندگی کی ضروریات کی تھیں ان کے راستے میں یہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور یہ جو انسانیت کی تکمیل کے لیے خدا نے اپنی طرف سے راہنمائی اور ہدایت دی تھی اس کے راستے میں مذہبی پیشوائیت کھڑی ہو جاتی ہے۔ دونوں نعمائے خداوندی کے راستے میں رہزن اور قزاق ہوتے ہیں اسی لیے ہامان کے ساتھ قرآن نے قارون کا بھی ذکر کیا ہے۔ جتنے انبیائے سابقہؑ اور امم گذشتہ کی داستانیں قرآن میں آئی ہیں آپ دیکھئے گا ہر ایک کے ساتھ یہ کہا کہ انہوں نے یہ کہا کہ ہم خدا کی نعمتوں کو عام کرنے کے لیے آئے ہیں۔ اور ان میں سے مترفین کا طبقہ اور مذہبی پیشواؤں کا طبقہ وہ آگے بڑھا اور انہوں نے سخت مخالفت کی اس دین کی۔ خدا نے اتمام کر دیا تھا نعمت کا، تکمیل کر دی تھی نعمت کی کہا یہ چیز ہوگئی۔ (ورضیت لکم الاسلام دینًا) (5:3) دینًا یہاں آیا ہے 'بطور ایک ضابطۂ حیات کے' بطور ایک نظام زندگی کے الاسلام کو تمہارے لیے ہم نے پسند کر دیا ہے۔ یہ الاسلام کیا ہے؟ اسلام کے تو معنی ہیں جھک جانا کسی کے سامنے۔ دعائے ابراہیمیؑ جو تھی کعبے کی تعمیر کے بعد حریم کعبہ میں کھڑے ہو کے پہلی دعا مانگی گئی مانگنے والا بھی خدا کا نبی تھا۔ پہلی دعا تو اس کے لیے یہ تھی کہ یا اللہ! میں اپنی اولاد کا ایک حصہ وادیٔ غیر ذی زرع میں بسا رہا ہوں وررزق علیھم من السمآء ان کے رزق کا سامان ضرور کر دینا۔ کعبے کی پہلی دعا ہے یہ، مانگنے والا خدا کا ایک رسول ہے یہ دعا تھی۔ اور اس کے بعد یہ تھی کہ ان کی ذریت میں سے وہ قوم پیدا کر (امۃ مسلمۃ لک) کہ جو صرف تیرے قوانین کے سامنے جھکے۔ یہاں مسلم ہے یہ مسلمۃ لک کہہ کے آپ نے دیکھا کہ کس طرح سے ہر اس چوکھٹ کو اکھیڑ کے رکھ دیا جہاں انسان کا سر جھک سکتا تھا خدا کے علاوہ۔ ایسی قوم جو کسی اور کے سامنے نہ جھکے اور سرکش بھی نہ ہو جائے ابلیس کی طرح، جھکنا تو ہے جھکے تو صرف تیرے سنگ آستاں پہ جھکے مسلمۃ لک۔ الاسلام ہے یہ جو خدا نے دین یا نظام زندگی کا دیا ہے صرف اس کے سامنے جھکنا اس کے علاوہ کہیں اور نہ جھکنا یہ ہے الاسلام۔ کہا یہ تکمیل ہوگئی دین کی، نعمت کی بھی ہمارے تکمیل ہوگئی اور یہ ہے وہ نظام جو تمہارے لیے ہم نے تجویز کیا ہے اب اسے الاسلام کہا جائے گا وہ جس کے سامنے جھکنا ہے تم نے۔ ایمان ہے اس دین کی صداقتوں کو قلب اور دماغ کے ایمان سے تسلیم کر لینا Conviction ان کے اوپر ہو جانا یہ ایمان ہے، عملاً اسکے مطابق زندگی بسر کرنا یہ الاسلام ہے۔ وہ بنیاد ہے یہ اس کے اوپر اٹھی ہوئی عمارت ہے ان دونوں کے مجموعے کو عملی دین کہا جائے گا جس کی تکمیل قرآن کریم میں آ کر ہوئی۔ اس کے بعد (فمن اضطر فی مخمصۃ غیر متجانبف لاثم فان اللہ غفور رحیم) (5:3) یہ میں پہلے پڑھ چکا ہوں کہ مجبوری کے عالم میں اس کی اجازت ہے۔ (یسئلونک ماذا احل لھم) (5:4)

یہ پوچھتے ہیں کہ حلال کیا کیا چیزیں ہیں۔ یہ تھا مذہب کا تصور کہ صاحب لسٹیں دونوں مرتب ہونی چاہئیں حرام کیا ہے اور حلال کیا ہے۔ قرآن نے کہا کہ یہاں انسان کو تو آزاد پیدا کیا گیا ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے کرۂ ارض پہ بکھیر دیا ہے یہ سب حلال ہے بجز اس کے کہ جو ہم

نے یہ چیزیں گنائی ہیں بس یہ حرام ہیں باقی حلال وطیب ہیں۔ یہ پوچھتے ہیں اپنے پرانے خیال کے مطابق۔(**قل احل لکم الطیبٰت**) (5:4) ساری چیزیں حلال ہیں ان کو چھوڑ کے' ان میں سے جو خوشگوار تمہیں نظر آئیں کھاؤ پیؤ موج لو۔

اسی سلسلے میں شکار کے سلسلے میں بات ہوئی یہ بھی سوال ہوا ہوگا۔ وہاں یہ انداز تھا ان کا کہ کتوں کے ذریعے سے بھی شکار کرتے تھے۔(**وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونھن مما علمکم اللہ**) (5:4) یہ اس طرح سے شکاری جانور کہ ان میں سے کتے بھی ہیں شکاری جانور جو ہیں ان کا کیا ہوا شکار؟ تو کہا ٹھیک ہے جنہیں تم سدھاتے ہو سکھاتے ہو اس طرح سے شکار کرنا ان کا کیا ہوا شکار بھی جائز ہے۔ یہاں ایک بڑی اہم چیز آتی ہے اگرچہ اس کا موقعہ اور کہیں آئے گا(**تعلمونھن**) تم ان کو سکھاتے ہو سدھاتے ہو ان جانوروں کو شکار کھیلنا(**مما علمکم اللہ**) اس طرح جیسا اللہ نے تمہیں سکھایا ہے۔ آپ غور کریں تو اللہ تو کسی کو آ کے نہیں سکھاتا کہ یہ طریق ہے کتوں کے ذریعے شکار کرنے کا باز کے ذریعے شکار کرنے کا۔ یہ **مما علمکم اللہ** بڑی اہم چیز ہے کسی دوسرے وقت میں تفصیل میں جاؤنگا تو عرض کرونگا کہ خدا نے اس کو اپنی طرف منسوب کیا ہے کہ ہم نے جس طرح سے سکھایا ہے۔ حالانکہ میں نے جیسا عرض کیا ہے اس کا سوال ہی نہیں ہے کہ خدا آ کے کسی کو سکھائے۔ یہ کیا چیز ہے؟ انسان کے اپنے اندر یہ صلاحیتیں ہیں اس قسم کی جن سے وہ سیکھتا ہے۔ تو اس بنیاد کو یاد رکھئے آگے چل کے بڑی کام آئے گی کہ وہ چیزیں جو انسان کے اندر رکھ دی گئی ہیں ان کے ذریعے سے بھی جب یہ کام لیتا ہے تو کام تو انسان لیتا ہے اسے خدا اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ شفا تو انسان کو ملتی ہے خدا کے بتائے ہوئے قائم کردہ قانون کے مطابق علاج سے دوائیوں سے لیکن کہا یہ گیا ہے کہ ہم تمہیں شفا دیتے ہیں۔ یہ جو چیز آ جاتی ہے نا تقدیر کا مسئلہ' خدا دیتا ہے' یہاں آتا ہے کہ رزق خدا دیتا ہے'۔ اس وقت صرف اتنا ہی سمجھ لیجیے بات بڑی لمبی چوڑی ہے وہ کہ ایسی چیزیں جن کو انسان خدا کے مقرر کردہ قانون کے تابع یہ کچھ کرتا ہے کرتا ہے انسان' خدا اسے اپنی طرف منسوب کر لیتا ہے۔(**علمکم اللہ**) جیسا کہ اللہ نے تمہیں سکھایا یہ لفظی ترجمہ ہے اور یہ لفظی ترجمے ہیں جن کی وجہ سے قرآن کریم کے اندر اس قدر پیچیدگیاں اور اشکال پیدا ہوتے ہیں کہ صاحب خدا نے کہا ہے(**ختم اللہ علیٰ قلوبھم**) خدا نے ان کے دلوں پر مہر کر دی تو خدا نے ہی جب مہر کر دی تو وہ کیا کریں بیچارے۔ اور پھر آگے ہے **ولھم عذاب الیم** انہیں بڑی سخت سزائیں دی جائیں گی۔ کہا لو صاحب! آپ تو مہر کر دی اور کہا کہ ان کو سزا دی جائے گی۔ یہ سارے اشکال پڑتے ہیں اعتراضات اٹھتے ہیں اس وجہ سے کہ ہم وہ ترجمہ یہ کر لیتے ہیں اس کا اور یہ نہیں دیکھتے دوسرے مقام پہ کیا ہے۔ دوسرے مقام پہ ہے یہ **ختم اللہ** کی جو بات آ گئی سامنے' دوسرے مقام پہ ہے کہ تمہارے اعمال زنگ بن کر تمہارے دلوں پہ لگ جاتے ہیں اسے کہتے ہیں مہریں لگنا۔ ہائے!!۔**مما علمکم اللہ** جیسے **علم الانسان مالم یعلم** ' **علمہ بالقلم** ' **علمہ البیان** نسبت خدا اپنی طرف کر رہا ہے ہم نے انسان کو یہ علم سکھایا ہم نے اس کو لکھنا سکھایا ہم نے

اس کو بیان کرنا سکھایا۔ میں نے کہا تھا کہ ترجمہ قرآن کا نہیں ہوسکتا مفہوم اس کا یہ ہے کہ انسان کے اندر یہ صلاحیتیں ہم نے رکھ دیں کہ وہ علم حاصل کرسکتا ہے تحریر کے ذریعے مافی الضمیر بیان کرسکتا ہے زبان کے ذریعے سے بات کرسکتا ہے دوسروں کے Communicability کی صلاحیت ہم نے اس کو دیدی اس کے معنی ہیں کہ ہم نے اس کو یہ کچھ سکھایا۔ **مما علمکم الله فکلوا مما امسکن علیکم واذکروا اسم الله** (5:4) وہ جو کچھ بھی شکار کھیل کے لائیں انہیں کھاؤ اللہ کا نام اس کے اوپر لے لیا کرو۔ یہ وہی بات پھر وہ آ گئی۔(**واتقوا الله**) (5:4) بابا! سیدھی بات یہ ہے کہ خدا کے قوانین کی نگہداشت کیا کرو۔(**ان الله سریع الحساب**) (5:4) عجیب چیز وہاں کہدی۔ حرام کھانے سے صاحب بگڑتا کیا ہے' وہ کہتا ہے صاحب روز موٹے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ بات ٹھیک ہے۔ یعنی اگر آپ خالص گھی محنت کی کمائی سے خرید کے لے آئیں چوری کے پیسے سے خرید کے لے آئیں گھی کے Contents بھی وہی ہیں طبعی جسم کے اوپر ان کے اثرات بھی وہی ہیں کچھ فرق ہی دونوں میں نہیں پڑتا۔ یہ جو فرق پڑتا ہے اس کا ہمیں احساس نہیں ہوتا سنکھیا کھانے سے جو فرق پڑتا ہے اس کا تو احساس فوراً ہوجاتا ہے یہ حرام کی کمائی کے کھانے کا جو اثر پڑتا ہے اس کا احساس ہمیں نہیں ہوتا۔ کہا ہے کہ ٹھیک ہے تمہیں احساس نہیں ہوتا اور ہوگا بھی کہیں تو بڑی دور جا کے ہوگا لیکن ہمارے قانون کی رو سے تو اس کا اثر اسی وقت مرتب ہونا شروع ہوجاتا ہے اسے کہتے ہیں(**ان الله سریع الحساب**) بڑی جلدی کرتے ہیں ہم اس میں۔ ڈاکٹروں سے بھی پوچھئے جسے یہ کہتے ہیں کہ صاحب! رات اچھا بھلا سویا تھا صبح اٹھے ہیں تو وہ فوت ہوگیا۔ جب ان سے کہیے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ اچھا بھلا نہیں سویا تھا یہ تو دو برس پہلے سے اس کی دل کی حالت یہ ہورہی تھی تم نے چیک اپ نہیں کرایا' تمہیں اس وقت پتہ چلا جب یہ بالکل ختم ہی ہوگیا۔ غلط اعمال کا اثر اسی وقت مرتب ہونا شروع ہوجاتا ہے اس کے محسوس نتائج ہمارے سامنے دیر میں آتے ہیں ہمارے سامنے۔ اسی لیے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون کے متعلق کہا بڑا سریع الحساب ہے اسی وقت شروع کردیتا ہے وہ تو حساب کرنا۔(**الیوم احل لکم الطیبٰت**) (5:5) پھر دہرا دیا آج اس دور میں جب یہ تکمیل دین ہوئی ہے طیبٰت تمہارے لیے سب حلال ہیں۔ اب کسی کو حق حاصل نہیں ہے کہ حرام اور حلال کی فہرستیں مرتب کرتا رہے تمہارے واسطے' ان کی اتھارٹی سب ہم نے ختم کردی ہے آج۔ آپ کو پتہ ہے آپ کے ہاں کتنی فہرستیں مرتب کی ہوئی ہیں۔ کہتا ہے ہم نے حلال کی ہیں' کہتے ہیں تم کرتے پھرو ہم حرام کرتے ہیں۔ اللہ اکبر۔(**طعامکم الذین اوتوا الکتٰب حل لکم و طعامکم حل لھم**) (5:5)

یہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ اس زمانے میں وہاں تھے ان کے ہاں کا کھانا بھی تمہارے لیے ہم نے جائز قرار دیدیا۔ یہ کیا بات ہے؟ معاشی تعلقات جو ہیں ان کی پہچان ایک دوسرے کے ہاں کھانے سے ہوتی ہے۔ آپ کے ہاں کوئی ملنے والا آئے کھانے کی کوئی چیز آپ رکھئے اس کے سامنے' بغیر کھائے اٹھ کے چلا جائے آپ دیکھتے ہیں ذہن میں آجاتا ہے کہ صاحب وہ تعلقات نہیں رکھنا چاہتا میں اس کے گھر کا نہیں کھاؤنگا۔

معاشرے میں یہ چیزیں پہچان کی ہوتی ہیں وہ ان لوگوں کے ساتھ اگر چہ دین کے معاملے میں کوئی مفاہمت نہیں چاہتا معاشرتی تعلقات جو ہیں ان سے قائم رکھنا چاہتا ہے وہ نہیں بگاڑتا اس طرح سے۔ یہ اہل کتاب جو تھے اس زمانے میں وہاں یہودی نصاریٰ وغیرہ یہ چیزیں ان کے ہاں بھی حرام تھیں۔ یہ جو عیسائیوں میں اب سؤر کھا لیا جاتا ہے نا یہ بعد کی چیز ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے تو قانون کوئی دیا ہی نہیں تھا آپؑ نے کہا تھا کہ میں شریعت موسویؑ ہی کی تجدید کرنے کے لیے آیا ہوں۔ تو یہودیوں اور نصاریٰ میں یہ چیزیں Common چلی آ رہی تھیں۔ شاید آپ کو یاد ہوگا میں نے بتایا تھا کہ وہ تو بعد میں ان کا ایک فرقہ تھا جو بڑا متشدد تھا عیسائیوں کا یہودیوں کے خلاف ان کی دشمنی انتقام نفرت انتہا تک ہے۔ یہودی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے ان کے پیغمبر کو صلیب پہ چڑھا کے لعنتی موت مار دیا آپ سوچئے تو سہی کہ ان کے ساتھ ان کی دشمنی کی کیا صورت ہوگی۔ تو وہ ایک فرقہ تھا جو یہاں تک پہنچا کہ اس دشمنی کا تقاضا یہ ہے کہ جو کچھ یہودی کریں ہم اس کے خلاف کریں۔ چنانچہ عیسائیوں کے ہاں بھی پہلے حضرت عیسیٰؑ خود اور ان کے ہاں عیسائی مختون ہوتے تھے ختنہ کرتے تھے یہودیوں کی طرح' سؤر ان کے ہاں بھی حرام تھا یہودیوں کی طرح۔ انہوں نے کہا کہ صاحب ہم ان کے خلاف کریں گے یہ ختنہ کرتے ہیں ہم ختنہ نہیں کریں گے یہ سؤر حرام سمجھتے ہیں ہم سؤر کھائیں گے۔ کھاؤ سؤر!!۔ تو ان کے ہاں یہ شرعاً حرام چیزیں نہیں تھیں۔ تو یہ جو کہا ہے کہ ان کے ہاں کا کھانا حلال ہے تو پہلی چیز تو یہ ہے کہ معاشرتی تعلقات کی بناء پر۔ پھر ان کے ہاں ذبیحہ جو تھا آج تک بھی یہودی اپنی شریعت پہ وہ قائم ہیں وہ واقعی خدا کا نام لیتا ہے ذبیحہ کے اوپر۔ اسی لیے تو وہاں کا شر جو ہے اس کی تلاش کرتے پھرتے ہیں یورپ میں لوگ یہودیوں کے ہاں کا ذبیحہ۔ ان کے ہاں کی یہ چیز جو تھی حلال تھی۔ یہاں سے ایک بات سمجھ لیجیے اہل کتاب کے ہاں کا کھانا حلال ہے اب اہل کتاب میں تو چونکہ عیسائی شامل ہیں۔ تو عیسائیوں کے ہاں اگر آپ جائیں اور ان کے ہاں سؤر پکا ہوا ہو تو آپ کہیں گے نا صاحب! قرآن نے کہا ہے اہل کتاب کے ہاں کا کھانا جائز ہے' ٹھیک ہے۔ یعنی مسلمان کے گھر میں سؤر پکا ہو تو وہ تو حرام عیسائی کی میز پہ رکھا ہو تو وہ تو حلال کہ جی قرآن یہ کہتا ہے۔ اسے سمجھ رکھئے کہ جو حرام ہے وہ تو حرام قطعی ہے سوال ہی نہیں ہے کہ وہ کس کے گھر میں پکا ہوا ہے وہ تو اگر کوئی کعبے میں جا کے بھی نیاز دیدے تو حرام حرام ہی رہے گی۔ تو اس لیے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہاں جا کے امتیاز ہی اٹھا دو کہ ان کے ہاں جو پکا ہوا ہے وہ حلال ہے یا حرام ہے۔ وہ تو حلال بہر حال ہونا چاہیے۔ معاشرتی تعلقات کی بناء پر یہ کہا کہ ان کا کھا لیا کرو۔ آگے ہے (**و طعامکم حل لھم**) (5:5) تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ان الفاظ سے کہ صاحب ان کے متعلق یہ کہنا یہودیوں اور عیسائیوں کو کہ تمہارے لیے بھی بھئی حلال ہے ان کے ہاں کا کھانا۔ وہ پوچھیں گے کہ آپ سے پوچھتا کون ہے ہم جہاں سے جی چاہے کھائیں جہاں سے جی چاہے نہ کھائیں تم کون ہوتے ہو ہمارے متعلق یہ حکم دینے والے کہ صاحب تمہارے لیے بھی یہ حلال ہے۔ یہ بات نہیں ہے۔ یہ عربی زبان کا ایک قاعدہ ہے تو یہ اس کی رو سے یہ چیز آتی ہے

اسے گرائمر میں حالیہ کہتے ہیں۔اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر یہ ایسے تعلقات قائم رکھیں تم سے کہ تمہارے ہاں کا کھانا کھا لیا کریں تو تم بھی ان کے ہاں کا کھا سکتے ہو بشرطیکہ وہ حلال وطیب ہو یہ ہیں معنی اس کے۔معاشرتی تعلقات Reciprocity چاہتے ہیں جن سے تم تعلقات وابستہ رکھتے ہو وہ بھی تمہارے ساتھ یہ تعلقات وابستہ رکھیں۔اس ٹکڑے کے یہ معنی ہیں کہ اگر یہ ایسا چاہیں تو ٹھیک ہے تمہیں اجازت ہے بشرطیکہ حلال وطیب ہو۔

(والمحصنٰت من المؤمنٰت) (5:5)

مومن عورتیں پاک دامن ان سے مومن پاک دامن۔یہ یاد رکھئے کہ یہ نہیں ہے کہ یہ محصن ہونا صرف عورت کے لیے ہی شرط ہے قرآن کی روسے' مرد کے لیے بھی حفاظت عصمت اسی طرح ضروری ہے جیسے عورت کے لیے ہے۔یہ بات کئی دفعہ آ چکی ہے اور آگے آئے گی یہاں تو ضمناً ہے۔یہ عورتیں حلال ہیں یہاں ہے (والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم) (5:5) اور ان اہل کتاب کی پاک دامن عورتیں جو ہیں ان کے ساتھ بھی نکاح جائز ہے۔صرف جائز ہے کی شرط یہاں ہے Permision ہے اس چیز کی صرف اور وہ اس لیے مشرک سے تو قرآن نے قطعاً حرام قرار دیا تھا یہ لوگ بہر حال خدا کو مانتے تھے انبیاء کو مانتے تھے کتابوں کو مانتے تھے۔ان ماننے کے اندر ان کے ہاں غلط فہمیاں ہو چکی ہوئی تھیں یہ قریب تر تھے یہ لوگ مسلمانوں سے ان معنوں میں۔ان کے ہاں کی عورتیں یاد رکھئے! مسلمانوں کی لڑکی ان کے ہاں جانی جائز نہیں ہے اُن کے ہاں کی لڑکیاں ان کے ہاں لانے کی اجازت صرف دی گئی تھی کہ اس گھر میں آنے سے ان کے اوپر اس گھر کا زیادہ اثر پڑ سکتا ہے۔اور وہ پہلے سے ہی اتنا زیادہ قریب تھیں ان کے' ان کے ہاں کی ان معاشی ضرورتوں کو پورا کرنے کی یہ چیز تھی۔اور ابھی یہ عرض کردوں کہ یہ صرف Permisive تھی یہ چیز صرف اجازت تھی کہ اجازت تو اس کی دی گئی۔پہلے حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہی اس کی وجہ سے کچھ معاشرتی اور سیاسی خطرات پیدا ہونے شروع ہو گئے تو انہوں نے ہی اس کی روک تھام کر دی۔اور حضرت علیؓ کے زمانے میں یہ بات زیادہ کچھ بڑھی تو انہوںؓ نے تو بند ہی کر دیا تھا اس کو قطعاً کہ وہ ضرورت جس کے ماتحت یہ اجازت دی تھی وہ ضرورت بھی ہمارے ہاں نہ رہی اور ان کی وجہ سے بہت سے فتنے پیدا ہو رہے ہیں۔بند کر دیا گیا تھا۔اب بھی اسلامی حکومت آپ کے ہاں کوئی قائم ہوگی اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ جتنی چیزیں Permisive ہیں ان میں سے جس کو بھی اپنے ہاں دیکھے کہ کوئی خطرہ اس سے لاحق ہوتا ہے اسے وہ روک سکتی ہے۔یہ عام حکومت بھی اگرچہ وہ اسلامی نہیں اگر حلال وطیب بکرے کا گوشت ہفتے میں دو دن بند کر سکتی ہے تو اس قسم کی چیزیں جن سے اتنے بڑے فتنے پیدا ہوتے ہیں ان کو کیوں نہیں روک سکتی۔اور میں تو سمجھتا ہوں کہ بہت عرصہ پہلے سے ہی حضرت علیؓ نے جو روکا تھا اس کے بعد اس کی اجازت ہی نہیں ہونی چاہیے تھی۔مسلمان کو تو پوچھئے نہیں اس معاملے کے اندر وہ اجازتیں ''لبھد اپھردا ہیگا'' اسے تو کہیں سے گنجائش ملنی چاہیے۔(من قبلکم اذا اٰتیتموھن اجورھن) (5:5)

مہر کے متعلق میں واضح کر چکا ہوں کہ یہ کیا چیز ہے یہ کوئی بدل یا معاوضہ نہیں تھا کسی چیز کا' قرآن نے اسے گفٹ کہا ہے تحفہ کہا ہے اور کہا اس لیے ہے کہ وہ عورت کی قیمت مرد کے مقابلے میں وزن زیادہ رکھنا چاہتا ہے دونوں کو اس پلڑے کے اندر رکھو تو وہ کہتا ہے کہ نہیں! عورت کا پلڑا جھکتا ہے تمہیں اس کے ساتھ کچھ اور تحفتاً دینا ہوگا تا کہ تمہارا وزن برابر ہو دونوں کا' یہ مقام تھا عورت کا۔(محصنین غیر مسافحین و لا متخذی اخدان) (5:5) نکاح کے لیے دو باتیں قرآن یہاں کہہ گیا ہے۔قرآن کا انداز یہ ہے اور میں سمجھتا ہوں یوں جیسے گویا میری اس مجبوری کو سامنے رکھ کے قرآن نے یہ بات کہی ہو محفل میں بیٹیاں اور بہنیں ہوتی ہیں بات کنایتاً کی جا سکتی ہے۔قرآن صرف عورتوں کے لیے نہیں اترا تھا وہ تو پوری انسانیت کے لیے تھا۔لیکن آپ دیکھیں گے کہ جتنے مسائل یہ جنسیات سے متعلق آتے ہیں قرآن میں اس نے ہر جگہ کنایتاً بات کی ہے۔ شریفوں کا یہی تقاضا ہوا کرتا ہے۔یہاں بھی بات وہ کنایتاً کرتا ہے(محصنین غیر مسافحین) (5:5)

یہ نکاح میں لاؤ ان حدود اور پابندیوں کو قائم رکھنے کے لیے جو تمہیں بتائی گئی ہیں۔غیر مسافحین کنایہ کا لفظ ملتا نہیں ہے قرآن نے تو جو Use کیا ہے کیا بات ہے اس کی۔معذرت کے ساتھ عرض کرونگا لفظی ترجمہ ہے ''محض اس مادے کو بہانے کے لیے نہیں'' اللہ اکبر۔سب کچھ کہہ گیا ہے نکاح کا مقصد بھی بتا گیا ہے غیر مسافحین محض اس حیوانی جذبے کی تسکین کی خاطر نہیں' یہ مقصد ہی نہیں ہے۔بڑی دور بات چلی جائے گی۔وہ یہ تعلقات جو ہیں نکاح کے متعلق بڑا دور رس اس کے نتائج ہوتے ہیں اولاد پہ کتنا بڑا اثر اس کا پڑتا ہے اس لیے اسے تو '' گج گجا کے ڈھول وجا کے شہنائیاں وجا کے واجے وجا کے ایہدا اعلان کرنا چاہیدا ہیگا''(ولا متخذی اخدان) (5:5) چھپ چھپا کے نہیں۔کہاں جا رہا ہے قرآن !!۔اور اس سے جو Inhidition پیدا ہوتی ہے سائیکولوجی کے طالبعلم جانیں گے یہ اس قسم کا جو خفیہ رکھا ہوا نکاح ہوتا ہے اس سے Psychological Inhiditions پیدا ہوتی ہیں پتہ نہ چلے کسی کو کہ بیوی ہے۔ہمارے ہاں دفتر میں ایک بیچلر کوارٹر ملا کرتے تھے جو اپنے بچوں کو ساتھ نہ رکھیں (دلی کی بات ہے) ہمارا ایک یار ہوتا تھا وہ رہ ہی نہیں سکتا تھا وہ کبھی کبھی بیوی کو لے آتا تھا۔کسی نے شکایت کر دی وہ انگریز تھا افسر اس سے اس نے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ تم اپنی بیوی کو لے آئے ہو' کہنے لگا نہیں صاحب' کہنے لگا وہ عورت تو ہے وہاں' کہنے لگا جی ''اوہ تے میرے چاچے تی دھی بہن اے' او چاچے دی دھی نال وہیا ہویا سی او چاچے دی دھی بہن ای دسدا ہوندا سی''۔کہا یہ نہیں ہے۔یہ ایک قانونی چیز ہے اس کا اعلان ہونا چاہیے مقصد اس کا غیر مسافحین ۔اور یہ بھی چیز نہیں ہے کہ تم چھپے چھپائے ہوئے یہ چیزیں جو ہیں کرو' اس کے معنی بدمعاشیوں کے نہیں ہیں بلکہ یہ چیز کہ اس طرح سے تم خواہ نکاح بھی کیوں نہ کر کے رکھو معاشرے میں اس کا اعلان نہ ہو پتہ نہ ہو تمہارے تعلقات کیا ہیں جیسا میں نے عرض کیا ہے بچوں کے اوپر اس کا کتنا بڑا اثر پڑتا ہے۔اور یہ ایک چیز ہے قرآن نے جس کے لیے کہا ہے دیکھئے کتنی دور رس نگاہ جا

رہی ہے، جائے کیوں نہ اس خبیر وعلیم کا ہے ''بھاویں اوہدے اپنا نہ منڈا کڑی ہے نہ بیوی بچے نیں اوساڈیاں نوں تے جاندا اے ناں'' ۔(ولھن مثل الذی علیھنا بالمعروف) بیوی کے ذمے جتنی ذمہ داریاں ڈالتے ہوا تنے ہی اس کے حقوق ہوجاتے ہیں برابر برابر ہو تم دونوں لیکن کہا ہے کہ مرد کا ایک درجہ جو ہے وہ بلند ہے۔اور یہ جو ہے نا اتنا ٹکڑا پیش کر دیتے ہیں آیت کا کہ جی دیکھو قرآن نے کہا ہے۔یہ بلند درجہ کیا ہے؟ کہ بیوگی کی صورت میں یا طلاق کی صورت میں عورت کو تو عدت کی مدت پوری کرنی پڑتی ہے دوسری شادی کے لیے، مرد کو یہ نہیں پوری کرنی پڑتی۔بس یہ ہے جس میں مرد کو فوقیت حاصل ہے ''آ فوقیت ملاحظہ فرماؤ'' ۔لیکن قرآن ہے صاحب جب یہ اس نے کہا ہے کہ مساوی ہیں ان دونوں کے حقوق تو جہاں ذرا سا بھی ایک درجہ بلند تھا کہا کہ اس معاملے کے اندر یقیناً مرد کو ذرا سی فوقیت حاصل ہے۔تم دیکھو گے کہ فوقیت حاصل ہے اس سے یہ نہ کہہ دینا کہ ''اللہ میاں رعی کر گیا ہیگا کیونکہ اللہ دوی تے میاں اے نا بیوی نئیں نا'' یہ بات نہیں۔کہا یہ اس لیے کہ اس کے بعد اس چیز کی تحقیق اور یقینی طور پہ تفتیش کی ضرورت ہے کہ وہ عورت حمل سے تو نہیں ہے کیونکہ اس کا اثر ہونے والے بچے کے اوپر قانوناً پڑے گا۔اس لیے اتنی مدت جس میں یہ چیز نمایاں ہوجاتی ہے کہ Pragnancy ہے یا نہیں اتنی مدت کے لیے عورت کو انتظار کرنا پڑے گا۔وہ آنے والے بچے کے حقوق کی نگہداشت بھی کر رہا ہے۔جس کی یہ کیفیت ہے وہ اس کی اجازت دے گا کہ چھپے ہوئے کہیں نکاح کر رکھا ہوا ایک کراچی میں ایک لاہور میں ایک ایبٹ آباد میں اور پتہ ہی نہ چلے اس کا، بڑی کوشش سے اس کو چھپا کے رکھا جاتا ہے۔(ولا متخذی اخدان) (5:5) یہ چیزیں کتنی اہم ہیں بظاہر تو یونہی عائلی زندگی کے قوانین ہیں۔(ومن یکفر بالایمان) (5:5) یاد رکھو! جو اس ایمان کے بعد ایسے کفر اختیار کرتا ہے (فقد حبط عملہ) (5:5) باقی جتنے بھی اعمال کرے گا ''کنا ای نمازی روزہ دار پرہیزگار کیوں نہ ہووے'' کہنے لگا سب رائیگاں گئے صاحب اس کے۔اللہ اکبر۔سب رائیگاں گئے۔اور ہمارے ہاں کے ارباب شریعت جو بہت بڑے پابند ہیں اپنے کانوں سے سنا میں نے، ایسی جگہ وہاں رہتے تھے دلی میں۔نام نہیں لینا چاہتا مرحوم ہوگئے ہیں بہت بڑے دلی کے جید عالم تھے ادھر ہم رہتے تھے۔تین چار بیویاں تھی ان میں سے ایک یہاں بھی تھی بیوی بیمار تھی غالباً، وہاں سے بڑی خفگی میں نکلتے ہوئے وہاں دروازے پہ آ کے چلا کے یہ اس سے کہہ رہے تھے اور میں ادھر سے جا رہا تا۔اس سے کہہ رہے تھے کہ نکاح نامے کی شرائط حقہ کے ماتحت نان ونفقہ تو میرے ذمہ آتا ہے بیماریوں کا علاج میرے ذمے نہیں آتا۔یہ فرما رہے تھے۔قرآن کہتا ہے (من یکفر بالایمان) ان معاملات میں جو ان چیزوں سے انکار کرتا ہے (فقد حبط عملہ) (5:5) جتنے اور اعمال کرتا ہے سب رائیگاں چلے گئے۔رائیگاں گئے (و ھو فی الأخرۃ من الخٰسرین) (5:5) دیکھ لے گا کہ آخرت میں کس قدر نقصان اٹھانے والا ہے۔عائلی زندگی کے متعلق عزیزانِ من! اتنی اہمیت حاصل ہے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم . بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المآئدہ۔تیسرا باب (آیت 6)

عزیزانِ من!

آج مارچ 1971ء کی 21 تاریخ ہے اور درسِ قرآن کریم کا آغاز سورۃ مائدہ کی چھٹی آیت سے ہوتا ہے (5:6)۔

(یایھا الذین اٰمنوا اذا قمتم الی الصلوٰہ فاغسلوا وجوھکم و ایدیکم الی المرافق و امسحوا برء وسکم و ارجلکم الی الکعبین) (5:6) یہ اس آیت کا ابتدائی حصہ ہے۔بات تو اس میں وضو کے احکام سے شروع ہوتی ہے جب تم صلوٰۃ کے لیے کھڑے ہو وضو کیا کرو۔صلوٰہ کے متعلق برسوں سے یہ چیز آپ احباب کے سامنے آرہی ہے کہ الصلوٰۃ قرآن کریم کی ایک بڑی جامع اصطلاح ہے جس سے وسیع انداز میں مقصود دین کا سارا نظام ہے جس میں افراد خدائی احکام کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں ان کا اتباع کرتے ہیں ان کی پیروی کرتے ہیں۔جیسا کہ غالبًا پچھلے درس میں بھی میں نے عرض کیا تھا ہم اس کے لیے دعا یہ کرتے ہیں کہ اھدنا الصراط المستقیم اور خود خدا سے متعلق قرآن کریم میں ہے کہ انا ربی الی صراط مستقیم کہ خود خدا بھی صراط مستقیم پہ جارہا ہے۔جارہا ہے کے معنی یہ نہیں کہ وہ ایک مسافروں کی طرح ہماری طرح کسی راستے پہ چل رہا ہے۔وہ خدا کی طرف لے جانے والی راہ جو ہے وہ سیدھی متوازن نشیب وفراز اور پیچ وخم سے مبراء ہے۔اسی راستے کے اوپر چلنے کی دعا مومنین کو سکھائی گئی ہے ان کے لیے بھی زندگی کا پروگرام یہی بنایا گیا۔تو یوں کہنے کے لیے کہیے کہ جس راستے پہ آگے آگے تمہارا خدا جارہا ہے اسی راستے پہ اس کے پیچھے پیچھے تم چلتے جاؤ۔تو یہ جو کسی کے پیچھے پیچھے اس طرح سے چلنا ہے اسے عربی زبان میں صلوٰۃ کہتے ہیں۔لیکن یہ ایک جامع اصطلاح ہے جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ پورے کی پوری زندگی کے نظام پہ حاوی ہے۔انسان کے ہر سانس میں زندگی کے ہر گوشے میں اگر وہ قوانین خداوندی کا اتباع کرتا ہے تو وہ اس صراط مستقیم پہ چلتا ہے اور الصلوٰۃ جو ہے وہ اس کی روش کہلائے گی۔اسی اعتبار سے حضور نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث ہے چمکتے ہوئے موتیوں کی طرح حضور ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ پورہ کرۂ ارض میری مسجد ہے۔محدود مقصود اس سے تو یہ لیا گیا کہ مسلمان کہیں بھی ہو وہ اپنی چادر بچھائے اور نماز پڑھ لے ضروری نہیں ہے کہ کسی عمارت کی تلاش کرے کہ جسے ہم اب اصطلاح میں مسجد کہتے ہیں بلکہ وہ جہاں بھی ہو وہی اس کے لیے مسجد ہے۔یہ اس کا بڑا محدود مفہوم ہے۔حضور ﷺ نے جس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ میں سمجھتا ہوں وہ صلوٰۃ کے نظام کی طرف یہ اشارہ کیا کہ یہ صلوٰۃ اور یہ نماز جسے تم کہتے ہو یہ کسی چاردیواری کے اندر گھری ہوئی شے نہیں ہے نہ ہی یہ صرف اس وقت صلوٰۃ یا نماز ہے کہ جب تم اس فریضے کو اس طرح سے ادا کر رہے ہو بلکہ روئے زمین کا کوئی بھی گوشہ اور کوئی بھی خطہ اور کہیں بھی تم ہو وہی تمہارے لیے مسجد

ہے ہر آن میں ہر سانس میں زندگی کے ہر گوشے میں جس جگہ بھی تم ہو۔ مسجد کے معنی یا تو یہ وہ جگہ ہوگی کہ جہاں ہم خدا کے قوانین کے سامنے سر تسلیم خم کریں یا خود یہ مسجد کے معنوں میں سر تسلیم خم کرنا اس کے معنی ہونگے۔ قوانین خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا یہ تو ہے مسجد اور یہ خود اس نظام کے اتباع میں ان قوانین کے اتباع میں چلنا ایک صراط مستقیم پہ یہ ہے صلوٰۃ۔ تو کہا گیا کہ یہ کسی محدود گوشے میں کسی گھری ہوئی چار دیواری کے اندر مخصوص اوقات میں مخصوص ارکان وغیرہ کے ساتھ جو کچھ کرتے ہو صرف اتنی بات نہیں ہے بلکہ تم زندگی میں کہیں بھی ہو کسی گوشے میں ہو کسی حصۂ ملک کے اندر ہو جہاں کہیں بھی ہو جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اگر وہ قوانین خداوندی کے اتباع میں کر رہے ہو وہ صلوٰۃ ہے اور جہاں بھی تم ہو وہ مسجد ہے۔ اس میں تحدید و تخصیص کا سوال نہیں ہے پوری روئے زمین کے مسجد ہونے سے حضورﷺ کی مراد یہی ہے کہ اسے کہیں گھرا ہوا محدود شکل کے اندر ہی نہ لو کہ اتنا ہی حصہ مسجد اور اتنی ہی شکل تمہاری صلوٰۃ کی ہے۔ صلوٰۃ بھی پورے نظام زندگی کو حاوی ہے اور جہاں بھی تم اس کا اتباع کرتے ہو وہی تمہارے لیے مسجد ہے۔ اس لیے فرمایا کہ میری مسجد پورا کرۂ ارض ہے زمین کا ہر گوشہ جہاں بھی ایک عبد مومن قوانین خداوندی کا اتباع کر رہا ہے وہ اس کے لیے مسجد ہے اور اس کا ایسا کرنا اس کے لیے الصلوٰۃ ہے۔ لیکن اس وسیع مفہوم کو سمٹا کے پھر خود ایک محدود شکل کے اندر جو سامنے لایا گیا مثال کے طور پہ اسے یوں سمجھئے اور جب بھی میں نظام کی مثال دیا کرتا ہوں آپ کو یاد ہے میرے سامنے ہمیشہ اپنا عسکری نظام ملٹری کا سسٹم آ جایا کرتا ہے کہ اب ہمارے ہاں امت میں نظام کی شکل اگر کہیں قائم ہے وہ صرف فوج کے اندر قائم ہے باقی ساری باہر کی زندگی ہماری تو بالکل صلوٰۃ بے امام اور حیات بے نظام ہوگئی ہوئی ہے۔ ہم انفرادی زندگی جی رہے ہیں ہم امت کی زندگی نہیں جی رہے ہم اجتماعی زندگی نہیں جی رہے۔ اور جب یہ کہا گیا تھا کہ جماعت کے بغیر اسلام کا تصور غلط ہے اس کے معنی یہ تھے کہ اسلام ایک اجتماعی نظام کا نام ہے انفرادی زندگی کا نام نہیں ہے۔ تو مثال کے طور پہ اسلام کو بحیثیت دین کے یا نظام حیات کے سمجھانے کے لیے بھی نظام اگر ہمارے سامنے آتا ہے تو یہ فوج ہی کا آتا ہے کہ اس میں نظام کی شکل اجتماعیت کی شکل ہے موجود ورنہ اس سے باہر تو ہماری ساری زندگی انفرادی زندگی ہو چکی ہوئی ہے۔ اس نظام میں آپ دیکھئے جب آپ کہیں گے عسکری نظام' بڑا وسیع مفہوم اس کا ہوگا۔ پہلے دن جس دن وہاں جا کے ایک Candidate ریکروٹ ہوتا ہے پوری ٹریننگ اس کے بعد جہاں جہاں بھی وہ آتا ہے ساری زندگی میں جو کچھ یہ کر رہا ہے وہ سارا اس عسکری نظام ہی کا ایک حصہ ہے۔ لیکن اس میں خاص طور پہ کچھ وقت آتا ہے جس میں وہ خاص ٹریننگ اس کے لیے کرتے ہیں۔ یہ جو مخصوص ٹریننگ کے پیریڈ ان کے اندر ہوتے ہیں سمجھنے کے لیے یہ سمجھئے کہ یہ جو ہمارے صلوٰۃ کے اجتماعات ہیں جنہیں اب ہم مسجد میں نماز کہتے ہیں نماز عربی زبان کا لفظ نہیں ہے پرانی پہلوی زبان فارسی زبان کا لفظ ہے' وہ یوں سمجھ لیجیے سمجھنے کے لیے کہ پورے دین کے پھیلے ہوئے وسیع نظام کی ایک محدود سی فارم کے اندر ایک شکل ہے اس اجتماع کی اور اس ٹریننگ کے لیے ہے جو پورے نظام کے لیے ضروری

ہے۔سمٹی ہوئی شکل اجتماعیت کی کہ جب آواز دی جائے تمام کام کاج دوسرے چھوڑ کر فوراً اس کی طرف آؤ ایک بگل بجنے کے اوپر جہاں جہاں سپاہی ہے وہ دوڑا ہوا وہاں چلا آ رہا ہے۔وہاں آیئے۔اجتماعی شکل پیدا ہوئی اپنے سے ایک بہترین فرد کو اپنا قائد منتخب کیجیے یہ شوریٰ ہوا آپ کے ہاں کا۔یہ جو آپ کے ہاں کا تنخواہ دار امام ہے یہ تصور نہیں ہے نظام کا۔مسجد کی حفاظت کے لیے آپ جس کو جی چاہے آپ رکھ لیجیے۔امامت کا فریضہ تو بڑی اہم چیز ہے اور وہ شوریٰ سے آپ اپنے میں سے اتقاکم جو ہے سب سے زیادہ قوانین خداوندی کا نگہ پرداخت کرنے والا اسے چنیئے اور اپنا لیڈر منتخب کر لیجیے امام منتخب کر لیجیے اور اس کے بعد پھر آپ دیکھیئے اس کی ایک آواز پہ سب جھکے ہوئے اس کی آواز پہ سب اٹھے ہوئے اس میں کوئی انتشار اور افتراق اور اختلاف نہیں ہوگا۔

تیری درگاہ میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

ایک صف کے اندر سب کھڑے ہوئے ایک آواز پہ اٹھنا ایک آواز پہ جھکنا۔اور یہ اٹھنا اور جھکنا کاہے کے لیے؟ ہر سانس میں اس کے اندر خدا ہے قیام ہے تو خدا کے لیے' رکوع کا نیم جھکنا ہے تو خدا کے لیے' Complete Surrende ہے تو خدا کے لیے جسے سجدہ کہتے ہیں۔وہاں قیام بھی اس کے لیے ہے وہاں جھکنا بھی اس کے لیے ہے وہاں کھڑے ہونا بھی اس کے لیے ہے۔یہ پوری ٹریننگ اس کے اندر ہوتی ہے مقصد سامنے یہ ہے کہ ایک آپ کے ہاں کی پوری امت کا ملت کا ایک مرکز ہے جسے کعبہ کہا جاتا ہے (و این ما تولوا ؟؟؟) جہاں کہیں بھی ہو تم روئے زمین پہ اپنی نگاہوں کا رخ اس مرکز کی طرف رکھو۔ان اجتماعات کے اندر شریک ہو تاکہ تمہاری ٹریننگ ہوتی جائے اجتماعی زندگی کے لیے۔جھکنا اور اٹھنا تو ایک طرف رہا اگر وہ امام غلطی کرتا ہے کہیں' تمہیں اس غلطی میں بھی اس کا اتباع کرنا ہوگا۔یہ ٹھیک ہے کہ تم اس کو اشارۃً وارننگ دے سکتے ہو یہ کہہ سکتے ہو کہ یہاں غلطی ہوئی ہے۔لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ اس غلطی میں اگر وہ اسی طرح سے غلط کر رہا ہے تو تم اپنے طور پہ جسے صحیح سمجھتے ہو تم وہی کرو کہ نہیں صاحب! یہاں اس کو وہ دوسرا سجدہ کرنا چاہیے تھا یہ تو اٹھ کے کھڑا ہوگیا میں تو دوسرا سجدہ کرونگا' بالکل نہیں۔یہ اجتہادی غلطیاں جو ہیں بات ہی کیا ہوئی۔انتشار نہیں پیدا ہونے دینا صفوں کے اندر۔اپنے منتخب امام کا اتباع غلطی کے اندر بھی اتباع ہے اور اس کے بعد وہ سجدۂ سہو کرتا ہے یعنی اپنی غلطی کا کفارہ ادا کرتا ہے تو پوری قوم کو کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے۔یہ ہے آپ کے منتخب امام کی حیثیت کہ اس کی غلطی کا کفارہ بھی ساری قوم کو ادا کرنا پڑتا ہے یہ نہیں کہ آپ بری الذمہ ہو کے چلے جائیں کہ صاحب بھگتتے پھریئے۔میں کہہ یہ رہا تھا کہ جنہیں یہ اجتماعات صلوٰۃ کہا جاتا ہے نماز کے اجتماع اس میں بھی وہ پورا جو نظام ہے آپ کے دین کا اس کی ایک سمٹی ہوئی شکل ہے Miniature Form ہے ایک ٹریننگ کی چیز ہے Crystalize شکل ہے مرتکز شکل ہے پورے نظام کی جسے اس طرح سے دہرایا جاتا ہے بار بار کہ آپ کے سامنے وہ چیز رہے۔یوں الصلوٰۃ پورا

نظام زندگی بھی ہے اور وہی لفظ ان اجتماعات کے لیے بھی قرآن نے استعمال کیا ہے جو اس کے لیے ایک مرتکز شکل کے اندر ایک Concentrated Form کے اندر ٹریننگ کے لیے آپ کو دیا جاتا ہے۔ یہ ہیں اجتماعات صلوٰۃ۔ قرآن میں اس صلوٰۃ کے جو وسیع نظام کی شکل میں مفہوم ہیں اس کے لیے بھی قرآن کریم نے ہدایات دیں اور یہ جو اجتماعی شکل میں سمٹی ہوئی شکل اس کی جو ہے اس کے لیے بھی یہ کہا کہ جب تم اس طرح سے اس شکل کے اندر اجتماع کی حیثیت سے آ ؤ۔ تو آپ دیکھئے پہلی چیز اجتماع کے اندر جسمانی طور پر نظافت نفاست پاکیزگی طہارت جسے کہتے ہیں یہ کتنی ضروری چیز ہے۔ گرمی کا موسم خاص طور پہ برسات کا موسم ہو اور وہاں آپ جمعہ کی نماز کہیں پڑھنے کے لیے چلے جائیے مسجد کے اندر اور وہاں آپ دیکھئے کہ یہ ایک چھوٹی سی بات جو قرآن نے جسمانی پاکیزگی کی کہی ہے اس کی طرف سے بے اعتنائی برتنے کا جو نتیجہ ہوتا ہے کہ آپ کا دم گھٹ رہا ہوتا ہے اور کیفیت یہ کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ اب نماز میں کھڑے ہیں ہل بھی نہیں سکتے وہاں' اس قدر تعفن آ رہا ہوتا ہے اس قدر گھن آ رہی ہوتی ہے وہاں۔ تو آپ دیکھئے کہ قرآن کریم زندگی کے چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی کس قدر راہنمائی دیتا ہوا بلند ترین مقاصد کی طرف لے جاتا ہے۔ جب تم صلوٰۃ کے اجتماع کی طرف آ ؤ (فاغسلوا وجوھکم) (5:6) منہ ہاتھ دھو لیا کرو' ہاتھوں کو دھو لیا کرو کہنیوں تک' سر کو دھونے کی ضرورت نہیں ہے پونچھ لیا اس سے اور آگے ہے (و ارجلکم الی الکعبین) (5:6) پاؤں کو ٹخنوں تک دھو لینے کی بات ہے۔ بات تو کچھ ایسی اہم نہیں ہے کون نہیں جانتا کہ وضو کیسے کیا جاتا ہے اس کے متعلق کسی زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں۔ تشریح کی ضرورت یہاں آ کے پڑ گئی کہ یہی ایک چیز چیز جو ہے نا کہ 'پاؤں اپنے ٹخنوں تک' اس بناء پر امت میں دو فرقوں کے اندر اختلاف شیعہ حضرات میں غیر شیعہ حضرات جنہیں اہل سنت جماعت کہتے ہیں۔ شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ پاؤں پہ بھی مسح کرنا چاہیے' سنی کہتے ہیں کہ پاؤں کو بھی دھونا چاہیے۔ اتنی سی بات ہوتی تو اس کو بھی ایسی اہمیت نہیں تھی کہ میں یہاں رک جاتا درس میں۔ آپ کو یاد ہے کہ میرا تو تعلق کسی فرقے سے ہے نہیں میں تو نہ شیعہ ہوں نہ سنی ہوں ھو سمٰکم مسلمین خدا نے نام مسلمان رکھا تھا وہی نام رکھتا ہوں کسی سے تعلق ہی نہیں میرا۔ قرآن میرا ہادی ہے اسے دیکھتا ہوں اپنی بصیرت کے مطابق جو سمجھتا ہوں اسی چیز کو آگے سمجھاتا ہے۔ لیکن یہ اہمیت کیوں ہے کیوں میں رکا یہاں۔ میرے سامنے شیعہ اور سنی کا سوال نہیں ہے۔ یہ بحث ان کے ہاں ہزار برس سے چلی آ رہی تھی ہزار برس سے یہ بات طے نہیں ہو سکی کہ پاؤں دھونے چاہئیں یا پاؤں پہ مسح کرنا چاہیے۔ آپ کہیں گے کہ قرآن کریم کی آیت موجود ہے تو اگر اس آیت کے باوجود یہ اختلاف رفع نہیں ہو سکتا تو پھر تو بات بہت دور جا پہنچے گی۔ پھر تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ قرآن کریم کچھ ایسی واضح ہدایت نہیں دے رہا کہ جس سے بات طے ہو جائے۔ اور وہ اتنی محسوس شکل کی بات یعنی کوئی Meta Physics کے مسائل نہیں ہیں مابعد الطبیعات کے مسائل کہ حقائق ہیں کہ صاحب وہ بات یوں سمجھ میں نہیں آتی کہ خدا کا عرش کیسا ہو گا کوئی اور

مفہوم لیتا ہے دوسرا اور مفہوم لیتا ہے۔ بات ساری یہ ہے کہ پاؤں دھونے چاہئیں یا ان پہ مسح کرنا چاہیے۔ ہے نا کھٹکنے والی بات یہ۔ یہیں تک اگر بات رہتی تو پھر تو بات طے ہو سکتی تھی ذرا سا اس میں ٹیکنکل سا ایک رخ اس کا آ جاتا ہے جو آپ احباب کے لیے عام طور پہ تو شاید نہ سمجھ سکیں تھوڑی سی عربی جاننے والے بھی وہ سمجھ سکیں گے کہ عربی زبان جو ہے اس میں یہ جو زیر زبر پیش ہے جسے اعراب کہتے ہیں اس سے معنی بدل جاتے ہیں بڑی اہم چیز ہے اس میں۔ بات یہاں ہے کہ (ارجلکم) (5:6) اس گرائمر کے لحاظ سے یہ جو فقرہ ہے اس میں ارجلکم جو ہے اس کے معنی ہونگے پاؤں دھونے کے معنی اس کے ہونگے۔ میں ان ٹیکنکل چیزوں میں نہیں جانا چاہتا وہ درس کی چیز تعلیم کی چیز ہوتی ہے عربی گرائمر کی چیز ہے۔ ارجلُکم ہو تو پھر اس کے معنی مسح کرنے کے ہونگے یہاں ارجلَکم ہے۔ تو آپ کو یہ خیال پیدا ہوگا کہ آپ بتا رہے ہیں گرائمر کی رو سے بھی اس کے معنی یہی ہوتے ہیں ارجلَکم بھی ہے تو پھر اختلاف کی بات کیسے ہوئی۔ ہے نا کھٹک پیدا ہونے والی چیز اور یہی وجہ ہے جو میں رکا ہوا ہوں یہاں۔ یہ ہے بنیاد ساری کہ یہ قرآن کریم جو ہے پہلی چیز تو یہ کہ یہی کافی نہیں ہے مثلہ معہ اس کی مثل اس کے ساتھ کچھ اور بھی۔ اور وہ جو اس کے ساتھ مثل کہتے ہیں نا اور بھی کچھ ان کی کیفیت یہ ہے انہیں کہتے ہیں روایات یا احادیث' کہا یہ جاتا ہے کہ وحی کا ایک 1/10 تو اس میں آ گیا (مودودی صاحب کے ارشاد کے مطابق) 9/10 حصہ ان چیزوں میں آیا ہوا ہے۔ اور ان کی کیفیت یہ ہے کہ سنیوں کے ہاں احادیث کی اپنی کتابیں ہیں شیعہ حضرات کے ہاں اپنی کتابیں ہیں دونوں ایک دوسرے سے لٹھم لٹھا ہیں ان کے اختلافات دونوں مثلہ معہ۔ چلئے یہاں تک بھی شاید گوارہ ہو جاتا کہ دو ہی تو شاخیں ہیں کچھ ان کی کچھ ان کی۔ سنیوں کے ہاں جو مجموعے ہیں ان کے ہاں کے جو الگ فرقے ہیں ان میں سے الگ الگ اپنے اپنے' کوئی ایک کو صحیح مانتا ہے کوئی دوسرے کو صحیح مانتا ہے۔ اچھا جی یہیں سہی کوئی ایک بات تو ایسی ہوگی جسے یہ صحیح مانتے ہیں' جی نہیں صاحب! ایک کتاب کے اندر پھر یہ چیز کوئی اس حدیث کو صحیح مانتا ہے کوئی اس حدیث کے خلاف جا رہا ہے۔ تو اب آپ نے سمجھا جو ہزار برس سے اتنی بات بھی جو طے نہیں ہو پاتی کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ پہلی چیز تو۔ اور اختلاف کی شکل اگر ایسی ہوتی نا کہ قرآن کریم کی کوئی آیت تھی جیسا میں نے عرض کیا ہے کہ ثم استویٰ علی العرش اگر ہو تو خدا پھر عرش پہ متمکن ہو گیا تو اس کی بناء پہ بھی اگر ایک فرقہ کہے کہ ہمارے ہاں یہ ہے کہ حضورﷺ نے اس کا مفہوم یوں بیان فرمایا تھا دوسرے یہ کہیں کہ انہوں نے یہ بیان فرمایا تھا۔ ٹھیک ہے ایک Abstract سی چیز ہے غیر محسوس غیر مرئی سی چیز اس کے متعلق بات کہی ہے سمجھنے میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے۔ ارے بات تو یہ ہے کہ پاؤں دھوئے تھے یا پاؤں پہ مسح کیا تھا۔ نبی اکرمﷺ نے پوری زندگی وضو کیا لاکھوں صحابہؓ کی موجودگی میں کیا ایسا کام نہیں ہے کہ تنہائی میں کیا کوئی دوسرا دیکھے ہی نہیں' ہر نماز سے پہلے وضو کیا۔ نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جماعت میں حضورﷺ کی پوزیشن امام کی' وہ ساری دنیا دیکھتی تھی ساری عمر یہ ہوتا رہا لاکھوں کی موجودگی میں ہوتا رہا۔ اور اسکے بعد آج تک یہ طے نہیں پا سکا کہ دھویا کرتے تھے

حضورﷺ یا مسح کیا کرتے تھے۔ معاف رکھیے یہ ہے ہمارے ہاں کا دینی لٹریچر جو متعین طور پر یہ نہیں بتاتا۔ چلئے وہاں جو تھا روایات میں اختلاف ہوا۔ میں پھر بتادوں کہ اس قدر کھلی ہوئی واضح چیز جسے ہر شخص دیکھ سکتا ہے اس میں بھی یہ اختلاف آپ کے ہاں چلا آ رہا ہے۔ یہاں تک بھی گوارہ تھا بات آگے ہے جس کے لیے میں کھڑا ہوا اور وہ بڑے غور سے سننے اور سمجھنے کی چیز ہے۔ آپ نے سنا ہوگا قرآن کریم میں اختلاف قرآت' قرآت کا اختلاف۔ ذہن میں آپ کے بات نہیں آ سکتی اس لیے کہ ہمارے ہاں قاری کہتے ہیں قرآت والے کو اور قاری ہمارے ہاں پہلے تو یہی ہوا کرتے تھے اور اب ہر سال آپ دیکھتے ہیں مصر سے حجاز سے قاری آتے ہیں۔ پھر قرآت کے مقابلے بھی اب ہمارے ہاں ہوتے ہیں وہ قاری آ کے قرآن کو پڑھتے ہیں۔ پھر یہاں اس قسم کے مدرسے بھی ہیں جسے تجوید کہتے ہیں وہاں قرآت سکھائی جاتی ہے۔ باہر کے جو قاری آتے ہیں آپ نے دیکھا ہوگا ایک مجمع ہوتا ہے بڑے خوش الحان ہوتے ہیں اور بڑی ہی جاذب اور دلکش آواز ان کی ہوتی ہے۔ لیکن ان میں یہ ہے کہ صاحب یہ مصر والوں کی قرآت ہے یہ حجاز والوں کی قرآت ہے۔ اس قرآت سے آپ اتنا ہی سمجھتے ہیں کہ ''اے ایس رہانال پڑھدا اے تو اے ایس رہانال پڑھدا اے''۔ اگر کوئی فتویٰ لکھنے والا سن نہ رہا ہو تو میں عرض کروں کہ اصل میں یہ فرق راگ کا ہوتا ہے۔ اب آپ نے بھی سوچا یہ کیا بات اس نے کہدی۔ حجاز والوں کی جو قرآت ہے وہ بھیروں میں ہوتی ہے اور مصر والوں کی قرآت بھیرویں میں ہوتی ہے۔ اور جس سے یہ پورا مجمع بیک زبان جھوم اٹھتا ہے نا یہ وہ مقام ہوتا ہے جہاں راگ کا سر صحیح لگتا ہے۔ بہر حال میں کہہ یہ رہا تھا کہ کچھ بھی اسے کہیے یہ قرآت کے معنی ہوتے ہیں کہ ''کس رہانال پڑھدا اے''۔ یا ایک فرق اور ہوتا ہے یہ جو قرآن کریم میں آتا ہے نا و الضآلین کچھ لوگ ہیں وہ کہتے ہیں یہ ض ہے و الضآلین کچھ کہتے ہیں یہ دواد ہے۔ یہاں آپ تو شہر میں رہتے ہیں اور یہ کچھ زیادہ ان چیزوں کی Importance بھی نہیں ہے یہ جہلم کے علاقے میں فرقے ہیں دوضوادیے اور دوادیے اور مسجدوں میں آپس میں خون خرابا ہوتا ہے۔ کہیں سے کوئی آ گیا امام اس قسم کا اور اس نے آ کے بدقسمتی وہ نماز کی ایسی جس میں اونچی آواز سے پڑھنی پڑتی ہے اور اس نے کہا و الضآلین ' پیچھے جو کھڑے تھے وہ تھے دوادیے ''اوا و تھے ای پھڑ لیندے نیں اوہنوں تیری ذات دی ایسی دی تیسی''۔ ایک قرآت کا یہ بھی فرق ہوتا ہے۔ خاص طور پہ اہتمام ہوتا ہے کہ تراویحوں کے لیے حافظ لانا ہو تو کہا جاتا ہے کہ بھئی جا رہے ہو تمہیں پتہ ہے کہ ہمارا گاؤں دوادیہ ہے اس واسطے وہ ڈھونڈ کے لانا جو والدآلین پڑھے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ بعض اس قسم کے حروف اور ان کا تلفظ ایسا ہوتا ہے غیر اہل زبان پوری طرح سے اسے ادا ہی نہیں کر سکتے۔ انگریزی جاننے والے حضرات جانتے ہونگے کہ T جس طرح سے انگریز بلاتا ہے وہ نہ تی ہوتی ہے اٹالین کی طرح نہ ٹی ہوتی ہے درمیان میں ایک چیز ہوتی ہے۔ اسی طرح عربی زبان میں بھی ایسے حروف ہیں ح ہے ص ہے س ہے ان کے فرق اسی طرح سے ض ہے وہ ایسے ہیں کہ اہل زبان جس طرح سے ادا کرتے ہیں وہ ان کے بین بین کچھ ہوتا ہے۔ ہمیں تو بین بین آتا نہیں ہے ہمارے ہاں

یا اس طرف چلے جاتے ہیں یا اس طرف آ جاتے ہیں اور دو فرقے بن جاتے ہیں۔ لیکن قرآت کا اختلاف یہ بھی نہیں ہے بات اور آگے چلتی ہے عزیزانِ من! ۔قرآن میں قرآت کا اختلاف ہے۔ ابھی ابھی ہم نے دو آیتیں پہلے یہ چیز پڑھی (الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینًا) (5:3) دین کو مکمل کر دیا قرآن میں، اتمام ہو گیا۔ پہلے نبیؑ کے وقت سے یہ دین چلا آ رہا تھا جوں جوں انسانی علم ذہنی فکر زیادہ بلند زمانے کے تقاضے آگے بڑھتے گئے یہ آگے اس طرح سے اللہ تعالیٰ اپنے دین کو یوں دیتا چلا گیا تا آنکہ وہ ایک دور آ گیا جس میں اس نے کہا کہ اب جو کچھ ہم نے دینا تھا انسانی راہنمائی کے لیے وہ پوری مکمل شکل میں اس کو ہم نے دیدیا۔ (تمت کلمت ربک صدقًا و عدلًا ، لا مبدل لکلمت الله) اب مکمل کر دیا ہم نے دین کو صدق وعدل سے، اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ مکمل غیر متبدل اور تیسری چیز (نحن نزلنا ذکر و انا له لحفظون) ہم نے قرآن کو نازل کیا ہم اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ تین شکلیں ہو گئیں دین کی: مکمل، غیر متبدل، محفوظ۔ قرآن کی یہی خصوصیات ہیں جس کی بناء پر یہ خدا کی آخری مکمل کتاب اور حضور نبی اکرم ﷺ آخری رسول اور نبی قرار پاتے ہیں۔ مکمل، غیر متبدل اور محفوظ۔ یہ اگر محفوظ نہ رہے تو اس کا مکمل غیر متبدل ہونا بے معنی ہو جاتا ہے۔ پھر یہ کہا جائے گا کہ ہاں اس زمانے میں یہ مکمل تھا بعد میں انسانوں نے اس کے اندر تحریف کی ردوبدل کیا تو اس کے بعد تو یہ قرآن اپنی اصلی شکل میں ہے ہی نہیں۔ اور کوئی نبی آنا نہیں کہ جو اس کی تحریف کی تصحیح خدا کی طرف سے کر کے پھر سے اس کو اپنی شکل میں دیدے۔ قصہ ہی ختم ہوا۔ آخری مکمل کتاب غیر متبدل اور محفوظ اور کوئی بعد میں آنا نہیں کسی نے جو آ کے پھر اس سے کو اپنی شکل پہ دیدے تو قیامت تک کے لیے پوری نوع انسانی خدا کی محفوظ راہنمائی سے محروم ہو گئی۔ اسلام کے آخری مکمل دین ہونے کی بنیاد اس پہ ہے کہ قرآن کریم اپنی اصلی غیر محرف شکل میں محفوظ چلا آتا ہے محفوظ رہے گا بنیاد ہے دین کی۔ یہ بنیاد اگر ہل جائے دین کا نظام ہی ختم ہو جاتا ہے اور ختم ایسا ہوتا ہے کہ پھر دوبارہ آ ہی نہیں سکتا اپنی اصلی شکل پہ کہ کوئی پیغمبر آنا نہیں اور۔ دیکھا کتنی اہمیت ہے۔ ہوئی نا بات۔ یہ جسے آج اختلاف قرآت ہمارے ہاں یہ رہا کا اور تلفظ کا اختلاف کہتے ہیں یہ بات نہیں ہے۔

سنئے عزیزانِ من! کہا یہ جا رہا ہے کہ قرآن کریم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی صحابہؓ کے زمانے میں بھی اور آپ ﷺ کے بعد بھی ایک عرصے تک اس کی شکل یہ تھی کہ متفقہ طور پر الفاظ کے اعتبار سے یہ ایک نسخہ نہیں تھا مختلف صحابہؓ کے پاس مختلف نسخے تھے آپس میں ان کا اختلاف تھا اسے کہتے ہیں اختلاف قرآت۔ اعراب کا ہی اختلاف نہیں۔ اول تو میں نے عرض کیا کہ اعراب کے ہی اختلاف سے بھی عربی زبان کے معنی بالکل بدل جاتے ہیں یہ بھی اختلاف تھا۔ الفاظ کا اختلاف تھا اور بعض ان کے نسخوں کے اندر آیتوں کی آیتیں مختلف تھیں بعض نسخوں میں ان کے ایسی آیتیں تھیں جو بعد میں ہمارے اس موجودہ نسخے میں ہیں نہیں۔ سن رہے ہیں آپ، آپ کی تاریخ کیا بتا رہی ہے آپ کو۔ خدا اس کی حفاظت کا ذمہ لے رہا

ہے۔آپ دیکھئے کہ دین کی اس بنیاد کو مشکوک بنانے کے لیے کیا کیا سازشیں آپ کے ہاں نہیں ہوئیں۔ یہ عزیزانِ من! یہ نظریات اور تصورات اور اعتقادات جو مختلف پائے جاتے ہیں کہ صاحب بعد میں وہاں سے آئے وہاں سے آئے سوال وہاں تک نہیں ہے' تیرے نشتر کی زد شریان قیس ناتواں تک ہے'۔ یہ سازش تو اصل و بنیاد تک پہنچی ہوئی ہے آپ کے ہاں اور اس نے تو اصل و بنیاد کو ختم کر دیا ہوا ہے قرآن کے نسخے مختلف تھے ان صحابہؓ کے پاس۔ پہلی چیز یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یہ قرآن مکمل شکل میں اس شکل میں تھا ہی نہیں' چل بھئی۔ مختلف جگہ پہ کسی کے پاس کسی ہڈی پہ لکھا ہوا کسی کے پاس کسی کھجور کے پتے پہ لکھا ہوا کسی کے پاس کسی تختی پہ لکھا ہوا کوئی کسی ورق پہ لکھا ہوا منتشر بکھرے ہوئے کسی کے پاس کوئی حصہ کسی کے پاس کوئی حصہ نہ یہ مکمل کتاب نہ مکمل شکل میں کہیں ایک جگہ مدون پہلے تو یہ خیال آپ کے ہاں پیدا کیا گیا۔ تو اب جو حضور ﷺ کے زمانے میں قرآن کی یہ صورت ہو تو اسکی سند کیا ہوگی کہ یہ ایک مکمل شکل کے اندر کتاب کی شکل کے اندر مدون مرتب اسی طرح سے جیسا ہمارے پاس ہے۔ ہم تو کہہ رہے ہیں کہ حرفاً حرفاً ہر اعراب کے ساتھ وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے وہاں یہ صورت ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں اس شکل میں تھا ہی نہیں۔ اور اس کے بعد پھر بڑے فخر سے بیان کیا جاتا ہے کہ صاحب! پھر اس میں بھی تاریخ کے اختلاف کوئی کہتا ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں کوئی کہتا ہے حضرت عمرؓ کے زمانے میں کوئی کہتا ہے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں۔ پھر ایک کمیٹی بٹھائی کہ اس کمیٹی سے کہا گیا کہ تم یہ الگ الگ ٹکڑے ٹکڑے جہاں کہیں بکھرے ہوئے 'یہ چمن میں ہر طرف ملتی ہے داستاں میری' ان کو اکٹھا کرو۔ اکٹھا کر کے کسی طرح سے کتاب کی شکل میں قرآن کو مکمل کر کے دو۔ آپ کو معلوم ہے کیا کیا سازشیں ہوئی ہیں اس اسلام کے ساتھ۔ پھر ایک کمیٹی مقرر ہوتی ہے وہ کمیٹی جس شکل میں بیٹھتی ہے اس کی روئیداد پڑھنے سے ہی یعنی غیر مسلم اس کے بعد جس نتیجے پہ پہنچے تو حق بجانب ہیں۔ یہ تو غنیمت ہے کہ وہ تاریخ وہ چیزیں ہمارے ہاں بھی عام نہیں ہیں ورنہ آپ سر پہ ہاتھ رکھ لیں کہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔ آیتوں کی آیتیں نہیں مل رہیں' اختلافات ہوتے ہیں کوئی آ کے کہہ رہا ہے یہ اس طرح سے تھی دوسرا کہتا ہے نہیں ایسے نہیں تھی یہ اس طرح سے تھی۔ یہ اختلافات کمیٹی میں ہو رہے ہیں۔ سمٹ سمٹا کے مرتب ہو رہا ہے تو اس میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ صاحب یہ دو آیتیں اس میں تھیں وہ اب کہیں سے بھی نہیں ملیں۔ تو ڈھونڈ رہے ہیں کہ وہ آیتیں کہیں سے مل جائیں تلاش کرتے کرتے پتہ چلا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہاں تھیں۔ وہاں جاتے ہیں وہ انؓ سے پوچھتے ہیں کہ یہ دو آیتیں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں۔ اندازہ لگائیے عزیزانِ من! سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے' کہا گیا ہے'۔ لاکھوں کی تعداد میں صحابہ کبارؓ موجود ہیں خود ہمیں بتاتے ہیں کہ ہر رمضان میں یہ پورے کا پورا دہرایا جاتا ہے علاوہ بریں اور؟؟ کے۔ آخری رمضان میں کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے خود دو مرتبہ جبریل کے ساتھ دہرایا۔ اور بیان یہ آ رہا ہے کہ صاحب کہا جاتا ہے کہ یہ دو آیتیں جو تھیں ملتی نہیں ہیں کہیں سے کچھ بتائیے' انہوںؓ نے کہا کہ ہاں بیٹو! تھیں آیتیں یہ

دو، کھجور کے پتوں پہ لکھی ہوئی تھیں اندر رکھی تھیں (بخاری شریف کی حدیث ہے) انہوں نے کہا کہ پھر وہ دید یجئے، کہنے لگیں کہ دے کہاں سے دوں، نبی اکرم ﷺ کا انتقال ہوا تو گھر میں مچ گئی افراتفری، باہر بکری باندھی ہوئی تھی اس نے اس افراتفری میں رسہ تڑایا وہ اندر چلی گئی اور وہ اس پتے کو وہ بکری کھا گئی۔

اے محمد ﷺ در قیامت را براری سر ز خاک

سر برار ایں قیامت درمیانے ؟؟؟

آپ کی حدیث کی سب سے معتبر کتاب جسے بخاری کہا جاتا ہے اس کے اندر یہ حدیثیں موجود ہیں۔ دیکھ رہے ہیں اس دین کے ساتھ کیا ہوا، کیا کیا گیا اس کے بعد۔ حضرت عمرؓ تھے جو یہ کہتے تھے کہ یہ ہم پڑھتے تھے رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے اندر، یہ حصہ ہے، انہوں نے کہا کہ کیا کیا جائے یہاں تک تو شہادت ملتی ہے وہ آیت تو ملتی نہیں ہے، تو کہا کہ اچھی بات پھر قرآن کے اندر تو ان کو نہ داخل کرو لیکن عمل ان کے اوپر کرو۔ ایک تو یہ چیز ہوگئی کہ قرآن میں آیتیں نہیں ہیں عمل ان کے اوپر ہوگا۔ خدا کی آخری کتاب اس کی حفاظت کا ذمہ خدا نے لیا ہے۔ چلئے صاحب۔ ایک عقیدہ اور آپ کے ہاں وضع ہوا کہ خود قرآن کریم کے اندر سینکڑوں آیات ایسی ہیں کہ وہ آیات تو ہیں پڑھی بھی جاتی ہیں ان کا حکم منسوخ ہوگیا ہوا ہے۔ بھئی کہیں ہے قرآن میں یہ لکھا ہوا کہ یہ آیت منسوخ ہوگئی ہے؟ Abriviation جس کی کی جاتی ہے تو اعلان کیا جاتا ہے اس کے متعلق۔ چلئے وہاں رکھی ہوئی تو تھی بعد میں منسوخ ہوئی تو کہیں یہ اللہ تعالیٰ یہ چیز کہہ دیتے نا کہ ہماری فلاں آیت جو ہے اسے منسوخ سمجھو، پڑھ لیا کرو۔ نہ یہ نہیں لکھا ہوا۔ ارے بھئی یہ کیسے طے ہو، کہ صاحب یہ چیز تو علمائے کرام طے کریں گے۔ خدا کی کتاب یہ انسان طے کریں گے کہ اس میں یہ یہ چیزیں منسوخ ہیں۔ چلئے صاحب! معنی کے لحاظ سے یہ بھی کچھ کیا۔ آگے بڑھئے جو میں کہہ رہا تھا اختلاف قرآت۔ آپ کے ہاں سینکڑوں روایات اس قسم کی ہیں جو بتا رہی ہیں کہ الوالعزم صحابہؓ جو تھے ان کے پاس اپنا اپنا نسخہ ہوتا تھا قرآن کا اور وہ ایک دوسرے سے مختلف ہوتا تھا کئی مقامات میں۔ قرآن کریم کو مصحف کہا جاتا ہے صحف جو صحیفہ جو ہے اس کی جمع آتی ہے مصاحف تو مصاحف کا لفظ پھر بتا رہا ہے نا کہ بہت سے قرآن۔ ہمارے ہاں ایک کتاب ہے کتاب المصاحف یہ جو حدیث کے چھ معتبر تریں مجموعے ہیں ہمارے ہاں اس میں ایک مجموعہ ہے ابوداؤد کا ان کے بیٹے ہیں ابن ابوداؤد، بہت قابل اعتماد محدث مانے جاتے ہیں یہ ان کی کتاب ہے کتاب المصاحف۔ خود کتاب بتا رہی ہے کہ معنی کیا ہیں یعنی کتنے ہی مصاحف۔ اس کتاب میں انہوں نے ایک تو یہ چیزیں بیان کی ہیں جو میں نے پہلے کہا ہے کہ یہ قرآن اپنی مدون شکل میں مرتب شکل میں اس شکل میں تھا ہی نہیں بعد میں ہوا کس کس طرح سے ہوا کیسے کیسے ہوا کیسے کیسے اختلافات ہوئے وہ اس کے اندر پوری تاریخ دی ہوئی ہے۔ وہ تاریخ پڑھنے سے آدمی سر پکڑ کے بیٹھ جاتا

ہے۔ چھوڑ یئے۔ جو بات میں کہہ رہا ہوں وہ آ گے آ تی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے انہی روایات کی بناء پر اس میں گنائے ہیں کہ صحابائے کبارؓ یا تابعین کے پاس کتنے مختلف نسخے تھے قرآن کریم کے۔ اور ایک ایک نسخے میں دوسروں سے کہاں کہاں اختلاف تھا۔ سینکڑوں کی تعداد میں تو یہ نسخے ہیں۔ اختلاف کی ایک مثال لیجیے کہ عبداللہ ابن مسعودؓ صحابی ہیں حضور ﷺ کے' ان کا جو نسخہ ہے یہ جو آپ کا نسخہ ہے اس میں اور اس میں 138 مقامات پر اختلاف ہیں الفاظ ہیں۔ اور اسی سے آپ باقی اندازہ لگا لیجیے کہ کیا کیا انہوں نے کیا۔ آپ یہ کہیں گے روز ہمارے ہاں شور اٹھتا ہے کہ صاحب یہ دیکھئے یہ مستشرق یہ ولایت والے یہ یورپ والے اسلام کے خلاف یہ انہوں نے مہم بنا رکھی ہے۔ مہم کیا بنا رکھی ہے؟ وہ کتاب جو تھی وہ آپ کے ہاں قابل اعتماد سمجھی جاتی ہے۔ ایک مستشرق ہیں آرتھر؟؟ اس شخص نے اس کتاب کو لیا بڑی محنت سے اس نے؟؟؟ کیا اس کے بعد اس نے انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ کیا۔ اس کا نام اس نے رکھا کہ یہ جو مواد ہے جس سے قرآن کی تدوین کی ہسٹری ملتی ہے ہمیں۔ انگریزی کا ترجمہ کیا اور میں یہ کہونگا کہ یہ کم از کم Literary دیانت اس کا نام ہے کہ وہ اوریجنل کتاب اپنے اس ترجمے کے ساتھ پوری کی پوری عربی زبان میں اسی طرح سے شائع کی۔ اور اس نے کہا کہ میں اس میں اپنی طرف سے ایک لفظ نہیں کہہ رہا' یہ ایک کتاب ہے اوریجنل شائع کر رہا ہوں کہ یہ بھی نہ ہو کہ میں نے کچھ ترجمے میں یہ کیا ہے اگر کہیں ترجمے میں مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو اوریجنل آپ Consult کر لیجیے یہ موجود ہے ساتھ ہی اکٹھی اسی میں شائع کی ہے اس نے۔ اور اس میں یہ ساری تاریخ وہ جو امام ابن داؤد ہیں آپ کے ہاں ان کی کتاب جو ہے وہ رکھ دی اور اس کے بعد اس نے یہ کہا ہے کہ اس سے اب یہ جو ریسرچ کرنے والے لوگ ہیں ان کے لیے بہت سا میٹریل سامنے آ رہا ہے۔ اس میں یہ چیز ہے جسے آپ کہتے ہیں اختلاف قرآت۔

اب آئی بات جہاں میں آ رہا تھا کہ جب یہ **ارجلَکم الی الکعبین** ہے عربی گرائمر کی رو سے بھی اس کے معنی ہیں پاؤں کو دھو لیا کرو۔ تو اس میں یہ چیز ہے کہ **ارجلَکم** کی ایک قرآت **ارجلِکم** بھی آئی ہے۔ اور یہ کوئی پرانے زمانے کی باتیں نہیں ہیں عزیزانِ من! آج بھی یہی کچھ ہمارے ہاں ان مکتبوں میں پڑھایا جاتا ہے۔ آپ کے ہاں آج بھی جو تفسیریں لکھی جاتی ہیں اس میں یہ لکھا ہوتا ہے۔ اب آپ کوئی تفسیر کی کتاب اٹھایئے گا اس میں یہ بات سمجھ میں آئے گی جہاں لکھا ہوگا کہ ایک قرآت یوں بھی آئی ہے۔ یا بعض اوقات ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر کی قرآت میں یوں آیا ہے اور عبداللہ ابن مسعود کی قرآت میں یوں آیا ہے۔ اور یہ کوئی جسے آپ پرانے زمانے کے قدامت پرست کہہ رہے ہیں انہیں کی بات نہیں یہ ہے ہمارے ہاں کے ماڈرن یا جدت پسند بھی جو احباب مفسر ہیں ان کے ہاں بھی ہے۔ مودودی صاحبؒ یہ بہر حال وہ یہ کہتے ہیں کہ میں نہ پرانی راس کا ہوں نہ نئی راس کا ہوں بیچ کا آدمی ہوں ان کی تفسیر موجود ہے۔ ان کے ہاں یہی چیز یہی ایشو **ارجلَکم** کا آیا اب یہ متعین طور پہ

اگر ارجلکم ہے تو کہنا پڑتا کہ پاؤں دھونے کا ہے شیعوں کے خلاف بات جاتی۔ انہوں نے بھی یہ لکھا ہے کہ یہ ارجلکم ایک قرآت میں یوں بھی آیا ہے اور دوسری قرآت ارجلِکم بھی آیا ہے۔ گاندھی جی بھی خوش رہیں راضی رہے سرکار بھی۔

خدا نے حفاظت اس کی لی ہے اور بات یہ یوں نہیں ہے کہ کسی نے اگر کسی کو Put (پُٹ) پڑھ لیا یا اگر فرض کرو کسی نے کل کو پَٹ پڑھ لیا تو کوئی بات نہیں ہے۔ عربی زبان کے ایک اعراب کے بدلنے سے زیر وزبر کے بدلنے سے آپ دیکھتے ہیں نا فرق کیا پڑتا ہے اور بعض مقامات تو ایسے ہیں کہ اعراب کے ذرا سے فرق سے کفر اور ایمان تک کا فرق پڑ جاتا ہے۔ وہ کہتے یہ ہیں کہ صاحب ایک قرآت میں یہ آیا ہے اور ایک قرآت میں یوں بھی آیا ہے تو یہ بھی قرآن وہ بھی قرآن۔ اللہ میاں حفاظت کر رہا ہے۔ بات چونکہ یہاں سے یوں سامنے آئی تھی عزیزانِ من! میں نے ضروری سمجھا کہ یہ عرض کر دوں کہ کیا ہوا ہے۔ ایک روایت پیش کرتا ہوں جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اختلاف قرآت جو ہے یہ کہاں تک پہنچی ہوئی بات ہے۔ بار بار میں کہے چلا جا رہا ہوں یہ دین کے خلاف اسلام کے خلاف بڑی گہری سازشیں کی گئی ہیں آپ کے ہاں۔ مصیبت یہ ہے کہ سازش کو سازش سمجھ لیا تو وہ کچھ بھی نہیں بگاڑتی جب خود سازش عین دین بن جائے پھر کچھ نہیں چھوڑتی۔ یہ ساری سازشیں آپ کے ہاں آپ کی تاریخ کی بناء پہ ہوئیں۔ تاریخ کو اگر تاریخ نام دیدیں تو روایات نام دیدیں تو وہ بات ایک ہی ہے۔ سنئے! بخاری شریف کی ہی یہ حدیث ہے اختلاف قرآت کے متعلق۔ سوچئے اختلاف قرآت کہتے کس کو تھے یا اس سازش کی بناء پہ ذہنوں میں اس کا تصور کیا دیا گیا ہے۔ اور پھر ذہن میں رکھئے گا اس قسم کے اختلافات والے سینکڑوں حصے بتائے جا رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے ہشام بن ہشیم کو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں سورۃ فرقان پڑھتے ہوئے سنا۔ یہ حضرت عمرؓ بھی مکے کے قریشی ہیں یہ ہشام بن ہشیم بھی مکے کے قریشی ہیں یعنی ایک ہی جگہ کے رہنے والے ہیں قریش ہیں۔ میں نے اس لیے کہا کہ وہاں قبائل میں زبان کے لہجے میں کچھ فرق ہو جایا کرتا ہے یہ تو ہر جگہ ہے ہمارے ہاں بھی تو یہ فرق ہوتے ہیں لہجے میں فرق۔ یہ مصر والے آج بھی ج کو گ کی طرح بولتے ہیں لہجے کا ایک فرق ہے۔ میں عرض یہ کر رہا تھا کہ یہ جو قرآن کریم جسے کہتے ہیں عربی مبین میں نازل ہوا یہ حجاز میں قریش کا جو لہجہ تھا یہ اس میں یہ آیا تھا۔ دونوں قریشی ہیں مکی ہیں لہجہ بھی ان کا ایک ہے میں اس لیے بار بار دہرا رہا ہوں کہ یہ نہ کہا جائے کہ وہ لہجے کا کوئی فرق تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں انہیں سورۃ فرقان پڑھتے ہوئے سنا میں نے ان کا پڑھنا سنا تو وہ بہت سارے الفاظ ایسے پڑھ رہے تھے جو مجھے رسول اللہ ﷺ نے نہیں پڑھائے تھے۔ قریب تھا کہ میں نماز ہی میں ان پر حملہ کر بیٹھوں مگر میں نے بمشکل صبر کیا حتیٰ کہ انہوں نے سلام پھیرا تو میں نے انہی کی چادر میں انہیں کس لیا اور میں نے ان سے پوچھا کہ یہ سورۃ جو میں نے تمہیں پڑھتے ہوئے سنی ہے تمہیں کس نے پڑھائی ہے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے تو رسول اللہ ﷺ نے خود اس طرح سے پڑھائی ہے' میں نے کہا جھوٹ بولتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ

نے خود مجھے اس کے خلاف پڑھایا ہے جو تو پڑھ رہا ہے اور میں اس کو کھینچتا ہوا رسول اللہ ﷺ کی طرف لے چلا اور میں نے حضور ﷺ سے کہا کہ میں نے اس کو سورۃ فرقان کو ایسے الفاظ میں پڑھتے ہوئے سنا ہے جو آپ ﷺ نے مجھے نہیں پڑھائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا انہیں چھوڑ دو' ہشام پڑھو! چنانچہ ہشام نے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے سامنے پڑھ دیا جیسا کہ میں نے پڑھتے ہوئے سنا تھا۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ یونہی تو نازل ہوئی ہے۔ پھر فرمایا عمر! اب تم پڑھو۔ چنانچہ جس طرح حضور ﷺ نے مجھے پڑھائی تھی میں نے پڑھ کر سنایا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ یوں بھی تو نازل ہوئی ہے۔ خدا کے لیے عزیزانِ من! اس کے اوپر ہنسئے نہیں ہم پہ ہنسنے کے لیے دنیا کافی ہے' کوئی اور نہیں روتا تو آپ تو کم از کم روئیے۔ یوں بھی تو نازل ہوئی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن تو سات حرفوں پہ نازل ہوا ہے یہ دو ہی کے اوپر نہیں۔ اور آج اگر پھر دل جلا جس کے دل میں خدا اس کے رسول اس کے قرآن کی عظمت ہے وہ کہہ بیٹھتا ہے کہ یہ ساری روایتیں آپ کے ہاں کی وضعی ہیں سازش ہے دین کے خلاف افتراء ہے کذب ہے جو ملایا گیا ہے خدا اور اس کا رسول اس کا قرآن اس سے بہت بلند ہے۔ جس چیز کی حفاظت خدا خود لے لے اس کے اندر تو یہ نہیں ہو سکتا نہ ہی اس کا رسول یہ کہہ سکتا ہے کہ یوں بھی نازل ہوئی ہے یوں بھی نازل ہوئی ہے۔ قرآن نے اپنے منجانب اللہ ہونے کی دلیل یہ دی ہے عزیزانِ من! کہ اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا (لیجدوا فیه اختلافًا کثیرًا) اس میں اختلافات تم پاتے۔ تو یہ اختلاف کی آپ کے ہاں کی بخاری کی حدیثیں ہیں کہ جو حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ یوں بھی نازل ہوا ہے اور یوں بھی نازل ہوا ہے اور اختلاف اتنا بڑا ہے کہ حضرت عمرؓ مسجد میں برداشت نہیں کر پاتے اس کو چادر میں باندھ کے لے جاتے ہیں کہ پڑھ کیا رہا ہے تو۔ اور اگر کوئی آج یہ کہتا ہے کہ صاحب یہ چیز سازش ہے خدا کے لیے ان کو الگ کر دیجیے دہائی مچا دی جاتی ہے کہ پھانسی پہ چڑھا دو اس کو سولی پہ لٹکا دو دین میں یہ شخص افتراق کر رہا ہے۔ ٹھیک ہے اسے تو سولی پہ چڑھا دو لیکن اس؟؟ جعفری کو کیا کرو گے کتاب المصاحف کو کہاں لے جاؤ گے جعفری کا جواب کیا دو گے جب وہ یہ کہتا ہے کہ میں کوئی اعتراض نہیں کر رہا میں تو صرف یہ پوچھ رہا ہوں کہ دعویٰ اس کا یہ ہے کہ میرے منجانب اللہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں اختلاف نہیں ہے اور یہ ان کے ہاں کی معتمد ترین کتاب جو ہے وہ بتا رہی ہے کہ کم از کم سو نسخے تھے ایک ایک نسخے میں دوسرے سے 138 بار ایک نسخے میں دوسرے سے اختلاف ہے۔ وہ کہتا ہے میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم تحقیق کر کے اس بات کا کوئی جواب دیدو۔ اور اس بات کا جواب یہ کہ یہ سب کچھ اسلام کے ساتھ سازش ہے۔ آج اگر مغرب کے مستشرق کرتے ہیں تو اسلام کے پہلے دور کے اندر بھی اس قسم کے سازش کرنے والے کم نہیں تھے بلکہ انہوں نے تو ابتداء کی تھی اس سب چیز کی۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا ہے کہ جو بنیاد ہے دین کی اتمام کی اس کی تکمیل کی اس کی حفاظت کی بنیاد ختم کر دی جائیں شکوک پیدا کر دیے جائیں معاملہ ختم ہوا۔ دین کی تو بنیاد یہ ہے کہ یہ خدا کی کتاب ہے حرفاً حرفاً وہی ہے جو حضور ﷺ نے امت کو دی تھی قیامت تک ایسے رہے گی۔ یہ بنیاد ہل گئی

دین ختم ہوگیا۔ یہ وہ قرآن ہے۔یعنی یہ اس قسم کے عقیدے تو گویا متفق علیہ ہیں۔ ہر جمعہ کے خطبے میں آپ کے ہاں جہاں خلفائے راشدینؓ کا نام لیا جاتا ہے ابوبکر صدیقؓ عمر بن خطابؓ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ عثمان جامع القرآن یہ دہرایا جاتا ہے۔آپ دیکھئے کہاں تک یہ لوگ پہنچے ہوئے ہیں گویا اس سے پہلے قرآن جمع نہیں ہوا تھا۔کبھی سوچا نہیں کسی نے کہ یہ ہے کیا چیز۔آپ کے کانوں میں ہر خطبے میں ڈالا جاتا ہے کہ اس سے پہلے قرآن نہیں جمع ہوا تھا۔اور پھر انہیں روایات کے اندر یہ چیز موجود ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جب قرآن جمع کیا (اول تو یہی چیز جیسا میں نے عرض کیا غلط ہے) انہوں نے جب جمع کیا تو انہی کی موجودگی میں دوسرے صحابہؓ نے کہا کہ اس میں یہ یہ چیزیں غلط ہیں۔آپؓ نے کہا کہ بعد میں آنے والے خود ٹھیک کرلیں گے۔ یا اللہ۔ یہ جمع ہوا ہوا قرآن ہے۔اسی میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ پھر یہ چیزیں جو تھیں حجاج بن یوسف نے پہلی صدی کے آخر میں جا کے اس نے قریباً گیارہ مقامات پر اس کی غلطیوں کی تصحیح کی۔ یہ ہے سازش جو آپ کے ساتھ ہوئی ہے عزیزانِ من! لیکن سازش تو اس وقت تک چلتی ہے جب آپ عقیدت کی آنکھوں سے اس کو مقدس سمجھتے جائیں ہاتھ مت لگائیں اس کو۔ یہ سارے جتنے تھے جن کی کتابوں میں یہ چیز ہے ان کے نام ساتھ امام لکھا ہوا ہے رحمتہ اللہ علیہ بھی۔عقیدہ یہ ہے آپ کے ہاں کا یہ اہل حدیث حضرات جو ہیں ان کے ہاں۔مولانا محمد اسماعیل ان کے صدر تھے جمعیت اہل حدیث کے گوجرانوالے کے ان کی چھوٹی سی کتاب ہے۔اس میں یہ چیز ہے کہ جس طرح سے جبریل حضورﷺ پر قرآن لاتے تھے اسی طرح سے حضورﷺ پر یہ احادیث وہ لائے تھے جو مسلم اور بخاری کے اندر مندرج ہیں۔اور اس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ ان حدیثوں میں سے کسی ایک کا انکار کرنے والا بھی دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔اور یہ حدیث بھی اس کے اندر ہی ہے جو میں نے ابھی ابھی آپ کے سامنے پڑھی ہے یہ اس بخاری میں ہی ہے۔قرآن کے جمع کرنے کی حدیثیں' یہ کمیٹی بننے کی حدیثیں' اتنے مختلف نسخے ان میں یہ اختلاف قرآت یہ سارا کچھ ان میں ہے۔اور انہیں کہہ دیا یعنی ان کے متعلق یہ کرنا کہ صاحب ذرا دیکھ تو لو کہ یہ ٹھیک ہیں یا نہیں' نہ' ان میں سے کسی ایک حدیث کا انکار بھی دائرہ اسلام سے خارج کردیتا ہے آپ کو۔تو آپ بتائیے کہ آپ کی اس تاریخ کے اوپر تنقیدی نگاہ ڈال کون سکتا تھا۔جنہوں نے یہ آواز اٹھائی تھی کہ بھائی! قرآن ہے جو آپ کے ہاں کسوٹی ہے اس کے اوپر پرکھ کے دیکھو جو اس کے مطابق ہیں کہو کہ حضورﷺ کی ہوسکتی ہیں نہیں ہیں انہیں مسترد کرو کہ یہ سازش ہے۔بغداد کی گلیوں میں ان کے خون بہادیے گئے اور آج تک یہی ہوتا چلا آرہا ہے۔لیکن میں نے عرض کیا ہے کہ سازش اس وقت تک چل سکتی ہے جب تک اس کے قریب نہ کسی کو آنے دیا جائے اتنا اس کو واجب الاحترام بنادیا جائے کہ تم Touch نہیں کرسکتے۔جب بھی آپ اس کسوٹی کو لے کے قرآن کریم کی اور ان تمام چیزوں کو دیکھیں گے حق اور باطل نکھر کے الگ الگ ہوجائے گا۔انہیں کے ہاں روایت میں ہے جو کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جمع ہوا۔ ہمارے ہاں یہ چیز امام ابن اعظم کے ہاں کی بھی موجود ہے حضرت عمرؓ کے زمانے میں وہ لکھتے

ہیں کہ بلاد میں تمام مملکت میں کم از کم ایک لاکھ نسخہ قرآن کریم کا مملکت کی طرف سے مصدقہ نکلا ہوا موجود ہے۔ بات صاف ہے یہ آپ کے ہاں کا قرآن صرف وہ تبرکاً نہیں پڑھتے تھے وہ تو Contitution تھا آپ کی مملکت کا یہ تو ضابطہ تھا آپ کے قوانین کا۔مملکت ہو Constitution کی کتاب ہی کہیں نہ ملے ضابطۂ فوجداری ضابطۂ دیوانی دوسرے جتنے بھی قوانین جو اس کے اندر ہیں وہ کہیں بھی نہ ہوں مملکت اتنی پھیلی ہوئی تھی بائیس لاکھ مربع میل کی مملکت تھی یقیناً اس میں اتنے قرآن ہونے چاہئیں۔ بنیادی فریضہ یہ تھا مملکت کا کہ اپنے ہاں کے ضابطے قوانین جو ہیں ان کی عام نشر واشاعت کرے۔انہوں نے تحقیق کے ساتھ یہ لکھا ہے۔ یہاں حضرت عثمانؓ کو جامع بتایا جاتا ہے وہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بتا رہے ہیں کہ کم از کم اتنے نسخے اور وہ مملکت کی طرف سے مصدقہ نسخے اس لیے ہوتے تھے کہ باہر ہوسکتا ہے ابھی چھاپہ خانہ نہیں تھا چھاپہ خانہ بھی ہو تو اس میں بھی غلطیاں ہوتی ہیں وہ Athenticated Books یہاں سے بھیجتے تھے مدینے سے حکومت کی طرف سے مہر لگا کے۔ یہ تھا اہتمام اس کا۔اور اس میں ایک زیر زبر کا اختلاف نہیں تھا۔اب جو اس طرح سے؟؟؟ شروع ہوئی ہے تحقیقات کی طرف رخ مڑا ہے تو اب یہ چیز Dig-out ہونی شروع ہوئی ہے کہ قرآن کے پرانے نسخے دیکھئے کہاں کہاں سے مل رہے ہیں۔اور جن جن نے اس دور میں بھی ہمارے ہاں یہ مغرب کے مستشرقین نے یہ کہا کہ ان میں اختلاف جو انہوں نے بیان کیے جنہوں نے تحقیق کی تحقیق کے بعد اس دور کے وہ نسخے ان کو ملے جن میں دیکھا کہیں ایک زیر زبر کا فرق نہیں ہے ان کے اندر۔عزیزانِ من! مذاق ہے!! خدا حفاظت کا ذمہ لے اور اس کے بعد کیفیت یہ ہو جائے۔اور یہ محض عقیدے کی بات نہیں ہے ہم جو کہہ رہے ہیں کہ اس نے حفاظت کا ذمہ لیا ہم نے یوں مان لیا۔آپ کے ہاں وہ نسخے باہر آرہے ہیں۔حضرت عثمانؓ کے زمانے کے نسخے باہر آرہے ہیں کہیں ایک؟؟ کا فرق نہیں ہے۔ان سے پوچھئے تو فخر سے یہ بھی بیان کریں گے کہ قرآن کریم آسمان کے نیچے ایسی محفوظ کتاب۔ جب ان کے ہاں کی تفسیر سنئے تو اس میں یہ کہ ٹھیک ہے صاحب ارجلَکم بھی ہے ایک قرآت میں ارجلِکم بھی آیا ہے ابن مسعود کی قرآت میں 138 الگ قرآتیں بھی تھیں۔ یہ بھی سارا کچھ پڑھایا جا رہا ہے۔نہ عزیزانِ من! ایک بات کہو اگر عقیدتاً ماننا ہے تو مانو کہ قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں اختلاف نہیں' قرآن خود کہتا ہے۔ یوں نہیں ماننا چاہتے ہٹ کے ایک غیر مسلم مؤرخ کی طرح محقق کی طرح ماننا ہے تو اس کے بعد یہ تحقیقات کر کے دیکھو قدیم سے قدیم نسخے رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے بھی یعنی صحابہؓ کے زمانے کے بھی آپ کے ہاں وہ ملتے ہیں اور ان میں کوئی فرق نظر نہیں آتا' یوں آجاؤ۔لیکن اگر آپ یہ کہو کہ صاحب یہ سب کچھ غلط ہے جس میں نظر یہ آتا ہے کہ قرآن میں کوئی اختلاف نہیں اور ہمارے کتاب المصاحف یا بخاری کی یہ حدیثیں ٹھیک ہے تو اب اس کا تو جواب کسی کے پاس نہیں ہوگا۔احادیث کی ان کتابوں کو احادیث کہنے کے بعد انہوں نے ان کو تاریخی تنقید سے بالاتر قرار دیدیا۔قیامت ہمارے ہاں ہوئی یہ کہ محدث جو تھے انہوں نے تو کہا ہی کہ قال رسول اللہ ﷺ' حالانکہ

انہوں نے بھی یہ احتیاط برتی تھی کہ پہلے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا اور آخر میں فرمایا او کما قال رسول اللہ ﷺ یوں یا جیسے حضور ﷺ نے فرمایا ہو۔ ٹھیک ہے اس کو یوں رکھئے۔ میں نے کہا کہ یہ محدثین نے تو ہمارے ہاں یا جامع جو تھے ان روایات کے انہوں نے تو یہ چیز کی تھی کہ حضور ﷺ نے یہ فرمایا' آپ کی تاریخ میں بھی یہ ہے کہ روایت میں یوں ہے اور روایت کے پھر وہ راوی اسی طرح سے لے جاتے لے جاتے خلفائے راشدینؓ تک یا صحابہؓ تک یا رسول اللہ ﷺ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ تاریخ بھی آپ کی اسی مقام پہ آ گئی اب اس کو بھی نہیں Touch کرنے دیا جاتا۔ عزیزانِ من! اگر اس امت کی قسمت نے یاوری کی اور اس امت سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ ہم آپ جو بیٹھے ہیں ہم یا ہماری ہی نسل' کوئی قوم بھی ہم ہوں یا کوئی اور ہو جس نے اسلام کو دین کی حیثیت سے قبول کیا اور خدا کی اس کتاب (قرآن) کو انہوں نے ضابطۂ زندگی بنایا جب وہ اس تنقید کے اوپر آئے گی اور ان چیزوں کے متعلق ایک تو خالص علمی نقطۂ نگاہ سے ان پہ تنقید کرے گی اور پھر یہ چیز کہ کم از کم رسول اللہ ﷺ اور عہد صحابہ والذین معہؓ کے متعلق یہ ایمان رکھے گی کہ ہماری کتاب احادیث اور کتب تاریخ میں کوئی ایسی بات کہ جو قرآن کے خلاف ہو جس سے رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس پہ کسی قسم کا طعن پایا جاتا ہو جس میں حضور ﷺ کے رفقاء والذین معہؓ جو کہا ہے قرآن نے ان کے متعلق کسی قسم کا طعن پایا جاتا ہو چونکہ قرآن کی شہادت کے خلاف یہ بات ہوگی اس لیے ہم اس کو سمجھیں گے کہ یہ ماننے کے قابل نہیں ہے۔ جب بھی آپ کے ہاں کبھی امت کی قسمت نے یاوری کی اور کرے گی آئیں گی یہ قومیں' انسانوں کا چارہ نہیں ہے عزیزانِ من! قرآن کے بغیر یہ نوع انسانی کے لیے شرف انسانیت کا ضابطہ ہے۔ جہاں جہاں جی چاہے یہ انسان دھکے کھاتا پھرے اسے آنا ہے اس طرف۔ جب وہ انسان اس طرف آئے اسے میں کہونگا امت محمد ﷺ وہ سب سے پہلے کرنے کا کام یہ ہوگا ان کے لیے کہ جتنا آپ کے ہاں یہ لٹریچر انسانوں کا بنایا ہوا آ رہا ہے اسے ان تقدس کی طاقوں سے نیچے اتار کر علم کی سطح پہ لائیں گے علمی نقطۂ نگاہ سے ان پہ تنقید کریں گے اور حضور ﷺ اور صحابہؓ کے دور کے متعلق جو تاریخیں اور روایات ہیں قرآن کی روشنی میں ان پہ تنقید کریں گے۔ جب اس طرح سے وہ منزہ کریں گے وہ ہوگی آپ کی صحیح تاریخ وہ ہوگی آپ کے ہاں صحیح حدیث کی کتاب۔ قرآن ہے جو بنیاد ہوگا اس کے متعلق۔ قرآن کے ایک؟؟ میں ایک حرف میں ایک نقطے میں فرق نہیں ہے عزیزانِ من!۔ بات نقطے کی آئی۔ مجھ سے پوچھا گیا ہے کہ قرآن کا انگریزی ترجمہ کس کا اچھا ہے تفسیر کس کی اچھی ہے اور حدیث کی کتاب کونسی اچھی ہے۔ عزیزانِ من! وہ تو آپ کے عقیدے کے مطابق ہوگی آپ دیکھ لیجیے گا کسی دوسرے کے کہنے کے مطابق کونسی چیز ہے' جسے میں اچھا کہوں اسے آپ اچھا کیوں سمجھیں گے۔ جب بھی یہ چیز آپ کے ہاں ہوئی کہ یہ ایک چیز ہے بنیاد آپ کے ہاں قرآن کریم اور آپ دیکھیں گے جب بھی آپ نے اس کے متعلق ریسرچ کی آپ دیکھیں گے اس نتیجے پہ پہنچیں گے کہ یہ حرفاً حرفاً زیر اور زبر سمیت وہی ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ نے امت کو دیا تھا اسی مکمل شکل میں حضور ﷺ کی زندگی میں موجود تھا کتاب کی شکل میں موجود تھا

مدینے کی مسجد نبوی میں اور وہ مسجد معاف رکھئے ''مسیت نئی سی ہیگی'' وہ آپ کے ہاں کا مرکز تھا آپ کی مملکت کا۔ اس مرکز میں ایک نسخہ وہاں رکھا رہتا تھا اور نسخوں کے علاوہ سند کے طور پر۔ جیسا کہ آیا ہے تاریخ میں بہت بڑا اس کا حجم تھا ضخامت تھی۔ اس زمانے میں یہ کاغذ یہ اس طرح سے نہیں بنتا تھا ہرن کی پتلی کھال اس پہ لکھا کرتے تھے جن چیزوں کو مضبوط لکھنا ہوتا تھا۔ اگرچہ قرطاس موجود تھا یمن میں لیکن ان کے ہاں ہرن کی کھال پہ لکھا جاتا تھا۔ آپ کے ہاں بھی اب تک یہ جو بڑے بڑے عہدنامے لکھے جاتے ہیں وہ کاغذ اسی قسم کا ہوتا ہے۔ اب اگرچہ مصنوعی طور پہ اسے بنا لیتے ہیں لیکن وہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسے باریک جھلی کھال کی ہوتی ہے۔ اس پہ وہ لکھا ہوا ہوتا تھا۔ جس قرآن کے لیے ان کی تاریخ کے مطابق بھی چھبیس چھبیس کاتب موجود تھے جس میں حفاظ کی کیفیت یہ تھی کہ نبی اکرم ﷺ خود ان کو حفظ کرا کے سنا کرتے تھے۔ عربوں کی عربی زبان میں یہ کتاب اور اس کتاب کو محض عربی Language کے اعتبار سے بھی دیکھتے ہیں یہ تو چپک جاتی ہے کتاب عزیزانِ من! ۔عربوں کی تو کیفیت یہ تھی غیر مسلم وجد میں آ جایا کرتے تھے اس کتاب کو پڑھ کے۔ وہ عربوں کے ہاں اس کتاب کا حفظ کرنا' وہ کتاب ہے کتنی بڑی۔ آپ کے قاری شبینہ والے تین چار گھنٹوں میں ختم کر دیتا ہے اس کو پڑھتے ہوئے۔ اور اگر یہ باریک ٹائپ پہ لکھی جائے جیسے بائبل چھپتی ہے آپ دیکھیں گے چالیس پچاس صفحے سے زیادہ بڑی کتاب نہیں ہے یہ۔ اور پھر حضو ﷺ کے زمانے میں یہ نازل ہو رہی ہے صحابہ کبارؓ جو موجود ہیں مملکت کا ضابطہ یہ بن رہا ہے تدریجاً نازل ہو رہی ہے تئیس برس کے اندر یہ نازل ہو رہی ہے اتنا اتنا ٹکڑا بھی یاد کرنا مشکل کیا تھا۔ ہمارے ہاں کے بچے سینکڑوں ہزاروں لاکھوں کی تعداد کے اندر قرآن حفظ کرتے ہیں غیر زبان کا قرآن۔ اتنے تو حفاظ موجود تھے۔ خود ہی یہ بتاتے ہیں اس روایت کے اندر جہاں یہ کمیٹی بٹھاتے ہیں وہ کہتے یہ ہیں کہ صاحب ایک جنگ تھا جنگ یمامہ اسکے اندر ایک لڑائی میں اتنے حافظ شہید ہو گئے کہ اس پہ حضرت عمرؓ نے حضرت صدیقؓ سے یہ کہا کہ میں یہ ڈرتا ہوں کہ اگر حفاظ اس طرح سے شہید ہونے شروع ہو گئے یا بہر حال طبعی موت مرنا شروع ہو گئے تو بڑی کمی واقع ہو جائے تو انہوں نے کہا کہ قرآن کو ایک کتاب میں منضبط کر لیں۔ یعنی میں نے کہا کہ یہ تو روایت غلط ہے۔ لیکن یہ چیز کہ اتنی تعداد حفاظ کی موجود ہے۔ تو پوچھئے وہ جو حافظ پڑھتے تھے۔ آپ نے دیکھا ہوگا آج بھی تراویح کے اندر حافظ اگر آگے سے ایک زیر کی غلطی کرتا ہے پیچھے؟؟ کھڑے ہوتے ہیں وہاں پکار اٹھتے ہیں یہ اور اسے رکنا پڑتا ہے وہاں۔ تو وہاں جو حفاظ تھے تو وہ یہی کیفیت تھی جو حضرت عمرؓ کی اس روایت میں ہے کہ سورۃ فرقان ایک اس طرح سے پڑھ رہا ہے کہ دوسرا کہہ رہا ہے کہ وہ غلط پڑھ رہا ہے اور حضو ﷺ کے پاس لے جاتے ہیں پکڑ کے۔ سوچئے تو سہی یہ چیزیں۔ جب اس طرح سے آپ اپنے اس لٹریچر پہ غور کریں گے عزیزانِ من! پھر حقیقت آپ کے سامنے آئے گی خدا کی یہ کتاب منجانب اللہ ہے۔ تاریخ یہ بتائے گی اور آپ حیران ہونگے کہ انہی مستشرقین میں وہ لوگ آج موجود ہیں جو اس کی شہادت دے رہے ہیں کہ ہم نے تحقیق کی ہے اس کتاب کے متعلق۔ میری کتاب ہے آسمانی

کتابیں' میں نے تمام مذاہب کی جتنی مروجہ آسمانی کتابیں ہیں ان کی تدوین وترتیب کی بھی اس میں تاریخ دی ہوئی ہے اور آخری Chapter میں قرآن کریم کے متعلق ہے۔اس میں اُن کے یہ اقوال ہیں کہ ہم نے از خود Indipendentaly تحقیق کی ہے اور اس کے بعد اس نتیجے پہ پہنچے ہیں کہ یہ قرآن جو مسلمانوں کے پاس اس وقت ہے یہ لفظاً لفظاً وہی ہے جو محمد ﷺ کے منہ سے نکلا تھا۔ یہ اس کے الفاظ ہیں آپ دیکھئے گا مستشرقین کی تحقیق تو اس نتیجے پہ پہنچا رہی ہے۔اور آپ کے ہاں کا مقدس لٹریچر جنہیں آپ کے دارالعلوموں میں آج بھی اس طرح سے پڑھایا جارہا ہے وہ کتاب المصاحف پڑھا تا ہے آپ کو۔لہٰذا عزیزانِ من! آپ نے دیکھا ہوگا کہ بات تو ارجلکم اور ارجلِکم کی تھی لیکن درحقیقت یہ کتنی بڑی ایک سازش ہے جس کی طرف ہمیں لے جایا گیا ہے۔

قرآن میں کوئی دو قرآتیں نہیں ہیں۔جیسا میں نے عرض کیا ہے یہ اعراب کا فرق بھی عربی زبان کے اندر کچھ یونہی معمولی تلفظ کا یا لہجے کا فرق نہیں ہے یہ تو بنیادی طور پہ معنی بدل دیتا ہے یہ فرق بھی نہیں ہے۔اور پتہ نہیں کیا کیا کچھ اسکے خلاف کہا گیا ہے۔ایک روچلی تھی اور آج بھی ان کو دہرایا بھی ہے مودودی صاحب نے کہ عربی زبان شروع سے ہی جب سے ہی بنی تھی اس میں نقطے ہوتے ہی نہیں تھے۔ٹھیک ہے انگریزی زبان میں اگر کہہ لیجیے تو ٹھیک ہوگا کہ نسخے ہوتے ہیں i پہ اور j پہ نقطے' نہ بھی ہوں تو ان کی شکل کچھ بتا دیتی ہے۔یہ عربی زبان کو آپ دیکھئے جس نے بھی ابتداً اس زبان کو ایجاد کیا ہے الف تو رہ گیا نا الگ ب ت ث' نقطے اٹھا دیجیے ان میں سے ذہن میں اور یہ تینوں لکھے ہوئے یہاں رکھ لیجیے اور پھر انہیں پڑھئے کہ یہ کیا ہیں یعنی آپ اسے ب کہیں گے نہ پ اور کوئی دلیل ہی نہیں ہے آپ کے پاس ثابت کرنے کی کہ یہ ب ہے یا ت ہے۔کہاں جا کے فرق اس کا معلوم ہوگا اور کہاں فیصلہ ہوگا جب آپ ایک کے نیچے ایک نقطہ دیدیں گے اس کے اوپر دو نقطے دیں گے پھر بات ہوجائے گی کہ ب اور ت۔یعنی یہ زبان ایسی تھی ابتداء میں وہ یہ صرف نقطے تھے جہاں سے ب اور ت اور ث ہوتی تھی۔ج ح خ پڑھیے بغیر نقطوں کے' د ذ ر ز س ش ص ض ط ظ ع غ پڑھیے بغیر نقطوں کے۔یعنی اس زبان کا ایجاد کرنے والا یہ مینٹل ہاسپٹل سے بھاگ کے آیا ہوا تھا؟ کہ اس نے یہ یہ تو یوں لکھنا شروع کیا اور جس چیز سے ب اور ت میں فرق ہونا تھا ایک نے ب بننا تھا ایک نے ت بننا تھا ایک نے یہ بننا تھا۔یہ نہیں کہ اس نے نہیں لکھے کہا ہے ایجاد ہی نہیں کیے اس نے۔اچھا جی!!۔اور پھر یہ کہ جب قرآن کریم نازل ہوا تو اس زمانے میں بھی نقطے نہیں ہوتے تھے۔یہ جو پہلا ہی لفظ ہے اس کے اندر حمد جو ہے یہ حمد بھی ہوسکتا ہے تعریف کے معنی' یہ جمد بھی تو ہوسکتا ہے جمی ہوئی برف کے معنی' یہ خمد بھی ہوسکتا ہے خاکستر کے معنی میں۔کہتا ہے نقطے ہی نہیں تھے۔کسی ایک طرف سے سازش اس پہ آئی ہو تو میں عرض بھی کروں اور پھر میں کہہ رہا ہوں یہ قدیم زمانے والے نہیں ہیں ہمارے ہاں کے اس دور کے ماڈرن مفسر ہیں اور اس پہ ضد کرتے ہیں۔ہماری تو شامت اعمال ہے کہ اس چیز پہ جو آتی ہے تو یہ چیز عرض کرتے ہیں کہ حضرت فرمائیے کیا کہہ

رہے ہیں آپ یہ۔ وہ خود مودودی صاحب اس کے اوپر بحث کرتے ہیں؟؟؟؟ کرلو کیا کرتے ہو۔ کہتے ہیں اعراب بھی نہیں ہوتے۔ ایک ایک کر کے نئی نسل کے دل سے قرآن کی عظمت کو نکالنے کے لیے ایک ایک فتنہ بیدار کیا جاتا ہے۔ تحریر کی یہ کیفیت کہ نقطے ہی نہیں تھے عربی زبان تھی بغیر نقطوں کے یعنی ایجاد ہی نہیں ہوئے تھے اعراب لگے ہوئے ہی نہیں تھے۔ اس کے اندر دس ایسی آیتیں ہیں جو قرآن میں نہیں ہیں ان پہ عمل ہوگا سینکڑوں ایسی ہیں جو قرآن کے اندر ہیں عمل ان کا منسوخ ہو چکا ہوا ہے۔ قرآتوں کے اختلاف کے معنی یہ ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانے میں صحابہؓ کے زمانے میں سینکڑوں مختلف نسخے تھے لوگوں کے ان میں مختلف الفاظ ہوتے تھے حضرت عثمان نے ان کو جمع کیا ان کے نسخے میں کم از کم گیارہ غلطیاں صحابہ کرامؓ Point out کیا کرتے تھے اور آپؓ نے کہا تھا کوئی بات نہیں بعد میں نکال لیں گے۔ حجاج بن یوسف نے ان غلطیوں کی تصحیح کی باقی نسخوں سے حجاج کے نسخے میں اختلاف تھا۔ اور پھر یہ کہ صاحب انہوں نے تلوار کے زور پہ اپنے نسخے کو رائج کر دیا۔ پہلے تو حضرت عثمانؓ کے متعلق ہے کہ اپنا نسخہ انہوں نے رائج کر دیا باقیوں کے متعلق کہہ دیا جلا دو۔ یعنی یہ اس طرح سے یہ قرآن آپ کے ہاں کا آگے چلایا گیا ہے مستبد ڈکیٹٹر کی طرح کہ میرا جمع کیا ہوا جو ہے یہ چلے گا۔ میں کیا عرض کروں عزیزانِ من! سوائے اس کے کہ خدا کرے کہیں کچھ بچے مجھے مل جائیں عمر کے اس آخری حصے میں میرے پاس بیٹھ جائیں ان کو نصاب کے طور پہ یہ چیزیں جو ہیں پڑھا دوں پھر بات صاف ہو سکتی ہے۔ اور پھر میں عرض کر دوں کہ یہ عقیدتاً نہیں کہہ رہا میں تو نو مسلم ہوں اس اعتبار سے کہ زندگی کا آدھا حصہ میں نے انہی عقائد کو لیے ہوئے گذارا ہوا ہے میری تعلیم اور پرورش اسی انداز سے ہوئی تھی۔ میں نے ایک ایک چیز کی تحقیق کی ہے عزیزانِ من! جو کچھ عرض کر رہا ہوں اللہ کی توفیق سے ایک ایک چیز کی سند اور اتھارٹی رکھتا ہوں جب میں یہ کچھ کہتا ہوں۔ اور پوری سند اور اتھارٹی تاریخ کی تنقید اور سند کے ساتھ یہ چیز ثابت کر سکتا ہوں کہ یہ قرآن جو خدا نے ہمارے رسول ﷺ پہ نازل کیا جس شکل میں جن نقطوں حرفوں اعراب لفظوں کے ساتھ حضور ﷺ نے جس ترتیب کے ساتھ جس تدوین کے ساتھ حضور ﷺ نے امت کو دیا تھا بعینہٖ اسی طرح سے آج موجود ہے امت کے پاس موجود ہے۔ اس میں اگر ایک مقام پہ بھی کوئی اختلاف ہو جائے یہ خود Condemn کر رہا ہے اپنے آپ کو کہ یہ پھر خدا کی کتاب نہیں ہو سکتی۔ میں عقیدتاً نہیں منواؤں گا اپنے ان نوجوانوں کو میں علم کی سطح کے اوپر ان کو یہ چیز بتاؤں گا کہ جاؤ اور پرکھ لو اور جا کے دنیا کے سامنے اس کا اعلان کر دو۔ اور پھر اس کے بعد کہوں گا کہ لاؤ کوئی اور کتاب اس کی مثل فاتوا بسورۃ من مثلہ کتاب نہیں ایک سورۃ اسکی مثل لا کے بتاؤ۔ مذاق ہے عزیزانِ من!؟ کھلونا سمجھ رکھا ہے ہم نے خدا اور اس کا دین اور اس کی کتاب کو۔ کتنا جلیل القدر رسول ﷺ کتاب کو دینے والا' جس کا فریضہ یہ تھا یعلمھم الکتٰب و الحکمۃ تعلیم کتاب کر رہا تھا تو وہ کتاب ہی مختلف شکلوں میں دہرا رہا تھا (معاذ اللہ معاذ اللہ معاذ اللہ)۔ جس رسول ﷺ ہمارا ایمان ہے جو خدا کا رسول تھا اس کی شان سے؟؟ ہے یہ چیز۔ یہ ہے کتاب اللہ

عزیزانِ من! جس کے اندر یہ شہادت موجود ہے کہ اس کے لکھنے والے بڑے برگزیدہ تھے۔ جس کا پہلا لفظ **ذٰلک الکتٰب** ہے عرب کتاب کہتے ہی نہیں تھے منتشر اوراق کو' ان کی زبان میں جب اوراق کی؟؟ بندی کر دی جاتی ہے شیرازہ بندی کر دیجاتی ہے اس کے اندر لوہے کا وہ ٹکڑا وہ سرکل سا جب اس میں شیرازہ بندی کر کے اس کو پہنا دیا جاتا تھا اوراق کو اس وقت یہ اسے کتاب کہتے تھے۔ مکمل شکل میں غیر متبدل شکل میں محفوظ شکل میں کتاب کی شکل میں حفاظ کے سینے قرآن اس کی بھی شہادت دیتا ہے ان کے سینوں کے اندر' لکھنے والوں کے متعلق' **کتاب المسطور** کہہ رہا ہے اس کو۔ یہ سارا کچھ قرآن کی اندرونی شہادت ہے۔ بیرونی شہادت میں نے کہا ہے تاریخ اور علم کی تحقیق کی بناء کے اوپر شہادت ہم دیتے ہیں جو دنیا کے سامنے پھینکتے ہیں کہ لو چیلنج ہے۔ اور پھر ان کی شہادتیں پکار پکار کے کہہ رہی ہیں عزیزانِ من!۔ بات اہم تھی خدا کرے کہ جس طرح سے میں سمجھانا چاہتا تھا وہ سمجھ لیا جائے۔ سورۃ مائدہ کی چھٹی آیت میں یہ بات آئی ہے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المآ ئدہ۔چوتھاباب(آیات6تا11)

عزیزانِ من!

آج مارچ 1971ء کی 28 تاریخ ہےاور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ المآ ئدہ کی چھٹی آیت سے ہو رہا ہے۔سابقہ درس میں بھی یہی آیت زیرِنظر تھی۔

بات اس میں وضو کےمتعلق ہےلیکن پورا درس اسی میں صرف ہوگیا تھا کیونکہ اس میں سے بات ایک اہم نکلی تھی اور وہ جو اس کو کہا جاتا ہے کہ ایک قرآت میں یوں بھی آیا ہےاور ایک قرآت میں یوں بھی آیا ہے۔تو میں نے یہ عرض کیا تھا کہ یہ اختلاف قرآت جسے کہا جاتا ہے وہ درحقیقت قرآنِ کریم کے غیر محفوظ ہونے کے لیےایک بہت بڑی سازش ہے۔اوراس کی میں نے پوری تفصیل آپ احباب کے سامنے پیش کی تھی۔قرآن میں کوئی دو قرآتیں نہیں ہیں۔اورقرآت کے معنی آپ نے یہ سمجھ لیا تھا یہ نہیں کہ کوئی ایک انداز سے پڑھتا ہے دوسرا دوسرے انداز سے پڑھتا ہےقرآت کےمعنی ان کے ہاں یہ ہیں الفاظ کا فرق ہےاعراب کا فرق ہے آیتوں کا فرق ہے۔اسے کہا جاتا ہےاختلاف قرآت۔تو آپ سوچئے کہ جس دین کا مدار خدا کی اس آخری کتاب پہ ہوجس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے رکھا ہواوراس کتاب کےمتعلق اگر یہ عقیدہ عام کر دیا جائے کہ اس میں الفاظ کا بھی فرق ہے آیات کا بھی فرق ہےاعراب کا بھی فرق ہےمعنی کا فرق ہےتو دین اپنی اصل و بنیاد سے اکھڑ جاتا ہے۔اس لیےقرآن کریم میں ایک اعراب تک کا بھی کوئی فرق نہیں ہے یہ بعینہٖ الحمد سے والناس تک اسی شکل ربط انہی الفاظ حروف میں نبی اکرمﷺ کو خدا نے دیا اور حضورﷺ نے انسانوں کو دیا وہی آج تک ہمارے پاس موجود ہے۔لہٰذا یہ چیز بھی علاوہ اور چیزوں کےقرآن کےمتعلق شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لیے وضع کی گئی تھی یہ افتراء ہے بہت بڑی سازش ہے۔بات پھر یہیں سے شروع ہوتی ہے۔(**یاایھا الذین اٰمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم و ایدیکم الی المرافق و امسحوا برء وسکم و ارجلکم الی الکعبین**) (5:6)چند الفاظ میں وضو کےمتعلق۔یہ وضو کا لفظ ہم استعمال کرتے ہیں قرآن نے یہی کہا ہے کہ جب صلوٰۃ کے لیے کھڑے ہو تو تم اپنے منہ ہاتھ دھولیا کرو، ہاتھ کہنیوں تک سر کا مسح کرو پاؤں دھولیا کرو۔اب یہ دیکھئے کہ قرآن کریم نے بڑے اہم حقائق جو ہیں انہیں تو بڑے مجمل طور پہ بیان کیا ہےاس کی جزئیات خود نہیں دیں۔لیکن یہ ایسے مسائل ہیں کہ جن کےمتعلق جزئیات تک قرآن کریم نے خود دی ہیں۔اتنا حصہ تو ہے کہ منہ ہاتھ پاؤں دھولیا کرو۔(**و ان کنتم جنبًا فاطھروا**) (5:6)جنابت کی حالت میں اگر ہو تو پھر پورے کے پورے پاک صاف ہوا کرو۔اس کے معنی ہیں کہ غسل کرنا ہوگا۔(**و ان کنتم مرضٰی او**

علٰی سفرٍ او جآء احد منکم من الغآئط او لٰمستم النسآء فلم تجدوا مآء فتیمموا صعیدًا طیبًا فامسحوا بوجوھکم و ایدیکم منہ) (5:6)

اور اگر کیفیت یہ ہو تم مریض ہو پانی کے استعمال سے تکلیف ہوتی ہے سفر میں ہو یا ضروری حاجت سے فارغ ہو کے آئے ہو اور پانی نہ ملتا ہو جب بھی ہو اور یہ کیفیت ہو۔ تو تین چیزیں ہو گئیں ایک تو یہ ہے کہ پانی موجود ہے پانی سے کوئی تکلیف بھی نہیں ہوتی تو اس سے عام حالات میں وضو کرو جنابت کی صورت میں غسل کرو۔ پانی ہے لیکن کسی مرض کی وجہ سے پانی کا استعمال تکلیف دیتا ہے تو پھر یہ کچھ نہ کرو یا پانی نہیں ہے کسی جگہ اس صورت میں کیا کرو (فتیمموا) (5:6) ہمارے ہاں تیمّم کا لفظ ہے اور اس کے یہ معنی یہی ہوتے ہیں وہ جس طرح سے منہ ہاتھ کو جھاڑ لیتے ہیں۔ لیکن یہ ایک بڑی لطیف سی چیز ہے یہ لفظ جو ہے فتیمموا جس سے تیمّم ہمارے ہاں نکلا ہے اس کے اصل معنی ہوتے ہیں نیت کرنا کسی چیز کا ارادہ کرنا کسی چیز کا۔ پانی نہیں ہے مقصد تو یہ تھا کہ کچھ کثافتیں کچھ گرد و غبار کچھ اس قسم کی چیزوں کو صاف کرنا چاہیے پاک صاف اجلے پاکیزہ دھلے ہوئے اس انداز سے آنا چاہیے۔ میں ابھی عرض کرونگا کہ اس کی کتنی ضرورت ہے۔ لیکن اگر یہ کچھ نہ ہو تو اس کے لیے کوئی پاکیزہ سی مٹی کہیں سے دیکھو کچھ آلائش لگی ہوئی ہے اس سے اسے صاف کرلو' ہاتھ منہ پہ گرد و غبار پڑا ہوا ہے' یہ جو مسح ہے نا اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ مٹی لے کے اور مل لو' جسے Dusting کہتے ہیں نا جھاڑ لو۔ جیسا ہمارے ہاں بھی عام طور پہ پیدل چل کے جو آنے والے ہوتے ہیں گرد و غبار پڑا ہوا ہوتا ہے چادر سے وہ آپ نے دیکھا ہے کہ منہ ہاتھ کے اوپر بھی وہ جھاڑ لیتے ہیں اس سے' پاؤں کا گرد بھی اس سے صاف کر لیتے ہیں۔ تو اس طرح سے یہ گرد و غبار کو صاف کرو اور پاکیزہ مٹی سے صاف مٹی سے آلائش ہے اس آلائش کو دور کرلو۔

یہ جو کچھ بھی کہا گیا ہے اس کے لیے ہے لفظ یہ تیمّم اور جس کے معنی میں نے عرض کیا ہے کہ نیت کرنا کسی چیز کی ارادہ کرنا کسی چیز کا یعنی وہ جو پانی سے مقصد تھا وہ نہیں اس سے حل ہو رہا لیکن یہ ایک Psycholigically (نفسیاتی طور پہ) آپ ارادہ کر رہے ہیں نیت کر رہے ہیں یہ اندر ایک آمادگی کی کیفیت آپ اپنے ہاں پیدا کر رہے ہیں اس صلوٰۃ کے لیے۔ تو یہ جسے ہم وضو بھی کہتے ہیں نماز کے لیے تیاری جسے ہم کہتے ہیں اس میں ایک بات تو یہ ہے کہ طبعی طور پر (Physically) منہ ہاتھ کا دھو لینا پاک وصاف ہو جانا نفاست و نزاکت نہایت ضروری چیز ہے یہ بھی ہے۔ لیکن اس میں ایک اصل چیز یہ ہے جسے تیمّم کہا گیا ہے کہ یہ اس عمل کے لیے تیاری ہے ایک' ایک نیت ہو رہی ہے یعنی اس سے پیشتر اس سے پہلے ہی آپ اپنے طور پہ ذہنی طور پہ اپنے آپ کو تیار کر رہے ہیں اس مقصد کے لیے۔ آپ نے دیکھا کہ یہ جو Preparation ہوتی ہے کسی چیز کی تیاری جو ہوتی ہے کسی چیز کی اس تیاری میں آپ کی تمام توجہات مرکوز ہو جاتی ہیں اس کام کی طرف جو آپ نے ابھی کرنا ہوتا ہے۔ تو اب اس کے لیے یہ لفظ

ہے فتیمموا کہ اس میں نیت کا سوال ہے ارادے کا سوال ہے Preparation کا سوال ہے آمادگی ہورہی ہے اس کام کے لیے۔ تو اگرچہ اس میں وہ بات تو نہیں پوری ہورہی جو پانی سے ہونی تھی لیکن جس آمادگی کی شرط ہے وہ اسکے ساتھ ہوتی ہے اور یہ بڑی ضروری چیز ہے۔(**ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھرکم و لیتم نعمتہ علیکم لعلکم تشکرون**) (5:6) یہ اس قسم کی جو پابندیاں کچھ عائد کی جاتی ہیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم خوامخواہ تمہیں کسی تکلیف میں ڈالنا چاہتے ہیں خوامخواہ یہ پابندیاں عائد کرتے ہیں۔ کہا کہ ان پابندیوں سے بڑا مقصد ہے ہمارے سامنے۔ یہ مقصود بالذات چیز نہیں ہے وہ جو پورا پروگرام ہے کہ ہم چاہتے یہ ہیں کہ اتمام نعمت ہے جسے قرآن نے جامع طور پہ ؟؟؟؟ کہ ہم چاہتے ہیں کہ نعمت مکمل طور پر تمہیں مل جائے۔ اس نعمت کی تفصیل تو سارے قرآن میں آئی ہوئی ہے ابھی ابھی ایک آیت اور آگے آتی ہے وہاں بھی یہ آجائے گا ہمارے سامنے کہ نعمت کیا ہے۔ خود قرآن نعمت ہے اسلام نعمت ہے اور اس کی نعمتیں جو ہیں اس دنیا کی زندگی میں خوشگواریاں سرفرازیاں خوشحالیاں یہ تمام چیزیں خدا کی نعمت ہیں۔ اس کے مقابلے میں محکومیت کی زندگی افلاس کی زندگی بدحالی کی زندگی یہ خدا کا غضب ہے۔ تو یہ نعمت کے اندر تمام چیزیں آتی ہیں وہ طبعی زندگی سے متعلق ہوں جیسے کہ رزق کی فراوانیاں یا وہ انسان کی انسانیت سے متعلق ہوں جیسے کہ Values اور اقدار جو ہیں ان کا اتمام نہایت بلند اقدار کا حامل ایک معاشرہ ان میں افراد جن کی انسانی صلاحیتوں کی نشوونما ہوچکی ہو۔ یہ ساری چیزیں مجموعی طور پر خدا کی نعمتیں کہلاتی ہیں۔ کہا یہ سب اس لیے کہا گیا ہے کہ تم پر اتمام نعمت ہو اور تاکہ تمہاری محنتیں بھرپور نتائج پیدا کریں۔ آپ کو پتہ ہے شکر کے معنی یہ ہوتے ہیں عربی زبان میں تاکہ تمہاری محنتیں بھرپور نتائج پیدا کریں۔ اب اس میں آپ دیکھئے کہ یہ جسمانی پاکیزگی طہارت نفاست اس پہ کتنا زور دیا گیا ہے۔ یعنی نماز کی جو تفاصیل ہیں وہ تو قرآن میں نہیں ہیں کہیں بھی کس طرح سے ہاتھ اٹھاؤ کہاں ہاتھ باندھو کس طرح رکوع کرو کیسے سجدہ ہو کتنی رکعتیں ہوں کیا کیا پڑھا جائے قرآن میں ان کی تفصیل نہیں ہے۔ یہ جو اس سے پہلے کی چیز ہے جسے آپ نے Preparation کہا ہے اس کے متعلق وضو کی تفصیل ہے حتیٰ کہ جسے تیمّم کہتے ہیں اس کی بھی تفصیل اس کے ساتھ ہے۔ اور جسمانی صفائی کے متعلق اتنا زور دیا گیا ہے اس کے لیے کہ حالت جب بھی ہو تو اس کے اندر یا غسل کرنا ہوگا ایسا نہ ہو تو اس میں یہ کرو پانی نہ ملے تو یوں کرو پانی سے تکلیف ہوتی ہو تو یہ کرو یہ ساری چیزیں اس میں دی ہوئی ہیں۔ حالانکہ اس کا تعلق صرف انسان کی طبعی جسم سے ہے۔ نظر آیا کہ وہ قرآن اس کو بھی نظر انداز نہیں کرتا اس لیے کہ یہ صرف مذہب نہیں ہے کہ پوجا پاٹ سکھاتا ہے۔ وہ تو زندگی کے لیے مکمل کوڈ ہے آپ کے لیے۔ انسان کی جسمانی حالت کا اثر اس کی ذہنی حالت پہ پڑتا ہے اور یہ دونوں چیزیں آپس میں لازم و ملزوم ہیں ۔ یہ ایک خاص فلسفہ ہے جسے Philosphy of Parralalism کہتے ہیں انسان کے اندر جو خیال اٹھتا ہے اس کے طبعی جسم کی حرکتوں سے ہوتا ہے۔ کئی دفعہ یہ چیز آ گئی آپ کے سامنے کہ جب

ہم کسی کی تعظیم کرتے ہیں تو تعظیم کا جذبہ بیدار ہوتے ہیں بلا اختیار ہمارا ہاتھ سر پہ اٹھا جاتا ہے اس سے بھی گہرے تعظیم کرتے ہیں تو سر جھک جاتا ہے۔ یہ جو کسی بات کے ہاں کہنے کے اوپر آپ یہ کرتے ہیں یہ ٹھیک ہے' نہ کے ساتھ ہی آپ یہ کرتے ہیں ان کا بڑا تعلق ہے آپس میں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ کسی مقرر پہ پابندی عائد کر دیجیے کہ تقریر کے دوران میں کسی قسم کی کوئی حرکت نہیں ہوگی نہ ہاتھ ہلے گا نہ Expression ہوگی کسی قسم کی۔ آپ دیکھئے وہ پانچ منٹ سے زیادہ تقریر نہیں کر سکتا اور اگر کرے گا تو وہ بڑی ہی بور کر دینے والی تقریر ہوگی۔ اس لیے کہ اس میں آدھا حصہ جو ہے اندر کا وہ مفلوج ہوتا ہے وہ کام نہیں کر رہا ہوتا یعنی Physical Expression وغیرہ جو ہیں۔ تو آپ دیکھئے قرآن اس کو نظر انداز نہیں کرتا۔ بدن کی صفائی' کپڑوں کی پاکیزگی' محفل کے اندر جب جمع ہوں تو اس پوری محفل کے اندر ایک نزاکت اور نفاست کا انداز۔ اس میں اسراف کی بات نہیں ہے یہ نہیں ہے کہ بڑا بڑا قیمتی لباس آپ نے پہنا ہوا ہو وہ تو بالکل سادہ سا لباس ہونا چاہیے۔ لیکن اس میں صفائی اور پاکیزگی کے اوپر اتنا قرآن نے زور دیا ہے۔ کہ آپ دیکھئے کہ انسان کے خیالات پر اس چیز کا بڑا اثر پڑتا ہے جسم کی صفائی کا پاکیزگی کا' ماحول کے پاک اور صاف ہونے کا' اجتماع میں پوری حیثیت میں پاکیزگی کو ملحوظ خاطر رکھنے کا۔ اس کا اثر انسان کے خیالات پر بڑا پڑتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے جہاں قلب و نگاہ کی پاکیزگی کے متعلق کہا قرآن کریم کے متعلق کہا کہ قرآن کریم سے تو مس وہ کر سکتے ہیں (لا یمسہ الی المطھرون) قرآن سے تو مس وہ کر سکتے ہیں جو قلب و نگاہ کی پاکیزگی کو لیے ہوئے اس کی طرف آئیں۔ تعصب کی نظروں سے یا پہلے ہی اپنے خیالات کو دماغ میں لیے ہوئے قرآن کی طرف آئے تو قرآن سے مس ہی نہیں ہو سکتا ان لوگوں کو۔ قلب و نگاہ کی پاکیزگی اور یہ لفظ جو ہے طہارت جسے کہتے ہیں قرآن کریم میں اس میں انسانی کریکٹر اور کردار کی پاکیزگی کے لیے یہ لفظ استعمال ہوا ہے بیشمار مقامات پر۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ جسمانی پاکیزگی اور طہارت اور نزافت کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے جیسا کہ یہاں ہمارے سامنے ہے۔ یہ دونوں چیزیں بڑی لازم و ملزوم ہیں۔ یہ جو آپ کے ہاں اجنبی تصور آ گیا یہ فقیری کا اور تصوف کا اور اس کے بعد آپ ان کو جا کے دیکھئے غلاظت میں لپٹے ہوئے پڑے ہیں۔ اور کہا یہ جا رہا ہے کہ صاحب بڑے مقرب ہیں خدا کے' یہ بہت بڑے پہنچے ہوئے ہیں۔ اندازہ لگایئے کہ جو قرآن جسمانی طہارت پہ اتنا زور دیتا ہے کیا اس کی کیفیت یہ ہوگی کہ مقربین بارگاہ خداوندی کی کیفیت یہ ہو کہ دور دور دور دے تعفن کے بھبکے اٹھ رہے ہوں وہاں سے صاحب۔ تو قرآن کریم نے یہ ایک لفظ فتیمموا سے جیسا میں نے عرض کیا ہے بہت بڑی حقیقت کی طرف اس نے نشاندہی کی ہے اس نے کہ یہ جو Preparation کے لیے نیت ہوتا ہے Metnaly Prepared ہوتا ہے انسان اس کے لیئے' ذہنی طور پہ ایک تیار اس میں ملحوظ ہوتی ہے۔ تو یہ وضو یا پانی نہ ملے تو تیمّم کی صورت ایک طرف تو یہ ہے کہ اس میں پاکیزگی جسمانی ملحوظ خاطر رکھنی ہے دوسری چیز اس میں یہ بھی ہے کہ اس سے وہ جو انسان کی Preparation یا آمادگی سے خیالات کا

مجتمع ہونا ہے اور ایک مرکز پہ چلے جانا ہے یہ چیز بھی اس کے اندر ضروری ہے۔ لیکن اب ہمارے ہاں تو خود نماز کے اندر توجہ ایک مرکز پہ مرکوز نہیں ہوتی چہ جائیکہ اس کی Preparation میں ہو۔ آپ دیکھتے ہیں کہ وضو بھی جس طرح سے ہو رہا ہوتا ہے خاص طور پہ اگر جماعت کہیں کھڑی ہوگئی ہو اور اس وقت یہ نظر آ رہا ہو کہ بس یہ امام گیا رکوع میں اور وہ ہے نا مسئلہ کہ رکوع تک اگر آپ مل جائیں تو وہ ایک رکعت آپ کی پوری ہو جاتی ہے اور رکوع سے اگر وہ اٹھ جائے تو آپ کی ایک رکعت جاتی رہتی ہے۔ یعنی وہ اتنا بڑا نقصان ہوتا ہے کہ ایک رکعت آپ کو اور پڑھنی پڑے گی الگ۔ تو اس صورت میں آپ دیکھئے کہ وہ کھڑا ہوا امام جماعت کے ساتھ اور آپ کو نظر آ رہا ہو کہ الحمد تو ہو چکی اور اب تھوڑا ہی وقت ہے اور اس نے ابھی کرنا ہو وضو تو اب جو یہ قرآن کہہ رہا ہے کہ اس میں Preparation کے لیے نیت کا سوال ہوگا ذہنی طور پہ اس کا اثر ہوگا وہ وضو کس طرح سے کرتا ہے اور پھر کس طرح سے بھاگا ہوا جا کے جماعت میں ملتا ہے۔ اس لیے کہ جب حقائق یا اصلیت جو ہے وہ رسم بن کے رہ جائے تو پھر رسم ہی پوری کی جاتی ہے۔ وہاں یہ تو کہا جائے گا کہ تیرا وضو نہیں ہوا کیونکہ کہنیاں تیری جو ہیں وہ خشک ہیں' یہ نہیں کوئی نہیں کہے گا کہ اس وضو سے جو آمادگی اور Preparation کی ایک کیفیت ذہنی تجھ پہ عائد ہونی چاہیے تھی وہ نہیں ہوئی اس لیے تیرا وضو نہیں ہوا۔ نماز کے متعلق یہ تو کہا جائے گا کہ تیری نماز نہیں ہوئی کیونکہ تیرے ہاتھ جو تھے زیر ناف نہیں تھے اونچے تھے کانوں کی لو تک تیرے یہ انگوٹھے نہیں پہنچے تھے اس لیے نماز نہیں ہوئی۔ کوئی یہ نہیں کہے گا کہ صلوٰۃ کے متعلق اس نے کہا ہے کہ (**ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشآء و المنکر**) کہ صلوٰۃ جو ہے وہ بے حیائیوں سے بخیلیوں سے تنگ نظریوں سے ان تمام چیزوں سے بچاتی ہے انسان کو۔ یہ کبھی کوئی نہیں کہے گا کہ تیری نماز نہیں ہوئی کیونکہ تو انہی چیزوں کے اندر الجھا ہوا ہے ابھی تک۔ آپ نے دیکھا نا کہ یہ چیزیں رسم بن کے پھر رہ جاتی ہیں۔ قرآن کریم نے یہاں یہ کہا تھا کہ یہ سب چیزیں اس لیے ہیں کہ اتمام نعمت ہو۔ (**واذکروا نعمة الله علیکم**) (5:7)

پیش نظر رکھو سامنے یہ مقصد کہ ان سے مقصود اتمام نعمت ہے دنیا اور آخرت کی نعمتیں یہ دینا چاہتا ہے اس کے لیے یہ پروگرام دیا ہوا ہے۔ اگر تو اس سے یہ نعمتیں حاصل ہوتی ہیں تو سمجھ لیجیے کہ ہم منشائے خداوندی کے مطابق اس پروگرام پر عمل پیرا ہو رہے ہیں اور اگر یہ شکل نہیں یہ نعمتیں حاصل نہیں ہوتیں تو سمجھ لیجیے کہ ہم ایک رسم ادا کر رہے ہیں وہ مقصد پورا نہیں کر رہے جس کے لیے یہ پروگرام دیا گیا تھا۔ خدا کی نعمتوں کو یاد رکھو۔

اور پہلی چیز تو اس میں یہ ہے کہ (**و میثاقه الذی واثقکم به**) (5:7) اور اس اپنے معاہدے کو پیش نظر رکھو جو تم نے خدا کے ساتھ کیا تھا ' یہ کونسا معاہدہ ہے۔ آپ نے دیکھا یہ تمام مومنین کے متعلق ہے ہر مسلمان کے متعلق ہے۔ اور اب آپ کو یاد ہوگا یہ جو میں بار بار یہ بتایا کرتا ہوں کہ قرآن کریم نے مسلمان ہونے کے لیے ایک شرط رکھی ہے اور وہ ہے کہ ایک معاہدہ ہے اس معاہدے کے اوپر تمہیں دستخط کرنے ہونگے۔ معاہدہ ہے

خدااورانسان کے مابین اور معاہدہ کیا ہے (ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ) مسلمان وہ ہوتا ہے جو اس معاہدے پہ دستخط کرے کہ میں نے اپنا جان اور مال دونوں بیچ دیے ہیں خدا کے ہاتھ پہ اور اس کے مقابلے میں خدا یہ کہے کہ ہم نے اس کے عوض میں تمہیں جنت دیدی ہے۔اس معاہدے کے بعد ایک شخص مسلمان ہوتا ہے۔اور یہ محض کوئی ذہنی یا اعتقادی چیز نہیں ہے کہ ہم نے کہہ دیا کہ صاحب ہم نے بیچ دیا ہے۔اور اب سامنے ہے کہ نہ خریدار سامنے ہمارے ہے نہ لینے والا ہے نہ وہ قبضہ لیتا ہے نہ کبھی آتا ہے ساری عمر' وہ مال و جان سب ہمارے پاس رہتا ہے۔تو اس قسم کا معاہدہ جو ہے وہ تو ہر شخص کرنے کو تیار ہوگا بیچ بھی دیا اور اپنی ہی ملکیت اپنے ہی قبضے میں رہا اس کے بعد جہاں جی چاہے آپ اسے بیچئے۔کبھی سوچا ہے کبھی مسلمان نے جان کو تو چھوڑیے کہ کبھی کبھی اس کی باری آتی ہے اس نے تو مال کو کہا ہے بیچ دیا ہے' ایک جگہ کسی نے کوئی چیز بیچ دی ہو اور اس کے بعد پھر دوبارہ وہ بیچے' فوجداری کا جرم ہوتا ہے یہ Criminal ہے یہ۔یہ روز چیزیں ہوتی ہیں نا کہ صاحب وہ زمین جو تھی انہوں نے وہ ہمارے ساتھ سودا کر لیا بعد میں معلوم ہوا وہ تو پہلے بیچ دی تھی بیچی ہوئی چیز کو دوبارہ بیچئے آپ یہ جرم ہے۔لیکن آپ اپنا مال اور دولت اور جائیدادیں جو اکٹھی کرتے ہیں روز اس میں بیچتے ہیں مرنے کے بعد تقسیم ہوتی ہے۔یہ بیچی ہوئی چیز کے اوپر آپ کو کس نے اختیار دیدیا یہ کچھ کرنے کا۔تو آپ نے یہ رسم پوری کی ہوئی ہے اور وہاں کی ہوئی بھی کیا ہے کسی کو یاد ہی نہیں ہے کہ یہ معاہدہ کرنے کے بعد مسلمان ہوتا ہے۔پیدائشی مسلمان کو تو خیر کبھی بھی ضرورت نہیں پڑتی کہ وہ کبھی کھڑے ہو کے سوچے کہ مسلمان ہوتا کیسے ہے۔پیدائشی مسلمان ہوتا ہی نہیں ہے پیدائش کے اعتبار سے بچہ نہ کافر ہوتا ہے نہ مسلمان ہوتا ہے یہ تو کچھ ہونا پڑتا ہے اور اس کی پہلی شرط ہی یہ ہے کہ جان اور مال بیچنا پڑتا ہے اور یہ ذہنی اور اعتقادی چیز نہیں ہے یہ عملاً ایسا ہے۔

خدا کے Behalf پہ یہاں ایک خریدار ہوتا ہے اور وہ نظام ہوتا ہے جو خدا کے نام پہ یہاں قائم ہوتا ہے خدا کے قوانین کو نافذ کرنے کے لیے قائم ہوتا ہے اسے اسلامی مملکت کہا جاتا ہے۔ہر فرد مسلمان کا اس کے ہاتھ میں اپنی جان اور مال بیچتا ہے اور وہ اس کے مقابلے میں اس کو ضمانت دیتی ہے کہ اس زندگی میں بھی تمہیں جنت کی نعماء ملیں گی آخرت میں تو خدا کے ہاں سے پھر وہ ملیں گی اور اسی کو ملیں گی کہ جس کو یہاں بھی یہ ملیں گی۔یہ سودا عملاً ہوتا ہے اس سودے پہ نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلے جب یہ سودا کیا جس مقام کے اوپر یہ بیع ہوئی تھی جسے بیعت کہتے ہیں۔اب تو بیعت صرف حضرت صاحب کی ہوتی ہے نا کہ کس صاحب کے ہاتھوں پہ بیعت ہیں کہ صاحب میں چشتیہ نظامیہ خاندان میں فلاں پیر صاحب کے ہاتھ پہ بیعت ہوں اب تو یہ ہوتا ہے تماشہ ہو رہا ہے۔یہ بیچنے کے معنی ہیں بیع کے۔قرآن کریم میں یہ جو بیع یہاں آئی ہے اس کے مقابلے میں یہ آیا ہے خدا بھی ایسے مقام پہ جب وہ آ گیا تھا جب وہ منظر یہ جانیں انہوں نے جانیں دینی تھی اس وقت پھر تجدید ہوئی تھی اس بیعت کی۔اور جو میں نے

کہا ہے کہ خدا کے Behalf پہ یہ نظام یہ خرید وفروخت کرتا ہے وہاں یہ آتے تھے اور اس بیع کی توثیق میں اس کو Confirm کرنے کے لیے اس کی تجدید میں ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کے (یہ قاعدہ ہے کوئی چیز پختہ ہوتی ہے تو آپ اب بھی کہتے ہیں کہ لا ہاتھ لا) تو ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کے اس کی تجدید ہوتی تھی۔ تو وہ آتے تھے ہاتھ بڑھاتے تھے اس کے اوپر رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ تھا اس سے تجدید ہوتی تھی۔ قرآن نے ان سے کہا ہے کہ وہ جو تم نے معاہدہ کیا ہے خدا کے ہاں پہنچنے کا (**يد الله فوق ايديهم**) تمہارے ہاتھوں کے اوپر یہ رسول ﷺ کا ہاتھ نہیں یہ خدا کا ہاتھ ہے۔ کبھی غور فرمایا آپ نے کہ یہ کیا باتیں کر رہا قرآن کہ وہ جو چیز تھی تمہارے ذہن میں کہ ایسا معاملہ کر دیا بیچ دیا خرید وفروخت ہو گیا۔ وہ خریدار نہ آنے والا نہ ہم سے لینے والا نہ مانگنے والا موج ہی موج ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں! یہ بات نہیں ہے کہ وہ نہیں آنے والا' بیٹھا ہے۔ ہمارے Behalf پہ یہ تم سے خرید رہا ہے اور جو وعدے ہم نے کیے ہیں تمہارے ساتھ یہ اس کو پورے کرے گا۔ پہلا وعدہ اس نے یہ کیا تھا کہ (**نحن نرزقكم و اياه**) تمہاری اور تمہاری اولاد کے رزق کے ذمہ دار ہم ہیں۔ تو ہم والا تو بقول عام الفاظ کے عرش پہ بیٹھا ہے وہ تو آتا نہیں سامنے۔ وہ خریدنے کے لیے بھی خود نہیں آیا اس نے اپنا نمائندہ بھیجا تھا اس نے یہ خریداری کی تھی تمہارے ساتھ۔ یہ جو اس نے مقابلے میں کہا تھا کہ ہم یہ دیں گے اس کے عوض میں یہی وہ دے گا جس نے یہ خریدا ہے۔ یہ اگر وہ چیزیں دیتا نہیں ہے آپ کی بیعت فسق ہو جاتی ہے۔ یہ تو Recprocal تھی ہم نے یہ دیا ہے تم نے یہ ضمانت دی تھی۔ اسی لیے وہ نبی اکرم ﷺ کی وہ جو حدیث ہے اس کی تشریح ہے کہ جس بستی میں کوئی ایک فرد بھی رات کو بھوکا سو جائے اس بستی سے خدا کی ذمہ داریاں اٹھ جاتی ہیں۔ انہوں نے ضمانت دی تھی ہر ایک کو (**نحن نرزقكم و اياه**) تمہیں بھی ہم رزق دیں گے تمہاری اولاد کو بھی رزق دیں گے۔ اگر کوئی مملکت اس ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہوتی پورا نہیں اترتی اس سے جو انہوں نے معاہدہ کر رکھا ہے کہ ہم نے جان و مال بیچ دیا ہوا ہے وہ فسق ہو جاتی ہے۔

اور اتنی ہی نہیں ہے بلکہ یہ ہے (**اذ قلتم سمعنا و اطعنا**) (5:7)

اس بیع وشرع کے معاملے کے اندر اگلی بات اس نظام سے یہ ہو گی تمہارا انداز اس کا یہ ہو گا کہ وہاں سے کوئی حکم ملا تم نے کہا ہم نے سن لیا اور ہم چلے اطاعت کرنے۔ مومن کی تو زندگی یہ ہے **سمعنا و اطعنا** ہم نے سن لیا اور ہم اطاعت کر رہے ہیں۔ یہ **سمعنا** جو ہے خدا کی آواز تو ہم تو سن نہیں سکتے نبی تو سنتا تھا نبوت ختم ہو گئی اس کے بعد خدا کی آواز تو کوئی براہ راست سن نہیں سکتا یہ صرف وحی تھی جو نبی کی طرف آتی تھی کوئی اور خدا کی آواز براہ راست نہیں سن سکتا۔ یہ سب قیاس آرائیاں ذہنی تصورات ہیں جن کو آپ نے یہ کشف اور الہام اور یہ چیزیں بنا رکھی ہیں قرآن میں کہیں یہ چیز نہیں ہے۔ خدا کی آواز نبی سنتا تھا اسے وحی کہا جاتا تھا اب اس کے بعد جو ہم سب سے کہا جا رہا ہے **اذقلتم سمعنا و اطعنا** جب تم نے کہا کہ ہم سنتے ہیں اور ہم اطاعت کرتے ہیں یہ کونسی آواز یہ سنتے تھے یہ تو سارے مومن ہیں یہ تو کوئی صاحب کشف والہام بھی نہیں اگر یہی اصطلاح استعمال کی

جائے' یہ تو سب کے لیے ہے۔ یہ کیا سنا انہوں نے؟ کسی آواز سنی ہے؟ وہی جس نے خدا کے Behalf پر ان سے یہ معاملہ کیا ہوا ہے یہ اس کی آواز ہے یہ سنتے ہیں آواز۔ اس کی آواز خدا کی آواز ہوتی ہے اس لیے کہ وہ خدا ہی کی آواز کو ان تک پہنچا رہا ہوتا ہے وہ قرآن سے مطابق حکم دے رہا ہوتا ہے۔ وہ تو ایک چورا ہے پہ کھڑا ہوا سپاہی جب سیٹی مار کے کہتا ہے کہ تم دائیں کی طرف کیوں گئے وہ اگر چہ اس کانسٹیبل کے حلق سے وہ آواز نکل رہی ہوتی درحقیقت وہ آپ کے ہاں کا اقتدار اعلیٰ یا Sovereign Authority جسے آپ کہتے ہیں مملکت جسے کہتے ہیں نظام جسے کہتے ہیں وہ اس کی آواز ہوتی ہے اس کو کیا اختیار ہوتا ہے بیچارے کو۔ یہ آواز جو اس کے بعد آتی ہے یہ خدا اور انسان کا تعلق مذہب میں تو انہوں نے ذہنی طور پہ رکھ لیا کہ براہ راست کچھ ہوتا ہے انسان کا خدا کا کچھ تعلق: بھگتی پوجا Worship عبادت جسے آپ کہتے ہیں یہ کر لیا اور تعلق قائم ہو گیا۔ مذہب انسان کو ان بھول بھلیوں میں رکھتا ہے۔ دین ایک عملی چیز سکھاتا ہے یہ سوال نہیں ہے کہ میں نے اپنے طور پہ کچھ سن لیا اس نے اپنے طور پہ سن لیا۔ وہ ایک نظام ہے اس نظام کے تابع خدا کے Behalf پہ جو یہاں ایک مملکت قائم کرتا ہے اس کی آواز جو ہے اس کی اطاعت جو ہے پھر وہ خدا کی اطاعت ہوتی ہے۔ انفرادی نہیں' میں اپنے طور پہ جس طرح جی چاہے کروں وہ اپنے طور پہ جس طرح سے جی چاہے کرے' بالکل نہیں۔ (سمعنا و اطعنا) (5:7) جمع کے صیغے ہیں سارے قرآن میں یہی کچھ آیا ہے۔ ہم نے سنی اس کی آواز اور ہم اطاعت کرتے ہیں۔ یہ جتنے تصورات عزیزانِ من! آپ کو انفرادیت سکھاتے ہیں کوئی ایک فرد اپنے طور پہ خدا کی سن رہا ہے کوئی ایک فرد اپنے طور پہ خدا کی اطاعت کر رہا ہے یہ سارے تصورات مذہب کے ہیں اسلام کے خلاف ہیں۔ یہاں نظام ہے اس نظام کی رو سے اطاعت کی جائے گی خدا کی' وہی حکم دے گا اسی کے مطابق یہ سب کچھ ہوگا سمعنا و اطعنا ۔لیکن یہ چیز کہ اس سمعنا و اطعنا میں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ شخصیت جو ہے حکم دینے والی اسکی اطاعت ہو رہی ہے (واتقوا اللہ) (5:7) اطاعت خدا کے قانون کی ہو رہی ہے۔ لیکن ہو رہی ہے عملاً اس لیے وہ حکم دینے والا دیتا ہے یہ سننے والے سنتے ہیں اسکے مطابق اطاعت ہوتی ہے ہوتی ہے واتقوا اللہ ۔ دیکھ رہے ہیں قرآن عزیزانِ من! کس طرح ساتھ ساتھ کے ساتھ بات صاف کرتا چلا جاتا ہے۔ پھر اس اطاعت کی شکل کیا ہے؟ ایک تو وہ ہے نا کہ رسمی طور پہ کہ دور سے وہ سائیکل والا چکر پہ دیکھتا ہے کہ سپاہی اگر ٹریفک کا کھڑا ہے اور پھر تو وہ بائیں طرف کو جاتا ہے اور اگر دور سے نظر پڑ جائے کہ ہے نہیں تو آپ پھر دیکھتے ہیں کہ وہ سیٹی بجاتا ہوا دائیں طرف سے چلا جاتا ہے کہ وہ دو قدم ذرا کم پڑتا ہے اس کو ادھر سے۔ اور یہ ساری اطاعتیں جتنی ہوتی ہیں اس صورت میں ہوتی ہیں جب یہ ہو کہ کوئی دیکھنے والا یہاں ہے۔ جو شخص یہ اس کا اطمینان کر لے معاشرے میں کہ میں جو جی میں آؤں کروں کوئی مجھے Detect نہیں کرنے والا تو پھر کوئی طاقت ہے ہی نہیں دنیا میں جو اس کو قانون کی اطاعت کے لیے مجبور کر دے۔ صرف اس ڈر سے کرتے ہیں اطاعت کہ یہ Detect ہو جائے گا دیکھنے والا کوئی سپاہی ہوگا گرفتاری

ہو جائے گی اس کے بعد سزا مل جائے گی۔ لیکن یہ اطاعت وغیرہ ہوتی تو ہے اسی طرح سے انسانوں کے نظام سے یہاں بھی سپاہی کھڑا ہوتا ہے لیکن اس نظام کے ماتحت پھر سوال سپاہی کے کھڑے ہونے یا نہ ہونے کا نہیں رہ جاتا۔ سپاہی میں یوں کہونگا کہ کھڑا ہی شاید نہیں کرنا پڑتا اس لیے کہ اس نظام میں (ان اللہ علیم بذات الصدور) (5:7) خدا دل میں گذرنے والے خیالات تک سے بھی واقف ہوتا ہے۔ یہاں یہ بنیاد ہوتی ہے اس نظام کی اطاعت کی۔ کوئی دیکھنے والا بھی نہ ہو جنگل میں تنہا ہو اور وہاں بھی اس سے کوئی معصیت اگر ہوگئی ہے تو یہ صورت نہیں ہوگی کہ یہاں کس نے دیکھا ہے مجھے' یہ صورت یہ ہے کہ نہیں! وہ دل میں گذرنے والے خیالات کو بھی جانتا ہے۔ عزیزانِ من! ذرا سوچئے کہ کوئی معاشرہ جوان خطوط کے اوپر متشکل ہو دنیا میں وہ کیا معاشرہ ہوگا۔ اس وقت ساری دنیا میں (ظهر الفساد فی البر و البحر) کی کیفیت ہوگئی ہے پورے کرۂ ارض کے اوپر لاقانونیت اور فساد کی لہریں دوڑ رہی ہیں۔ یہ Developing Countries کو تو چھوڑ دیجیے کہ یہاں کہا جائے گا کہ صاحب ابھی نظم و نسق ہمارا اتنا پختہ نہیں ہوا اس لیے یہ چیزیں ذرا ڈھیلی ہیں۔ پرانی پرانی سلطنتیں اور بڑی بڑی دیرینہ نظم و نسق کی مشینریاں ان کے ہاں کی عظیم قوتیں بھی ان کے پاس موجود ہیں اس کے باوجود ہر سلطنت دنیا کی اور مملکت رو رہی ہے کہ معاشرے میں لاقانونیت پھیل رہی ہے اور کوئی طریقہ نہیں جو اس کو روک سکے یہ۔ یہ کیا چیز ہے۔ رک سکتا ہی نہیں ہے یہ۔ کوئی بھی نظام ایسا تو ہے نہیں نا کہ ہر فرد کے اوپر ایک سپاہی کھڑا کر دے' ہو ہی نہیں سکتا۔ اور پھر وہ سپاہی کھڑا کرے تو وہ سپاہی جو ہے اس کے اوپر ایک اور کھڑا کرنا پڑے گا کہ یہ دونوں مل نہ جائیں۔ اور جو تیسرا کھڑا کرے گا وہ بھی تو انہیں جیسا انسان ہے کہ تینوں مل گئے۔ کوئی طریقہ ہے نہیں۔ سر جوڑ کے روز بیٹھتے ہیں یہ بڑے بڑے ملک کے مفکرین دنیا کے لیکن کوئی حل جو اطمینان بخش اور واقعی یہ مقاصد پورے کرنے والا ہو وہ ملتا ہی نہیں ہے انہیں۔ مل سکتا ہی نہیں ہے۔ جس شخص کو یہ معلوم ہو کہ یہ ذرا سے یوں کرنے سے یہ فائدہ حاصل ہو جائے گا کوئی دیکھنے والا نہیں ہے دیکھنے والا ہے تو اس میں سے سو ملا ہے دس اس کے۔ کوئی اور قوت ہی ہے نہیں جو اس کو آمادہ کر دے اس پہ کہ تم یہ نہ کرو۔ یہ صرف یہ نظریۂ زندگی جو ہے کہ سوال اس باہر کے سپاہی کا نہیں سوال اس اندر کے سپاہی کا ہے کہ جب کوئی نہ دیکھتا ہو تو وہ دیکھتا ہے۔

یہ جو آپ کے ہاں یہ Materialistic Concept جسے کہتے ہیں مادی نظریۂ زندگی کہتے ہیں یہ محض کوئی نظری بحث سی نہیں ہے۔ یہ انیسویں صدی کے بعد یورپ میں تعلیم عام ہوئی کہ انسان باقی حیوانات کی زندگی کی ایک بڑھی ہوئی شکل ہے بس اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے یہ اس کا نتیجہ ہے جو ساری دنیا میں جو یہ کچھ ہو رہا ہے۔ عملاً اس وقت ساری دنیا خدا فراموش ہے۔ مذہب والے جو ہیں ان کا صرف اتنا فرق ہے کہ انفرادی طور پہ انہوں نے چند رسمیں جو ہیں وہ پوری کر لیتے ہیں۔ یہ چیز جو ہے کہ دل میں گذرنے والے خیالات پہ بھی وہ گرفت کرنے والا ہے عزیزانِ من! الا ماشآء اللہ ان کے ذہنوں میں بھی نہیں ہے جو بڑے خدا پرست کہلاتے ہیں۔ ان کے ہاں بھی یہ ہے کہ خدا نے یہ چند احکام دیدیے ہیں رسمی

طور پہ ان کو پورا کر لیجیے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ادھر کا معاملہ تو ٹھیک ہو گیا اب یہ باقی دنیا کے معاملے دنیا داروں جیسے ہوتے ہیں۔ جسے آپ ایمان کہتے ہیں بڑی بنیاد ہے عزیزانِ من! دنیا کے معاشرے کو صحیح نظم و نسق کے اوپر رکھنے کے لیے۔ یہ ایمان ہے نا اس وقت کہ انسان کی زندگی یہی طبعی زندگی حیوان کی زندگی ہے مرنے کے بعد ختم ہو جاتا ہے یہ ایمان ہے نا اس کا نتیجہ یہ ہے۔ اور اگر اس کے برعکس ایمان یہ ہو کہ نہیں! یہ بات یہیں ختم ہونے کی نہیں ہے کچھ آگے چلنے کی بھی ہے اور کیفیت یہ ہے مکافات عمل کی کہ دل میں گذرنے والے خیالات پر بھی گرفت ہوتی ہے اور اس کے بھی نتیجے مرتب ہوتے ہیں۔ یہ بھی تو دوسرا ایمان ہوگا اس ایمان کا نتیجہ آپ دیکھ سکتے ہیں کیا ہوگا۔ یہ ہے چیز جو قرآن کہتا ہے۔ اس کی عملی چیز جو ہے کیا ہوگی پھر؟ کہ دل کے اندر گذرنے والے خیالات جو ہیں وہ بھی Detect ہوتے ہیں ان کا بھی نتیجہ نکلتا ہے۔ دیکھئے ان کا نتیجہ یہ جو ابھی میں نے کہا ہے کہ ساری دنیا میں اس وقت فساد پھیل رہا ہے اور کہیں سے آپ کو یہ خبر نہیں آتی کہ کسی مظلوم کے ساتھ انصاف ہو رہا ہے۔ قرآن نے یہاں یہ بات کہنے سے اگلی آیت یہ ہے کہ (یایھا الذین اٰمنوا کونوا قوامین للہ شھدآء بالقسط) (5:8)

پہلی چیز اس کی یہ ہوگی پہلا نتیجہ اس کا یہ ہوگا یاد رکھو عدل کرو دنیا میں۔ بلکہ یہ ہے کہ تم شہدا بنو تم نگران بنو اس بات کے کہ دنیا میں عدل ہوتا ہے۔ یہ سارا نظام جتنا کائنات کا ہے عزیزانِ من! قرآن نے کہا ہے نا میزان کھڑی کر دی ہے ہم نے کائنات میں' یہ سارا نظام عدل کے اوپر قائم ہے۔ اور عدل ہو ہی اس صورت میں سکتا ہے جب یہ یقین ہو کہ دل میں گذرنے والے خیالات جو ہیں ان کا بھی وزن ہوتا ہے اس خرابی کے اندر۔ کہا کہ عدل کرو۔ یہ آیت پہلے بھی آ چکی ہے وہاں زیادہ اس کی تشریح زیادہ کھلے ہوئے الفاظ میں ہوئی (یایھا الذین اٰمنوا کونوا قوامین بالقسط شھدآء للہ) (4:135) خود عدل کرو اور اس کے نگران بنو کہ دنیا میں عدل ہو رہا ہے۔ آپ کو معلوم ہے یہ جو ہے امت مسلمہ یہ یہی نہیں کہ اپنے اندر ہی یہ چیزیں کرنے کے لیے مامور یہ ہوئی تھی اس کی ذمہ داریاں یہ تھیں کہ یہ ساری دنیا کے اوپر نگران تھی۔ (و کذٰلک جعلنکم امۃ وسطًا لتکونوا شھدآء علی الناس) ہم نے تمہیں ایک بین الاقوامی قوم بنایا ہے تمہارا فریضہ یہ ہے کہ تم اقوام عالم پہ نگران بن کے رہو۔ یہ دوسری طرف بات نکل جائے گی جو میں عرض کروں کہ نظام عالم قائم ہی اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ کوئی اس قسم کی اتھارٹی ہو جو پوری اقوام کے اوپر نگران ہو کہ تم کیا کر رہے ہو تم کیا کر رہے ہو۔ اور نگرانی کس چیز کی کرے؟ کہ عدل ہو رہا ہے یا نہیں۔ عزیزانِ من! یہ تھا مقصد اس امت کی بعثت کا۔ اور پھر عدل سنئے کہ عدل کی شرطیں کیا ہیں۔ پہلی شرط سنئے اور اس کے بعد دیکھئے کہ قرآن کہاں پہنچا تا ہے۔

عدل کرو (ولو علٰی انفسکم) (4:135) خواہ وہ تمہارے اپنے خلاف کیوں نہ جائے۔ میں پوچھتا ہوں کہ دنیا کا کوئی قانون ایسا ہے جو آپ لے آئیں یہ کہنے والا۔ تم سے اگر کوئی جرم سرزد ہوا ہے عدل تو یہ ہوگا نا کہ اس کی سزا ملے۔ خود جا کے یہ کہو کہ مجھ سے جرم سرزد ہوا ہے مجھے

سزا دیجیے۔(ولو علٰی انفسکم) ۔ یہ ہے قرآن کا عدل کا مفہوم ۔ یہ ضرورت رہے گی اتنی لمبی چوڑی آپ کے ہاں کی عدالتیں اور پھر گواہ اور شہادتیں اور یہ پولیس اور یہ سارا کچھ۔ وہ تو اپنی ذات کے خلاف عدل مانگنے کے لیے آ رہا ہے۔(او الوالدین) (4:135) تمہارے ماں باپ کے خلاف کیوں نہ جائے ۔ جو اپنی ذات کے خلاف جا کے شہادت دے رہا ہے کہ صاحب مجھ سے یہ ہو گیا ٹھیک ہے والدین کے خلاف بھی ۔ (والاقربین) (4:135) رشتہ داروں کے خلاف کیوں نہ جائے ۔(ان یکن غنیًا او فقیرًا) (4:135) خواہ کتنا بڑا محلے کا چوہدری کیوں نہ ہو' غریب ہو امیر ہو کسے باشد۔(فاللہ اولٰی بھما) (4:135) یہ امارت وغربت کے تم امتیازات کرنے لگ گئے خدا کا حق ان سے زیادہ بڑھ کر ہے وہ کہہ رہا ہے کہ عدل کرنا ہے تم نے' امیر وغریب کا بھی اس میں سوال نہیں ہے۔(فلا تتبعوا الھوٰی ان تعدلوا) (4:135) یاد رکھو عدل کرنے کے راستے میں تمہارے جذبات سنگ راہ بن کے کھڑے ہو جائیں گے۔ اگر یہ باہر کی چیزیں یہ رشوت وغیرہ یا اس قسم کی چیزوں پہ کسی طرح سے قابو بھی کر لو یہ اندر کے جذبات یہ اپنی ذات کے خلاف عدل' ماں باپ اور اقربین کے خلاف جا کے گواہی دیدینا کہا یہاں جذبات ہیں جو آ جائیں گے ان پہ تم نے نگرانی رکھنی ہے۔ پھر یہ بھی نہ ہو(و ان تلوا او تعرضوا) (4:135) شہادت کے لیے تمہیں بلایا ہے اعراض برت جاؤ ۔ وہ سمن ہی؟؟ نہیں ہوتے تین تین چار چار برس تک ۔ یہ بھی نہ ہو۔ یا وہاں جاؤ تو بات کچھ ذومعنی سی کر دو' قطعاً نہیں ۔ اب ان چیزوں کے اوپر کونسی چیز ہے جو ضمانت دے گی کہ ایسا ہو گا ایسا ہو سکتا ہے۔ کہا(فان اللہ کان بما تعملون خبیرًا) (4:135) یہ اس طرح سے ہو سکتا ہے کہ یہ ایمان رکھو کہ وہ خبر رکھتا ہے تمہارے ہر معاملے کی۔ دیکھا وہی ایمان آ گیا پھر۔ جہاں یہ کہا ہے وہاں یہ کہا ہے(کونوا قوامین شھدآء بالقسط) (5:8) اور یہاں اگلا ٹکڑا ہے عزیزانِ من! اس سے بھی آگے بات جا رہی ہے جو پہلے کہی گئی۔ مروجہ انجیل میں حضرت مسیحؑ کی طرف منسوب کردہ وہ قول ہے جس کو عیسائیت بڑی شدومد سے پیش کیا کرتی ہے نظر آتا ہے کہ وہ ان کا قول نہیں ہو سکتا۔ بہر حال پیش وہ کرتے ہیں دشمن سے بھی محبت کرو۔ یہ چیز نفسیاتی طور پہ ناممکنات میں سے ہے' یہ عداوت اور محبت دل کے دو جذبے ہیں یہ اکٹھے ہو نہیں سکتے۔ کوئی شخص بھی دشمن سے محبت نہیں کر سکتا۔ قرآن نے یہ تقاضا نہیں کیا۔ یہیں سے پتہ چل جاتا ہے کہ انسانی خیالات کی آمیزش کس طرح وحی کے اندر اور خالص وحی کیا کہتی ہے۔ 'دشمن سے محبت کرو' خدا کا تقاضا نہیں ہو سکتا کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ جس سے آپ محبت کر رہے ہیں دشمن ہو ہی نہیں سکتا' دشمن جسے آپ قرار دے رہے ہیں اس سے محبت ہو نہیں سکتی۔ یہ کہتا ہے کہ(ولا یجرمنکم شناٰن قوم علٰی الا تعدلوا) (5:8) کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پہ آمادہ نہ کر دے کہ تم اس سے عدل نہ کرو۔ یہ نہیں کہا کہ اس سے محبت کرو' کہا عدل کرو اس کے ساتھ۔ دشمن کے ساتھ عدل کرو۔ غور فرمایا آپ نے عزیزانِ من! کہ جو میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ اپنے خلاف عدل' ماں باپ کے خلاف عدل مانگو' عزیز رشتہ داروں کے خلاف عدل مانگو' امیر اور غریب کی کوئی تمیز وہاں جا

کے نہ کرو۔اور یہاں یہ صورت ہے کہ دشمن کے خلاف بھی عدل کرو۔ یہ ہے عدل کا مقام۔ یہ عدل کی صورت یہاں تو عام حالات میں یہ نظر آتا ہے نا کہ بہرحال دشمنی ہے کسی کے ساتھ اس کے ساتھ عدل کرو۔سورۃ توبہ میں آپ دیکھئے وہاں یہ ہے کہ جنگ کے زمانے میں بھی دشمن کا ایک فرد پناہ لینے کے لیے تمہارے ہاں آ جائے اسے پناہ دو۔اب آپ کے ہاں یہ مشہور ہے کہ صاحب! اسلام شمشیر کے زور پہ پھیلا۔شمشیر کے زور پہ سب سے پہلے اس شخص کو مسلمان کیا جاسکتا تھا۔دشمن کا ایک آدمی اکیلا آپ کے ہاں آ گیا تو ٹھیک ہے تلوار سر پہ رکھو کہو پڑھو کلمہ۔وہاں ہے کہ اسے تم خدا کا کلام سناؤ اس کے بعد اس سے پوچھو کیوں بھئی کیا خیال ہے۔اور اس کے بعد ہے کہ اگر وہ یہ کہے کہ میں اپنے لوگوں میں جانا چاہتا ہوں کہا کہ اپنی حفاظت میں اسے اپنی سرحد سے پار کر کے آؤ۔یعنی جہاں وہ کہے کہ اب میں محفوظ ہوں۔یہی چیز جسے آپ کہتے ہیں بڑا متقی اور پرہیزگار ہے آپ کو تو اب پتہ ہے متقی پرہیزگار کسے کہتے ہیں۔کہا یہ چیز تقویٰ سے قریب ہے ابھی مکمل تقوے والی بات جو ہے اور چیزوں کے ساتھ مل کے آئے گی۔ تقوے سے قریب ہے یہ چیز کہ دشمن سے بھی عدل کرو۔دوست سے تو ایک طرف رہا دشمن سے بھی عدل کرو۔(واتقوا اللہ) وہ اس لیے کرو کہ تم نے قانون خداوندی کی نگہداشت کرنی ہے۔پھر بات وہی آ گئی کہ یہ چیزیں ممکن کس طرح سے ہیں کہ دشمن کے ساتھ عدل کیا جائے قابو آیا ہوا ہے وہ پھر عدل کیا جائے۔کہا یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ (ان اللہ خبیر بما تعملون) (5:8) قدم قدم پہ بنیاد اس چیز کی ہے کہ جب کوئی دیکھنے والا نہیں تو دیکھنے والا ایک ہے وہ تو تمہارے دل کے خیالات تک سے بھی واقف ہے۔دیکھا آپ نے ایمان کی اہمیت عزیزانِ من!۔ پوچھا کرتے ہیں ہمارے ہاں کے نئے نوجوان کہ صاحب ایمان کی ضرورت کیا پڑتی ہے۔ایک شخص اچھے کام کرتا ہے نیک کام کرتا ہے سبیلیں لگوا دیتا ہے مدد کرتا ہے دوسروں کی ایمان نہیں وہ رکھتا تو یہ نیک اعمال اس کے جو ہیں اس کا تو بدلہ ملنا چاہیے۔بظاہر آپ دیکھتے ہیں بڑی خوشنما سی ایک چیز ہے اس لیے کہ انہیں معلوم نہیں کہ ایمان کہتے کسے ہیں۔انہوں نے یہ سمجھا ہے نا کہ یہ چار الفاظ دہرائے جائیں تو اس کو ایمان کہتے ہیں (اٰمنوا باللہ و ملئکتہ و کتبہ و رسلہ) اور جیسا میں نے عرض کیا ہے ہمیں تو اس کی بھی ضرورت کبھی نہیں پڑی کہ یہ دہرائے جائیں۔لیکن ان کے ذہن میں یہی ہے کہ ایمان اس کو کہتے ہیں اسی لیے پوچھتے ہیں کہ صاحب ان کی کیا ضرورت ہے۔وہ اسی لیے کہ انہیں پتہ نہیں کہ ایمان کسے کہتے ہیں۔ایمان وہ جذبۂ محرکہ ہے جو آپ کو ان چیزوں کے اوپر آمادہ کرتا ہے کرنے کے لیے۔وہ کونسا جذبہ ہے جس کی بناء پہ آپ دشمن سے بھی عدل کریں گے' کونسا جذبہ ہے جس کے ماتحت آپ اپنے خلاف جا کے کہیں گے کہ مجھے سزا دیجیے مجھ سے جرم ہو گیا کوئی دنیا میں دیکھنے والا نہیں تھا صاحب۔ یہ جذبۂ محرکہ ہے اسے کہتے ہیں ایمان۔ ہر شخص ایمان رکھتا ہے جو بھی اس کے لیے جذبۂ محرکہ بنتا ہے کسی عمل کے لیے وہ اس کا ایمان ہوتا ہے۔قرآن نے اس جذبۂ محرکہ کے لیے یہ بات کہی یہ ایمان اس چیز کے اوپر Conviction کہ کسی باہر سے Detect کرنے والے کے ہی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کا

قانون مکافات عمل اس طرح سے کام کرتا ہے کہ جب کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا تو وہ عمل پھر بھی نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ یہ معنی ہوتے ہیں خدا دیکھتا ہے خدا جانتا ہے۔ایک ایمان یہ ہے کہ یہ جو غلط عمل یا غلط کام کر رہا ہوں دنیا کی کوئی طاقت بھی نہ دیکھے اور وہاں سے مجھے سزا نہ بھی ملے از خود مجھے اس کی سزا ملتی ہے۔ یہ ہے وہ ایمان جو قرآن پیدا کرتا ہے اور اس کے لیے قدم قدم پہ ہے (ان اللہ خبیر بما تعملون . ان اللہ علیم بذات الصدور) ۔یہ سارا کچھ کرو' کیا ہوگا اس کا نتیجہ؟ عام مذہب کے الفاظ میں تو صرف اتنی سی بات کہ آخرت میں جاؤ گے نجات ہو جائے گی۔ٹھیک ہے آخرت کی نجات مقدم چیز نہایت ضروری چیز بنیادی چیز فطری چیز انسانی زندگی کے لیے۔لیکن یہی نہیں کہ وہاں جا کے یہ کچھ ملے گا۔ سنئے یہ کیا کہتا ہے قرآن' یہ سب کچھ کرو گے (وعد اللہ الذین اٰمنوا و عملوا الصٰلحٰت) (5:9)

یہ وعدہ ہے ہمارا کہ ایمان اور اعمال صالح کا لازمی نتیجہ جو ہے وہ کیا ہوگا (لھم مغفرۃ و اجر عظیم) (5:9) تو معلوم ہے نا کہ ہم نے تو مغفرت کے معنی وہاں کی بخشش کر لیا نا ترجمہ ہی بخشش کر لیا مغفرت کا اور وہ ہوتی ہے وہیں جا کے اجر عظیم بھی وہیں جا کے ملتا ہے۔مغفرت کے معنی تو ہوتا ہے سامان حفاظت' یہاں ہر قسم کی تباہیوں اور بربادیوں سے سامان حفاظت۔سامان حفاظت تک کامل جانا اتنا حصہ تو Negative ہے محفوظ ہو گیا انسان' ملا کیا؟ (و اجر عظیم) (5:9) Positive بھی چیز ساتھ ہے اجر ہے۔ یہ کیا چیز ہوگی کیا یہ صرف وہیں کی جنت ہوگی۔لفظ ہے نا (وعد اللہ الذین اٰمنوا و عملوا الصٰلحٰت) (5:9) یہاں یہ کہا دوسرے مقام پہ آیئے یہی الفاظ ہیں (وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم و عملوا الصٰلحٰت) (24:55) وعدہ کیا ہے خدا نے کہ تم میں سے جو بھی ایمان لائے اور وہ صلاحیت بخش کام کرے' تو کیا ہوگا اس کے بعد' کہا (لیستخلفنھم فی الارض) (24:55) اسی دنیا میں ان کو حکومت اور مملکت مل جائے گی۔ یہ ہے اجر عظیم۔(والذین کفروا و کذبوا باٰیٰتنا اولئک اصحٰب الجحیم) (5:10) اور جو ان قوانین سے انکار کریں کہیں کہ نہیں یہ غلط ہیں یہ ان کے لیے اس کے مقابلے میں ایسی زندگی کہ جس کے اندر ان کی نشو و نما رک جائے ترقیاں رک جائیں کھڑے ہو جائیں جامد ہو جائیں۔ یہاں بھی اور جو یہاں کیفیت ہوتی ہے وہی آخرت میں کیفیت ہوتی ہے۔ یہاں کفروا کے ساتھ ایک لفظ اور بھی کذبوا ۔آپ کو یاد ہوگا میں نے یہ بتایا تھا 'تکذیب' جھٹلانا کسی چیز کو۔ایک تو یہ ہے کہ انکار ہی کر دو اور ایک ہماری کیفیت ہے کہ جس سے پوچھیئے مسلمان؟ الحمدللہ صاحب مسلمان' خدا کی کتاب پہ ایمان بھی رکھتے ہیں اسلام ہمارا دین بھی ہے اور عملاً ہر بات اس کو جھوٹا ثابت کرے گی۔مسلمان کے متعلق قرآن نے یہ کہا ہے مومن کے متعلق یہ کہا ہے کہ مومن ہر ایک پہ غالب رہتا ہے اعلون ہوتا ہے۔اور جو اپنے آپ کو مومن یا مسلمان کہے اور ساری دنیا کی جوتیاں کھائے تو وہ جھٹلا رہا ہے نا خدا کی اس بات کو۔مومن دیتا ہے دوسروں کو کہ اس کی ایک صفت خود رازق ہے۔اور جو دوسروں سے خیرات مانگ کے کھاتا ہے لیکن کہلاتا ہے مومن یا مسلمان ہی تو وہ اس بات کو جھٹلاتا

ہے نا کہ مومن کی یہ کیفیت ہوتی ہے۔مومن عدل کرتا ہے دشمن سے بھی عدل کرتا ہے اور جب مومن کی بھی حالت ہو جو ہمارے ہاں ہو رہی ہے یہ ہے جسے تکذیب کہتے ہیں یہ انکار نہیں ہے کوئی بھی ہم میں سے انکار نہیں کرتا مسلمان ہونے سے۔لیکن وہ جو اس نے کہا تھا کہ جو ان چیزوں کا اقرار کرتا ہے اس کی یہ کیفیت ہوتی ہے وہ کیفیت ہماری نہیں ہوتی وہ نتیجہ ہمارا نہیں ہے۔تو پھر دو ہی چیزیں ہو گئی ناجی یا تو ہم وہ نہیں اور اگر یہ بات ہے تو جو کچھ کہا گیا کہ یہ ایسا ہو گا یہ غلط ہے۔ہم بہت بڑے جرم کے سنگین جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں عزیزانِ من! ہم تکذیب کر رہے ہیں قرآن کی۔(ارء یت الذی یکذب بالدین) دیکھئے کتنے واضح الفاظ میں وہ کہا ہے تم نے غور کیا ہے اس کے اوپر بھی کہ جو دین کی تکذیب کرتا ہے انکار نہیں کرتا۔ تکذیب کرتا ہے دین کی' مسلمان کہلاتا ہے۔تکذیب کیا ہے (کذٰلک الذی یدع الیتیم ولا یحض علیٰ طعام المسکین) کیفیت اس کی یہ ہے کہ الحمدللہ کہہ کے مسلمان اپنے آپ کو کہتا ہے اور حالت یہ ہے کہ معاشرے میں جو تنہا رہ جاتا ہے اس کو دھکے دیتا ہے جو محتاج رہ جاتا ہے اس کی روٹی کی نہ خود فکر کرتا ہے نہ دوسرے سے کہتا ہے۔''نمازاں تے بڑا زور پاونداا ے''۔(فویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون) بہت بڑا نمازی ہے' کہا تباہی ہے اس نمازی کے لیے (ھم یرآءون) وہ کچھ تو کرآتا ہے جو دیکھتے ہیں لوگ لیکن نماز کے مقصد سے غافل ہے۔ ساھون جیسا میں نے اس دن کہا تھا کہ وہ جو روئی دھننے والے کی کمان ہوتی ہے کیفیت اس کی یہ ہے کہ اس نے اس کمان سے اس تندی کو الگ کر کے رکھ چھوڑا ہوا ہے۔چیزیں دونوں اپنی اپنی جگہ موجود ہیں روئی نہیں دھنی جاسکتی اس کمان سے تیر نہیں چل سکتا ساھون ۔الذین یرآءون آخر میں بتایا کہ یہ کرتا کیا ہے جو اتنا بڑا سنگین جرم ہے دین کی تکذیب کر رہا ہے نمازیں پڑھ رہا ہے تباہیاں آئیں گی اس کے اوپر ان کی نمازوں کی وجہ سے' اوکیا بات ہے جو نہیں کر رہا کس کی وجہ سے یہ کہہ دیا کہ یہ کچھ تکذیب دین ہے (یمنعون الماعون) رزق کو جو چشموں کی طرح بہتا ہوا رہنا چاہیے تھا کہ ہر ایک اپنی ضرورت کے مطابق اس میں سے لے لے اس میں بند لگا دیتا ہے یہ ہے تکذیب دین۔کفر نہیں کہا۔ ہر ایک اپنے منشور میں لکھ رہا ہے کہ اسلامی ہے' دیکھا آپ نے کفر نہیں ہے۔کفر تو وہ ہے نا جنھوں نے کہا ہے کہ ہمیں صاحب مذہب سے واسطہ نہیں ہے سیکولر ہیں' ٹھیک ہیں کم از کم یہاں تک تو وہ جسے کہتے ہیں دیانتدار ہیں۔یہاں کیفیت یہ ہے ارء یت الذی یکذب بالدین ان کی طرف تو تمہاری نگاہیں اٹھتی ہیں کہ جنھوں نے بالکل اس کو کفران تک پہنچا دیا انکار کر دیا وہ تم کہتے ہو کہ دیکھو نہ صاحب اور یہاں بہ فضلہ تعالیٰ اسلام اسلام ہے۔یکذب بالدین کرتا کیا ہے؟ و یمنعون الماعون رزق کے بہتے ہوئے چشموں کے سامنے بند لگا کے کھڑا ہو جاتا ہے۔اور جو سب سے بڑے علمبردار ہیں پھر وہ فتوے دیتے ہیں کہ ہاں صاحب! ملکیت کے اوپر کسی قسم کی حد نہیں لگائی جاسکتی بے حد و نہایت جائے گا پورے کے پورے دریا کو تم ڈیم بنا لو۔ارء یت الذی یکذب بالدین ۔یہاں میں نے عرض کیا ہے (والذین کفروا و کذبوا باٰیٰتنا اولٰئک اصحٰب الجحیم) (5:10) میں

نے بات کی تھی کہ ابھی آیت آتی ہے جس میں بتایا ہے اتمام نعمت ۔ یہاں مغفرت کا لفظ آیا ہے دیکھئے تشریح کیسے ہو رہی ہے اور کتنی بڑی نعمت ہے عزیزانِ من! جس کا ذکر ہو رہا ہے یہاں۔(یایھا الذین امنوا اذکروا نعمت اللہ علیکم) (5:11) اے صاحب ایمان جماعت مؤمنین ! خدا کی اس نعمت کو یاد کرو۔ سنئے عزیزانِ من! یہ کونسی نعمت ہے جس کو یاد دلایا جا رہا ہے۔ اور ابھی میں عرض کرونگا کہ یہ نعمت ہے کل ہی جو ہمارے سامنے آئی تھی اور جسے ہم نے چند ہی مہینے کے بعد بھلا دیا اس نعمت کو۔قرآن کہتا ہے واذکروا سامنے رکھو اس نعمت کو۔ کیا تھی وہ نعمت؟ (اذھم قوم ان یبسطوا الیکم ایدیھم) (5:11)

جبکہ ایک قوم نے تمہارے فریق مخالف نے ایک دشمن قوم نے (بھارت کی سرزمین سے آ کے) یہ تہیہ کر لیا تھا کہ تمہیں ختم کر کے رکھ دیں گے۔ یاد کرو خدا کی اس نعمت کو کہ جب ایک دشمن قوم یہ تہیہ کر کے اٹھی تھی کہ تمہیں اپنی گرفت میں لے لے تمہاری ہڈیاں توڑ کے رکھ دے جھپٹ لے گی تمہیں آ کے یہ قوم ایک تہیہ کر کے اٹھی تھی۔(فکف ایدیھم عنکم) (5:11) ان کے ہاتھوں کو روک دیا ہم نے' خبردار! اس نہر سے ایک قدم آگے نہیں تم جا سکتے۔(واذکروا نعمت اللہ علیکم) اوکم بختو اس قریبی نعمت کو یاد کرو جو ہم نے تمہارے اوپر کی۔ کس بری طرح سے فراموش کیا ہم نے۔ اور نعمتوں کا تو معلوم نہیں یہ تو ایک محسوس نعمت ہمارے سامنے آئی تھی کل کی بات ہے یہ عزیزانِ من!۔ اور پھر یہ پنجاب والے اور خاص طور پہ لاہور اور سیالکوٹ والے جن کے دروازوں کے اوپر' میں کہتا ہوں ان کے پاؤں کی آہٹ ہمارے کانوں میں آ رہی تھی ہماری معصوم بچیاں ہمارے سامنے تھیں ماؤں اور بہنوں کی عصمت ہمارے سامنے تھی اپنی زندگیاں ہمارے سامنے تھیں پوری مملکت کا مستقبل ہمارے سامنے تھا۔ کیا الفاظ ہیں!! (اذھم قوم ان یبسطوا الیکم) (5:11) بڑا تہیہ کر کے وہ آ گئی تھی پوری قوتوں کے ساتھ کہ اب نہیں تمہیں چھوڑیں گے۔ نعمت ہماری یاد کرو(فکف ایدیھم) (5:11) روک دیا ہم نے وہیں ان کو' آگے نہیں بڑھ سکتے۔ کہا یہ اس نعمت کا ذکر جو ہے کیسے کیا جائے گا (واتقوا اللہ) (5:11) تو اب تو قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو دیکھو تو سہی۔ آپ دیکھ رہے ہیں نعمت کیا ہے خدا کی۔ تو سوچئے کہ جہاں جہاں بھی مسلمانوں کی کوئی قوم جس پہ غیر مسلموں نے اپنے ہاتھ بڑھا رکھے ہوئے ہیں اور ان کو اپنا کسی طرح اثر میں لے رکھا ہوا ہے وہ منعم علیہ یا مغضوب علیہ ہیں وہ قومیں۔ انعام خداوندی تو ان پہ ہیں کہ جن کے اوپر سے ان کے ہاتھ رکے ہوئے ہیں جرآت نہیں ان کو ہو سکتی کہ وہ اپنا ہاتھ بڑھائیں۔ یہاں ہاتھ فوجی طور پہ ہی تو نہیں صرف بڑھتا' بساط سیاست پہ جو ہاتھ بڑھتے ہیں وہ تو اس سے بھی کہیں زیادہ گرفت میں لینے والے ہوتے ہیں۔ نعمت ہے خدا کی یہ کہ دشمنوں کے ہاتھ تم سے روکے ہوئے ہیں۔ میں نے جیسا عرض کیا ہے ہم نے تو اپنی آنکھوں سے یہ نعمت دیکھی ہے اس طرح سے یہ نعمت ہمارے ہاں آئی کہ خود ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا تھا کہ یہ ہوا کیسے۔ اور یہ اس سمجھ میں نہ آنے کا نتیجہ تھا کہ ہم نے پھر افسانے وضع کرنے

شروع کیے۔ واقعی ہم نہیں سمجھ سکتے تھے "گل وی ٹھیک ہیگی سی گل سمجھ اچ نئیں سی اوندی کہ ساڈے جیاں چبلاں تے ایہو جئی نعمت اوہنوں ملی ہیگی"۔ پھر ہم نے افسانے تراشے۔ کتنی بڑی نعمت ہے کسی قوم کے لیئے کل ہمارے سامنے یہ نعمت آئی ہے۔ کہا یہ پھر موقعہ ہم نے تمہیں دیا' کا ہے کے لیے؟ واتقوا الله کم بختو! اب ہی آ جاؤ قانون خداوندی کے اوپر۔ اب تو کم از کم اس کے بعد تو تکذیب دین نہ کرو۔ ہم نے پھر وہی کچھ کیا۔ وہ تو پتہ نہیں کہ اس کا پروگرام کچھ کیا ہے وہ بار بار اس کی کیفیت یہ ہے کہ ہم وہ کچھ کیے جاتے ہیں وہ اس کے باوجود نوازتا چلا جا رہا ہے۔ پتہ نہیں کیا اس کا پروگرام تھا کس انداز سے اس نے 1947ء میں جو کچھ ہمارے ساتھ ہوا کس طرح سے اس نے ان کے ہاتھ روکے۔ وہ ایک نعمت تھی جو ہمیں ملی اتنی بڑی مملکت صاحب یوں مل گئی۔ پھر ہم نے اس کو اجاڑنے اور برباد کرنے میں کیا کچھ نہیں کیا۔ وہ جو بات تو مزاحیہ ہی تھی لیکن تھی بڑی پتے کی بات۔ اس نے کہا کہ پاکستان کچھ کمزور سی مملکت ہے' اس نے کہا بالکل غلط ہے' بڑی مضبوط اور محکم مملکت ہے مستحکم مملکت ہے دنیا میں سب سے زیادہ مضبوط مملکت ہے' وہ کہنے لگا وہ کیسے؟ کہنے لگا بارہ کروڑ آدمی اس کو برباد کرنے میں لگا ہوا ہے پھر نہیں بگڑتی۔ وہ اتنی عظیم نعمت' پھر ہم نے فراموش کیا اسے' پھر یہ نعمت اس کو قرآن نے ان الفاظ میں کہا ہے (واذكروا نعمت الله عليكم اذهم قوم ان يبسطوا اليكم ايديهم) (5:11) چڑھ دوڑی تھی ایک قوم مخالف تہیہ کر کے کہ تمہیں نہیں چھوڑے گی (فكف ايديهم عنكم) (5:11) ہم نے ان کے ہاتھوں کو روک دیا پھر تمہیں حفاظت دیدی ہم نے۔ کتنی بڑی چیز تھی عزیزانِ من! پھر ہم بچ گئے۔ اور اس کے بعد چونکہ دل سے بات نکل رہی ہے اس لیے زبان پہ آئے گی اللہ تعالیٰ کی نعمت کا پھر ایک کرشمہ ہے کہ پھر ایک دفعہ اس نے ہم پہ ایک نعمت عائد کی ہے آج پھر پاکستان بچ گیا ہے۔ یقین رکھئے میں ہر بار یہ کہا کرتا ہوں کہ مجھے بالکل نہیں سمجھ میں آتا کہ ہماری کیا ادا اس کو بھا گئی۔ ڈرتا یہ ہوں کہ یہ کچھ کرتے کرتے کسی دن وہ یہ نہ کہدے کہ جاؤ' ڈرتا ہوں اس سے کہ کسی دن وہ ہم سے ہمارے الفاظ میں تنگ نہ آ جائے۔ عزیزانِ من! مجھے آج کہنے دیجیے کہ میں نے دس سال تک پاکستان کی تحریک کے اندر جنگ لڑی ہوئی ہے میں 1947ء کے اندر دریاؤں کے اندر پار کر کے آیا ہوا تھا میرے گاؤں پہ حملہ ہو رہا تھا جہاں میری بہنیں اور مائیں موجود تھیں میری اس گاڑی کے اوپر حملے کی آواز آ رہی تھی جس میں میں لے کے آ رہا تھا۔ گاڑی میں سرچ لائٹ نہیں تھی وہاں کا آخری سٹیشن تھا وہ وہاں لائن Clear نہیں مل رہا تھا اور ہجوم کر کے سارے چلے آ رہے تھے اور ایک دن پہلے ایک گاڑی کے اوپر بم پڑ چکا تھا وہاں۔ پتہ نہیں وہ کیا اس کے ابر کرم کی رحمتیں تھیں ان حالات کے اندر وہ گاڑی بغیر سرچ لائٹ کے بغیر لائن کلیر کے وہاں سے نکل آئی۔ یہ سارا کچھ بھی ہوا پھر 1965ء کی جنگ کے اندر دنیا کی قومیں حیران ہیں Calculate کرنے والی کسی کی سمجھ میں نہیں آتی' ہم نے تو کہدیا کہ سفید گھوڑیوں والے اور سبز عماموں والے ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا جو Calculate کرتے ہیں کہ یہ کیا تھا۔ (واذكروا نعمت الله عليكم اذهم قوم ان يبسطوا اليكم

ایدیھم فکف ایدیھم) (5:11) یاد کرو ہماری اس نعمت کو ہجوم کر کے یہ قوم آ گئی تھی تمہیں برباد کرنے کے لیے ہم ان کو اس نہر کے اوپر روک دیا ایک قدم بھی آگے تم نہیں جاسکتے۔ کیا چیز تھی۔ وہ پل کے پار آئے اس صبح' ادھر آ کے انہوں نے دیکھا کہ نہ کوئی فوج نہ کوئی ٹینک کچھ بھی نہیں۔ تو ہونا یہ چاہیے تھا کہ صاحب ایسا میدان جس دشمن کو ملے خدا سے چاہے وہ' وہ لیفٹ رائٹ کرتا ہوا آگے بڑھے۔ اسی چیز سے وہ رک گئے کہ صاحب کوئی بہت بڑی خفیہ چیز یہاں ہے جو سامنے تو نہیں یہ لوگ لائے۔ وہ جو قرآن نے کہا ہے کہ ہم لشکر بھیجا کرتے ہیں **لم تروھا** جن کو تم آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے' انہوں نے ان لشکروں کو یہاں دیکھا کہ ہیں کہیں ضرور چھپے ہوئے۔ وہ پل موجود تھا اور اس کے بعد بھاگ کے پیچھے چلے گئے۔ پھر ایک قدم نہیں آگے بڑھے۔ (**فکف ایدیھم عنکم**) (5:11) ہم نے ان سے کہہ دیا کہ نہیں تم آگے بڑھ سکتے۔ اللہ اکبر۔ اور جن افواج پاکستان کے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ نے یہ کچھ کرایا ہے اس کی رحمتوں کی بارش ان پہ بھی ہو ان کی نسلوں کے اوپر بھی ہو۔ ہم نے پھر وہی کچھ کرنا شروع کر دیا۔ پانچ چھ برس کی تو بات ہوئی ہے اور پھر وہ وقت آیا جو اس سے بھی زیادہ نازک ہے۔ ہماری تاریخ میں عزیزانِ من! ہمیں باہر والوں نے تو کبھی نہیں مارا 'چہ دامن ہر چہ؟؟ آشنا؟؟' مسلمان تو اپنے ہی ہاتھوں سے مارا گیا۔ پھر وہ ایک نازک تریں لمحہ آ گیا اور عزیزانِ من! پھر افواج پاکستان زندہ باد کہ تم پھر ایک وقت میں پھر ہمارے کام آئے پھر پاکستان بچا (**فکف ایدیھم عنکم**) ۔ کہا (**واذکروا نعمت اللہ**) اوکم بختو! ناشکرگذارو اس کی نعمت کو یاد کرو بار بار تم پہ ابر کرم کی نعمتیں وہ برساتا جا رہا ہے۔ (**واتقوا اللہ**) (5:11) اب بھی آ جاؤ اس کے قانون کی طرف۔ (**و علی اللہ فلیتوکل المؤمنون**) (5:11) تم کبھی اس کے قانون کو آزما کے تو دیکھو اتنا قابل اعتماد ہے وہ۔ عزیزانِ من! پچھلے دو ہفتے جو گذرے ہیں قوم کے اوپر' میں تو دیکھ رہا تھا کیا کیفیت ہو رہی تھی۔ جسے کہتے ہیں نا پاؤں کے نیچے سے زمین نکل جانا کیفیت یہ ہو گئی تھی قوم کی' کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کیا چیز تھی یہ؟ کیونکہ خدا کے قوانین کی اتباع ہم نہیں کرتے تھے کوئی چیز ایسی نہیں تھی جس پہ ہم پاؤں ٹکا سکیں جسے توکل کہتے ہیں کسی چیز کے اوپر جم کے کھڑے ہو جانا۔ قوانین خداوندی کے اوپر جم کر کھڑے ہو جاؤ۔ کہا تم ذرا بھروسہ کر کے تو دیکھو اعتماد تو کر کے دیکھو۔ تم یہ کچھ نہیں کرتے ہو اس کے باوجود بار بار ہم تمہیں بچائے چلے جا رہے ہیں۔ او کبھی تم ہمارے قوانین کے اوپر اعتماد کر کے تو دیکھو ہم کیا کرتے ہیں تمہارے لیے۔ ''اوتے ایہو جئے بگڑے ہوئے بچے آں نال وی ایناں پیار کر دیا پیا اے' کدی دو دن وی ایس ماں دا کہیا من کے تو ویکھو کیویں چوریاں نئیں دیندی تہانوں''۔

(**و علی اللہ فلیتوکل المؤمنون**) (5:11)۔

اور عین اس مقام پہ پہنچنے کے بعد پھر وہ داستان بنی اسرائیل کو سامنے لایا۔ کہنے لگا اوئے یوں بات سمجھ میں نہیں آتی تو ایک قوم تمہارے سامنے موجود ہے اسی طرح سے بار بار ہم نے ان کے اوپر اتمام نعمت کیا بار بار ان کو بچایا ان حملوں سے' ہر بار وہ یہ کرتے رہے ہر بار ہم ان کے ساتھ

یہ کرتے رہے۔لیکن اس کے بعد پھر تم دیکھتے ہو کہ حد اور نہایت ہوتی ہے کسی بات کی' جب انتہا ہو گئی تو اس کے بعد پھر سب کچھ چھن گیا۔(ضربت علیھم الذلة و المسکنة و ؟؟؟ بغضب من اللہ) ساری دنیا میں ذلیل اور خوار وہ قوم پھرتی رہی جہاں جاتے تھے خدا کی مار ان کا پیچھا کرتی تھی۔عزیزانِ من! وہ جو میں کہہ رہا تھا کہ اس حد تک نہ بڑھ جائیں ہم کہ وہ تھک کے آخر میں وہ کہہ دے جو اس نے بنی اسرائیل سے کہا تھا۔عین اس مقام پہ کہا ہے(ولقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرآئیل) (5:12)اسی قسم کا وعدہ ان سے بھی لیا تھا پھر تمہیں پتہ ہے کہ کیا ہوا۔یہ ہے عزیزانِ من! میں اس چیز سے ہمیشہ ڈرا کرتا ہوں کہ جب بھی خدا نے اس طرح سے بچانے کے لیے یاد دہانیاں ہمیں کرائی ہیں اس کے بعد فوراً بنی اسرائیل کی داستان کو اس نے دہرایا ہے کہ یہ چیز نہ کبھی دل میں کہہ دو کہ یہ ہوتا رہے گا اور ہم یہ کرتے رہیں گے۔جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ بس خدا کی نعمت اس وقت تک ہمارے اوپر اس شکل میں نازل ہوئی ہے کہ ہماری افواج قاہرہ جو ہیں ان کے اندر وہی Faith , Discipline & Unity موجود ہے۔صرف ایک شکل ہے جو ہمیں بچاتی جا رہی ہے اور یہ اللہ کی نعمت ہے۔لیکن یہ اتنی بڑی آبادی جو ہے اس کے اوپر بھی تو بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔یہ بات تو نہ ہو جو قرآن کریم نے کہی ہوئی ہے کہ دیکھنا تمہاری کیفیت کہیں اس بڑھیا کی سی نہ ہو جائے کہ جس نے سارا دن سوت محنت سے کاتا اور شام کو اپنے ہاتھوں سے ہی اسے بکھیر کے رکھ دیا۔بڑی بڑی فطرت کی وارننگ آتی ہیں ہمارے اوپر' بڑے جھنجوڑے وہ دیتا ہے اور پھر ایک مشفق باپ کی طرح پھر ہمیں سینے سے لگا لیتا ہے پھر بچا لیتا ہے پھر مغفرت(لھم مغفرة) دیکھا آپ نے مغفرت کے معنی کیا ہیں' حفاظت کا سامان پھر مل جاتا ہے پھر بچ جاتے ہو تم۔اس کے بعد ہی سبق حاصل کرو(واتقوا اللہ) ۔عزیزانِ من! پھر سمجھو کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے جو اس نے دی پھر کس طرح سے وہ خود اس کو محفوظ رکھتا ہوا چلا آ رہا ہے کتنے کتنے نازک مقامات ہیں جن سے وہ محفوظ رکھ رہا ہے صاحب۔ایک ہی چیز کی ضرورت تو وہ تمہیں کہتا ہے۔یہاں اس نے کہا ہے کہ یاد کرو ہماری نعمت کو(انتم اعدون) تم ایک دوسرے کے دشمن تھے(فالف بین قلوبکم فاسبحتم بنعمته اقوام) دیکھا نعمت' تم دشمن تھے ہم نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت ڈال دی۔اور اس طرح سے تمہیں بھائی بھائی بنا دیا۔ایک ہی کام کرنے کا ہے عزیزانِ من! دلوں کے اندر محبت پیدا کر کے بھائی بھائی بن جانے کی بات ہے۔اور اس کے بعد(واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا) تمہارا وجہ اتحاد یہ نقطہ ماسکہ' تو کہا کوئی اور مفاد سیاست کے قانون یہ آئین یہ نہیں صرف حبل اللہ ہو سکتی ہے خدا کا قانون اس کی کتاب بس ایک چیز۔اس کے بعد کتاب اس طرح سے کہ (وللہ المشرق و المغرب) کہو کہ مشرق اور مغرب دونوں اس کی ہیں اس کی کتاب درمیان میں موجود ہے۔آج وحدت پیدا ہو جاتی ہے عزیزانِ من!۔قائداعظمؒ سے بھی یہ پوچھا گیا تھا مملکت بنا رہے ہو اتنا بعد دو حصوں کے اندر' اتنے اختلافات بظاہر ایک امت کس طرح سے ایک قوم کس طرح سے بنے گی ایک مملکت کیسے بنے گی۔انؒ کا جواب 1947ء میں دلی کی کانفرنس میں

انہوں نے جواب دیا' پہلے انہوں نے خود ہی سوال کیا کہ یہ ٹھیک ہے پوچھا جاتا ہے کہ وہ کونسا رشتہ ہے جس میں یہ بکھرے ہوئے اوراق منسلک ہوسکیں گے' وہ کونسی کشش ہے جس سے یہ ذرات چٹان بن سکیں گے' وہ کونسا لنگر ہے جو اس کشتی کو تھام کے رکھے گا ان موجوں کے اندر' یہ ان کے سوالات تھے۔اوراس کے بعد کہتے ہیں کہ یادرکھو وہ رشتہ وہ جاذبیت وہ لنگر خدا کی کتاب قرآن کریم ہے جب تک یہ ہم میں موجود ہے دنیا کی کوئی قوت ہمیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کر سکے گی۔(واعتصموا بحبل الله جميعًا ' ولا تفرقوا) قرآن کی وحدت کے اوپر آ جاؤ تفرقہ پیدا نہ کرو۔عزیزانِ من! (واذكروا نعمت الله عليكم) (5:11) عجیب اتفاق ہے آج کے دن کے درس میں بات کہاں سے چلی تھی بات کیا سامنے آ گئی۔یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ عین اس مقام پہ اس قسم کی آیتیں سامنے آتی ہیں۔پھر سن لو خدا کی اس نعمت کو یاد کرو(اذ هم قوم ان يبسطوا اليكم ايديهم) (5:11) جب تمہاری مخالف قوتوں نے تہیہ کرلیا تھا کہ تم کو ختم کر کے رکھ دیں۔میں یہ عرض کرونگا کہ ایک تہیہ ہم نے 1947ء میں دیکھا تھا 1965ء میں دیکھا تھا شکلیں مختلف ہوسکتی ہیں اس کی' ایک تہیہ اس دفعہ ہم نے دیکھا ہے(فكف ايديهم عنكم) (5:11) پھر ہم نے ان کے ہاتھ روک دیئے تمہاری طرف بڑھنے سے۔کم بختو! (واذكروا نعمت الله) (5:11) خدا کی ان نعمتوں کو یاد کرو۔(واعتصموا بحبل الله جميعًا) ایک ہی چیز ہے (ولا تفرقوا) لاؤ قرآن کو درمیان میں (فالف بين قلوبكم) یہ تمہارے دلوں کو ملا دے گا۔یہ ہے جو کچھ قرآن کہتا ہے۔ابھی ابھی مجھے احباب نے یہ بتایا ہے کہ طلوع اسلام کا پرچہ جس میں اس دفعہ اسی موضوع پہ گفتگو ہوئی ہے وہ اتفاق ہے یہ اچھا کہ وہ ابھی چھپ کے آ گیا ہے اور وہ کہتے ہیں سٹال پہ میں نے رکھ دیا ہے۔اتفاق یہ ہے کہ یہ اسی کی کہ یہ کیا ہوا ہمارے ساتھ اور آگے کیا کرنا چاہیے اس میں یہ آ گیا ہے۔سورۃ مآئدہ کی آیت 11 تک ہم آ گئے 12 سے بنی اسرائیل کی داستان کو وہ پھر سامنے لایا ہے اور اس لیے لایا ہے کہ اس کو یادرکھو کہ یہ کیفیت تمہاری بار بار نہ ہو جائے پھر ہماری یہ نعمت جو ہے لا متناہی نہیں رہا کرتی کہیں تمہارا حشر ان جیسا نہ ہو جائے۔عزیزانِ من! دل سے یہ آرزو دعا بن کے لب پہ آتی ہے کہ یا اللہ واقعی ہم نے تیرے قانون سے بڑی ہی لاپرواہی برتی ہے تیرا یہ کرم ہے کہ تو ہر بار ہماری مغفرت کا سامان پیدا کر دیتا ہے۔بارِالٰہا یہ جو تیری مغفرت یا حفاظت کے لیے ہمارے سامنے یہ افواج طاہرہ جو اس طرح سے ہر بار آ جاتی ہیں۔پھر بات یاد آ گئی وہ گاڑی جو آ رہی تھی' ہمیں اس زمانے میں پتہ ہی نہیں تھا کہ فوج بھی ہماری کچھ اپنی ہے' تھی نہیں 1947ء کی بات ہے' پہلی دفعہ ہم نے یہ سنا کہ وہ گاڑی جو امرتسر کے راستے سے آئی اور راستے میں وہ روکی گئی۔بلوچ رجمنٹ کے اس میں پانچ سپاہی تھے' پہلی دفعہ کانوں میں آیا' ہم نے سمجھا کہ ہماری ہے کوئی فوج' بلوچ رجمنٹ کے پانچ چھ سپاہی' آپ کو پتہ ہے وہ پانچ چھ سپاہی باہر کھڑے ہوتے تھے گاڑیوں کے ڈبوں کے باہر' گولی آنی ہے تو ان کے اوپر پہلے آئے ڈبہ محفوظ رہ جائے اور وہ اس طرح سے اپنی جانیں دے کے ڈبے کو محفوظ لے کے آ جاتے

تھے۔ ہر بار انہوں نے اپنے سینے کے اوپر گولیاں کھائی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج پھر وقت ہے اس زمانے کے شہدآء 1965ء کے شہدآء جنہوں نے اپنے سینے میں گولیاں کھائیں اور خدا کی نعمت کا اتمام یہ کیا اس کی آج پھر یاد منائی جانی چاہیے۔ جاؤ آج پھر ان شہدآء کے مزاروں کے اوپر جاؤ ان سے کہو کہ تمہاری اس جان دینے کے صدقے میں ہمیں زندگی ملی ہوئی ہے تمہیں حیاتِ جاویداں مل گئی۔ آج پھر تمہارے Successors نے پھر ہمیں بچالیا ہے ایک مرتبہ۔ لیکن عزیزانِ من! میں پھر یہی کہونگا بار بار خدا کو نہ آزماؤ نہ آزماؤ۔ کچھ کرنے کا نہیں ہے (**واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا**) قرآن ہی وجہ اشتراک ہے کوئی اور چیز نہیں ہے اسی کو لاؤ اسی کو اپنے آئین کی بنیاد بناؤ اسی کو اپنی مملکت کی اساس قرار دو اسی بنیاد کے اوپر آپس میں **الف بین قلوبکم** ۔ کچھ نہیں بگڑا' نہ صرف یہ کہ کچھ نہیں بگڑا عزیزانِ من! بہت کچھ ہے آپ کے پاس تو' دنیا میں آپ کو تو محتاجی کسی کی نہیں ہوگی۔ ذرا قرآن کے خطوط کے اوپر لے آؤ اپنی مملکت کو پھر دیکھو کہ کس طرح سے اس کا ابر کرم جو ہے وہ؟؟؟ ہوتا ہے۔ یا اللہ! ہمیں موقع دے ہم صدیوں کے بگڑے ہوئے ہیں؟؟ مضمحل ہو چکا ہوا ہے اس لیے تو اپنے ابر و کرم کو ہمارے اوپر قائم رکھ۔ اس مملکت کو ابدالآباد تک قائم دائم اور مستحکم رکھ کہ اسلام کی امیدیں اگر عزیزانِ من! ساری دنیا میں وابستہ ہیں تو اس سرزمین سے وابستہ ہیں۔ اس لیے یہ اگر افواج طاہرہ ہر مقام پہ آپ کی حفاظت کرتی ہیں تو اس ایک طبعی مملکت کی حفاظت نہیں کرتیں اسلام کے مستقبل کی حفاظت کرتی ہیں۔ دین یہیں چمکے گا اسی سرزمین کے اندر چمکے گا۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم . بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المآئدہ۔ پانچواں باب (آیات 12 تا 17)

عزیزانِ من!

آج اپریل 1971ء کی 4 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ مائدہ کی 12 ویں آیت سے ہو رہا ہے (5:12)۔

آپ کو یاد ہوگا کہ سابقہ درس میں آخری آیت یہ سامنے آئی تھی کہ (**یایھا الذین اٰمنوا اذکروا نعمت اللہ علیکم اذھم قوم ان یبسطوا الیکم ایدیھم فکف ایدیھم عنکم**) (5:11) اے جماعت مؤمنین! تم خدا کی اس نعمت کو یاد کرو جب ایک قوم نے تہیہ کر لیا تھا وہ ہجوم کر کے امڈ آئی تھی کہ تمہیں اپنی گرفت میں لے لے۔ اس نے دست درازی شروع کر دی تھی اپنے ہاتھ بڑھانے شروع کر دیے تھے تو خدا نے ان کے ہاتھوں کو روک دیا اور تمہیں اس قوم کی دست برد سے محفوظ رکھا یہ خدا کی بہت بڑی نعمت تھی۔ میں نے عرض کیا تھا کہ قرآنِ کریم نے اس قسم کے جو اصول قوموں کے عروج و زوال کے بتائے ہیں اس کے لیے تاریخی شہادت کے طور پر داستانِ بنی اسرائیل کو عام طور پر پیش کیا ہے اور یہاں بھی یہ کہنے کے بعد فوراً توجہ منعکس کرائی بنی اسرائیل ہی کی طرف۔ اس لیے کہ بنی اسرائیل کے سلسلے میں بھی بار بار یہ بات آئی ہے مثلاً سورۃ بقرۃ میں ہی آپ دیکھئے گا شروع کی آیات میں ہی دو اہم مقامات پہ یہ چیز آئی ہے کہ (**یٰبنی اسرآئیل اذکروا نعمت اللہ التی انعمت علیکم**) اے بنی اسرائیل تم خدا کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر اس نے ارزاں کی تھی۔ یہی الفاظ یہاں بھی ہیں خدا کی اس نعمت کو یاد کرو۔ تو اس کے فوراً بعد بنی اسرائیل کی بات شروع کی اور اس میں بتایا کہ نعمت کیا ہوتی ہے کیسے ملتی ہے کیسے چھنتی ہے۔ اور یہ آخری ٹکڑا جو ہے کہ ملنے کے بعد کیسے چھنتی ہے یہ ہے وہ اہم مقام جس پہ ہمیں غور کرنا چاہیے کہ نعمت مل تو گئی ہے کہیں بنی اسرائیل ہی کی کیفیت نہ ہو جائے کہ ملنے کے بعد یہ چھن بھی جائے۔ اس لیے یہ مقامات کوئی تاریخ کے اسباق نہیں ہیں کہ ہسٹری کے واقعات ہیں پرانے زمانے کی کسی قوم کی داستان ہے ہم نے اس طرح سے پڑھا کہ فلاں قوم کے ساتھ یہ ہوا تھا۔

قرآن نے اس کے لیے اس تاریخ کو ان داستانوں کو نہیں دہرایا وہ تو تاریخ کا فلسفہ بیان کرتا ہے کہ کوئی قوم اگر اس قسم کی روش اختیار کرتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے اس سے الٹ چلتی ہے اس کے عواقب یہ ہوتے ہیں۔ اور اس کے بعد پھر وہ جماعت مسلمین سے یہ کہتا ہے کہ تم خود فیصلہ کر لو کہ تم نے کونسی روش اختیار کرنا ہے اور پھر یہ سوچ لو کہ اس کا نتیجہ کیا ہونا ہے۔ تاریخی واقعات سے چونکہ ان چیزوں کے مفہوم نمایاں طور پہ محسوس طور پہ سامنے آتے ہیں اس واسطے وہ ان چیزوں کو دہرا کے سامنے لاتا ہے ورنہ اصل مقصد تو آنے والی قوموں کو بتانا ہوتا ہے کہ تمہارے کس قسم کے

اعمال کس قسم کے نتائج مرتب کریں گے۔ اسے فلاسفی آف ہسٹری کہتے ہیں اور یہ قرآن ہے جس نے سب سے پہلے دنیا میں تاریخ کا فلسفہ بیان کیا ہے۔ اس نعمت کا ذکر کرنے کے بعد کہا کہ (ولقد اخذ الله میثاق بنی اسرآئیل) (5:12) بنی اسرائیل سے بھی ہم نے ایک عہد لیا تھا۔ اور اس سے پہلے جو عہد مسلمانوں سے لیا جاتا ہے اس کا ذکر بھی آپ کے سامنے آچکا ہوا ہے بار بار آچکا ہوا ہے۔ عہد یہ ہے کہ (ان اللہ اشترٰی من المؤمنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنة) مومن جب اس برادری میں داخل ہوتا ہے تو وہ ایک عہد نامے پر ایک معاہدے پر دستخط کرتا ہے جو خدا اور بندے کے درمیان یعنی اس کے درمیان اور خدا کے درمیان وہ معاہدہ ہوتا ہے کہ وہ اپنا جان اور مال خدا کے ہاتھوں بیچ دیتا ہے۔ اور خدا کی نمائندگی کرتا ہے وہ نظامِ مملکت جو خدا کے قوانین کو نافذ کرنے کے لیے قائم ہوتا ہے یہ اس کی عملی شکل ہوتی ہے۔ یہ ہے وہ میثاق جو مسلمان کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اسی قسم کا میثاق بنی اسرائیل کے ساتھ کیا پھر اس کا ایک نظام قائم ہوا۔ (و بعثنا منھم اثنی عشر نقیبًا) (5:12) اور تنظیمی غرض سے Organizational جسے آپ کہتے ہیں Administration' تنظیمی غرض سے ان میں بارہ نقیب مقرر کر دیے۔

عام طور پر تو یہ نقیب جو ہے یہ نقب ان کا ترجمہ سردار کیا جاتا ہے لیکن یہ بات اس سے ذرا گہری ہے۔ میں نے جیسا عرض کیا تھا کہ قرآن جس مقام پہ جو لفظ استعمال کرتا ہے Route پر جانا چاہیے اس کے' بنیادی طور پر اس کے مادے پہ جانا چاہیے کہ وہ لفظ کیوں یہاں استعمال کیا گیا ہے۔ سردار کے لیے تو عربی زبان میں کئی لفظ آتے ہیں۔ قوم کو جب اس طرح سے بانٹا ہے مختلف تنظیمی دائرے اس کے بنائے ہیں ہر دائرے میں ایک نقیب مقرر کیا ہے۔ نقب کے معنی ہوتا ہے سوراخ کرنا کسی چیز کے اندر گھس جانا اس کی تحقیق کرنا اس کی تفتیش کرنا۔ اب یہ جو تنظیمی صورت میں یہ شکل اختیار کی جائے اس قسم کے لوگ مقرر کیے جائیں جو اپنے اس گروہ یا گروپ یا قوم کی یہ جسے نقب کہا ہے ان کے اندرونی حالات سے وہ واقفیت اختیار کریں۔ یہ نقب رسانی آپ کو بھی معلوم ہے نا ''آسندلا ونا جنوں کیندے نیں'' وہ اس لیے ہوتا ہے کہ وہ سوراخ کرتا ہے' اس کے معنی ہوتا ہے کہ یعنی سطحی طور پر کسی چیز کو نہ دیکھتے رہنا۔ غور کیجیے گا کہ جسے ذمہ داری سونپی جاتی ہے قوم یا قوم کے کسی گروپ یا گروہ کی اور اگر وہ نقیب ہے اس کا فریضۂ زندگی کیا ہوتا ہے۔ وہ سطحی نگاہ سے نہیں دیکھتا رہتا سطحی نگاہ سے تو ہر ایک دیکھتا ہے وہ ان کے اندر گھس جاتا ہے یہ ہے لفظ نقیب کے معنی۔ اب اندر گھسنے کے بعد ان کے کون کونسے حالات ہیں جن سے باخبر رہتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ باخبر اس لیے رہتا ہے کہ جو اس نظام کا مرکز ہے وہاں تک وہ ان تمام چیزوں کو پہنچائے۔ باخبر رہنا نہایت ضروری ہے کسی نظام کے لیے۔ یہ اس باخبر رہنے کے لیے ایک Organizational ڈھانچہ جو قرآن نے بتایا ہے وہ یہ ہے جس کا بیان کر رہا ہے۔ عہد نامہ معاہدہ تو اس قوم سے لیا افراد سے لیا لیکن یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ اس کے اوپر قائم بھی ہیں ان کے اوپر اس قسم کے لوگ مقرر کیے جو ان کے اندرونی حالات سے باخبر رہیں۔ اب حالات میں ہمارے ہاں آج کے اس نظام میں یہ انٹیلی جنس

سروِنٹ جسے آپ کہتے ہیں وہ تھی درحقیقت اچھے دور کی یادگار۔لیکن بدقسمتی سے ہمارے ہاں جس دور میں یہ چیز ایجاد ہوئی انٹیلی جنس سروس جسے سی آئی ڈی کہتے ہیں یعنی یہ لفظ ہی ایسا ہوگیا ہے کہ اس کے سننے سے آپ کے ذہن میں جو کچھ آرہا ہے اس کے کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ نظام اصل میں مقرر کیا ایک بیرونی حکومت نے' انگریزوں کے زمانے میں یہ نظام مقرر ہوا۔ان کا مقصد یہ نہیں تھا کہ وہ یہ دیکھے کہ قوم کن مصائب کا شکار ہے' کن مشکلات سے گذر رہی ہے' ان کو کن کن چیزوں کی ضرورت ہے' وہ تقاضے کیا ہیں' وہ پورے کس طرح نہیں ہورہے انہیں اس سے غرض نہیں تھی۔یعنی قوم کی مشکلات اور مصائب سے باخبر رہنا یہ نہیں بلکہ یہ چیزیں کہ ان میں سے کون لوگ ہیں جو حکومت کے خلاف کچھ خیالات رکھتے ہیں قانون شکنی کی طرف جن کا رجحان ہے کہیں بغاوت کے جراثیم پرورش تو نہیں پارہے وغیرہ وغیرہ۔ان کا مقصد صرف اتنا تھا۔مملکت کے نظام کے قائم رکھنے کے لیے یہ حصہ بھی بڑا ضروری ہے کہ ارباب نظم ونسق کو ذمہ دار لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ قوم کے اندر کس قسم کے خیالات پرورش پارہے ہیں کوئی باہر سے اس قسم کے عناصر عوامل ؟؟؟ سے تو نہیں آرہے ان کو متاثر تو نہیں کررہے۔اور اس زمانے میں تو جتنی ضرورت تھی آج تو اس سے کہیں زیادہ ضرورت ہے کہ یہ قوموں کے قلب اور دماغ کو متاثر کرنے کے لیے اس قدر متعدد قسم کے متنوع قسم کے اسباب وذرائع ایجاد ہوگئے ہیں کہ ان میں سے ایک ایک پر نظر رکھنی پڑتی ہے۔ یہ قوم کی ذمہ داری کو سنبھالنا کچھ آسان کام نہیں ہے۔لیکن قرآن جس قسم کے نقیب چاہتا ہے وہ اتنی سی بات ہی نہیں کہ وہ یہ معلوم کریں کہ قوم کے اندر اس قسم کے خیالات پرورش تو نہیں پارہے وہ ساتھ یہ بھی دیکھنا چاہتا ہے کہ قوم کے افراد کن مشکلات کا سامنا کررہے ہیں کن مصائب میں گرفتار ہیں ان کی ضروریات تو رکی ہوئی نہیں ہیں ان کے ساتھ کہیں بے انصافی تو نہیں ہورہی۔

وہ جو ہم صدر اول کی تاریخ میں یہ دیکھتے ہیں کہ راتوں کی تنہائیوں میں اٹھ کے خلیفۃ المسلمین چپکے ہی چپکے خاموشی سے بدوؤں کے خیموں کے گرد گشت لگایا کرتے تھے اور اس بات کی خبر لیا کرتے تھے کہ ان کی زندگی کس طرح سے گذر رہی ہے ان کو مشکلات کا سامنا تو نہیں آرہا۔اور جہاں کہیں وہ دیکھتے تھے کہ کوئی اس قسم کی مصیبت آگئی ہے کوئی اس قسم کی تکلیف میں مبتلا ہے کہ جو اس کا حل خود نہیں وہ تجویز کرسکتا On the spot اسی وقت اس کا وہ حل کرتے تھے۔ یہ ذمہ داری بھی ہے اربابِ نظم ونسق کی۔تو یہ تمام چیزیں جو ہیں قوم کے اندرونی حالات سے باخبر رہنا ان کے مصائب ومشکلات کے حل کرنے کے لیے اور اس مملکت اور نظام کے خلاف اگر کسی قسم کی کوئی فضا وہاں پیدا کی جارہی ہے جراثیم پرورش پارہے ہیں خیالات میں کوئی اس قسم کی غلط اندیشیاں آرہی ہیں ان سے بھی باخبر رہنا کہ اگر وہ بنیاد اور اصل ہی باقی نہ رہے اس قوم کی تو سیدھی سی بات ہے کہ اس کے اوپر کی عمارت تو باقی رہ نہیں سکتی۔ یہ جسے آج کی اصطلاح میں انٹیلی جنس کا محکمہ کہا جاتا ہے یہ بڑی اہم چیز تھی بشرطیکہ اس کے ذمے یہ دونوں چیزیں ہوں کہ قوم کے مصائب اور مشکلات کو بھی صحیح طور پر وہ اپنے اربابِ نظم ونسق تک پہنچائے اور قوم کے اندر اگر اس قسم کے کوئی عناصر اور عوامل

کارفرما ہو رہے ہیں جو اس نظام اور مملکت اور قوم اور حکومت ہی کو جڑ بنیاد سے اکھیڑ رہے ہیں ان سے بھی وہ باخبر رہیں۔ یہ جو قرآن کریم نے کہا ہے کہ (ان میں کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے بارہ قبائل تھے' قبائل ہوں یا نہ ہوں) قوم کو یقیناً آرگنائزیشن کے لیے تنظیمی اعتبار سے مختلف حصوں میں بانٹنا پڑتا ہے۔ اور ان میں سے ایک ایک کے اوپر ایک ایک اس قسم کا نگران مقرر کر دیا تھا کہ جو ان کے حالات سے باخبر رہے اور اس کی اطلاع مرکز تک پہنچاتا رہے۔ اتنی سی بات بھی آپ دیکھئے کتنے بڑے اہم شعبے کی طرف قرآن توجہ دلا گیا ہے۔ یہ کیا انتظام۔ (و قال اللہ انی معکم) (5:12) یہ ہے جو اہم بات سامنے آ رہی ہے۔ (انی معکم) خدا نے ان سے کہہ دیا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں' موج ہو گئی۔ یہ تو خدا کسی کے ساتھ ہو اور یہ کہہ دے یہاں تو ہمارے ہاں وہ محاورہ آپ کو معلوم ہے نا کہ سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کا ہے کا یعنی اگر تھانے دار کوئی کسی کا کوئی دوست ہو تو وہ کہتا ہے کہ اب مجھے محلے میں خوف کس سے ہے ڈر کس سے ہے۔ یہ تو اتنی بڑی اتھارٹی کا کوئی آدمی جو ہے اس کے ساتھ تعلقات کی کیفیت ہے اور جہاں یہ قادر مطلق خدا یہ کہے کہ انی معکم میں تمہارے ساتھ ہوں تو اس کے بعد تو وہ سیدھی سی بات ہے کہ کسی اور چیز کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ لیکن یہ تو قرآن ہے یہ الفاظ کہے تو اسے ادھار نہیں رکھا فوراً اس کے بعد کہا کہ یہ نہ سمجھ لو کہ میں یونہی کسی کے ساتھ ہو جایا کرتا ہوں' ہم یونہی کسی کی مدد کے لیے تیار ہو جایا کرتے ہیں۔ (ان معکم لئن) اب سنئے جناب شرطیں وہ اس کے ساتھ ہونے کے لیے۔ (لئن اقمتم الصلٰوۃ و اٰتیتم الزکٰوۃ و اٰمنتم برسلی و عزرتموھم و اقرضتم اللہ قرضا حسناً لاکفرن عنکم سیاٰتکم و لادخلنکم جنٰت تجری من تحتھا الانھر)

(5:12)

یہ شرائط ہیں اس کے لیے: نظام صلٰوۃ کو قائم کرو' ایتائے زکٰوۃ کے لیے نظم و نسق کرو۔ یہ شرائط ہیں خدا کے ساتھ ہونے کے لیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب مجھے بار بار دہرانے کی ضرورت نہیں کہ قرآن کریم کی یہ اصطلاحات کس قدر وسیع المعنی ہیں۔ ابھی آگے وہ لفظ آتا ہے جہاں میں کہونگا کہ جب ان کو ہم نے محدود کر کے ان کے صحیح مقام سے ہٹا دیا ترجمہ اس کا یہ ہے کہ اگر تم اقامت صلوٰۃ نماز پڑھو ایتائے زکوٰۃ سال بھر کے بعد اڑھائی فیصد اس میں سے نکال دو' سمٹ کے تو یہ معنی اب ہمارے ہاں آ گئے۔ آپ دیکھئے کہ کتنی بڑی چیز ہے جس کے لیے یہ شرائط قرار دی جا رہی ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں بشرطیکہ تم یہ کرو۔ نتیجہ اس کا (لاکفرن عنکم سیاٰتکم) (5:12) تمام ناہمواریاں غلط اندیشیاں سب دور کر دی جائیں گی تمہاری۔ (و لادخلنکم جنٰت تجری من تحتھا الانھٰر) (5:12) آسائشوں کے ان باغات میں داخل کر دیا جائے گا کہ جو سدا بہار ہونگے ان کے اوپر کبھی خزاں نہیں آئے گی۔ کتنی بڑی چیز ہے کتنا بڑا نتیجہ ہے اس کے لیے شرائط یہ مقرر کی جا رہی ہیں۔ اب دیکھئے نا کہ ان شرائط کو ہم نے کتنا آسان بنا دیا صرف اتنی سی چیز کر لی کہ اگر تم نماز پڑھو اور زکوٰۃ دیدو۔ عزیزانِ من! یہ جیسا کہ اب آپ کو معلوم ہے یہ صلٰوۃ کے

اجتماعات کا انکار نہیں ہے لیکن یہ اس کی ایک سمٹی ہوئی شکل ہے نظام صلوٰۃ بڑا وسیع ہے وہ مسجد کی چار دیواری تک نہیں ہے وہ زندگی کے ہر سانس میں قوانین خداوندی کا اتباع ہے اسکے پیچھے پیچھے چلنا ہے۔ ہم نے اس کو سمٹا یا انہیں چھوڑ دیجیے کہ جو نماز نہیں پڑھتے انہیں بھی چھوڑ دیجیے جو زکوٰۃ نہیں دیتے' اس گئے گذرے زمانے میں بھی تو بہر حال آپ کے ہاں لاکھوں کروڑوں اور عالم اسلام میں جس کی آبادی ساٹھ کروڑ ہے اس میں تو آپ سوچ لیجیے کہ کتنے ایسے نکل آئیں جو اقامت صلوٰۃ ان معنوں میں نماز کی بھی پابندی کرتے ہیں زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا انہیں یہ نتائج حاصل ہیں جو قرآن نے کہا ہے۔ بڑا اہم مقام ہے عزیزانِ من! یہ سوچنے کا' کیا ہے خدا ان کے ساتھ۔ یہ ہے وہ مقام جہاں سوچنے کی بات ہے۔ اس سے تو (معاذ اللہ) انسان پھر اس نتیجے پہ پہنچتا ہے کہ صاحب یہ چیز جو ہے یہ تو پھر شاعری سی ہے اس لیے کہ نماز پڑھنے والے بھی ہمارے ساتھ ہیں زکوٰۃ دینے والے بھی ہیں ان کا جو حال ہو رہا ہے وہ بھی تو باقیوں سے کوئی مختلف نہیں ہے دنیا کی ذلیل ترین قوم ہے یہ۔ اور قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ اس کے وعدے میں یہ کیفیتیں اس نے کہا ہے کہ تمکن فی الارض تمہیں حاصل ہوگا کسی قسم کی کوئی ناہمواری تمہارے ہاں باقی نہیں رہے گی زندگی کی شادابیاں' خوشحالیاں' شگفتگیاں سب کی سب تمہیں حاصل ہونگی خزاں فراموش بہاروں کے جھولے جھولو گے۔ کہتا ہے یہ تو قوم ذلت اور خواری میں سے گذر رہی ہے اس میں نماز پڑھنے والے بھی ہیں اس میں زکوٰۃ دینے والے بھی ہیں۔ سیدھی سی بات ہوئی کہ بات کچھ اور ہے جو یہ کہہ رہا ہے۔ بہر حال ان سے یہ کہا کہ اگر تم قیامِ صلوٰۃ کرو گے اگر ایتائے زکوٰۃ کرو گے' یہ دو Terms ہیں پہلے دن سے چلی آ رہی ہیں حضرت نوحؑ سے لے کے رسول اللہ ﷺ تک' ہر رسول کی تعلیم کی بنیاد ان دو چیزوں کے اوپر ہے اقامت صلوٰۃ ایتائے زکوٰۃ۔ پھر دہرا دوں کہ اقامت صلوٰۃ زندگی کی ہر روش میں ہر گوشے میں ہر شعبے میں ہر سانس میں قوانین خداوندی کا اتباع کرتے چلے جانا۔ اور ایتائے زکوٰۃ اس مقصد کے لیے تا کہ انسانیت کو نشو ونما کا سامان بہم پہنچایا جائے۔ وہ اپنی زندگی اس نہج کی اور یہ اس زندگی کا مقصد' پوری عالم انسانیت کو سامان نشو ونما پہنچانا ایتائے زکوٰۃ ہے۔ جو جماعت اس کی ذمہ داری لیتی ہے اس کے لیے ضروری کہ وہ زندگی کے ہر سانس اور شعبے میں قوانین خداوندی کے پیچھے پیچھے چلتی جائے۔ اب سمجھ میں آیا کہ یہ دو شرطیں کیا تھیں۔ **انی معکم** ہم تمہارے ساتھ ہیں تمہارا کون کچھ بگاڑ سکتا ہے جس کے ساتھ ہو بشرطیکہ تم اقامت صلوٰۃ کرو' ایتائے زکوٰۃ کرو' میرے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ یہ رسولوں پر ایمان لانا کیا ہوتا ہے؟ نبی اکرم ﷺ خدا کے رسول تھے ہم ایمان لے آئے یہ بات ختم ہوگئی یہاں۔ تو عزیزانِ من! وہ رسول قاصد ہے پیغامبر ہے وہ ایک پیغام لاتا ہے ایمان اس کے پیغام پر ہے اس کی رسالت پر ہے خدا نے جو کچھ کہا ہے اس پر ہے۔ ایمان کے کیا معنی ہوئے؟ **اٰمنتوا باللہ** بس ایمان ہو گیا؟ ایمان یہ ہے کہ سنکھیا کھانے سے ہلاکت ہو جاتی ہے' آگ میں ہاتھ ڈالنے سے ہاتھ جل جاتا ہے نا یہ ایمان۔ کسی حقیقت کو اس طرح سے ماننا کہ ایسا کرنے سے یہ ہو کے رہے گا اور یہ اٹل ہے جو کچھ یہ کہا جا رہا ہے۔ ایمان

کے معنی یہ ہوگئے کہ جو کچھ بھی خدا کی طرف سے کہا گیا ہے اس کے حقیقی صحیح سچے ہونے پہ اس طرح سے یقین جس طرح اس امر پہ یقین ہوتا ہے کہ سنکھیا کھانے سے ہلاکت ہوجاتی ہے۔ یہ ہے وہ ایمان جس کا تقاضا ہے۔ یہ تو ہوگیا اس چیز پہ یقین کر لینا کہ واقعی اس میں یہ ہوتا ہے۔ (و عزرتموھم) (5:12) یہ ایک بڑا ہی جامع لفظ ہے **عزرتموھم** اس میں ہے کسی کے ساتھ مدد کے لیے اس طرح سے ہونا کہ اس کی تعظیم بھی دل کے اندر ہو۔ رسول کی تعظیم اور اس کے لیے اس کی مدد' رسول سے مراد اگر وہ شخصیت صرف لے لی جائے تو وہ تو بہرحال ہر رسول زندگی کے چند سال ہی رہ سکتا تھا اس کے بعد تو وہ باقی نہیں رہتا تھا زندگی میں ہمارے پاس' پھر اس کی مدد اس کی تعظیم اس کا احترام تو ختم ہوا۔ یہ تو معنی ہو نہیں سکتے۔ قرآن نے تو اس کی تردید کے لیے خود کہہ دیا کہ **وما محمد الا رسول افئن ماتوا قتل ان تقلكتم** ؟؟؟؟؟ محمد جو ہے وہ بھی خدا کا بھیجا ہوا ایک قاصد ہے رسول ہے پیغامبر ہے طبعی زندگی ہے طبعی موت ہوجائے گی تو کیا کل کو اگر یہ مرجائے یا قتل کر دیا جائے کہ تم یہ سمجھو گے کہ رسالت ختم' رسول سے متعلق جو باتیں کہی گئیں تھی وہ بھی تمام کی تمام ختم اور پھر تم اپنے پچھلے ہی نظام کی طرف پلٹ جاؤ گے' یہ ہوئی بات۔ رسول کے قائم کردہ نظام کے اوپر قائم رہنا یہ ہے رسول کی رسالت پر ایمان اور اس کی تعظیم اور مدد۔ (**لیظھره علی الدین کله**) جو دین اس نے دیا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ دنیا کے ہر نظام پر وہ غالب آجائے۔ جب تک کسی رسول کی رسالت باقی رہتی ہے اس کا لایا ہوا دین اسے باقی نظام ہائے زندگی پر دنیا کے باقی نظاموں کے اوپر غالب رکھنا یہ ہے فریضہ ان لوگوں کا جو اس رسول کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت چونکہ قیامت تک کے لیے ہے اس لیے جو شخص بھی دعویٰ کرے گا کہ میں رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہوں اس پہ فریضہ عائد ہوجائے گا کہ اس کے لائے ہوئے دین کو عملاً دنیا کے باقی ادیان یعنی نظامہائے زندگی پر غالب کرنے کے لیے اس کی مدد کرے اس نظام کی' یہ ہے **عزرتموھم** ۔**اقامت صلوٰۃ** نماز پڑھ لی' ایتائے زکوٰۃ ہمارے ہاں اڑھائی فیصد دیدیا' یہ رسول ﷺ کی تعظیم اب اس کے لیے آپ دیکھ لیجیے صاحب درود و صلوٰۃ' نماز کے بعد ان کے ذکر' نعتوں میں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ' یہ میلاد کی مجلس میں حضور ﷺ کی پیدائش کے وقت کھڑے ہو کے سلام پڑھنا چاہیے یا بیٹھے ہوئے پڑھا جاسکتا ہے یہ چیز آگئی **عزرتموھم** ۔ان چیزوں کے بعد یہ توقع کرنا کہ خدا نے کہا تھا **انی معکم** وہ ہمارے ساتھ ہوگا اس میں عزیزم کسی نظری بحث کی ضرورت نہیں' میں پوچھتا ہوں ہے ساتھ وہ تمہارے؟ کیا کیفیت یہ ہے کہ ہر قسم کی تباہ حالیاں ختم ہوگئیں ہر قسم کی خوشگواریاں مل گئیں؟۔ پھر وہیں آ گئے ہم کہ جو مفہوم ہم نے لے لیے ہیں ان الفاظ کے وہ مفہوم وہ نہیں۔ آگے آتی ہے بات۔ ان سے یہ کہا گیا تھا میثاق عہد نامہ لیا تھا کہا تھا کہ یہ یہ شرطیں تم پوری کروانی **معکم** میں تمہارے ساتھ ہوں۔ (**فمن کفر بعد ذٰلک منکم فقد ضل سوآء السبیل**) (5:12) اور اس کے بعد تم میں سے جو اس سے انکار کرے گا ان میں سے کسی چیز کو بھی انکار کر دے گا تو پھر وہ جس منزل پہ اس نے پہنچنا تھا اس سے بہت دور الگ ہو کے کہیں نکل گیا

بھٹک گیا وہاں سے وہ وہاں نہیں پہنچ سکا۔سوال یہ ہے بنی اسرائیل کے متعلق تو آگے بات آئے گی اور وہ آ گئی اس سے یہ دیکھئے کہ کیا اسی کا اطلاق ہم پہ بھی نہیں ہو رہا' قدم قدم وہی کچھ ہو رہا ہے۔(فبما نقضهم ميثاقهم (5:13) انہوں نے اس عہد نامے کو توڑ دیا۔ہم نے کہا تھا یہ کرو گے ہم تمہارے ساتھ ہونگے ہم تو قائم تھے انہوں نے اسے توڑ دیا نتیجہ کیا ہوا؟ (لعنٰهم (5:13)۔پھر اس کا ترجمہ یہ ہوگیا کہ ہم نے ان کے اوپر لعنت برسادی' کیا بات ہوئی' لعنتیں ہو رہی ہیں انہوں نے یہ کچھ کیا تو اللہ تعالٰی نے اس کے مقابلے میں معاف رکھیئے گا اپنے ہاں جیسے وہ کہتے ہیں یہ کچھ کیا تو اللہ تعالٰی نے کہا ''در فٹے منہ تہاڈا''۔لعنت کا یہ مفہوم ہمارے ہاں ہوگیا اور اس کے بعد لعنتیں برسا رہے ہیں ایک دوسرے کے اوپر۔یہ ایک چیز اس کے لیے مباہلہ آیا کرتی ہے بہر حال وہ تو جب آئے گی تو میں عرض کرونگا اس کے معنی یہ لیے جاتے ہیں آمنے سامنے بیٹھ جاؤ اور پھر اس کے اوپر لعنتیں برساؤ۔عزیزانِ من! لعنتیں برسانا سوچئے تو سہی' می نہ سزد خدائے را'۔

لعن کے معنی ہوتا ہے محروم کر دینا کسی کو اس چیز سے۔جو کچھ ہم نے ان سے کہا تھا کہ یہ کچھ ملے گا مشروط تھا اس میثاق کے ساتھ یہ پورا کرو گے یوں کرو گے یہ ملے گا۔نقض میثاق انہوں نے اس معاہدے کو توڑ دیا لعنهم ان چیزوں سے محروم ہوگئے کہ جو اس کے لیے ہم نے مشروط قرار دیا تھا یہ کرو گے یہ ملے گا تم نے نہیں کیا محروم ہوگئے۔کتنی سیدھی سی بات ہے۔اور یہ ہے وہ چیز عزیزانِ من! جس کے لیے میں گذشتہ بھی اور اب بھی بار بار یہ کہتا ہوں کہ یہ مقام جو ہے ڈرو اس مقام سے لعنٰهم یہ وہ مقام ہے جہاں ملی ہوئی نعمتیں چھن جایا کرتی ہیں' نقض میثاق سے ملی ہوئی نعمتیں چھن جایا کرتی ہیں۔(واذكروا نعمت الله) یہاں سے بات شروع کی تھی جماعتِ مؤمنین! تم یاد کرو خدا کی اس نعمت کو' ہجوم کر کے یہ دشمن آ گیا تھا تمہاری سرحدوں کے اوپر' ہم نے روک دیا' بہت بڑی نعمت تھی تمہارے حال پہ بڑی نوازش تھی ہماری۔لیکن یاد رکھو! یہ چیز اس طرح سے ہمیشہ کے لیے نہیں ہوا کرتی نقض میثاق ہوتا ہے لعنٰهم تو پھر ان چیزوں سے محروم کر دیے جاتے ہو۔جب محرومی ہو جاتی ہے تو پھر کیا ہوتا ہے؟ یہاں یہ کہا تھا(جنٰت تجری من تحتها الانهٰر (5:13) یہ کچھ ملتا ہے' جب یہ چیز محرومی ہو جاتی ہے(ضربت عليهم الذلة والمسكنة ??? و بغضب من الله اين ما ??) ذلت محکومی محتاجی اس کی مار ماری گئی ان کے اوپر' جہاں کہیں وہ گئے دنیا میں ذلیل وخوار ہوئے۔یہ ہے لعنت یہ ہے محرومی ان چیزوں سے۔عزیزانِ من! اس کی نعمت کے لیے ہزار بار شکر لیکن یہ مقام جو ہے یہ ہے کانپ جانے کا ڈر جانے کا۔پھر اس کا نتیجہ آگے کیا ہوتا ہے یہ چیزیں چھن گئیں کیفیت کیا قوم کی ہوگئی۔(و جعلنا قلوبهم قٰسية (5:13) ایک تو یہ ہے کہ جرم ہوا اس کا احساس ہوا غلطی ہوگئی ندامت ہوئی آنکھوں میں آنسو آ گئے دل جھک گیا قلب میں لرزش پیدا ہوگئی آئندہ کے لیے احتیاط برتنے کا پھر وعدہ کیا۔اور اگر کیفیت یہ ہو کہ دل ہی پتھر ہو جائے امکان ہی ختم ہو جاتا ہے باز آفرینی کا عزیزانِ من!۔یہ تو سارا دارومدار دلوں کے اوپر ہے۔اس قسم کا سخت ہو جانا۔سورۃ بقرۃ کے

اندر ہی تو یہ بات آئی ہے کتنی سختی تک پہنچ جاتا ہے(ثم قست قلوبکم من بعد ذٰلک) (2:74)اس کے بعد تمہارے دل بڑے سخت ہو گئے۔ (فی کالحجارۃ) (2:74) پہلے کہا مثال کے طور پر سخت ہو گئے پتھروں کی طرح سخت ہو گئے(او اشد قسوۃً) (2:74) پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔کیا بات ہے قرآن کی!! پتھروں سے بھی زیادہ اس لیے کہ (و ان من الحجارۃ لما یتفجر منه الانھٰر و ان منها لما یشقق فیخرج منه المآء و ان منها لما یهبط من خشیة الله) (2:74) پتھروں سے بھی زیادہ سخت کہ پتھروں میں بھی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ بازایسے ہوتے ہیں جن میں سے پانی تو رس کے باہر چلا آتا ہے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو چشمے کی شکل میں پھٹ جاتے ہیں نیچے سے چشمے ابھر کے آجاتے ہیں بعض اس قسم کے بھی Sand Stone وغیرہ کی قسم کی چیزیں ہوتی ہیں کہ پگھل بھی جاتی ہیں۔پتھروں میں تو یہ کچھ ہو جاتا ہے انسان جب سنگدل ہوتا ہے تو اس کے دل میں ان میں سے کوئی صلاحیت باقی نہیں رہتی اس میں سے نہ اشک ندامت ٹپکتا ہے نہ احساس زیاں ہوتا ہے نہ باز آفرینی کے لیے کوئی آرزو اٹھتی ہے دل کے اندر پھر' ان سب چیزوں کے چشمے کے سُوتے خشک ہو جاتے ہیں۔پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو جاتی ہے وہ قوم۔سوچو تو سہی یہ جتنی وعظ ونصیحت اس قوم کو ہوتی ہے اس کی مثال کہیں نہیں ملتی' کوئی اثر کسی قسم کا؟۔وہ پتھر پہ بھی اگر ایک ایک قطرہ پانی کا ٹپکتا رہے تو آپ دیکھتے ہیں کچھ عرصے کے بعد اس میں بھی چھید ہو جاتا ہے۔لیکن انسان کا دل یہ ایسا ہے کہ جب یہ سخت ہوتا ہے کوئی چیز اثر اس کے اوپر نہیں کرتی یہ کیفیت نہ کہیں پیدا ہو جائے۔ہوتا کیا ہے اس میں یہ ہے آگے بات۔وہ مذہب کو بالکلیہ چھوڑ کر تیاگ کے دہریے نہیں ہو جاتے اس کے ساتھ وابستہ رہ جاتے ہیں دین مذہب میں بدل جاتا ہے کیا کیفیت ہو جاتی ہے؟ (یحرفون الکلم عن مواضعه و نسوا حظًا مما ذکروا به) (5:13) کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جو خدا کی طرف سے وہ ضابطۂ قوانین ملا تھا کتاب ملی تھی (یہ پہلی قوموں کے متعلق ہے) اس کا ایک حصہ تو وہ یا تو اس کو کہیے کہ بالکل فراموش کر دیتے ہیں بھلا دیتے ہیں پس پشت ڈال دیتے ہیں (یہ سارے معنی آجاتے ہیں نسیان میں) ضائع بھی کر دیتے ہیں ختم بھی کر دیتے ہیں۔اور جو باقی رہتا ہے کچھ تھوڑا بہت' یہ ہے وہ چیز جس کا اطلاق ہم پہ ہوگا اس لیے کہ جو ہمیں ضابطۂ قوانین قرآنِ کریم دیا گیا ہے اس کا بھلا دینا فراموش کر دینا ضائع ہو جانا یہ تو ناممکن ہو گیا اس کی حفاظت کی ذمہ داری تو خدا نے لے لی تو ہمارے لیے کونسی چیز ہے جس سے ہم سبق سیکھ سکتے ہیں وہ حصہ تو نہیں جس میں یہ ہے کہ انہوں نے اس حصے کو بھلا دیا فراموش کر دیا ضائع ہو گیا' وہ حصہ جو باقی رہا ہمارے پاس تو پورا قرآن باقی ہے ہم کیا کرتے ہیں؟ (یحرفون الکلم عن مواضعه) یہ ہے وہ چیز جو میں ابھی کہہ رہا تھا جس مقام جس مقصد کے لیے کوئی لفظ یا کوئی اصطلاح استعمال ہوئی تھی جو اس کا مقام تھا جس کے لیے وہ استعمال ہوا تھا اس کو اس سے ہٹا دیا۔اس کے الفاظ کو اس کی اصطلاحات کو جو اس کا صحیح مفہوم قرآن کا تھا اس سے ہٹا کے کچھ اور مفہوم اس کا پیدا کر دیا۔الفاظ باقی رہ گئے جس مقام کے لیے وہ آیا تھا جس مفہوم

کے لیے وہ لفظ آیا تھا وہ مفہوم بدل دیا اب رٹتے رہیے الفاظ کو قیامت تک کے لیے۔ یہ ہے جو چیز میں کہہ رہا تھا اقامت صلوٰۃ' ایتائے زکوٰۃ' ایمان بالرسل' اس کی تعظیم اس کا احترام یہ تمام چیزیں(و اقرضتم الله قرضًا حسنًا) (5:12) جسے کہا جاتا ہے قرض حسنہ یہ تمام الفاظ موجود ہیں' ہوا کیا ہے؟ جوان کا مقصود و مطلوب تھا جو صحیح مفہوم تھا قرآن کی رو سے کہ اس سے یہ مقصد ہے ان چیزوں کو اس سے الگ کر دیا مفہوم دوسرا لے لیا۔ یہ تحریف کی بدترین شکل ہے جس میں الفاظ وہی رہتے ہیں الفاظ کا مفہوم بدل جاتا ہے۔ الفاظ تو بجائے خویش کچھ شے ہی نہیں ہوتے عزیزانِ من! وہ تو ایک مفہوم کے اظہار کا ذریعہ ہوتے ہیں اور جب وہ آپ اس سے وہ مفہوم ہی نہ لیں کوئی دوسرا مفہوم اس میں پیدا کر دیں تو الفاظ کا باقی رہنا کیا فائدہ دیتا ہے اس قوم کو۔ قرآن کے الفاظ باقی ہیں مفہوم بدل لیا ہم نے۔ اس کا علاج وہ خود بتاتا ہے وہ کہتا ہے کہ میں خود اپنے الفاظ کا مفہوم متعین کر کے دیتا ہوں تمہیں' مجھ سے پوچھو کہ اس کے معنی کیا ہیں جو میں نے مفہوم دیا ہے وہ مفہوم ان الفاظ کا لو۔ تو ظاہر ہے کہ مصنف جو مفہوم بیان کرے گا اپنے الفاظ کا' دوسرا تو کوئی بیان کر ہی نہیں سکتا اور پھر خدا ہو مصنف اور وہی بیان کرے اپنا مفہوم۔ یہ ہے وہ جو تحریف ہوتی ہے کہ وہ الفاظ تو اسی طرح سے رہتے ہیں مفہوم بدل دیا جاتا ہے۔ قرآن کا عزیزانِ من! مفہوم بدل دیا یہ ہے جو سازش ہوئی ہے آپ کے ساتھ۔ اور اس کے لیے پھر کہیں سے کوئی آنے والا نہیں آ کے آپ کو بتائے گا اس قرآن کے اندر یہ چیز موجود ہے وہ کہتا ہے کہ میں اپنے الفاظ کا مفہوم متعین کر کے دیتا ہوں تمہیں' مجھ سے پوچھو۔ لیکن اس تحریف کے لیے بڑے بڑے مقدس عقیدے آپ کے ہاں وضع ہو گئے۔ حضورﷺ کی وفات کے تین چار سو سال کے بعد لوگوں نے اکٹھے ہو کے کچھ روایتیں اکٹھی کیں ان روایات کی رو سے قرآن کے ان الفاظ کے مفہوم متعین کر دیے جو ان کے مقام سے بالکل الگ تھے۔ اس کے بعد کیفیت یہ پیدا کی کہ کوئی شخص اگر ان کا مفہوم قرآن سے متعین کرتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ صاحب دیکھئے تو سہی یہ ایک نئی قسم کا ہی دین لے کے آ گئے ہیں' لو! قرآن کسی کی سمجھ میں پہلے آیا ہی نہیں تھا۔ اور اس سے بھی آگے جب بڑھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ سوچئے کہ ایک مفہوم رسول اللہﷺ نے دیا ہو اور ایک مفہوم یہ دے رہے ہوں کونسا قابل قبول ہو گا۔ کونسا مسلمان ہے عزیزانِ من! جو اس وقت یہ کہہ دے گا کہ وہ قابل قبول نہیں (معاذ اللہ) اور کسی دوسرے کا قابل قبول ہے۔ یعنی وہ چیزیں جو تین چار سو سال بعد بیٹھ کے انسانوں نے خود گھڑیں خود وضع کیں خود ان کو داخل کیا منسوب کر دیا رسول اللہﷺ کی طرف اب وہ دلیل ہو گئی کہ یہ تو اٹل ہو گئیں صاحب۔ جی ہاں! میں کہہ رہا تھا اور یہ بڑی اہم چیز ہے یہ جو آیت ہے(یحرفون الکلم عن مواضعه) (5:13) اس کے متعلق ہمیں یہ کہہ کے آگے بڑھ جاتے ہیں کہ انہوں نے تحریف کر دی تھی اپنی کتابوں میں وہ اصلی شکل میں باقی نہ رہی۔ تو اس سے ہم مطمئن ہو گئے کہ ہم نے تو قرآن کریم میں تحریف نہیں کی نا وہ تو اسی طرح سے ہے۔ گویا یہ چیز بھی صرف یہودیوں تک عیسائیوں تک محدود ہو کے رہ گئی ہم اس سے بھی بچ کے نکل گئے حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ (یحرفون الکلم عن

مواضعه) (5:13) جس مقصد کے لیے کوئی لفظ استعمال کیا گیا تھا کوئی بات کی گئی تھی اس کو وہاں سے ہٹا دیا یہ ہے جو کچھ ہم کر رہے ہیں۔ میں نے جیسے عرض کیا تھا قرآن میں آگے ایک لفظ ہے (ولا تزال تطلع علٰی خآئنةٍ منهم الا قليلًا منهم) (5:13) یہ جو خیانت ہوئی ہے یہ جو سازش ہوئی ہے دین کے ساتھ' اے رسول! ان میں سے کچھ ایسے ہیں کہ جو اس میں شریک نہیں ورنہ یہ ایک سازش ہے ایک خیانت ہے جو انہوں نے کی ہے ہم تمہیں اس سے مطلع کریں گے کرتے جا رہے ہیں تمہیں معلوم ہوتا جا رہا ہے کہ یہ کیا سازش ہوئی ہے۔ دین کے خلاف یہ بہت بڑی سازش ہے کہ اس کے الفاظ تو اسی طرح سے قائم رکھے جائیں اور ان کا مفہوم بدل دیا جائے۔ کتنی جلدی فریب میں آتا ہے۔ ہمارا حافظ تراویحوں میں ایک لفظ اگر غلط پڑھتا ہے تو پیچھے جو سامع ہیں بیک زبان پکار اٹھتے ہیں کہ غلط ہے یعنی وہ صحیح لفظ کا پکار اٹھتے ہیں اس کو آگے نہیں بڑھنے دیتے۔ چھپے ہوئے قرآن میں کہیں ایک لفظ کی غلطی آ جاتی ہے اس کے متعلق اشتہار دیدیے جاتے ہیں۔ ٹھیک ہے۔ لفظ میں اگر تحریف کر دی جائے اس کو تو فوراً Detect کر لیا جاتا ہے لیکن اس لفظ کے مفہوم اور معنی کو بدل دیا جائے تو اس لفظ کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں رہتی اور اس کے خلاف کسی کا جذبہ بھی بیدار نہیں ہوتا۔ قرآن اسے خیانت کہہ رہا ہے یہ ہے خیانت جو ہوتی ہے مفہوم کو بدل دیا جائے۔

میں عرض یہ کر رہا تھا کہ اگر نبی اکرم ﷺ جیسا کہ حضور ﷺ نے قرآن کریم کو دیا تھا اسی طرح سے قرآن کے ان الفاظ کے معنی بھی متعین کر کے حضور ﷺ دیدیتے تو ٹھیک ہے اس کے بعد کس مسلمان کی جرأت تھی جو یہ کہتا کہ میں ان سے بہتر مفہوم سمجھتا ہوں یا یہ مفہوم صحیح نہیں ہے (معاذ اللہ)۔ لیکن حضور ﷺ نے ایسا نہیں کیا' ختمِ نبوت ﷺ پہ جب آئے گی بات تو میں عرض کرونگا کتنا بڑا احسان ہے جو یہ ایسا نہیں کیا گیا۔ قرآنِ کریم قیامت تک کے لیے تمام نوعِ انسانی کے لیے ضابطۂ ہدایت ہے۔ انسانیت کے تقاضے بڑھتے چلے جاتے ہیں اس کے علم میں ترقی ہوتی چلی جاتی ہے انکشافات ہوتے چلے جاتے ہیں انسانی علم کی سطحیں بلند ہوتی چلی جاتی ہیں۔ یا تو نبی اکرم ﷺ اس قسم کی قرآن کی تفسیر بیان فرماتے کہ جو قیامت تک آنے والے علوم کے اوپر حاوی ہوتی (ظاہر ہے کہ ایسا ممکن نہیں تھا) اور یا وہ ایسی صورت ہوتی کہ اس دور میں جو لوگ تھے انہی کی سطح تک کے لیے ہوتی وہ آگے نہیں چل سکتی تھی۔ کس قدر بڑی حکمت نبوی ﷺ ہے کہ قرآن کے الفاظ کو اسی طرح سے محفوظ کر کے دیدیا اور خود ان کی تفسیر جو ہے وہ نہیں محفوظ کر کے دیدی کہ وہ محدود ہو جاتی۔ لیکن جو کچھ نہ خدا نے چاہا نہ اس کے رسول ﷺ نے کیا بعد میں یہ کچھ ہمارے ساتھ ہوا تین سو سال کے بعد ان الفاظ کے مفہوم مرتب کیے قال رسول اللہ اس کے ساتھ لگایا اور وہ تفسیر ہو گئی نبی اکرم ﷺ کی بیان کردہ اب اس سے آپ ادھر اُدھر ہٹ نہیں سکتے۔ کچھ لوگوں نے یہ جو روایات کا علم تھا اس کے اوپر تنقید شروع کی اسماء الرجال آگے آیا کہ یہ راوی صحیح ہے یہ ثقہ ہے یہ قابل اعتماد نہیں ہے۔ ان کو پرکھنے کے لیے یہ بات شروع ہوئی اس سے بھی یہ ہوا کہ انہوں نے سرفہرست یہ بھی بات لکھ دی کہ جو روایت قرآن کے خلاف ہوگی

اسے نہیں صحیح مانا جائے گا (کسی نے عمل نہیں اس پہ کیا) لیکن کچھ نہ کچھ اس میں رخنے پڑے۔ تو اس کے بعد اور عقیدے وضع کیے گئے وہ تھے آنے والے کا عقیدہ کہ خدا کی طرف سے مامور آیا کریں گے وہ ان کے معنی بتایا کریں گے تمہیں۔ یعنی امت پھر بھی اپنے طور پہ علم و بصیرت کی رو سے غور و فکر کی رو سے وہ خود نہیں ان کے معنی متعین کرے گی۔ قرآن نے کہا تھا قرآن ان کے معنی متعین کرتا ہے غور و فکر کرو تدبر سے تفکر سے علم سے بصیرت سے ان کے معنی متعین ہو سکتے ہیں کرو یہ ان کے معنی خود متعین کرو۔ وہ جو پہلی چیز تھی کہ ایک دفعہ کے معنی متعین کیے ہوئے وہ محدود ہو کے رہ گئے اس سے ادھر اُدھر نہیں ہوتے اس سے کچھ گنجائش نکلی تھی جن لوگوں نے تنقید شروع کی روایات پر کہ وہاں سے ہٹ کے کچھ وہ کریں۔ اگر یہ ایسا کرنے والوں کے خلاف بہت کچھ ہوا لیکن پھر بھی ایک میدان نکلا۔ ایک اور عقیدہ وضع کر دیا کہ نہیں صاحب! آسمان سے مامور آیا کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کردہ تفسیر کی طرف منسوب کردہ تفسیر کے متعلق تو پھر بھی یہ کہہ دیا گیا کہ صاحب! تین سو سال کے بعد یہ روایات بنیں پتہ نہیں ان میں سے کتنا حصہ رسول اللہ ﷺ کا ہے کونسی بات آپ ﷺ نے کہی لوگوں نے کیا اس کو سمجھا کیسے آئی۔ لیکن اگر ایک مامور آپ کے اندر آ جاتا ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ یہ جو میں مفہوم بیان کرتا ہوں یہ میں نہیں بیان کرتا خدا نے یہ مفہوم دیا ہے تمہیں، ختم ہو گئے آپ۔ اس سے بھی زیادہ قدغن لگ گئی آپ کے اوپر۔ رسول ﷺ کی طرف منسوب کردہ روایت کے متعلق تو گنجائش تھی یہ کہنے کی کہ یہ تو قول منسوب الی الرسول ہے معلوم نہیں حضور ﷺ کا ہے یا نہیں۔ اور اگر آپ کے سامنے کوئی آ جائے اور وہ یہ بات کہے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں یہ میں نہیں کہہ رہا یہ خدا کا متعین کردہ مفہوم ہے سوچئے تو سہی کہ جو اس کے اوپر ایمان لے آئے اسے مان لے اس کے لیے کوئی گنجائش بھی رہ جاتی ہے کہ عقل و فکر سے قرآن سے معلوم کر لے کہ اس کے معنی کیا ہیں، وہ کہتا ہے یہ تو خدا نے بیان کیا ہے۔ یعنی رسول ﷺ کا بیان کردہ ہی ایسا تھا جو منسوب تھا رسول ﷺ کی طرف تو اسی میں سے گنجائش نہیں تھی ادھر اُدھر نکلنے کی اور جو کہا جائے یہ خدا کا بیان کردہ ہے لو بھائی۔ آنے والے کا عقیدہ، جس مقصد کے لیے نبوت کو ختم کیا گیا تھا یہ جو عقیدے تھے انہوں نے اس میں شگاف ڈال دیا بات وہیں کی وہیں رہ گئی۔ جو بھی اس چیز کو تسلیم کر لے گا اس کے لیے کوئی چارہ ہی نہیں ہے کہ جو کچھ وہ کہے اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے کیونکہ وہ تو خدا کا بیان کردہ ہے۔ یہ تمام عقائد عزیزانِ من! قیامت ہے مجوسیت ہے؟؟؟ کلچر میں یہ چیز تھی آنے والے کا عقیدہ۔ ختم نبوت ﷺ نے آ کر یہ جو تصور تھا مجوسیت کا اس کو ختم کیا ہے، بہت بڑا احسان ہے انسانیت کے اوپر۔ غیر متبدل قوانین، ضوابط یہ دیے محفوظ کر کے رکھ دیا اور اس کے بعد کہا ہر دور کے انسان اپنے دور کی علمی سطح کے مطابق ان کے مفاہیم متعین کریں گے قرآنِ کریم کی روشنی میں کیونکہ قرآن نے خود مفہوم ان کے متعین کیے ہیں۔ یعنی متعین تو قرآن نے کیے ہیں ان کو سمجھا جائے گا ہر دور کے انسان اپنے اپنے دور کی علمی سطح کے مطابق۔ اور بڑی چیز جو انسان کو آزادی حاصل ہوئی ختم نبوت ﷺ ہے۔ اب دلیل و برہان سے علم کی رو سے آپ کسی کو بیان کردہ مفہوم

کی مخالفت کر سکتے ہیں آپ کہہ سکتے ہیں یہ قرآن کے مطابق نہیں ہے' دلیل دیجئے' قرآن کی دلیل دے کر بات صاف ہوگئی۔ آپ اس کے متعلق جو کہتے ہیں کہ یہ حقائق ہیں علم کی رو سے اس کی تائید لائیے علم تائید اس کی نہیں کرتا آپ کو شکست ہوگئی نہیں مانا جائے گا اور پھر کوئی شخص اس کے اوپر مجبور نہیں ہوگا کہ بالضرور آپ کے ساتھ متفق ہو۔ لیکن جونہی آپ نے مان لیا کہ یہ خدا کی طرف سے ہے اس کا نام آپ رسول رکھ لیجیے اس کا نام آپ مامور رکھ لیجیے کہ جو بات یہ کہہ رہا ہے یہ اس کی نہیں ہے خدا کی بات ہے آپ اس سے اختلاف نہیں کر سکتے آپ کی آزادیاں سلب ہوگئیں غور و فکر کی صلاحیتیں مفقود ہوگئیں مفلوج ہوگئیں آپ کی' آپ وہیں رک گئے۔ یہ تمام چیزیں (یحرفون الکلم عن مواضعہ) (5:13)۔ قرآن کا دعویٰ ہے عزیزانِ من! کہ وہ اپنے مفہوم کو خود واضح کرتا ہے اس کے سمجھنے کے لیے اس کی تائید کے لیے اس کے شواہد کے لیے انسانی علم' فکر و تدبر' غور و شعور یہ چیزیں ساتھ ہوں قرآن اپنے معانی آپ بیان کرتا ہے۔ ابھی بات آتی ہے دیکھئے (نورًا کتاب مبین) ابھی یہاں آئے گا۔ (ولا تزال تطلع علٰی خآئنة منھم الا قلیلًا منھم) (5:13) یہ خیانت جو ان لوگوں نے کی ہوئی ہے ہم تمہیں مطلع کرتے جائیں گے یہ بات بھی ان کی غلط ہے یہ بات بھی یہ غلط کہہ رہے ہیں یہ بھی خدا کی طرف سے نہیں ہے یہ ہم کرتے چلے جائیں گے۔ لیکن یہ تو اس چیز کو اپنا عقیدہ سمجھتے ہیں مذہب سمجھتے ہیں اپنا دین سمجھتے ہیں کہتے ہیں ہمارے رسول نے یہ کہا ہمارے خدا نے یہ کہا' جب کوئی عقیدہ یہ اپنے ذہن کے اندر وضع کر لے تو پھر تو وہ اس کو چھوڑ ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا یہ ان کے ساتھ ان معاملوں کے اندر جنہیں یہ یوں دین سمجھ رہے ہیں جھگڑنے کی ضرورت نہیں ہے' اپنی بات پیش کرتے چلے جاؤ' مناظرے مت کرو ان کے ساتھ' مباحثے مت کرو ان کے ساتھ' بات پیش کرتے چلے جاؤ۔ (فاعف عنھم واصفح) (5:13) گذر جاؤ آگے ان سے لیکن اپنی بات پیش کرتے چلے جاؤ ان خاردار جھاڑیوں کے ساتھ اپنے دامن مت الجھاؤ سارا وقت توانائی تمہاری اس میں صرف ہوجائے گی' بات پیش کرتے چلے جاؤ۔ (ان اللہ یحب المحسنین) (5:13) اور اس کے ساتھ یہ کہ حسن کارانہ انداز سے اپنی زندگی بسر کرتے جاؤ۔ یہ انہوں نے کیا تھا (ومن الذین قالوا انا نصٰرٰی اخذنا میثاقھم فنسوا حظًا مما ذکروا بہ فاغرینا بینھم العداوة و البغضآء الی یوم القیٰمة و سوف ینبئھم اللہ بما کانوا یصنعون) (5:13) یہودی تھے یہ' ان نصارٰی کو دیکھئے انہوں نے بھی یہی کیا جو معاہدہ کیا تھا خدا کے ساتھ اس کو فراموش کر دیا اس کو توڑ دیا۔ جو کچھ انہیں دیا گیا تھا اسے بھی فراموش کر دیا ترک کر دیا پس پشت ڈال دیا ضائع ہوگیا اصلی شکل میں باقی نہ رہا۔ اور ان کی کیفیت یہ ہوگئی ان میں فرقے اتنے پیدا ہوگئے کہ باہمی عداوت چپک کر رہ گئی ان کے ساتھ' قیامت تک کے لیے یہ کیفیت ان کی رہے گی۔ یہ جو ہمارے محاورہ ہوتا ہے نا ہم بھی کہتے ہیں 'قیامت تک یہ نہیں ہوسکے گا' اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہاں تک کا ٹائم ہم کہہ رہے ہیں اس کے معنی یہ ہوتا ہے شدت کے ساتھ ایک چیز کو کہنا کہ کبھی ایسا نہیں ہوگا۔ فرقے مذہب میں جو پیدا ہوتے ہیں

جب تک وہ قوم مذہب پہ رہتی ہے فرقہ نہیں مٹ سکتا' سیدھی سی بات ہے۔ فرقوں کی بناء پہ جو عداوت پیدا ہوتی ہے وہ عداوت مٹ نہیں سکتی۔ وہ تو اسی صورت میں ہے کہ مذہب کو دین سے بدل دیا جائے۔ اور دین کے معنی یہ ہیں کہ ایک نظام آپ کا ہو جو ہر اختلافی معاملے میں فیصلہ دے وہ جیسے آپ کے ہاں کی عدالت فرقہ مٹا دیتی ہے۔ دو فریق جاتے ہیں نا وہاں' اپنا اپنا Cause بیان کرتے ہیں دونوں جب بیان کرتے ہیں تو اس شدت سے اپنی بات پہ اڑے ہوئے ہوتے ہیں کہ میں ہی سچ کہتا ہوں یہ غلط کہتا ہے۔ وکیل بھی اس کا اس کی تائید کر رہا ہے گواہ بھی یہ بھگتا رہے ہیں اُدھر سے وہ بھگتا رہے ہیں۔ دیکھا! آپس میں تفرقہ کتنا ہوتا ہے ان دونوں میں اور جب عدالت فیصلہ دیدیتی ہے تفرقہ مٹ جاتا ہے۔ تفرقہ مٹانے کا طریق یہ ہے کہ ایک نظام ہو اس کا مرکز ہو اس کا ایک نظم و نسق ہو جہاں Finally آپ کو؟؟ مل جائے اختلافی معاملات سے۔ اور وہ اختلافی معاملات کو مٹائے قرآن کی روشنی میں' بس یہ دین ہے۔ یہ جو کہا ہے کہ ان نصاریٰ کا تو کبھی مٹ ہی نہیں سکتا اس کی وجہ یہ ہے عیسائیت میں دین انفرادی ہے پرائیویٹ چیز ہے اس میں نظام کا تصور ہی نہیں ہے اس میں قانون کی بات ہی نہیں ہے۔ ساری انجیل میں قانون ہے ہی کوئی نہیں' صرف ایک ہے وہ قانون کہ طلاق نہیں دے سکتے بجز زنا کے' بس اور کوئی قانون نہیں ہے اس میں' اس میں سارا مذہب ان کا جو ہے پرائیویٹ ہے۔ یہودیت کا مذہب نسلی' غیر یہودی اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔ عیسائیت کا مذہب پرائیویٹ' اس کو دنیاوی معاملات سے تعلق کوئی نہیں ہے۔ اور جس مذہب میں دین کا تصور یا نظام کا تصور نہ ہو اس کے فرقے مٹ کیسے سکتے ہیں۔ اور عیسائیت ہی بات نہیں ہے مسلمان بھی اس مقام پہ آ گیا ہے۔ جب تک یہ اس مقام پہ رہے گا مذہب کے ساتھ چپکا ہوا رہے گا فرقہ اس کا بھی کوئی نہیں مٹ سکتا آج تک نہیں مٹا۔ یہ تو دین میں جا کے فرقہ مٹے گا کہ نظام قائم ہو جائے اور تمام اس چیز کے اوپر Agree کر لیں کہ صاحب ہاں! اس نظام کی مقرر کردہ جو مشینری ہو گی وہ قرآن کی روشنی میں جو فیصلہ دے گی ہم سب کے لیے قابل قبول ہو گا' فرقہ مٹ جائے گا۔ کہا ان کے فرقے مٹ نہیں سکتے (وسوف ینبئهم الله بما کانوا یصنعون (5:14) کیا لفظ ہے یصنعون : جو کچھ انہوں نے یہ کاریگری اپنے ہاتھوں سے مصنوعی بنائی ہوئی ہے' یہ صنعت ہوتی ہے صنع کے معنی ہوتا ہے اپنے ہاتھ سے کوئی چیز بنانا' صنعت و حرفت ہم کہتے ہیں۔ کہتا ہے دین تو خدا کی طرف سے ملا ہوا ہوتا ہے یہ جو انسانوں نے اپنی کاریگریاں کر دی ہیں نا اس میں' اب قرآن آ گیا ہے تو ہم بتا دیں گے کہ اس میں اپنے ہاتھوں کی کاریگری کا کتنا دخل ہے اور خدا کی طرف سے کتنی بات اس میں آئے گی یہ بات صاف ہو جائے گی۔ قرآن نے آ کے یہ کچھ بتایا۔ (یٰاھل الکتٰب) (5:15) اب وہ بات آ گئی کہ بتایا کس طرح سے ہے' مقام کیا ہے قرآن کا!! (یٰاھل الکتٰب قد جآء کم رسولنا یبین لکم کثیرًا مما کنتم تخفون من الکتٰب و یعفوا عن کثیرہ قد جآء کم من الله نور و کتٰب مبین . یهدی به الله من اتبع رضوانه سبل السلٰم و یخرجهم من الظلمٰت الی النور باذنه و یهدیهم الٰی

صراط مستقیم (5:15-16)

اے اہل کتاب! وہ تمہاری طرف ہمارا ایک اور رسول آ گیا جن باتوں کو تم چھپاتے تھے یہ ان کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ تھا خدا کا دین جس کو تم نے چھپا دیا' چھوٹی چھوٹی چیزیں جن کو تم نے شریعت میں اپنے ہاں اتنی اہمیت دے رکھی ہے اور وہ دین کی باتیں نہیں تھیں ان سے یہ غیر متعلق رہے گا ان سے یہ بحث نہیں کرے گا' دین ہے اس کو نئے سرے سے قائم کرے گا۔ یاد رکھو! تمہاری طرف' خدا کی طرف سے تمہاری سمت نور آ گیا۔ عزیزانِ من! جسے نور کہا گیا روشنی آ گیا اب اس روشنی کو تلاش کرنے کے لیے دیے جلانے کی ضرورت ہوگی آپ کو؟ روشنی تو خود ہر شے کو روشن کرتی ہے' روشنی محتاج ہی نہیں ہوتی اس بات کے لیے کہ اسے کسی اور دیے سے جا کے تلاش کیا جائے۔ روشنی آ گئی تمہاری طرف' ذہنوں کے لیے جلا' قلوب کے لیے روشنی' آنکھوں کے لیے بصیرت' علم' برہان یہ قرآن کے الفاظ ہیں (کتٰب مبین) وہ کتاب جو ہر شے کو واضح کر دینے والی ہے۔ یہ ہیں جو خدا نے اپنی کتاب کے متعلق کہا۔ اور ہمارے عقائد اس کے متعلق یہ ہیں کہ نہیں صاحب! مجمل ہے' بات صاف نہیں کرتی' غیر واضح ہے (معاذ اللہ)' مبہم ہے' سو سو تفسیروں کی محتاج ہے ایک ایک آیت اور پھر روایات کی محتاج ہے صاحب۔ اور پھر آگے بڑھے کہ نہیں صاحب! یہ اب انسانوں کے بس کی بات ہی نہیں ہے کہ یہ سمجھ سکیں تو خدا کو خود بھیجنا پڑے گا کسی کو کہ جاؤ میری کتاب کو سمجھا کے آؤ۔ (نور و کتٰب مبین . یھدی به الله من اتبع رضوانه) جو بھی ہم آہنگ رہنا چاہے گا اس کے بتائے ہوئے راستے سے اس کی بتائی ہوئی ہدایات سے اس کو وہ سلامتی کے راستوں کی طرف ہدایت کرتا چلا جائے گا۔ یہی چاہتا ہے نا انسان' سلامتی کے راستوں کی طرف ہدایت کرتا چلا جائے گا۔ منزل مقصود ایک ہوگی یہاں سبل السلٰم کہا ہے اپنے اپنے شعبے کی طرف سے اس طرف جانے کے لیے راستے اور ہونگے معاشیات کا راستہ ہوگا' معیشت کا راستہ ہوگا' معاشرت کا ہوگا' تمدن کا ہوگا' سیاست کا ہوگا' عسکری زندگی کا ہوگا یہ تمام چیزیں یہ مختلف راستے ہونگے جو چلے جائیں گے۔ سبل : یہ جو ایک بڑی شاہراہ ہوتی ہے جتنے چھوٹے چھوٹے راستے اس میں جا کے مل جاتے ہیں انہیں عربی زبان میں سبیل کہا جاتا ہے۔ زندگی کی شاہراہ تو جو ہے وہ صراط مستقیم ہے اس نے متعین کی' زندگی کے گوشے تو مختلف ہوتے ہیں لیکن ہر چھوٹا راستہ وہی سیدھا قرار پائے گا جو آخر میں جا کے شاہراہ میں مل جائے۔ اگر وہاں تک نہیں پہنچتا راستے میں ہی Blind ہو جاتا ہے وہاں رک جاتا ہے بیکار ہے اور اگر وہاں پہنچانے کی بجائے وہ دوسری جگہ جا پہنچتا ہے باطل ہے۔ (و یخرجھم من الظلمٰت الی النور باذنه) (5:16) اور یہ کتاب خدا کے قانون کے مطابق تاریکیوں سے نور کی طرف لے آتی ہے نکال دیتی ہے تاریکیوں سے۔ دیکھئے! اس کتاب کے متعلق کتاب کا دینے والا کیا کہہ رہا ہے!! یہ کتاب نکال دے گی تمہیں تاریکیوں سے۔ (و یھدیھم الٰی صراط مستقیم) (5:16) وہ بات آ گئی مختلف سبل ہونگے ان کے اوپر چلاتا ہوا اس زندگی کی بڑی شاہراہ کے اوپر لے آئے گا کہ

جس شاہراہ کے اوپر سورۃ ھود میں ہے کہ خود خدا آگے جارہا ہے (ان ربی الٰی صراط مستقیم) اور اس کے پیچھے پیچھے یہ مصلی (یہ لفظ ہے عربی زبان کا) پیچھے پیچھے اس کے ساتھ ساتھ جانے والے جو ہیں صراط مستقیم کے اوپر منزل مقصود کے اوپر یوں پہنچ جائیں گے کارواں در کارواں۔ عیسائیوں کا ذکر آیا تھا کہا انتہا ہے باطل کے عقیدوں کی۔ (لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم) (5:17) ان نصاریٰ کی طرف دیکھئے! خدا کا رسول ہے وہ کہتے ہیں خود خدا ہی ہے۔ ہمارے ہاں سے بھی عیسائیوں کے اوپر تو بڑا سخت اعتراض کیا جاتا ہے کرنا بھی چاہیے کہ صاحب اسے کہتے ہیں خود خدا ہے یہ۔ اور جو بڑے فخر سے مسجدوں میں باوضو ہو کے حلقے باندھ کے نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ کہتے ہیں کہ

وہی جو مستویٔ عرش ہے خدا ہو کر

اتر پڑا وہ مدینے میں مصطفیٰ ﷺ ہو کر

اس کے بعد نعرے گونجتے ہیں توحید کے۔ یہی چیز تو اردو میں کہی۔ قرآن نے کہا (ان اللہ ھو المسیح ابن مریم) (5:17) وہی جو اللہ ہے وہ یہ ہے مسیح اور جو ہم بیان کریں کہ

وہی جو مستویٔ عرش ہے خدا ہو کر

اتر پڑا وہ مدینے میں مصطفیٰ ﷺ ہو کر

بڑے فخر سے۔ میں نے جیسا کہ وہ غلو کی آیت میں بیان کیا تھا جب ان سے کہا جائے بابا! تم کیا کہہ رہے ہو' کہتے ہیں

مجھے معذور رکھ میں مست صحابہؓ محبت ہوں

یعنی عیسائیوں نے عداوت کی رو سے کہا تھا اپنے پیغمبر کو خدا؟ وہ بھی تو غلو محبت تھا۔ کہتا ہے مجھے معذور رکھ ''او ہناں نوں پھڑ لے جاکے' میں مست صحابہؓ محبت ہوں' میں بھنگ پیتی ہوئی اے' تے ٹھیک ہے جیہڑا نشے اچ ہوندا اے اوہدے تے جرم ای کوئی نئیں ہوندا۔ گل ٹھیک کہہ گئے بڑے کاریگر نیں اے لوگ''۔ جی عزیزانِ من! آپ سمجھتے ہیں کہ ان عقائد کے لیے جو کچھ ان کے ساتھ ہوا آپ کے ساتھ نہیں ہوا' ابھی بتاتا ہے قرآن۔ (قل فمن یملک من اللہ شیئاً ان اراد ان یھلک المسیح ابن مریم و امہ و من فی الارض جمیعًا) (5:17) انہوں نے خدا کو پہچانا ہی نہیں (ما قدر اللہ حقا قدرہ) خدا کا اندازہ ہی یہ نہیں لگا سکے۔ اس کو بیٹے بنانے کی ضرورت ہے؟ وہ خود خدا بشکل انسانی دنیا میں آئے گا تاکہ صلیب کے اوپر جان دیدے اور انسانوں کے گناہوں کا کفارہ دیدے' انہوں نے سمجھا ہی نہیں ہے کہ خدا کیا ہے۔ خدا وہ ہے کہ جو تمام کائنات کی قدرتیں تمام کائنات کا اقتدار زمام اقتدار اس کے ہاتھ میں ہے اس کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں کہ جسے یہ خدا کہہ رہے ہیں ان کے اس

خدا کو اس خدا کی ماں کو ان سب کو ہلاک کر کے رکھ دے ۔ اندازہ لگایئے ۔ انہوں نے بچت کی شکل نکال لی کہ نہیں صاحب ! حضرت مسیحؑ جو ہے وہ وفات ہی انہوں نے نہیں پائی' خدا جو بنایا تھا' وفات ہی نہیں پائی' یہ مان لیں تو ان کا تو وہ خدا ختم ہو جاتا ہے' ان کو بٹھایا آسمان پہ۔ اس قوم کو دیکھئے یعنی اس عقیدے کی تردید بھی کرتے ہیں اور یہ بھی مانتے ہیں کہ ہاں صاحب ! ٹھیک ہے وفات نہیں انہوں نے پائی آسمان پہ چلے گئے ۔ یہاں تک تو ٹھیک رہا اور آگے پھر مجوسیت' اُنہوں نے کہا تھا کہ وہ آئیں گے' ان آسمان پہ بٹھانے والوں نے بھی کہا کہ ہاں صاحب وہ آئیں گے ۔ اس کی تو تردید ہوئی لیکن اس کی تائید کس طرح سے ہوئی ؟ کہا کہ وہ نہیں آئیں گے مسیح میں مسیح ایک آئے گا آئے گا ضرور جناب ۔ یعنی یہ آئے گا والی بات عزیزانِ من ! یہ ہے جو قرآن نے کہی ہے' جب بھی آپ یہ تصور کر لیں کہ کوئی آنے والا آ کے آپ کے مسائل کا حل کرے گا

؎ مردِ از غیر بریں آید کارے کند

آپ کے ہاں جو ہے قوم ساری مفلوج ہو کے رہ جائے گی انتظار کرتی رہے گی بیٹھی' آئے گا آنے والا ۔ دیکھتے ہیں نا بچہ جب خود اٹھنے کے قابل نہیں ہوتا جب گرتا ہے تو وہ روتا ہے پیچھے کو دیکھتا ہے امی امی وہ پکار اٹھتا ہے وہ اس لیے کہ وہ خود اٹھنے کے قابل نہیں ہوتا وہ کسی اٹھانے والے کا انتظار کرتا ہے ۔ لیکن وہی بچے میں دیکھ رہا ہوں جو پکارا کرتے تھے مجھے' شام کو اب (سات آٹھ برس کے ہی ہیں ماشاءاللہ) یہاں وہ دوڑتے ہیں کھیلتے ہیں وہ گرتا ہے گرنے کے بعد پھر اٹھ جاتا ہے پھر ادھر گرتا ہے وہ بھی پھر اٹھ جاتا ہے' اب وہ کبھی آواز نہیں دیتے ۔ بچہ بڑا ہو جاتا ہے اور اسے پھر خود اٹھنے کی عادت پڑنی چاہیے ۔ اگر ساری عمر آپ اس کو یہی کہیں کہ جب گرو آواز دیا کرو اٹھانے والا آئے گا کبھی بھی بچہ خود اٹھنے کے قابل نہیں ہو سکے گا ۔ ختم نبوت ﷺ احسان تھا خدا کا انسانیت کے اوپر کہ اس نے کہا کہ انسانیت بالغ ہو گئی ہے گرتی ہے خود اٹھو کوئی نہیں آئے گا اب اٹھانے والا' اللہ اکبر ۔ اٹھنا چاہتے ہو تو اٹھو گرنا چاہتے ہو تو گرے رہو ریلا آئے گا پیچھے سے انسانیت کا کچل کے رکھ دے گا' کوئی اٹھانے والا اب نہیں آئے گا خود اٹھنا پڑے گا تمہیں ۔ اتنا Self Confidence Create کرنے کے لیے ختم نبوت ﷺ کا عقیدہ آیا' اس سازش نے تباہ کر کے رکھ دیا' پھر آنے والا کوئی آئے گا' ۔ کس کس شکل میں وہ آنے والے کے عقیدے آئے صاحب وہ مہدی منتظر کی شکل میں آئے گا مامور من اللہ ہو کے آئے گا مسیح آئے گا مثال مسیح آئے گا مجدد آئے گا آئے گا اٹھانے والا ہی آئے گا تم نہیں اٹھ سکتے' Psychologically تباہ کر دیا قوم کو ۔ آنے والا آخری مرتبہ آ گیا یہ کتاب دے گیا ۔ انسانیت بالغ ہو گئی اب تمہیں خود اٹھنا ہو گا اٹھنا چاہو اٹھو نہیں اٹھنا چاہتے تباہ ہو جاؤ' آئے گا کوئی نہیں ۔ (و لله ملک السمٰوٰت و الارض وما بينهما يخلق ما يشآء و الله علىٰ كل شيء قدير) (5:17) سوال ہی نہیں ہے کہ وہ خود آتا پھرے وہ بیٹے بناتا پھرے اس طرح سے بار بار تمہارے اٹھانے کے لیے بھیجتا چلا جائے' بھیجنا ہوتا تو وہ ختم نبوت ﷺ کیوں کر دیتا' ضرورت ہی نہیں

ہے۔ باقی رہا اس کا اتباع' وہ تمہارے اٹھنے کا محتاج ہے کہ تم اٹھے تو اس کا کوئی بگڑا ہوا کام سنورے۔ ساری کائنات میں اس کا اقتدار ہے صاحب' کس حسن وخوبی سے یہ اقتدار اس کا دمکتا چمکتا نظر آ رہا ہے۔ بے ساختہ میری آنکھیں ان پھولوں کی طرف اٹھ گئیں۔ کل ہی یہ بالکل؟؟ تھا درخت' ذرا اس میں زندگی کا تازگی کا شگفتگی کا نام ونشان نہیں تھا' اس کا اقتدار اس کا قانون کس طرح کارفرما ہے کچھ معلوم نہیں تھا۔ ایک ہفتے کے اندر اندر آپ دیکھئے کہ شعلۂ طور کی طرح لہلہار ہا ہے میرے سامنے وہ درخت' یہ ہے اس کا اقتدار۔ وہاں تو اس کا قانون کارفرما ہے کہ ان کے اندر زندگی کی نمود دوبارہ ہو جاتی ہے' انسانوں کے متعلق اس نے کہا کہ یہ تمہیں خود کرنا ہوگا۔ باغبانی کے اصول ہم نے تمہیں دیدیے جس کا جی چاہے لہلہاتے پھولوں والا پیڑ اپنے صحن میں بولے اور جس کا جی چاہے ببول کے درخت بولے اس میں سے کانٹے ہی کانٹے تمہیں نظر آئیں گے۔ ہمارا قانون یوں کارفرما رہے گا یہ چیز تمہیں خود کرنی ہوگی یہ معنی ہیں عزیزانِ من! ختم نبوت ﷺ کے' یہ معنی ہیں قرآنِ کریم کی تکمیل کے محفوظ رکھنے کے۔ قانون دیدیا ہے اب یہ تمہارے اختیار کے اندر ہے۔ (و قالت الیھود و النصٰری نحن ابنٰٓؤا الله و احبآؤہ) (5:18) کیا باتیں کرتا چلا جاتا ہے۔ ان کو دیکھو تو سہی کہتے ہیں ٹھیک ہے صاحب خدا کا قانون ہر جگہ وہ جرائم کی سزا بھی دیتا ہے لیکن دیکھو نا ہم تو اللہ کی اولاد ہیں اور بڑی چہیتی اولاد ہیں بڑے پیارے ہیں۔ مسلمان کہتا ہے کہ نہیں صاحب! ہم نہیں ایسا دعویٰ کرتے یہ تو معاذ اللہ صاحب بڑا دعویٰ ہے۔ کاہے کے لیے انہوں نے یہ دعویٰ کیا تھا؟ وہ کہتے تھے کہ ہم جو جی میں آئے جرائم کریں ہم تو جہنم میں نہیں جا سکتے نا کیونکہ ہم تو خدا کی اولاد ہیں کوئی اپنی اولاد کو بھی تندور میں پھینکتا ہے؟ دیکھا! کیسے چپٹ جاتا ہے یہ دلیل جو ہے۔ انہوں نے کہا انہوں نے اپنے لیے یہ وضع کر لیا یہ اس لیے وضع کیا کہ ہم جو جی میں آئے کرتے رہیں ہمیں نہیں گرفت ہوگی۔ ہم نے کہا' ہم اولاد' والی بات نہیں ہے لیکن وہ جو بات انہوں نے کہی تھی کہا کہ ہم تو اس کے محبوب کی امت ہیں نا صاحب ہمارا تو کچھ براہِ راست بات نہیں ہے ''اسی تے چبلاں دیاں چبلاں ہیگیاں نیں''، لیکن اس کا محبوب ﷺ جو ہے وہ خدا اپنے محبوب ﷺ کو تو ناراض نہیں کرے گا نا جی۔ ہمیں تو اعمال کی وجہ سے جہنم میں وہ بھیج دے گا چلے جائیں گے اور پھر اس کے بعد وہ حبیب ﷺ جو ہے وہ پھر قیامت میں سجدے گر جائیں گے حضور کے۔ عدالت ختم ہو جائے گی دفتر لپیٹے جائیں گے وہ بقول ان کے اللہ میاں وہ جو اینٹی چیمبر ہوتا ہے اس میں جانے کے لیے بھی تیار ہو جائیں گے۔ یعنی سب کچھ ہو جائے گا وہ دیکھیں دھیان مارکے کہ وہ ایک شخص تو یہاں سجدے میں ہے' وہ کہیں گے کہ صاحب ہم نے تو جنت والوں کو جنت میں جہنم والوں کو جہنم میں بھیج دیا۔ یہ حدیث ہے آپ کے ہاں کی بخاری کی۔ دیکھیں گے تو حضور نبی اکرم ﷺ سجدے میں ہیں' وہ پوچھیں گے فرشتوں سے کہ جاکے پوچھو یہ کیا بات ہے' تو آپ ﷺ کہیں گے کہ آپ سوچئے تو سہی ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی' میری اتنی پیاری محبوب امت وہ جہنم میں ''تے میں جنت اچ جاندا سوہنا لگدا ہیگاں''۔ کہا جائے گا آپ ﷺ کو تو جنت میں جانا ہوگا ہم نے تو

جنت بنائی تمہارے لیے ہے۔ کہ جی نہیں صاحب! ہم تو نہیں جائیں گے۔ (معاذ اللہ معاذ اللہ) مجبور ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے سارے فیصلے عدل پہ جو موقوف تھے ان کو بدلنے کے لیے کہ اچھا بھئی نکالو اس میں سے صاحب۔ ایک یوں کیا اور نکال دیئے چلئے اب چلئے نہیں صاحب'' ہجے تے بڑے او تھے ہیگے نیں''۔ بہر حال وہ ساری تفصیل اس میں دی ہوئی ہے کس طرح سے ''ایس طراں پراگے بھر بھر کے تے اون ڈئی اے او جیویں کرین ایتھوں چکدا تے اودھرا یوں سٹ دیندا ہیگا''۔ کیا کہہ رہے ہیں عزیزانِ من! تو پھر جب یہ ہو جائے گا تو پھر رسول اللہ ﷺ جنت میں جائیں گے اور پھر اللہ میاں بھی آرام سے؟؟؟؟۔(نحن ابنٰٓؤا اللہ و احبآؤہ) (5:18) یہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کی چہیتی اولاد ہیں ہم اس کے محبوب ہیں۔ سنیئے تردید کیسے ہوتی ہے عزیزانِ من!۔ اس کے محبوب کی امت ہو ٹھیک ہے یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ ان جرائم کی وجہ سے تمہیں کوئی کسی قسم کی پاداش نہیں ہوگی (قل فلم یعذبکم بذنوبکم) (5:18) ان سے پوچھو قیامت کی بات تو وہاں رہی یہاں جو کچھ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے کبھی سوچو تو سہی تمہارے جرائم کے بدلے میں یہ جو ہو رہا ہے اگر تم اس کے محبوب کی اتنی پسندیدہ امت ہو تو یہ حشر تمہارا کیوں ہو تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔ آہاہا!!۔ چہیتی اولاد کہنے والے یہودی بھی ان کے ہاں کی تاریخ کو دیکھئے روتے پھر رہے ہیں The Woundring Jude۔ تورات کے اندر ان کے جو نبی ہیں بابل کی اسیری میں جب وہ پورے کی پوری قوم کو قید کر کے لے گیا تھا اور اس نے اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی بخت نصر نے ان کے ٹیمپل کی اور بیت المقدس کی یروشلم کی ساری قوم کو قید کر کے لے گیا تھا۔ اس سو سال کے اسی سال کے عرصے میں وہاں ان کے جن کو یہ نبی کہتے ہیں ان کے نوحے ان کی کتابوں کے اندر تورات کے اندر مذکور ہیں رو رہے ہیں وہ دہائی دے رہے ہیں کہ ہمارے ساتھ یہ کیا ہوا۔ دنیا بھر کے مصائب' مشکلات' تکالیف' عذاب اس قوم کے اوپر آ رہا ہے۔ ہم ہر روز بیٹھے ہوئے روتے ہیں جہاں دو مسلمان آپس میں ملیں گے آپ دیکھیں گے کہ وہ مرثیہ ہوگا کہ مسلمانوں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے اتنا عذاب۔ کیا عجیب تردید کا انداز ہے کہ تم کہتے ہو ہم بڑے چہیتے ہیں ہم پہ گرفت نہیں ہوگی' کہو! قیامت کی بات تو وہاں جا کے ہوگی یہ جو کچھ تمہارے ساتھ یہاں ہو رہا ہے یہ کیا ہو رہا ہے (بذنوبکم) تمہارے جرائم کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ تو جو جرائم یہاں نہیں تمہارے بخشے جا رہے وہاں جا کے کونسی ایسی بات ہو جائے گی کہ بخشے جائیں گے۔ (من کان فی ھٰذہ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی) جو یہاں ذلیل ہے وہ وہاں بھی ذلیل ہی ہوگا جو یہاں کا اندھا ہے وہ وہاں بھی اندھا ہی ہوگا۔ یہ تھوڑا ہے کہ یہاں تو جرائم کی سزا ملے اور وہاں انہی جرائم کے ساتھ جنت میں بھیج دیا جائے یہ نہیں ہو سکتا۔ (بل انتم بشر ممن خلق) (5:18) تم بھی انسان ہو باقی بھی انسان ہیں جن کو ہم نے بنایا ہے جو قانون کسی ایک بشر کے اوپر جس کا اطلاق ہوگا تم پہ بھی اسی قانون کا اطلاق ہوگا۔ (یغفر لمن یشآء و یعذب من یشآء) (5:18) یہ مغفرت اور عذاب جو ہے خدا کے قانون مشیت کے مطابق ہوتا ہے کوئی کسی کی چہیتی اولاد نہیں ہے کوئی اس کے محبوب نہیں

ہیں یہاں۔(**وللہ ملک السمٰوٰت و الارض وما بینھما و الیہ المصیر**) (5:18) سارے اقتدارات واختیارات کائنات کے اس کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اور کہیں تم بھاگ نہیں سکتے وہیں جانا ہوگا اسی عدالت میں جانا ہوگا وہیں سے فیصلہ تمہارا ہوگا اور وہیں سے قید و بند کی مصیبتیں تمہارے لپٹیں گی۔(**یاھل الکتٰب قد جآء کم رسولنا یبین لکم علٰی فترۃٍ من الرسل ان تقولوا ما جآء نا من بشیرٍ و لا نذیرٍ فقد جآء کم بشیر و نذیر و اللہ علٰی کل شیءٍ قدیر**) (5:19) کہا یہ رسول تمہارے پاس آ گیا۔**فترۃ من الرسل** : ایک رسول اور دوسرے رسول کے درمیان ایک وقفہ۔جن انبیائے کرامؑ کی تاریخ قرآن نے دی ہے حضرت عیسیٰؑ کے بعد نبی اکرمﷺ تشریف لائے۔تاریخ کی رو سے درمیان کا فاصلہ قریباً چھ سو سال سمجھ لیجیے۔اگرچہ ہمارے ہاں کی تفسیریں یعنی میں بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارے ہاں کے یہ مفسر بڑے بڑے عالم تھے اپنے وقت میں۔اور یہ جو چیز تھی اتنی سی' یعنی ان کے اوپر تعریض نہیں ہے' علم انسانی ابھی اتنی نیچے کی سطح پہ تھا کہ اس زمانے میں وہ متعین ہی نہیں کر سکتے تھے کہ حضرتِ عیسیٰؑ اور نبی اکرمﷺ کے درمیان یہ کتنی مدت گذری ہے تاریخ کی حالانکہ کل کی بات تھی۔یعنی وہاں یہ بھی ہے کہ چھ سو سال کا عرصہ گذرا' ایک میں ہے کہ ساڑھے پانچ سو سال' ایک میں ہے چار سو تیس سال اور ایک قول کے مطابق 933 سال۔یعنی میں یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے لیکن علم انسانی عام طور پہ اس زمانے میں ابھی اتنا محدود تھا اور نیچے کی سطح پہ تھا کہ اتنی سی چیز جو صرف Calculation کی ہے اس میں بھی ہمارے ہاں اتنا بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔خیر۔تو یہ جو تھا عرصہ' **فترۃ** کہتے ہیں جب کسی شے کی گرمجوشی ماند پڑ جائے حرارت کم ہو جائے اثر و تاثیر جو ہے وہ Flate ہو جائے۔قرآن نے کہا یہ ہے کہ ایک رسول آتا ہے وہ اپنا ایک نظام دیتا ہے خدا کی کتاب دیتا ہے۔تو پہلے تو یہ ہوتا رہا کہ تھوڑے عرصے کے بعد وہ نظام بھی نہ رہا تو کتاب بھی اپنی اصلی شکل میں نہ رہی۔لیکن پھر بھی وہ جو ایک وہ دیکھا آپ نے ویگنز ریل کے اوپر ہوتی ہیں پٹڑیوں کے اوپر بغیر انجن کے چلی جا رہی ہے وہ ہوتا کیا ہے؟ اتنے زور کا دھکا دیتا ہے اس کو انجن کہ پھر آپ تو وہ ہٹ جاتا ہے اور خاصا وقت وہ اسی ایک تحرک سے ہی مومنٹم کے زور پہ بھی کچھ وقت تک چلتی رہتی ہیں۔یہ ہر نبی کے نظام کے ساتھ یہ ہوتا رہا کچھ وقت تک کے لیے وہ اپنی اصلی شکل میں رہا پھر آہستہ آہستہ وہ دین مذہب میں تبدیل ہوتا رہا اسکی وہ گرمجوشیاں حرارت آمیزیاں اس کے تاثرات اس کے نتائج ماند پڑتے رہے آہستہ آہستہ۔یہ ہے وہ وقت جس کو کہتے ہیں **فترۃ** جس دوران میں دوسرا نبی نہیں آتا۔وہ جو ایک دلیل دیا کرتے ہیں نا یہ احباب جو یہ نہیں ماننے والے کہ صاحب اگر خدا انسانوں سے کلام نہیں کرتا تو گویا کہیے کہ خدا پھر گونگا ہو گیا ہے۔میں اس باتوں میں نہیں آیا کرتا لیکن بات وہ **فترۃ** کی سامنے آ گئی خود قرآن کہتا ہے کہ فاصلہ تھا اور تاریخ بتاتی ہے کہ نبی اکرمﷺ حضرت عیسیٰؑ کے درمیان پانچ چھ سو سال کا تھا۔تو پانچ چھ سو سال تک تو خدا نہیں نہ بولا' اگر یہ دلیل مانی جائے تو۔یہ سوال یہ غلط ہیں باتیں عزیزانِ من!۔اس نے تو ایک ضابطۂ قانون دینا ہوتا ہے اپنے پروگرام کے

مطابق۔اس کے بعد نبی اکرمﷺ تشریف لے آئے اور کہا کہ یہ اس لیے کہ ایک بشیر و نذیر جو تھا اس کا آنا ضروری تھا تمہیں وہ بتائے کہ اگر زندگی کے صحیح راستے پہ چلو گے تو اس کے نتائج یہ ہیں غلط راستے کے اوپر چلو گے تو اس کے نتائج یہ ہونگے۔تا کہ یہ بات نہ تم کہہ سکو کہ ہمیں علم نہیں تھا ہمیں کوئی بتانے والا نہیں تھا۔لیکن ختم نبوتﷺ کے بعد کیا قرآن نے یہ کہ (تمت کلمت ربک صدقًا و عدلًا) جو بھی ہدایات اور قوانین دینے تھے انسانیت کے لیے وہ پورے کے پورے مکمل شکل میں قرآن میں دیدیے۔(لا مبدل لکلمة الله) ان میں تبدیلی کی ضرورت نہیں جیسے قوانین فطرت میں ضرورت نہیں ان میں تبدیلی کی ضرورت نہیں۔مکمل غیر متبدل اور اس کے بعد ہم نے اس کو نازل کیا (و انا لہ لحفظون) ہم اس کے محافظ ہیں۔غیر متبدل، مکمل، محفوظ ضابطۂ حیات قیامت تک کے لیے جب دیدیا جائے تو اس کے بعد پھر یہ کوئی کہہ نہیں سکتا کہ ہمارے پاس کوئی بشیر و نذیر نہیں ہے۔اب یہ بشیر و نذیر یہ ہیں جو خدا کی کتاب ہے محفوظ ہے قیامت تک کے لیے ہے۔اور پھر آپ دیکھئے اس ختم نبوتﷺ کے بعد یہ جو سامان رسل و رسائل دنیا میں جس سرعت سے پھیلا ہے اس کی تو کیفیت یہ ہے جو میں نے ابھی عرض کی ہے کہ یہاں بیٹھا ہوا پاکستان کے ایک شہر میں یہ کچھ آپ سے بیان کر رہا ہوں اگلے ہی ہفتے یہ امریکہ کے شہر میں بھی پہنچ جائے گا لندن میں بھی پہنچ جائے گا ہمارے پاس ذرائع ہونے چاہئیں دنیا کے ہر گوشے کے اندر بیک وقت بات پہنچتی ہے۔تو اب یہ چیز جو تھی ختم نبوتﷺ کے معنی یہ تھے کہ دور یہ آ رہا تھا کہ قرآن ساری دنیا کے اندر پھیل جائے گا۔اب یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ہمیں اس کا علم نہیں تھا۔اس لیے کہا کہ (و اللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر) (5:19) اس نے ہر شے کے پیمانے مقرر کر رکھے ہیں۔اسے معلوم تھا کہ جب انسانوں کے پاس ذرائع رسل و رسائل اتنے نہیں تھے ہر بستی میں رسول، ہر قریہ میں رسول، ہر زمانے میں رسول ضرورت تھی۔اور جب دنیا اس سٹیج کے اوپر آ گئی کہ ایک جگہ کی بات کی ہوئی بغیر وقفے کے ساری دنیا میں بیک وقت پہنچ سکتی ہے تو پھر نبوت اس لیے ختم کی کہ کتاب مکمل اور محفوظ دیدی، ہر جگہ کسی کتاب سنانے والے کی ضرورت اس لیے نہ رہی کہ سامان رسل و رسائل مواصلات کے ذرائع اتنے عام ہو گئے کہ ایک جگہ کی بات کی ہوئی ساری دنیا میں پہنچ جاتی ہے۔ایک نسخہ قرآن کا آپ چھاپئے کروڑوں کی تعداد میں آپ چھاپ کے جہاں جی چاہے پہنچا سکتے ہیں صاحب۔یہ ہے و اللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر یہ اس کے پیمانے مقرر ہیں کہ کہاں پہنچ کے ختم نبوتﷺ کرنی تھی۔سورۃ مآئدہ کی آیت 19 تک ہم آ گئے۔اور اگلی آیت میں ہے عزیزانِ من! وہ بات (و اذ قال موسیٰ لقومہٖ یقوم اذکروا نعمة اللہ علیکم) (5:20) وہ پھر دہرائی یاد کرو خدا کی نعمت کو جو تمہارے اوپر آئی۔جو میں نے عرض کیا تھا کہ نعمت کے بعد پھر وہ چھنتی کیسے ہے اگلی آیت میں یہ بتایا جائے گا کہ وہ نعمت کن شرطوں کے ماتحت ملتی تھی اور وہ کس طرح سے پھر چھنی نعمت جو تھی یا وہ موقوف ہو گئی کچھ عرصے کے لیے وہ ملی نہیں ملتوی ہو گئی کیوں ہو گئی ملتوی؟ کیا جس کو خدا نے کہا ہے نعمت دیدی بس اس نے کہا ہے اور دیدی، ملی کیسے التواء کیسے ہوا چھنی کیسے؟ یہ چیزیں

اگلی آیات میں آئیں گی یہ انہی کی تفسیر آئے گی جو پیچھے آیت 11 آ گئی ہے اسے ہم آئندہ لیں گے۔سورۃ المآئدہ کی آیت 20 سے ہم شروع کریں گے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم . بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المآ ئدہ۔ چھٹا باب (آیات 20 تا 26)

عزیزانِ من!

آج اپریل 1971ء کی 11 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ المآ ئدہ کی 20 ویں آیت سے ہوتا ہے (5:20)۔

آپ کو یاد ہوگا دو ہی درس پہلے گیارہویں آیت ہمارے سامنے آئی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ (**یایھا الذین اٰمنوا اذکروا نعمت اللہ علیکم اذھم قوم ان یبسطوا الیکم ایدیھم فکف ایدیھم عنکم**) (5:11) اے جماعت مؤمنین! خدا کی اس نعمت کو یاد کرو جب ایک قوم نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اپنا ہاتھ بڑھا کر تمہیں اپنی گرفت میں لے لے تو خدا نے ان کے ہاتھ کو روک دیا اور تم اس کی گرفت سے بچ گئے۔ اسے اس نے اللہ کی نعمت قرار دیا ہے۔ تو میں نے عرض کیا تھا کہ سمجھ میں نہیں آتا اپنی حالت پہ غور کرتے ہیں تو قطعاً یہ یقین نہیں آتا کہ ہم اس قابل ہیں کہ ہم پہ وہ اپنی نعمتوں کی بارش یوں برسائے۔ لیکن واقعات یہ ہیں کہ ہر بار ایک ہمسایہ قوم بڑی بڑی قومیں ہاتھ بڑھاتی ہیں کہ تمہیں اپنی گرفت میں لے محکوم بنا دیا جائے اور اس کی نعمتیں ہجوم کر کے آتی ہیں اور وہ یوں کہیے جیسے حکم دیدیتی ہیں کہ تھامو یہاں ہاتھ کو آگے نہیں بڑھ سکتے تم۔ کچھ اس طرح سے بچ رہے ہیں ہم‘ یہ خدا کی نعمت ہے اسے قرار دیا۔ اور میں نے اس کے ساتھ ہی کہا تھا لیکن سوچ لیجیے اس بات کو بھی کہ اس قسم کی نعمائے خداوندی پر مچل نہیں جانا چاہیے کیونکہ اسی آیت کے ساتھ آگے اس نے یہ کہا تھا کہ اسے بھی ذہن میں رکھو کہ بنی اسرائیل کے ساتھ بھی یہ کچھ ہوا اسے بھی ہم نے اپنی نعمتوں سے نوازا۔ لیکن اس سے ایک عہد و پیمان کیا اور وہ اس پیمان پر پورے نہ اترے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ (**ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ و ؟؟ غضب من اللہ**) محتاجی اور مسکینی کا ایسا عذاب ان پر آیا کہ دنیا میں جہاں کہیں وہ گئے اس عذاب نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ تو ایک طرف اگر خدا کی نعماء کی بارش یوں ہوتی ہے تو اس کے ساتھ دوسری طرف اگر وہ پیماں شکنی کی جاتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے۔ درمیان کی چند آیات کے بعد بات آج پھر یہیں سے شروع ہوئی کہ بنی اسرائیل پر یہ نعمت کس طرح سے ارزاں ہوئی اور ان کی پیماں شکنی کے بعد ہوا کیا۔ عبرت اور موعظت کی ہزار داستانیں اس کے اندر پوشیدہ ہیں عزیزانِ من!۔ جیسا کہ بار بار کہا کرتا ہوں یہ کسی گذری ہوئی اقوام کی داستانیں نہیں ہیں کہ انہیں ہم تاریخ کے اسباق کی طرح پڑھ لیں‘ یہ تاریخی شواہد اس لیے پیش کیے جاتے ہیں کہ اسی قسم کے واقعات تمہارے سامنے آئیں گے۔ اسے سمجھ لو کہ اس قوم نے ان حالات میں یہ کچھ کیا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا اگر تم بھی یہی کچھ کرو گے تو اس کا نتیجہ یہی نکلے گا۔ گویا یہ خدا کے قانون مکافات کی عملی شہادتیں ہیں جو تاریخ کے واقعات کے طور پر قرآن کریم میں بیان ہوئی ہیں۔ اس لیے یہ کوئی پرانی داستانیں نہیں ہماری ہی داستان ہے اور ہمیں ہی

بار بار سمجھایا گیا ہے کہ تمہارے اعمال کے نتائج وعواقب کیا ہونگے ۔ کیونکہ محسوس مثال سے بات سمجھ میں اچھی طرح سے آتی ہے اس لیے تاریخ کی یہ داستانیں ہمارے سامنے دہرائی جاتی ہیں۔ سنئیے بنی اسرائیل کی اس داستان کو جہاں پھر کہا کہ (**اذ قال موسٰی لقومه یقوم اذکروا نعمة الله علیکم**) (5:20) موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا خدا کی اس نعمت کو یاد کرو۔ اب وہ نعمائے خداوندی گنائی جا رہی ہیں (**اذ جعل فیکم انبیآء**) (5:20) پہلی نعمت تو یہ ہے کہ آسمانی رہنمائی تمہیں دی گئی انبیاءؑ تمہاری طرف مبعوث ہوئے زندگی کے ہر دوراہے پر جہاں امکان تھا کہ تمہارا قدم غلط سمت کی طرف نہ اٹھ جائے وہاں سائن پوسٹ نصب کر دیے وہاں تمہیں بتا دیا کہ صحیح راستہ کونسا ہے تم اس کی طرف چلو۔ پہلی چیز تو یہ ہے جسے نعمت کہا گیا کہ روشنی کا باہر مل جانا۔ لیکن روشنی تو اسے ہی فائدہ دے سکتی ہے جو اپنی آنکھوں کو کھلا رکھے۔ روشنی بطور نعمت کے ملتی ہے یہ دیے ہمارے جلائے ہوئے نہیں ہیں جو آسمان پر اس طرح سے فروزاں ہوتے ہیں یہ روشنیاں ہماری پیدا کردہ نہیں ہیں یہ تو بطور نعمت کے ملتی ہے۔ لیکن اس سے مستفیض ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی آنکھوں کو کھلا رکھیں۔ یہ دونوں میں تفاوت یا تعاون یا Cordination ہونا چاہیے اگر ایسا نہ ہو تو یہ روشنی کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ انبیاء ملے کہ وہ خدا کی جگمگاتے قندیل لائے انہوں نے راستے روشن کر دیے زندگی کے' پہلی چیز تو یہ نعمت کی تھی۔ (**جعلکم ملوکًا و اٰتٰکم مالم یؤت احدًا من العلمین**) (5:20) اور پھر یہی نہیں کہ وعظ ونصیحت تھی' دین تو مذہب نہیں دھرم نہیں Religion نہیں کہ اس میں صرف وعظ ونصیحت کے اسباق ہوتے ہیں دین تو قوت عطا کرتا ہے تاکہ خدا کے قوانین کو عملاً نافذ کیا جا سکے۔ یہ جو ہے **جعلکم ملوکًا** عام طور پہ ترجمہ تو اس کا کیا جاتا ہے تم کو بادشاہ بنایا۔ لیکن بادشاہ سے چونکہ ذہن ہمارا شخصی حکومتوں کی طرف چلا جاتا ہے اس لیے بادشاہ اس کا ترجمہ نہیں ہونا چاہیے' صاحب قوت صاحب اقتدار صاحب تمکن۔ تمہیں آسمانی راہنمائی دی' زمین میں تمکن عطا کیا' حکومت عطا کی' مملکت عطا کی۔ تو بڑی چیز ہے قوت بھی حاصل ہوا اور اس کے ساتھ صحیح راہنمائی بھی حاصل ہو نتیجہ اس کا یہ تھا (**اٰتٰکم مالم یؤت احدًا من العلمین**) (5:20) اس کے نتیجے میں تمہیں وہ کچھ ملا کہ جو تمہاری ہم عصر اقوام میں کسی اور کو نہیں ملا تھا۔ یہ دو چیزیں ان کا جمع ہو جانا بہت بڑی نعمت ہے خدا کی جو کہا گیا کسی اور کو حاصل نہیں ہوئی تھی۔ وہاں اگر اور قومیں تھیں تو انہوں نے دین کو مذہب میں بدل لیا تھا تو وہ دین قوت سے محروم ہو کر وعظ اور نصیحت رہ گیا تھا۔ اور اگر دوسری قسم کی قومیں تھیں تو اس میں چنگیزیت اور ہلاکویت تھی کہ اس میں قوت تو موجود تھی لیکن راہنمائی موجود نہیں تھی اس لیے وہ نوع انسانی کے لیے اور خود ان لوگوں کے لیے بھی ایک ہلاکت سامانیوں کی چیز بن کے رہ گئی۔ اور جہاں قوت اور راہنمائی آسمانی اکٹھی ہو جائے وہ ہے خدا کی نعمت کہ جو دین کہلاتی ہے اس کا نتیجہ ان کے لیے بھی جنہیں یہ چیز ملے زندگی اور آخرت کی سرفرازیاں ہیں نوع انسانی کے لیے یہ بھی آیۂ رحمت ہے۔ کہا یہ کچھ ملا۔ اس ملنے سے ذرا پہلے کی بات ہے حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو مصر سے فرعون کی دست درازیوں سے' محکومیت سے

گرفت سے' بطش شدید سے محفوظ کر کے نجات دلا کر ان کو سینا کی وادیوں میں لے گئے۔ یہ ایک Negative Aspect تھا یہ ایک منفی چیز تھی کہ ایک قوم غالب کی محکومیت سے آزادی مل جانا۔ یہ بھی بڑی چیز تھی لیکن بہر حال یہ ایک منفی چیز تھی پہلا حصہ یہ تھا۔ بعینہٖ جس طرح سے ہم ہندوستان سے پاکستان میں آ گئے تھے یوں سمجھئے کہ یہ نیل کو عبور کر کے سینا کی وادیوں کے اندر ہم داخل ہو گئے۔ یہ داخل ہونا ہی مقصود بالذات نہیں تھا اس سے آگے بات چلنی تھی۔ یہ تو قدم ٹکانے کے لیے ایک زمین ملی تھی ہمیں' اب اس زمین کے اوپر ہم نے اس نقشے کے مطابق جو آسمانی راہنمائی نے ہمیں دی تھی وہ جو کہتے ہیں مسجد تعمیر کرنی تھی یہ مملکت بنانی تھی جس میں خدا کے قوانین عملاً نافذ ہو جائیں۔ بہر حال سینا کی وادیوں میں وہ آ گئے اور اس کے بعد وہاں بھی تو فرعون کی ہی کالونی تھی یہ علاقہ جو تھا یروشلم کا یہ بھی تو ان کے تابع فرمان تھا۔ محض صحراء میں آ جانا یا سینا کی وادیوں میں آ جانا تو کوئی عملاً مفید مطلق چیز نہیں تھی تاوقتیکہ اس سرزمین پر انہیں تمکن حاصل نہ ہو جاتا۔ یوں تو ہم اس سے پیشتر تقسیم ہند سے پہلے بھی اس سرزمین ہی میں بستے تھے یہی جو خطے آج جنہیں آپ پاکستان کہتے ہیں اس زمانے میں بھی یہاں ہم لوگ بستے تھے۔ تو کسی زمین میں تو بسنا ہی تو کوئی بات نہیں ہے۔ تمکن کے ساتھ بسنا اور ہے ذلت کے ساتھ بسنا اور ہے۔ نعمت خدا کی یہ تھی کہ اسی سرزمین میں پھر تمکن کے ساتھ بسے۔ اس کے لیے کیا کیا گیا؟ یہاں آئے یروشلم کے اس علاقے فلسطین کے اندر ابھی یہی قومیں آباد تھیں جن کے تسلط میں وہ تھیں۔ موسیٰؑ نے کہا قوم سے (یٰـقوم ادخلوا الارض المقدسة التی کتب الله لکم) (5:21) بڑی اہم آیات ہیں عزیزانِ من! اور بہت ہی سبق انگیز' بڑے ہی غور سے بات سننے کی ہے۔

کہا یہ کہ یہ یاد رکھو یہ سرزمین تمہارے نام لکھ دی گئی ہے کتب الله اللہ نے لکھ دی ہے تمہارے نام۔ تو سیدھی سی بات ہے کہ جب یہ آ جائے کہ صاحب یہ زمین تمہارے نام لکھ دی پٹہ مل گیا لیجیے صاحب' تو اس کے بعد تو راوی عیش لکھتا ہے پھر اور کچھ کرنے کی بات ہی نہیں رہ جاتی۔ اس نے لکھ دی۔ لیکن جو اس نے لکھ دی ہے وہ تو صرف اس نے پٹہ دیا ہے ایک دستاویز دی ہے جس میں لکھا ہے کہ یہ زمین تمہیں دی گئی اس زمین پہ قبضہ حاصل کرنا یہ تو ان کی بات تھی نا صاحب۔ اس لکھ دینے سے سب کچھ نہیں ہو جاتا۔ تو پہلی چیز تو ہمیں یہ آ گئی کہ دعا تو ایک طرف رہی جس کے متعلق ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ قبول ہوئی ہے یا نہیں' جب خدا خود یہ کہہ دے کہ ہم نے یہ زمین تمہارے نام لکھ دی ہے تو یہ نہیں کہ اس کے بعد پھر ہمارے لیے کچھ کرنے کا باقی نہیں رہتا۔ اللہ میاں جیسی اتھارٹی لکھ کے دینے والی' تو پھر اور کیا بات رہ گئی۔ کہا کہ یہ لکھ دی ہے۔ اور سنئے آگے کیا ہے (ولا ترتدوا علیٰ ادبارکم فتنقلبوا خٰسرین) (5:21) لیکن یاد رکھو! مقابلہ ہو گا ان کے ساتھ' اگر اس مقابلے میں پیٹھ دکھا کے تم بھاگ آئے تو نہ صرف یہ کہ یہ زمین نہیں ملے گی بے حد نقصان اٹھاؤ گے۔ خدا کے نام کا لکھا ہوا پٹہ ہاتھ میں ہونا یہ تو کوئی بات نہیں ہے۔ اس نے تو یہ جسے کہتے ہیں کتب الله اس نے تو ایک قانون بتایا ہے' کتاب کے معنی ہی قانون ہوتا ہے۔ یہ لکھ دینے کے معنی یہ نہیں جو ہم اپنے ہاں سمجھ لیتے ہیں۔

اس نے ایک قانون بتایا ہے کہ مملکت حاصل کرنے کا قانون کیا ہے۔ پہلے قانون کی بات تو یہ ہے کہ ٹکراؤ ہوگا اس کے اندر' مقابلہ ہوگا اس مقابلے میں اگر تم پیٹھ دکھا کے بھاگ آئے بڑا سخت نقصان ہوگا۔ یوں اس قوم کو تیار کیا اور اس سے کہا کہ یہ ہے پرابلم تمہارے سامنے یہ ہے مسئلہ۔ زمین تو لکھی گئی ہے اب قبضہ حاصل کرنے کے لیے اٹھو اس کے لیے ان سے مقابلہ کرنا ہوگا۔(قالوا یٰموسیٰ ان فیھا قومًا جبارین) (5:22) انہوں نے کہا کہ موسیٰ ! اس کے اندر تو بڑے بڑے زبردست طاقتور قوم بیٹھی ہوئی ہے بڑی جابر قوم وہاں بیٹھی ہوئی ہے۔ یعنی یہ چاہتے یہ تھے کہ وہاں کوئی نہ ہو اور ہم اندر چلے جائیں یوں داخل ہوا جائے اس سرزمین میں۔ قومًا جبارین' بات تو یونہی آگے چلی جانی چاہیے لیکن آپ کو معلوم ہے میرا انداز ہے وہ انداز کیا وہ دل سے ایک امنگ ابھرتی ہے کہ لفظ قرآن کا آجائے تو یونہی آگے نہ بڑھا جائے قرآن کے تو ایک ایک لفظ کے اندر میں نے کہا ہے نا حقائق کی دنیا ہوتی ہے۔ اجازت دیجیے کہ پہلے میں یہ عرض کروں کہ یہ ہماری جو تفاسیر چلی آرہی تھیں ان میں ان چیزوں کے متعلق کیا کچھ لکھا ملتا ہے۔ میں نے کئی دفعہ یہ عرض کیا ہے کہ یہ بات تنقیص کی نہیں ہے کچھ ان کے خلاف اعتراض کی بات نہیں اس دور کے اندر ابھی علمی سطح ہی اتنی تھی کہ اسی کے مطابق وہ بات کر سکتے تھے۔ یہ کچھ ہماری اتنی بڑی کاریگری نہیں ہے کہ ہم بہت بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں ہمارے دور میں انسانی علم کی سطح اتنی اونچی ہو چکی ہے کہ ہم اس کے مطابق بات کرتے ہیں۔ بس بات اتنی سی ہے کہ یہ سمجھ لیا کہ یہ قرآن کریم کے مفہوم جو ہیں زمانے کی انسان کی علمی سطح کے ساتھ ساتھ ابھرتے چلے جاتے ہیں۔ کسی ایک دور کا سمجھا ہوا قرآن ضروری نہیں کہ اگلے دور کے لیے بھی وہ آخری سند اور حجت ہو جائے۔

اب ہم پرانی تفاسیر میں یہ پڑھتے ہیں کہ یہ جبارین جو ہیں ان کے متعلق عجیب عجیب روایتیں ہمیں ملتی ہیں۔ ایک روایت میں ہے اور عام طور پہ یہ روایتیں منسوب کی جاتی ہیں یا تو نبی اکرم ﷺ کی طرف یا آپ ﷺ کے صحابہ کبارؓ کی طرف' روایت تو جبھی معتبر بنتی ہے نا جب اس کی نسبت کی جائے ان لوگوں کی طرف۔ تو وہ انہوں نے لکھا ہے کہ صاحب وہ قوم تھی ان میں سے ایک ایک کا قد پچاس ہاتھ کا تھا (ہاتھ قریباً سوا فٹ کا ہوتا ہے)۔ تو جبارین کے معنی یہ ہوئے۔ اور پھر ان کا جو سردار تھا بڑا' اس کا قد تین ہزار تین سو تینتیس گز کا تھا۔ یعنی Exact دیا ہوا ہے بالکل ماپ کے۔ اور کہا کہ اندازہ اس سے لگائیے کہ وہ کیا تھے کہ حضرت موسیٰ کا قد دس ہاتھ کا تھا اور ان کا عصا دس ہاتھ کا تھا تو جو سامنے یہ آیا ہے ان کا سردار تو حضرت موسیٰ نے دس ہاتھ اچھل کر اور اپنا عصا اس کو مارا تو اس کے ٹخنے پہ لگا۔ لیکن تھا وہ عصائے موسوی اس لیے وہ مر گیا تو اس کی پنڈلی کی ہڈی سے دریائے نیل کے اوپر پل بنایا گیا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ آج یہ باتیں میں کر رہا ہوں آپ سن رہے ہیں اور ایک ہنسی تیر جاتی ہے۔ لیکن میں نے عرض کیا ہے کہ ہر دور کی ایک علمی سطح ہوتی ہے وہیں تک بات تھی۔ غلطی اس میں یہ ہے کہ ان چیزوں کو منسوب کر دیا جاتا ہے اس ذات اقدس واطہر ﷺ کی طرف کہ جو

عالم الناس تھے اس کائنات کے اندر۔ یہ حضورﷺ کی روایتیں نہیں ہیں اور میں کہونگا صحابہؓ کبارؓ کی بھی نہیں ہیں تربیت نبویﷺ نے ان کے دماغوں کے اندر بھی بڑی جلا پیدا کردی تھی۔ یہ بعد مفسرین کے اپنے ذہن کی یہ باتیں ہیں ''باتاں پایاں ہویاں جنوں پنجابی اچ کیندے ہیگے نیں''۔ان کی نسبت غلط ہے ان کی طرف۔بس یہ سمجھئے کہ اس دور میں ان لوگوں نے ایسا کچھ کہا تھا بس کہا ہے ٹھیک ہے' امیر حمزہؓ کی داستان بھی تو اس دور میں لکھی گئی تھی الف لیلیٰ بھی تو اس دور میں لکھی گئی تھی صاحب۔تو ان چیزوں کو اس سے زیادہ حیثیت نہیں دینی چاہیے۔بات آ گئی قوماً جبارین ' جبر کی بات۔بات بڑی صاف ہے اس کے لیے کسی تفسیر کی ضرورت ہی نہیں ہے۔جبر بہت بڑی قوت۔لیکن میں نے عرض کیا تھا کہ میں اس کے لیے یہ کہہ رہا تھا کہ آگے نہیں بڑھنے کو جی چاہتا۔خدا کے اسمآء الحسنیٰ میں اس کی صفات میں ایک صفت الجبار بھی آتی ہے جبار المتکبر۔تو اب یہ جبار ہونا جو ہے یہاں تو بہت بڑا عیب گنایا گیا ہے اور خدا جبار ہے' کیا بات ہوئی ؟۔سوال اس چیز کا نہیں یہاں خود کہا ہے کہ قوم جبار ہے وہاں اور قرآن نے کئی مقامات کے اوپر ان قوموں کو کہ جو ظالم تھے جو دوسروں کے اوپر زبردستی کرتے تھے جبر کرتے' جور کرتے تھے' ظلم کرتے تھے' ستم کرتے تھے انہیں قوم جبار کہا ہے۔ان کا جبار ہونا جو ہے ایک جرم ہے بہت بڑا۔اُدھر خدا جبار ہے بات کیا ہوئی۔جبر ایک قوت کا نام ہے سوال قوت کے استعمال کا ہے۔

اب غور کیجیے کہ عربوں کے ہاں کی زبان جو تھی اور پھر اس زبان کے اعتبار سے جو قرآن آیا ہے اس کے استعمال میں کتنا بڑا فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ان کے ہاں جبارت کہتے تھے سن کو جس سے ہڈیوں کو جوڑ کے اور جبار کہتے تھے ان Splints کو وہ جو ایک اوپر لکڑی رکھتے تھے ایک نیچے لکڑی رکھتے تھے' اب تو پلاسٹر ہے نا' آپ کو یاد ہے کہ ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے کے لیے اوپر بھی Splint رکھی جاتی تھی نیچے بھی Splint رکھی جاتی تھی اور پھر اس کو کس کے باندھا جاتا تھا۔ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے کے لیے اس طرح سے جو قوت استعمال کی جائے کہ وہ ہل نہ سکے اپنی جگہ سے یہ بھی جبارت ہے اور کسی کو ہڈی کو توڑ دینا اس طرح سے یہ بھی جبارت ہے۔خدا جبار ہے کہ وہ ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو جوڑتا ہے اپنے قانون کے شکنجے میں رکھ کے۔فرعون جبار ہے کہ وہ صحیح وسالم ہڈیوں کو توڑتا ہے ظلم کی وجہ سے۔جبر اور قوت ہے ہڈی کو جوڑنے کے لیے کسی کو مجبور کر دیا جائے وہ Splint جس پہ لگا کے باندھی ہوئی ہوں' ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے کے لیے قوت کا استعمال کیا جائے تو یہ صفات خداوندی میں سے ہو جائے گا۔کسی کی صحیح و سلامت ہڈی کو ظلم وستم سے توڑ دیا جائے گا تو یہ جبر ہو جائے گا۔تو آپ نے دیکھا کہ ایک ہی لفظ ہے وہ لفظ ایک صلاحیت یا قوت کے لیے استعمال ہوتا ہے سوال اس قوت کے استعمال کا ہے۔اور یہیں سے جو Good & Evil کا مسئلہ ہے خیر وشر کا مسئلہ ہے جس نے جب سے بھی انسان کے شعور نے آنکھ کھولی ہے انسانوں کو عجیب الجھاؤ میں ڈال رکھا ہے۔

قرآنِ کریم کس طرح ایک لفظ سے مسئلے کو حل کر دیتا ہے کہ جبر کی قوت جو ہے یہ قوت فی ذاتہٖ نہ خیر ہے نہ شر ہے یہ اس کا استعمال ہے جو اس کو خیر یا شر بنا دیتا ہے۔ اگر آپ جبر کریں کسی مظلوم بے گناہ کی ہڈی کو توڑنے کے لیے قوت کا استعمال کریں تو یہ قوت شر ہو جائے گی اور اگر آپ کسی کی ٹوٹی ہوئی ہڈی میں اس قسم کے Splints رکھ کے اس کو باندھ دیں۔ اور ہمارے ہاں تو پرانا طریق جو تھا گاؤں میں اب بھی جو ہڈیاں جوڑنے والے ہوتے ہیں وہ عام طور پہ پہلوان ہوتے ہیں یہاں بھی آپ کے ہاں پہلوان ہونگے یعنی بڑی قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اس کی قوت ہڈیاں جوڑنے کے استعمال میں آتی ہیں یہ خیر ہو گیا۔ اور اگر وہی پہلوان کسی وقت غصے میں آ کے ''اک گھَسن مار کے بوتھا توڑ دیندا ہیگا'' تو وہی اس کا جبر جو ہے وہ شر بن جائے گا۔ قوت بجائے خویش نہ خیر تھی نہ شر تھی اس کا استعمال اسے خیر اور شر بنا دیتا ہے۔ اور خدا کے متعلق جو کہا کہ **بیدک الخیر** تو اس کے معنی ہیں کہ اس کی ہر قوت جو ہے خیر کے لیے استعمال ہوتی ہے شر کے لیے نہیں ہوتی۔ اور اس کے نام پر دنیا میں مملکتیں قائم کرنے والی جو قوم قومِ مؤمنین ہے ان کی ہر قوت خیر کے لیے ہوگی ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو جوڑنے کے لیے ہوگی صحیح و سلامت ہڈیوں کو توڑنے کے لیے نہیں ہوگی۔ وہ ظالم کی کلائی کو مروڑنے کے لیے اس شمشیر کا استعمال کرے گا مظلوم کے سینے میں خنجر گھونپنے کے لیے استعمال نہیں کرے گا۔ یہ جو قومِ جبار ہے یہ وہ قوم ہے کہ جو مظلوموں کے اوپر جبر کرتی تھی ظلم کرتی تھی ستم کرتی تھی قوت ان کے پاس بڑی تھی۔

کہا کہ اس کے اندر تو بڑے بڑے **قومًا جبارین** کی قوم ہے بڑی سخت گرفت ہے ان کی' ہڈیاں توڑ دینے والے ہیں وہ تو' ایسی قوم کے ساتھ واسطہ پڑے گا۔ (**و انا لن ندخلها**) (5:22) کہا کہ موسیٰؑ! تم ہزار ہمیں یہ کہو کہ خدا نے تمہارے نام لکھ دی ہے وہ زمین' اٹھو اور جا کے اس کا قبضہ لے لو ہم تو بالکل نہیں جائیں گے صاحب' وہاں تو بڑی زبردست قوم ہے۔ (**حتٰی یخرجوا منها**) (5:22) جب تک وہ وہاں سے نکل نہیں جاتے ہم نہیں جائیں گے۔ یعنی وہ خود نکل جائیں۔ (**فان یخرجوا منها فانا داخلون**) (5:22) وہ سیدھی بات ہے ہم تمہارے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے کہ ہم داخل نہیں ہونگے اس میں' بس صرف اتنی سی بات ہے کہ وہ جو اندر بیٹھے ہوئے ہیں اتنے جابر وہ نکل جائیں اور پھر ہم اندر داخل ہو جائیں گے۔ دیکھا قوم کی ذہنیت: وہ مقابلہ نہیں کرنا چاہتی دشمن کو نکالنا نہیں چاہتی وہاں سے' بیٹھی ہے اور کہہ یہ رہی ہے کہ وہ نکل جائیں تو پھر ہم اندر داخل ہو جائیں گے۔ ذرا آگے بات آتی ہے۔ نکل جائیں والی بات جو تھی وہ تو حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ وہ از خود کیوں نکل جائیں بھئی' یعنی اپنی مملکت میں وہ قابض ہیں حکومت ہے ان کی' گھروں میں اپنے بیٹھے ہیں آرام سے تو وہ نکل کیوں جائیں از خود' یہ ذرا آگے چل کے بات آئے گی۔ یہاں کہا (**قال رجلٰن من الذین یخافون انعم الله علیهما ادخلوا**) (5:23) کہا ان میں سے دو آدمی ایسے تھے' یہاں پھر یہ آیا ہے کہ جن پر خدا نے انعام کیا تھا۔ یہ دو خود حضرتِ موسیٰؑ اور ان کے بھائی ہارونؑ تھے۔ یہ انعام کیا ہے۔ دیکھا یہاں پھر کہا ہے **انعم الله علیهما**

ان پر خدا نے انعام کیا تھا۔ وہ انعام یہ تھا کہ وہ تمام معاملات کا فیصلہ خدا کی عطا کردہ روشنی یا وحی کی رو سے کرتے تھے' یہ تھا انعام خداوندی ان پر۔ اور اس کی وجہ سے لفظ یہاں ہے یخافون وہ جانتے تھے کہ اگر قوانین خداوندی کی نافرمانی کی ان کی خلاف ورزی کی کہ اس کے نتائج اتنے تباہ کن ہونگے کہ اس سے ہمیں ڈرنا چاہیے۔

یہ جو عزیزانِ من! قرآن کریم میں ہے نا خدا سے ڈرنے کی بات' خوف جسے کہتے ہیں وہ خوف ان معنوں میں نہیں جن معنوں میں ہمارے ہاں ایک Fear Complex ہوتا ہے۔ مومن کے متعلق تو ہے **لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** خوف تو بہت بڑی نفسیاتی بیماری ہے اس سے تو بہت بڑی Inhidations پیدا ہوتی ہیں' قرآن کی تو تعلیم یہ ہے کہ وہ خوف نکال دیتی ہے۔ خوف کسی کا بھی ہو وہ تو خوف ہی ہے لیکن ایک خوف اور معنی میں استعمال ہوتا ہے: کسی عمل کا کسی کام کا نتیجہ اگر آپ کے لیے مضرت رساں ہے اس کے قریب جانے سے جو ڈر لگتا ہے اسے بھی خوف کہتے ہیں۔ آگ میں جانے سے جل جانا' آپ دیکھتے ہیں کہ بچہ اگر آگ کی طرف جاتا ہے تو کس طرح سے ہم اسے روکتے ہیں اور اس آگ سے ڈراتے ہیں ہم۔ یہ آگ سے ڈرنے والی بات نہیں ہے آگ میں ہاتھ ڈالنے سے جو اس کے بعد تکلیف ہوتی ہے اس کے متعلق یہ اسے کہیے ڈر کہیے خطرے کا احساس کہیے محتاط رہنے کے لیے تاکید کہیے اس معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جب یہ ڈر کی بات آتی ہے جماعت مؤمنین کے متعلق خواہ وہ خدا سے ڈر کے الفاظ آئیں' اصل میں تو خدا سے ڈرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس نے جو قوانین دیے ہیں ان کی خلاف ورزی سے جو مضرت رساں نتائج پیدا ہوتے ہیں ان سے محتاط رہنے کا نام ہے جسے آپ کہتے ہیں **خشیت اللہ** ۔ یہ دو آدمی **یخافون** جو اس بات سے ڈرتے تھے کہ جو روش یہ اختیار کر رہی ہے قوم اسی پہ اگر یہ رہی تو اس کا نتیجہ کتنا تباہ کن ہوگا۔ مصر سے چلے آئے اور پیچھے دریا ہے اس سے پیچھے فرعون کی ایک بڑی مملکت ہے۔ یہاں بے سروسامان پڑے ہیں اس وادی کے اندر' کھانے تک کو بھی نہیں ہے' سامنے ایک قوم ہے جہاں کے متعلق کہا کہ تم وہاں اندر جاؤ اور تم وہاں مملکت حاصل کرلو گے۔ ان سے ڈر کے اگر یہ باہر یہاں بیٹھے رہے تو وہ اس کے نتائج سے ڈر رہے تھے خائف ہو رہے تھے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ' اس لیے کہا ہے **یخافون** ۔ قوم کی اس روش سے ڈر رہے تھے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ خدا نے ان پہ انعام کیا تھا کہ وہ واقعات کے نتائج کو یوں دیکھتے تھے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ تو انہوں نے یہ کہا (**ادخلوا علیھم الباب**) (5:23) کہا کہ (**فاذا دخلتموہ فانکم غلبون**) (5:23) اٹھو ذرا ہمت کرو ایک حملہ کرو ہم بتائے دیتے ہیں کہ وہ تمہارے حملے کی تاب نہیں لاسکیں گے تم حملہ کرو تم غالب آؤ گے۔ وہ **کتب اللہ** کا لفظ یاد رکھئے خدا نے زمین لکھ دی ہوئی ہے اور یہاں اس کے حاصل کرنے کے لیے کہا یہ جا رہا ہے کہ مقابلہ کرنا ہوگا ہمت دکھانی ہوگی حملہ کرنا ہوگا غلبہ حاصل کرنا ہوگا پھر خدا کی لکھی ہوئی زمین تمہیں مل سکے گی۔ (**فانکم غلبون**) (5:23) اس طرح سے تم غالب آجاؤ گے۔ اور

آ گے ہے(و علی اللہ فتو کلوا ان کنتم مؤمنین) (5:23) یہاں توکل کا لفظ آ گیا صاحب کہ مومن ہو اگر تم تو تمہیں اعتماد کرنا چاہیے اس بات کا۔اب خدا پر توکل کے معنی جو ہمارے ہاں ہیں وہ تو آپ کو معلوم ہے یہ جو آپ کے ہاں کے بھنگڑ خانے کے فقیر ہوتے ہیں (31:00) آواز نہیں ہے)۔آپ ﷺ نے کہا کہ وہ اونٹ کہاں ہے تمہارا' کہا کہ وہ باہر کھڑا ہے' آپ ﷺ نے کہا کہ اسے باندھ دیا ہے یا ایسے ہی چھوڑ آئے ہو' کہنے لگے نہیں ! میں نے توکل بخدا اس کو ویسے ہی چھوڑ دیا ہے' آپ ﷺ نے فرمایا پہلے اس کا گھٹنا باندھ اور پھر خدا پہ توکل کرو۔ بڑی چیز ہے۔ یہ توکل کی ضرورت ہے؟ جب تک آپ کو یقین نہ ہو کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں اس کا یہ یقیناً نتیجہ نکلے گا آپ کے ہاتھ کانپ جاتے ہیں آپ پوری یک دلی سے اس کام کو کر ہی نہیں سکتے۔ یہ یقین محکم ہے یہ اعتماد کلی ہے جس کی بناء پہ آپ یہ سارا کاروبار دنیا کرتے ہیں ایک اعتماد کے ساتھ ایک یقین کے ساتھ۔مومن کی کیفیت یہ ہے کہ اس کو خدا کی بتائی ہوئی راہنمائی جسے قوانین خداوندی کہتے ہیں اس کی نتیجہ خیزی پہ اتنا یقین ہوتا ہے کہ حالات کتنے ہی نامساعد کیوں نہ ہوں اسے یقین ہوتا ہے یہ جو ہے نا(ان کنتم مؤمنین) ان یہاں 'اگر' کے معنوں میں نہ لیجیے 'جب' کے معنوں میں لیجیے تو بات اور صاف ہوتی ہے کہ جب میں اس کے اس قوانین کی صداقت کو پرکھ کر جانچ کر پڑتال کر کے اس کی صداقت پہ میں یقین رکھتا ہوں تو میں اس پہ اعتبار کیوں نہ کروں۔ یہ ہے مومن کا توکل۔ پہلی چیز تو یہ ہے کہ اس کے قوانین کی Athicasy کے اوپر اس طرح سے یقین جسے Conviction کہتے ہیں آپ' Convinced ہیں وہ اس بات سے کہ یہ جو کہا گیا ہے ایسا ہو گا یہ ایسا ہو کر رہے گا۔اور پھر اس بھروسے اور توکل کے بعد پھر قدم اٹھانا یہ ہے جسے مومن کا شعائر کہا ہے اس کا طریقہ یہ ہے۔حضرتِ موسیٰؑ نے کہا کہ یہ ہے خدا کا قانون' وہ یقین دلا رہا ہے تمہیں' اٹھو حملہ کرو تم غالب آ جاؤ گے۔(قالوا یٰموسیٰ انا لن ندخلها ابدًا) (5:24) نہیں موسیٰؑ ! تم ہزار باتیں کرو ہم تو بالکل قطعاً یہاں سے اٹھ کے اندر داخل نہیں ہونگے(ماداموا فیها) (5:24) جب تک وہ ان کے اندر ہیں ہم کبھی اٹھ کے تیار نہیں ہونگے جو جی میں آئے وعظ کر دیکھئے جناب۔اندازہ لگائیے ! خدا کا ایک نبی درمیان میں بیٹھا ہے اور یہ تو قوم ایسی تھی وہ ایک نبی چھوڑ کو دو نبیوں کا تو بالتصریح ذکر ہے حضرت ہارونؑ' حضرت موسیٰؑ۔اور عام طور پہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت شعیبؑ جو تھے وہ حضرتِ موسیٰؑ کے خسر تھے وہ بھی اس قوم کے اندر تھے ان کی تعلیم و تربیت کے لیے بیک وقت یہ اہتمام تھا۔لیکن جب قوم کی ذہنیت بگڑ جائے اسے تو کوئی سنوار ہی نہیں سکتا۔ابھی آگے بات آئے گی یہ بگڑی ہوئی ذہنیت تھی۔ یہ جو ہزاروں سال انہوں نے محکومی اور غلامی کے اندر وہاں گذارے تھے محکومیت کی بھی ایک لذت ہوتی ہے جیسے بھکاری کو ایک بھیک مانگنے کی لذت ہو جاتی ہے نا پھر وہ کسی کام کے قابل نہیں رہتا۔ایک غیرت ہوتی ہے نا جو بھیک مانگنے سے مانع ہوتی ہے انسان کے' وہ غیرت نکل جائے اس کے بعد بھکاری کوئی کام کر ہی نہیں سکتا اس کی ہڈیوں کے اندر رچ جاتی ہے یہ چیز۔اسی طرح سے خوئے غلامی کی کیفیت ہوتی ہے ایک

عرصے تک یہ جوقفس کا خوگر تیتر ہوتا ہے پنجرے کا عادی' جو میں کئی دفعہ کہا کرتا ہوں مثال کے طور پر۔ اب تو وہ کشمکش حیات اتنی سخت ہوگئی ہے کہ ایسے لوگ کم ملتے ہیں جنہوں نے وہ پنجروں میں تیتر پالے ہوئے ہوتے تھے صبح ہی صبح وہ جاتے تھے سیر کے لیئے' ذرا باہر نکلے شہر کے اور انہوں نے دروازہ کھول دیا پنجرے کا' اب اس میں سے تیتر باہر ہے بال و پر صحیح وسلامت ہیں۔ باہر درختوں سے جنگل سے تیتروں کی آواز آ رہی ہے کہ تُو تو آزادی کے لیے بنا تھا بال و پر بھی تیرے موجود ہیں باہر بھی ہے پنجرے سے اڑ اور آ ادھر۔ وہ ان کی آوازیں سن کے بھاگ کے پھر پنجرے کے اوپر چلا جاتا ہے دروازہ بند ہوتا ہے تو چونچ سے مار مار کے کھولتا ہے۔ دیکھا ہوگا آپ نے' یہ کیا ہے؟ خوئے غلامی' جس میں کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ

نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں
گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

بہت آرام ہے۔

یہ عزیزانِ من! یہ خوئے غلامی کی پختگی ہے کہ خدا کی اتنی بڑی نعمت جو آزادی کی شکل میں ملی ہوئی ہوتی ہے اس کو انسان چند روٹیوں کے ٹکڑوں کے عوض بیچ کے سازشیں کر کے مملکتیں تباہ کرا دیتا ہے۔ کہا نہیں بھئی! ہم تو نہیں جائیں گے۔ اور آگے ہے ٹکڑا مزیدار۔ کہا کہ تم کہہ رہے ہونا کہ خدا یہ کہتا ہے کہ لکھ دی ہے' بھروسہ کر واس کے اوپر' وہ کہتا ہے کہ غالب آ ؤ گے۔ خدا کہتا ہے تم سے تم کہتے ہو ہم سے یہ کر رہے ہونا' تمہیں تو بڑا یقین ہے نا اس پہ' خدا کو یقین ہے اپنے فیصلے پہ تمہیں یقین ہے خدا کی اس بات پہ۔ تو جب یہ بات ہے (فاذھب انت و ربک فقاتلا) (5:24) تو اور تیرا رب دونوں جاؤ اور وہاں جا کے لڑائی کر لو۔ ''جے ایناں ای وڈا تینوں یقین ہیگا تے جاتوں تے نال لے جا اپنے رب نوں جیہڑا کہندا پیا ہیگا''۔ اندازہ لگایئے عزیزانِ من! کہاں پہنچ جاتی ہے ذہنیت' جاؤ تم اور تمہارا رب وہاں جا کے لڑو۔ اور اس کے بعد اپنے متعلق (انا ھٰھنا قاعدون) (5:24) ہم کہیں بھاگے نہیں جا رہے ''اسی ایتھے بیٹھے ہیگے آں جدوں آواز دیں گا آ جاں گے اسی' لے اسی کتھے نٹھے پئے ہیگے آں آ ایتھے ای تے ہیگے آں بیٹھے''۔ عزیزانِ من! یہاں سے آگے بڑھنے کو جی نہیں چاہتا یہ تو اپنی داستاں معلوم ہوتی ہے ذرا غور کیجیے گا۔ ہم ہنس دیے کہ قوم بنی اسرائیل نے کہا کہ تم اور تمہارا رب جاؤ' کیا یہی کیفیت ہماری نہیں ہو چکی؟ کہ ہم نے مملکت کے استحکام وسالمیت اور امن وفلاح کے لیے یہ ذمہ داریاں کسی اور سونپ دی ہوئی ہیں پوری کی پوری قوم بیٹھی ہوئی ہے آرام سے اور یہ ان سے کہہ رہی ہے ہر قدم کے اوپر کہ جاؤ سنبھالو۔ روز ہمارا یہ کام نہیں ہے کیا؟ شہر میں یہ بدامنی ہوگئی اتنا کچھ ہوگیا صاحب! دیکھئے نا حکومت سے اتنا بھی نہیں ہوسکتا' شر انگیزیاں پھیل رہی ہیں کیا کر رہی ہے حکومت بیٹھی ہوئی صاحب۔ حتیٰ کہ اگر کہیں حملہ بھی ہوتا ہے تو ہمارے ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ ہم نے ایک فوج مقرر کر رکھی ہے اس مقصد کے

لیئے یہ اس کا کام ہے کہ وہاں جا کے ان کو روکے ان پہ حملہ کرے ان کا جواب دے ملک کی مدافعت کرے اور ہم بیٹھے ہیں (انا ھٰھنا قاعدون) ۔ یعنی ہمارا پھر کوئی ذمہ نہیں رہ جاتا ہمارا فریضہ نہیں کوئی باقی رہ جاتا ہے ہمارا فریضہ (انا ھٰھنا قاعدون) ۔ ہم نے یہ چیزیں سونپ دی ہوئی ہیں کوئی حصہ نہیں ہم اس میں پھر لیتے کہ اس مملکت کی تنظیم میں اس کے نظام میں اس کی مدافعت میں اس کی حفاظت میں اس کی فلاح و بہبود میں اس کی ترقی میں حتٰی کہ اس کی حفاظت میں ۔ کچھ ہمارا بھی حصہ ہے کچھ ہمیں بھی کرنا ہے کچھ ہماری بھی ذمہ داری ہے ۔ اس قوم کے اندر ذمہ داری یا Responsibility کا تصور ہی چلا جاتا ہے Right اور حقوق کا تصور آتا ہے ۔ دیکھتے ہیں آپ روز Rights Rights Rights ان کے حقوق ان کے حقوق ان کے حقوق، اور کسی کی ذمہ داری بھی ہے یا نہیں ۔ ذمہ داری موسٰیؑ اور اسکے رب کی ۔ ٹھیک ہے ۔ ان لوگوں نے یہ مملکت بنا کے دیدی تھی اور اس کے بعد

تمہیں نے درد دیا ہے تمہی دوا دینا

جاؤ اب اس کو سنبھالتے پھرو اس کی حفاظت بھی کرتے پھرو ۔ عزیزانِ من ! یہ ٹھیک ہے تقسیم کار کے لیے یہ چیزیں الگ الگ سونپی جاتی ہیں لیکن اس سونپنے سے یہ نہیں ہوتا کہ مملکت کے افراد جو ہیں ان سے ذمہ داریاں ختم ہو جاتی ہیں ۔ مملکت کے ہر فرد کے اوپر وہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو مملکت کے سب سے بڑے سربراہ کے اوپر عائد ہوتی ہے ۔ ہر ایک کا اس میں حصہ ہوگا تو اس صورت میں یہ جو خدا کی ملی ہوئی نعمت ہے یہ برقرار رہے گی ورنہ اگر ذہنیت یہ ہو جائے کہ تم اور تمہارا خدا جاؤ اور سنبھالو ان کو جو حملہ کرنے والے ہیں اور ہم یہاں بیٹھے ہیں آرام سے، کچھ نہیں ہو سکتا عزیزانِ من ! ۔ یہ تصور قرآن نے آ کر دیا ہے عجیب و غریب تصور ہے ۔ بادشاہت میں یہ تصور رعایا کا ہوتا تھا کہ یہ بادشاہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی بھی حفاظت کرے تخت و تاج کی حفاظت کرے رعایا یہ سمجھتی تھی کہ ہم اس کے خدمت گذار ہیں یہ اپنی خاطر ہماری بھی حفاظت کرے گا ۔ جیسے گڈریا حفاظت کرتا ہے اپنی بھیڑوں کی، وہ بھیڑوں کی خاطر حفاظت نہیں کر رہا اس نے بھیڑوں کی اون مونڈھنی ہوتی ہے انہیں بیچنا ہوتا ہے ان کا گوشت کھانا ہوتا ہے اس لیے وہ ان کی حفاظت کرتا ہے ۔ یہ جو نظام تھا بادشاہت کا اس میں یہ کیفیت ہوتی تھی اس میں واقعی یہ بات تھی کہ رعیت کو کیا پڑا ہے خوامخوہ کے لیے سر درد مول لے ۔ قرآنِ کریم نے یہ تصور آ کے مٹایا اس نے کہا کہ یہ سوال یہاں کسی ایک فرد یا افراد کی کسی ایک جماعت یا گروپ کا نہیں ہے ۔ آپ سارے قرآن میں دیکھئے عزیزانِ من ! مملکت کا حصول، مملکت کا نظم و نسق، مملکت کی اصلاح، مملکت کی مدافعت یہ ساری چیزیں پوری امت کا فریضہ قرار دیا ہوا ہے ۔ سارے قرآن میں آپ دیکھئے مؤمنین کا ذکر ہے کسی ایک گروپ کا ذکر نہیں ہے ۔ اس نے تو یہ سٹینڈنگ آرمی کا تصور بھی نہیں رکھا تھا اور اس دور میں اس کی ضرورت نہیں تھی، تمام کی تمام امت جماعتِ مؤمنین : مجاہدین ۔ آپ سارے قرآن میں دیکھئے کہیں یہ نہیں لکھا کہ تم

میں سے جو سپاہی ہیں وہ جا کے لڑیں' کہا ہوا ہے کہ جاؤ اٹھو پوری مؤمنین کی جماعت۔ نظم و نسق کے متعلق نبی اکرم ﷺ سے ارشاد ہو رہا ہے (و شاورھم فی الامر) ان سے مشورہ کر یا کرو۔ مشورے سے کیا ہوتا ہے؟ ہر فرد اس ذمہ داری میں شریک ہو جاتا ہے اور پھر اس میں Interest لیتا ہے وہ' دلچسپی لیتا ہے کہ میرا فریضہ ہے یہ' باہمی مشاورت سے یہ ہوگا۔ خود اس امت کے متعلق (و امرھم شوریٰ بینھم) ان کے معاملات باہمی مشاورت سے طے ہونگے۔ ساری امت اس کے اندر آتی ہے۔ (و کذٰلک جعلنکم امۃ وسطًا لتکونوا شھدآء علی الناس) ہم نے تمہیں ایک بین الاقوامی قوم بنایا ہے تا کہ تم نوع انسانی کے اعمال کی نگرانی کر سکو۔ پوری امت ہے پوری قوم ہے اس میں کسی خاص فرد یا خاص گروپ کا فریضہ یہ نہیں قرار دیا پوری قوم کا فریضہ قرار دیا ہے۔ اور یہی چیز ہے عزیزانِ من! جس کے لیے خود حضورِ نبی اکرم ﷺ سے بھی تاکیداً یہ کہا گیا ہے اور عجیب عجیب الفاظ میں کہا گیا عزیزانِ من! ۔حضور ﷺ اور خدا کا جو تعلق تھا وہ تو ظاہر ہے' خدا کا کافی ہونا جسے ہم کہتے ہیں حضور ﷺ سے زیادہ اس بات کو کون اور جان پہچان سکتا تھا لیکن دیکھئے خدا حضور ﷺ سے کیا کہہ رہا ہے۔

فان حسبک اللہ (8:62) تو یہ کہا خدا تیرے لیے کافی ہے' ساتھ ہی یہ کہا اسی سانس میں (ھو الذی) (8:62) یعنی وہ خدا (ایدک بنصرہٖ و بالمؤمنین) (8:62) کہ جس نے تیرے لیے سامان تقویت بہم پہنچایا اپنی نصرت سے اور جماعت مؤمنین کے ذریعے۔ رسول کے ساتھ جماعت مؤمنین۔ اور آگے ایک ہی آیت آگے دیکھئے اس میں تو اور بھی بات واضح کر دی (یایھا النبی) (8:64) اے نبی! (حسبک اللہ و من اتبعک من المؤمنین) (8:62) تیرے لیے خدا کافی ہے' اکیلا خدا نہیں' تیرے لیے خدا اور مؤمنین میں سے جو تیرا اتباع کرتے ہیں یہ کافی ہیں' یہ ہیں جو تیرے لیے کافی ہیں دونوں مل کے۔ خدا کا قانون اور جماعت مؤمنین۔ دیکھا اس جماعت کی ضرورت ورنہ یہ جماعت تو آسانی سے کہہ سکتی تھی رسول سے کہ فاذھب انت و ربک فقاتلا (5:24) کتنی جنگیں ان کو لڑنی پڑیں کہ جاؤ تو اور تیرا رب لڑو ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ لڑنے کے لیے کون جاتے تھے؟ پوری امت جاتی تھی نبی اکرم ﷺ ساتھ جاتے تھے حضور ﷺ سپہ سالار کی حیثیت سے جاتے تھے یہ فوج کی حیثیت سے جاتے ہیں ہر ایک کے اوپر ذمہ داری عائد ہوتی تھی۔ اور اسی لیے خدا نے یہ کہا ہے کہ نبی سے کہ تیرے لیے یہی چیز نہیں کہ اکیلے خدا کی نصرت جسے تم کہتے ہو قانونِ خداوندی کے ذریعے (حسبک اللہ و من اتبعک من المؤمنین) (8:62)۔ دوسرے مقام پہ حضور ﷺ سے اور تاکیداً کہا گیا ان ساتھیوں کی اہمیت قرآن بتا رہا ہے صحابہ کبارؓ کی جماعت مؤمنین کی' ان کی رفاقت کی اہمیت ان کے ساتھ رکھنے کی اہمیت۔ (واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغدٰوۃ و العشی یریدون وجھہ) (18:28) نبی کی استقامت کا موجب جماعت مؤمنین کی رفاقت کو قرار دیا ہے۔ اور یہی ہیں نبی اور اس کے ساتھی کہ جن کے متعلق حدیبیہ کے مقام پر جو بڑا ہی نازک مقام آیا تھا

قوموں کی زندگی میں ۔جس قسم کے ہمارے اوپر بھی نازک مقام یہ آئے ہیں عزیزانِ من! اسی قسم کا وہ نازک مقام آ گیا تھا حدیبیہ کے مقام کے اوپر۔وہاں یہ چیز اللہ تعالیٰ نے کہی کہ (محمد رسول الله والذين معه) (48:29) محمدﷺ اللہ کا رسول' اکیلا نہیں تنہا نہیں صرف جرنیل نہیں اکیلا جرنیل کیا کرے گا۔(محمد رسول الله والذين معه اشده على الكفار رحمآء بينهم) (48:29) محمدﷺ اور آپﷺ کے رفقائے کار صحابۂ کبارؓ کس وجد مسرت سے جھوم جھوم کر خدا یہ بیان کر رہا ہے کہ یہ ہیں جن کی کیفیت یہ ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ اس قدر محبت سے پیش آنے والے کہ (الف بين قلوهم) ان کے دل جڑے ہوئے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ۔اور پھر ان کی کیفیت یہ ہے کہ ایک آہنی دیوار کی طرح مخالفین کے مقابلے میں ڈٹ کے کھڑے ہوجاتے ہیں (اشده على الكفار) محمدﷺ اکیلے نہیں' محمد رسول الله والذين معه ۔ آپ نے یہ غور فرمایا کہ یہ قوم کی کتنی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کتنا بڑا فریضہ عائد ہوتا ہے یہ تنہا کسی ایک کی بات نہیں نہ سربراہِ مملکت کی بات نہ فوج کے جرنیل کی بات ۔افرادِ امت قوم کا ہر فرد اپنے اپنے مقام کے اوپر جس قدر اس کا فریضہ ہے وہ اپنا فریضہ ادا کرے گا اور اس طرح سے ان کے اجتماعی عمل سے وہ نتیجہ پیدا ہوگا جو خدا پیدا کرنا چاہتا ہے۔ یہ ہے وہ چیز جو ہمیں ملتی ہے کہ یہ ذہنیت جو ہے (فاذهب انت و ربک فقاتلا) (5:24) یہ ذہنیت عام ہوجاتی ہے بالعموم اس قوم میں جس کی رگوں کے اندر محکومیت کے اثرات حلول کر گئے ہوتے ہیں' ذمہ داری نہیں لینا چاہتی ذمہ داری دوسروں پہ ڈالنا چاہتی ہے ۔اور یہ چیز ہمارے ہاں تو عوام میں نہیں جو جن کو ذمہ دار ارباب ہمارے ہاں کہا جاتا ہے ان کی بھی کیفیت یہ ہوتی ہے ہر ایک کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح سے فائل میرے میز سے اگلے میز پہ چلا جائے' کوئی شخص ذمہ داری لینے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ ہر ایک کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ (فاذهب انت و ربک) تو اور تیرا رب ہی فائنل بات کرو ہم اس میں شریک نہ ہوں ۔نہیں عزیزانِ من! اس میں تو جماعت مسلمین کا' Quoted میں کہوں گا ادنیٰ سا فرد جسے کہا جائے ورنہ یہاں ادنیٰ اور اعلیٰ کا تو سوال ہی نہیں ہوتا' جتنے افراد ہیں امت کے وہ سب اپنے اپنے مقام پہ ان فرائض کے اندر شریک ہوتے ہیں ان ذمہ داریوں میں شریک ہوتے ہیں اور ان سب کے اجتماعی کوششوں کا نتیجہ دین کا استحکام' ملت اور مملکت کی بقاء ہوتی ہے ۔اس لیے یہ ذہنیت جو ہے کہ تو اور تیرا رب جا کے لڑے جو آج کے اس ہمارے حالات میں اس شکل میں ہمارے سامنے آیا ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی اپنی ذمہ داری نہیں قرار دیتا دوسروں کی ذمہ داری قرار دیتا ہے یہ ہے ذہنیت اس قوم کی پیدا ہوجاتی ۔اور اس کا نتیجہ پھر یہ ہوتا ہے (قال رب انی لا املک الا نفسی و اخی) (4:25) یہ مقام پھر آ جاتا ہے ۔موسیٰؑ نے کہا اے اللہ! یہ ہے وہ قوم' اب میں اس مقام پہ اس سے زیادہ اور کیا کہوں کہ میں اپنے اور اپنے بھائی کے متعلق تو ذمہ داری لیتا ہوں ''اینآں چبلاں دے متعلق کی کہواں'' کیفیت جن کی یہ ہے کہ یہ دیکھ پائے فرعون جیسے جابر اور مستبد بادشاہ کے پنجۂ استبداد سے ان کو نکال کے لے آئے' یہاں آزادی کی فضاؤں کے اندر

یہ زندگی بسر کر رہے ہیں من وسلوٰی ان کو یہاں مل رہا ہے پانی کی طلب ہوئی ہے تو چشموں کے چشمے بہتے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔مملکت اور حکومت کے لیے انہیں کہا جا رہا ہے کہ یہ سرزمین تمہارے نام لکھ دی ہے اٹھ کے قبضہ لے لو اتنا بھی تیار نہیں ہوتے۔تو اب اس کے بعد میں ایسی قوم کی ذمہ داری تو نہیں لے سکتا۔یاد رکھئے یہ تنگ آئی ہوئی بات والی نہیں ہے۔قرآن نے آگے ایک لفظ کہا ہے کیا بات ہے قرآن کی!! یہ ایک مشفق طبیب کا آخری فقرہ ہے' مریض جب ضد پہ آتا ہے نہ دوائی کھاتا ہے نہ پرہیز کرتا ہے ہزار وہ سمجھاتا ہے بالکل نہیں سمجھتا تو وہ پھر اس کی بالی سے جب یہ کہہ کے اٹھ جاتا ہے کہ بھئی! پھر تیرا علاج تو میرے پاس ہے نہیں' میں کیا کروں تو مرتا ہے تو مرے۔تو یہ بات طنز وتعریض کی بناء پہ نہیں ہوتی یہ شدت ہوتی ہے ہمدردی اور شفقت کی۔ابھی آتا ہے لفظ' قرآن ہے عزیزانِ من!۔(**قال ربی انی لا املک الا نفسی و اخی فافرق بیننا و بین القوم الفٰسقین**) (5:25) یہ قوم کہ جو اسے پیٹرن دیا گیا کہ اس کے اندر رہتے رہو تو اس سے یونہی کبھی کوئی ادھر نکل جاتا ہے کبھی کوئی ادھر نکل جاتا ہے میں اب تو یہی کہونگا کہ ان میں اور ہم میں کچھ فیصلہ کر دے۔کہا کہ ہاں! فیصلہ کر دے تم نے کہا ہے فیصلہ تو ہمارے قانون نے کر دیا ہے۔لفظ آپ نے دیکھے تھے ناکتب اللہ خدا نے لکھ دی تھی زمین۔کہا(**قال فانھا محرمة علیھم اربعین سنةً یتیھون فی الارض**) (5:26) وہی سرزمین جو ہم نے ان کے نام لکھ دی تھی چالیس سال تک ان کو محروم کر دیا اس سے۔دیکھا خدا کا انعام جسے ہم نے کہا ہے نعمت خداوندی کن چیزوں سے مشروط ہوتی ہے۔محروم کر دیا چالیس سال تک۔کیا کیا جائے' قوم تو موجود ہے ساتھ لے آئے ہیں یہ ٹھیک ہے کہ اس سے محروم ہوگئی مملکت نہیں مل رہی' کیا کیا جائے اس قوم کو (**یتیھون فی الارض**) (5:26) یہ ان صحراؤں اور جنگلوں میں مارے مارے پھرے گی چالیس سال تک۔کیا بات ہوگی پھر یہ' یہ مارے مارے پھرے گی۔یہ ایک فقرے کے بعد عرض کرونگا پہلے وہ بات کہہ دوں جو میں نے کہا تھا کہ یہ ایک مشفق طبیب کی حسرت بھری آواز تھی جو اس نے کہا ہے کہ یا اللہ مجھ میں اور اس قوم کے اندر کچھ فیصلہ کر دے اور وہ دیکھئے قرآن کا۔خدا کہہ رہا ہے موسٰیؑ سے کہ فیصلہ ہم نے کر دیا ہے کہ یہ چالیس سال تک محروم رہیں گے (**فلا تاس علی القوم الفٰسقین**) (5:26) موسٰیؑ! اس قسم کی قوم کے متعلق جو ہم نے کہا ہے یہ ہوگا اس سے افسردہ خاطر اور غمگین مت ہو۔آہاہا۔دیکھا جو میں نے کہا تھا کہ وہ طبیب جو بالی سے اٹھ کے چلا جا رہا ہے شدتِ شفقت اور محبت اور ہمدردی ہے جو وہ یہ کہہ رہا ہے کہ جا میرے پاس کوئی علاج نہیں ہے ''جس طراں ماں بچےنوں کہہ دیندی ہیگی اے جانٹھ جا گھروں جا دفع ہو جا دور ہو جا میری اکھیاں دے سامنے' کوئی نئیں روٹی میرے پاس' سچ مچ نئیں کین ڈئی ہوندی''۔(**فلا تاس علی القوم الفٰسقین**) (5:26) نبی تو اتنا مشفق شفیق دوست ہوتا ہے عزیزانِ من! ان کی ذہنیت کی بناء پہ یہ کہتا ہے کہ ختم کر قصہ' فیصلہ کر دے میرے اور ان میں۔لیکن جو کیفیت قلبی ہے اس کے متعلق خود نہیں کچھ کہا' انداز ہے قرآن کا' خدا یہ کہہ رہا ہے کہ موسٰیؑ! یہ ہوگی ان کی حسرت لیکن اس پہ آنسو نہ

بہا۔ نبی تو ایک طرف رہا عزیزانِ من! یہاں تو قرآن کا جو خدا ہے اس کی بھی یہ کیفیت ہے کہ جب مجرم کو سزا دی جاتی ہے جہنم میں بھیجا جاتا ہے بڑی وارننگ دینے کے بعد بڑی کوششوں کے باوجود وہ اپنی غلط روش سے باز نہیں آتے اپنے اوپر مسلط کر لیتے ہیں اس عذاب کو۔ اس عذاب کے وقت میں یہ خدا کہتا ہے(**یحسرةً علی العباد**) افوہ! اے میرے بندؤ **علی العباد** سوچئے تو سہی' میرا تعلق تمہارے ساتھ آج بھی وہی ہے جو آقا کا بندے سے ہوتا ہے' حسرت بھری کتنی داستان ہے تمہاری یہ انجام تمہارا ہوا۔ کیا انداز ہے خدا کا یہ کہنے کا!! انتقام نہیں لیا جا رہا۔ یہ جس کو ہم سزا کہتے ہیں یہ انتقامی سزا نہیں ہے' کوئی غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے کیا ہے' قطعاً نہیں۔ دوسری جگہ ہے کہ اگر تم صحیح روش پہ چلو تو خدا کو تمہیں عذاب دے کے کیا لینا ہے۔ کوئی Sadistic Mentality ہے خدا کی کہ دوسرے کو ستانے کے بعد وہ لذت لیتا ہے؟ اس کی تو کیفیت یہ ہے (کس انداز سے بات کی ہے!!) کہ اپنے جرم کی بناء پہ اس کو سزا مل رہی ہے اور وہ کہہ رہا ہے **یحسرة علی العباد** او میرے بندو تم نے کیا کیا۔ اسی لیے وہ کہہ رہا ہے موسیٰؑ سے کہ (**فلا تاس علی القوم الفٰسقین**) (5:26) یہ مقام جو ہے کہ جرم کے نتیجے میں سزا مل رہی ہے اور اس کی اس حالت کے اوپر دل میں جذبات ہمدردی بھی مؤجزن ہیں۔ دو متضاد جذبات ہیں عزیزانِ من! جن کا ٹکراؤ ہو رہا ہے۔ عدل کا تقاضا یہی ہے جرم کی سزا ملے' انسانیت کی ہمدردی کا تقاضا یہی ہے کہ دل کے اندر دکھ درد اٹھے۔ ان دونوں کا امتزاج شاید آپ کو یاد ہو یاد ہو بھی تو میں کہتا ہوں یہ چیزیں تو بار بار دہرانے کی ہیں حضورِ نبی اکرم ﷺ کی سیرت مقدسہ کا وہ واقعہ درخشندہ موتیوں کی طرح چمک رہا ہے۔ جب تک آسمان کی آنکھ زمین پہ دیکھ رہی ہے یہ نظیر ہے یہ اسوہ ہے کہ عدل میں اور ہمدردی کے امتزاج کیسے ہوتا ہے۔

وہ واقعہ کہ ایک یہودی کو جرم قتل کی سزا میں موت کی سزا دی جا رہی تھی آپ ﷺ سامنے کھڑے ہیں کہ سزا کو دیکھا جائے۔ قرآن میں یہ ہے کہ سزا جو ہے وہ سامنے دینی چاہیے۔ جماعت مؤمنین بھی دیکھ رہے ہیں جلاد کھڑا ہے سر پہ' یہودی کی چھوٹی سی بچی چلاتی ہوئی آتی ہے اور حضور ﷺ کی ٹانگوں کے ساتھ چمٹ جاتی ہے اور اس بے تابی اور بے کلی سے روتی ہے کہ میں یتیم ہو جاؤں گی میرا کچھ نہیں رہے گا میرے ابا کو چھوڑ دیجئے' یہ کیفیت ہے۔ (آواز نہیں ہے)۔ جب عدل پہ جذبات کے تقاضے غالب آتے ہیں پھر کوئی بھی چور آپ کی گرفت میں نہیں رہتا'' تے فیر چور؟؟ بن جاندے ہیگے نیں تے؟؟ چور بن جاندے نیں''۔ بات ہی اتنی ہے صاحب! جذبات کے معنی ہمدردی کے جذبات ہی نہیں ہیں' کسی قسم کی بھی جذبات جو آڑے آ جائیں عدل کے راستے میں تو پھر تو تباہیاں ہو جاتی ہیں پھر جتنا بڑا وہ آدمی ہوگا اتنی بڑی اس کی تباہی ہوگی۔ یہی تو بات تھی کہ پہلی دفعہ تاریخ میں انسانیت (آواز نہیں ہے)۔ اس قسم کی بات مت کہو غافلوں کی سی بے خبروں کی سی بات' یہ بے خبری کی بات ہوئی۔ کہا یہ کہ بیٹے کا جذبہ اگر غالب آ جائے عدل کے اوپر تو یاد رکھئے یہ تو ڈوب رہے ہیں نوحؑ کی کشتی ڈوب جائے گی۔ یہ ہے عزیزانِ من! (**فلا تاس علی**

القوم الفٰسقین) (5:26)ہاں! غم نہ کھاؤ عدل کو اپنا تقاضا پورا کرنے دو۔ یہ جو چیز کہی ہے کہ چالیس سال تک پھر یہ سینا کی وادیوں میں دشت و صحرا کے اندر یتیھــون : اس کے معنی ہوتا ہے ’’جنوں اسی کیندے آں نارلدے‘‘ یہ کیفیت رہے گی ان دشت کے اندر‘ چلتے رہیں گے۔ یہ چالیس کیوں ہوا چالیس سال کے بعد کیا ہوا۔ بڑی اہم بات ہے عزیزانِ من! دوسری جگہ ایک ٹکڑا آیا ہے دونوں کو ملا لیا جائے تو بات صاف ہو جاتی ہے۔ یہ قوم وہ آئی تھی جیسے ہم پاکستان آئے تھے وہی غلامی کے جراثیم اپنی ہڈیوں میں لیے ہوئے۔ اس قوم کی کیفیت یہ تھی کہ قدم قدم کے اوپر یہ چیزیں ان کے آڑے آ جاتی تھیں ان میں یہ ہمت نہیں تھی۔ اب یہ بھی نہیں تھا کہ ان کو لے جا کے وہ نیل میں ڈبا دیتے‘ یہ تو ہو نہیں سکتا‘ قوم نے زندہ تو رہنا ہے۔ کہا کہ اس قوم کو تو پھر اتنا ہی کرو کہ کسی طرح سے یہ جو سرزمین ہے جس پہ یہ ہیں اس وقت‘ یہ کسی طرح سے محفوظ رہے ان سے اتنا ہی کام لو اس سے زیادہ ان سے توقع نہ کرو‘ ان کو لیے لیے پھرو اور ان کو مرنے دو۔ البتہ جو اس کے بعد نئی نسل ان کی پیدا ہو ان کو سنبھال لو ان کی تعلیم و تربیت آزادی کی اس فضا کے اندر‘ خدا کی دی ہوئی تعلیم کے مطابق ان کی تعلیم و تربیت کرو۔ اس کے لیے اندازاً کوئی چالیس سال کا عرصہ بتایا کہ یہ بڑے بوڑھے جتنے بھی ہیں اتنے میں یہ مر مرا جائیں گے اور یہ جو نژادِ نو ہے نئی نسل ہے جن کی صحیح تربیت جب تم کرو گے یہ جب بڑے ہونگے قرآنِ کریم میں سورۃ یونس میں ہے عزیزانِ من! کہ جب یہ نژادِ نو بڑھی ہے (فما اٰمنا لموسٰی الّا ذریۃ من قومہ) یہ نئی نسل جو تھی یہ جب ایمان لائی موسٰیؑ پہ تو وہاں یہ ہے کہ یہ اٹھے انہوں نے ایک ہی جھٹکے کے اندر جا کے فلسطین کو فتح کر لیا۔ یہ ہے پروگرام۔ نئی نسلوں کی صحیح تعلیم و تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ جو آج ہم پٹ رہے ہیں یہاں‘ اس کی وجہ یہ ہوئی ہے کہ ہم تو تھے ہی ایسے‘ ہمارے ذمہ اتنا ہی کام ہونا چاہیے تھا کہ اس سرزمین کو محفوظ رکھ لیں کسی طرح سے دشمن کی یورش سے اور اپنی نئی نسل کی تعلیم و تربیت ہم صحیح نظریہ کے مطابق کریں۔ اس تئیس سال کے بعد وہ نسل نئی قوم بنی ہوئی ہوتی ہمیں اس کے بعد یہ؟؟ کی؟؟؟ میں رکھ دیتے۔ اور یہ جو قوم اٹھتی نئے تصورات نئے نظریات نئی نگاہیں نئی فکر لے کے یہ جو قوم اٹھتی اس قوم کو پھر دنیا کی کوئی قوم شکست نہیں دے سکتی تھی۔ ہم مجرم اس بات کے ہیں کہ ہم تو جیسے تھے ہی تھے ہم نے اپنی آنے والی جو نسلیں تھیں ان کی طرف سے اس قدر مجرمانہ تغافل برتا وہ بالکل بے راہ رو ہو گئیں۔ ہم تو مفلوج تھے ہم پہ تو فالج گرا ہوا تھا ان کو سرسام ہو گیا اس قوم کو‘ ہم تو بے حس و حرکت تھے وہ قوم پاگلوں کی طرح ہو گئی جو نئی نسل ہے ہماری۔ یہ کیفیت ہمارے ساتھ ہوئی عزیزانِ من!۔ اور اس کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں جو خدا کی راہنمائی نے بتایا ہے۔ یہی قوم بنی اسرائیل کے اندر جو چیز کہی گئی ہے کہ یہ جو یہ غلامی کے جراثیم کو اپنے ذہنوں میں لیے ہوئے آ رہے ہیں ٹھیک ہے ان سے یہی کہتے چلے جایئے کہ ٹھیک ہے ’’بابا! روٹی کھاندے جاؤ تے بیہڑی اچ بیہ کے کم از کم رات نوں کھنگدے رہو تے کوئی چور نہ آ جائے‘‘ یہ اتنا بھی کر لیں تو بہت ہے ’’بڈھا ہور کی کر سکدا اے وچارا‘‘۔ لیکن اس کے بعد جو آنے والی نسل ہے ان کو پھر خدا کی دی ہوئی راہنمائی میں ان کے قلب و

دماغ کو ڈھال دیجیے۔ وہ انسانیت کے قالب میں ڈھل کے جب پھر وہ قوم ابھرے گی تو جیسے قرآن نے کہا ہے وہ تو ایک جھٹکے میں لے جائے گی۔ آج بھی یہی کچھ کرنے کا ہے عزیزانِ من! اور میں پھر یہ عرض کردوں کہ اس کی یہ رحمتِ بے پایاں ہے جو بار بار (**واذکروا نعمت اللہ**) ہمیں کہتا ہے اویاد کرو پھر اس خدا کی اس نعمت کو کہ وہ قوم پھر تہیہ کر چکی تھی ہاتھ بڑھا چکی تھی اپنی گرفت میں لینے کے لیے۔ عجیب چیز ہے انداز!! خود وہاں بیٹھے ہوئے ہاتھ بڑھانا' ایک تو خود چل کے آنا ہے اور ایک یہ ہے کہ آپ وہاں بیٹھا رہے اور یہاں کوئی انگلیاں کوئی اور ہاتھ کام کر رہے ہوں۔ ہاتھ بڑھا چکی تھی وہ قوم پھر تمہیں اپنے قبضے میں لینے کے لیے اور ہم نے کہا رک جاؤ خبردار آگے بڑھے تو۔ کہا ہماری اس نعمت کو یاد کرو۔ بہت بڑی نعمت تھی یہ ہمارے اوپر' 1947ء میں یہ نعمت ہم نے خود دیکھی کہ کیسے ان کے ہاتھ رکے ہوئے تھے' یہ ہم سے ہی پوچھو جو وہاں سے ہم آئے تھے عزیزانِ من! اب تک ذہن میں نہیں آتا کہ ہم کیسے بچ گئے تھے۔ سن 1965ء میں پھر دوبارہ یہ نعمت ہمارے اوپر ارزاں ہوگئی۔ آج تک دنیا کا مؤرخ انگشت بدنداں ہے نظام عسکریت کے ماہرین بھی محو حیرت ہیں کہ ہوا کیا تھا ان کو کہ نہر کے کنارے پہ کھڑے ہیں' بحر الکاہل آ گیا تھا آگے؟ کیا بات ہے صاحب۔ **فکف ایدیھم** کہہ دیا ہم نے ایک قدم نہیں آگے بڑھ سکتے' یہ بھی نعمت تھی ہماری۔ لیکن اس کے بعد پھر ایک دفعہ یہ نعمت ہمارے اوپر آئی ہے' پہلے سے بھی زیادہ یہ سنگین حملہ تھا عزیزانِ من!۔ کھلے ہوئے دشمن جو **عــــدو مبیــــن** ہے اس کے متعلق تو قرآن نے یہ کہا ہے کہ میرے مخلص بندوں کے اوپر یہ کچھ نہیں کر سکتا' منافق جو ہے اس سے ڈرایا ہے قرآن نے بار بار' اس سے ڈرو یہ تمہارے جیسا بن کے تمہارے جیسا روپ دھار کے تمہارے اندر ہوتا ہے اور تمہاری جڑیں کھودتا ہے۔ یہاں پھر اس نے ایک دفعہ بتا دیا۔ عزیزانِ من! بار بار خدا ہمیں کہتا ہے ہماری نعمت کو یاد کرو بار بار کہتا ہے کہ بنی اسرائیل کی داستان کو بھی سامنے رکھو۔ اور وہیں سے ہمیں یہ کہتا ہے کہ بچنے کی صورت کیا ہوگی کہ اپنی نژادِ نو کو انہیں صحیح تعلیم و تربیت دو۔ اس کے بعد پھر یہی قوم بنی اسرائیل عزیزانِ من! جن کے متعلق یہ چیز ہے کہ چالیس سال تک اس زمین سے بھی محروم کر دیا جو ان کے نام لکھ دی گئی تھی اس کے بعد صدیوں تک یعنی شوکت سلیمانیؑ اور حشمت داؤدیؑ تو تاریخ میں مشہور ہے صاحب' اتنی بڑی عظمت اور شوکت کی حامل یہ قوم بنی ہے۔ کیوں بنی یہ قوم؟ وہ جو نژادِ نو تھی اس کو صحیح قالب میں ڈھالا انہوں نے۔ یہ تھی چیز کرنے کی عزیزانِ من! وہ جو میں بار بار یہ کہا کرتا ہوں اور آپ کو یاد ہوگا میرا گذشتہ کنونشن کا خطاب کہ قوموں کا مستقبل فکر کی رو سے ہوتا ہے ہنگاموں سے نہیں ہوتا۔ نئی نسل کو فکر کے قالبوں کے اندر ڈھالنا' تعلیم و تربیت ان کی یہ کرو' ان کو سرکشی اور لاقانونیت نہ سکھایئے۔ یہ کیجیے گا۔ کوئی بات نہیں ایک دفعہ پھر اس نے ہمیں اپنی رحمت سے نواز دیا ہے کرم بے پایاں ہے اس کا۔ اب بھی موقع ہے کہ ہم یہ کچھ کر لیں کہ جو ہیں موجود ان کے ذمے تو یہ ہو کہ کسی طرح سے اس سرزمین کی سرحدوں کی محافظت یہ کرتے رہیں اور یہ اکیلا موسیٰؑ اور اس کے رب کا معاملہ نہ کہیں کہ ہم نے فوج مقرر کی ہوئی ہے وہ یہ کچھ کرے گی۔ ہمارا آپ کا ہر فرد کا یہ

ذمہ اور فریضہ ہے کہ ہم اس سرحد کی حفاظتوں میں اپنی اس قوم کے پیچھے آہنی دیوار بن کے بیٹھ جائیں ۔عزیزانِ من ! یہ جو فوج ہوتی ہے دشمن کے مقابلے میں یہ تو انڈے کی مثال ہوتی ہے فوج اوپر کا خول ہوتا ہے۔ انڈہ اگر اندر سے کچا ہے تو تھوڑا سا بھی ٹھوکر اس کو لگ جائے انڈہ ٹوٹ جاتا ہے اور Half Boiled Egg جو ہوتا ہے سخت ہوا ہوا انڈہ پھر آپ دیکھتے ہیں کہ وہ خول بھی کتنا سخت ہو جاتا ہے اوپر کا۔اس اندر کی جو سول کی آبادی ہے اس کی جو سختی ہے اس کی نسبت سے فوج جو ہے سخت ہوتی ہے یاد رکھئے ورنہ وہ تو انڈے کا چھلکا ہوتی ہے وہ تو شیل ہوتی ہے بم کا صرف' سوال تو یہ ہے کہ اس بم کے اندر بارود کس قسم کا ہے۔اگر بارود ہی ہمارے جیسا اندر ہوگا تو وہ ٹھیک ہے مغلیہ سلطنت کے شیل کے اندر پھر انہوں نے سرسوں؟؟؟ ڈال دی تھی نا۔خدا کے لیے یہ جو اللہ تعالیٰ کی نعمت آپ کی اس عسکریت اور فوج کی شکل میں ہمارے سامنے آئی ہوئی ہے اس شیل کے اندر اپنی سول کے سرسوں کے بیج کو؟؟؟ کے نہ ڈالیے ''فیر ستے ای خیراں''۔اور آنے والی نسل جو ہے میں پھر عرض کردوں اس کی تعلیم و تربیت صحیح قرآن کریم کے خطوط میں یہ کیجیے اور اس کے بعد پھر یہ دیکھئے خدا کے وعدے کہ ایک ایک ان میں کا ایک ایک ان کے دس دس کے اوپر بھاری ہوگا۔ بات آگے اور چلی آتی ہے وہ بھی بڑی عظیم کہانی ہے وہ جسے کہتے ہیں آدم کے دو بیٹوں کا قصہ جو سب سے پہلے کہتے ہیں اس دنیا کے اوپر خون ناحق کا قطرہ جو گرا تھا اس کا قصہ آگے آتا ہے۔ چونکہ بات تو مسلسل کرنے کی ہے اس لیے اسے ہم آئندہ درس پہ اٹھا رکھتے ہیں۔آج ہم سورۃ مآئدہ کی آیت 26 تک پہنچے ہیں آئندہ ہم 27 سے لیں گے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم . بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المآ ئدہ۔ساتواں باب (آیات 27 تا 36)

عزیزانِ من!

آج اپریل 1971ء کی 18 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ المآ ئدہ کی 27 ویں آیت سے ہوتا ہے (5:27)

مذہب کے متعلق عام تصور یہی ہے کہ وہ خدا اور بندے کے درمیان کو تعلق کو وابستہ کرتا ہے۔لیکن قرآنِ کریم کی ساری تعلیم یہ ہے کہ بندوں کے درمیان باہمی تعلقات کو کس طرح سے استوار کیا جائے۔خدا جو تعلیم دیتا ہے وحی کے ذریعے وہ انسانوں کے باہمی معاملات کو سنوارنے کے لیے ہوتی ہے۔اس میں سب سے پہلے انسان کی اپنی ذات سنورتی ہے اور پھر جب دوسرے انسانوں سے معاملات پڑتے ہیں تو پھر باہمی معاملے سنورتے ہیں۔یہ ہے دین کا مقصود۔باہمی معاملات میں ایک دوسرے کے مفاد میں ٹکراؤ ہوتا ہے اور بنیاد اس کی یہ ہوتی ہے کہ جب انسان کے جذبات اس کی عقل پر یا ان اصولوں پر غالب آ جائیں جن کے مطابق اسے زندگی بسر کرنی چاہیے تو پھر بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

جذبات انسان کی بڑی قیمتی متاع ہیں لیکن جس طرح انسان کی جسمانی قوت بھی بڑی قیمتی چیز ہے لیکن سوال تو یہ ہے کہ اس قوت کو صَرف کس طرح سے کیا جائے۔وہی قوت اگر مظلوم سے کچھ چھین لینے کے لیے صرف کی جاتی ہے تو مذموم ہوجاتی ہے ابلیسی ہوجاتی ہے۔وہی قوت اگر ظالم کی کلائی مروڑنے کے لیے صرف کی جاتی ہے تو وہ وجہِ شرف انسانیت ہوجاتی ہے۔تو یہ جو جسمانی قوت ہے اسی طرح سے انسان کے جذبات بھی بہت بڑی بے بہا قوت ہیں بڑی عظیم متاع ہے اس کے بغیر تو انسان ایک پتھر کا ٹکڑا ہوتا ہے۔جتنے انسان کے اعمال یا کام ہیں ان کے محرکات انسان کے جذبات ہوتے ہیں اور یہ جذبات کو صحیح کنٹرول میں رکھنا یا ان کو صحیح مقام پر صرف کرنا یہ ہے جو قرآن کی تعلیم ہمیں بتاتی ہے۔

وہ کہتا یہ ہے کہ حسد ایک ایسا جذبہ ہے کہ جب یہ غالب آ جاتا ہے انسان کی عقل وفکر پر تو وہ دوسرے کو بڑے سے بڑا نقصان پہنچانے میں بھی ذرا تامل نہیں کرتا دریغ نہیں کرتا۔حسد انفرادی بھی ہوتا ہے اور اجتماعی بھی ہوتا ہے۔انفرادی حسد کی تو روزمرہ ہم مثالیں دیکھتے ہیں۔اجتماعی حسد کی بھی تو آج کل خاص طور پہ مثال ہمارے سامنے اتنی ابھر کر آ گئی ہے کہ انڈیا پاکستان کے خلاف کر کیا رہا ہے۔یہی کیفیت بنی اسرائیل کی پیدا ہوگئی تھی اپنے حالات تو ان کے یہ تھے کہ ساری دنیا کے لیے وہ ایک عبرت اور موعظت کا آئینہ بن گئے تھے لیکن حسد کی یہ کیفیت کہ نبوت ان کے ہی اپنے دوسرے بھائی جو تھے بنی اسماعیلؑ جب ان کی طرف منتقل ہوئی ہے تو وہ اس چیز کو بھی برداشت نہیں کر پاتے تھے۔یہ ساری چیز ان میں آ گئی تھی۔پھر لاقانونیت ان میں اتنی پھیل چکی تھی کہ وہ بات بات پر قتل کر دیا کرتے تھے۔قرآن نے تو یہ بھی کہا ہے کہ وہ انبیاء تک کو قتل کر دیا کرتے تھے۔نزول

قرآن سے ذرا ہی پہلے خود حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ جو کچھ یہودیوں نے کیا حالانکہ وہ تو خود انہی میں سے تھے بنی اسرائیل ہی میں سے تھے۔ تو وہ قرآن کے سامنے تھا۔ اور نبی اکرم ﷺ تو بنی اسماعیلؑ میں سے تھے ان کے خلاف یہودیوں کی ساری مخالفت اور ان کے عزائم حسد کی بناء پر تھے۔ بات قرآن یہ شروع کرتا ہے کہ انسانی زندگی کتنی قیمتی ہے اسے یونہی ضائع نہیں کر دینا چاہیے۔ حسد' تخریب انسانیت کے لیے بڑی بنیادی زہر کا کام دیتا ہے اس پہ کنٹرول رکھنا چاہیے۔ اور اس کے لیے وہ بات شروع کرتا ہے اس تمثیلی قصے سے جو یہودیوں کے ہاں تورات میں بھی مذکور تھا اور عام طور پر جس کا چرچا تھا جسے ہابیل اور قابیل کی لڑائی کہتے ہیں۔ تورات میں یہ مذکور ہے وہاں بھی بات تو یہ چھوٹی سی ہے لیکن اس کے اوپر حسب معمول افسانوں کی بڑی تہیں چڑھ گئی ہوئی تھیں۔ خود ہمارے ہاں بھی آپ دیکھیں گے قرآن کریم میں تو بات بڑی چھوٹی سی مختصر سی اصولی سی بیان کی ہوئی ہے لیکن اپنی تفاسیر میں آپ دیکھیں گے تو وہاں بڑی بڑی رنگ آمیزیاں نظر آئیں گی۔ وہ کہتا یہ ہے کہ (**واتل علیهم نبا ابنی اٰدم بالحق**) (5:27) ان کے سامنے وہ آدم کے دو بیٹوں کا جو قصہ مشہور ہے اس کے متعلق بتاؤ کہ وہ بات کیا ہے۔ قرآن کریم کا انداز یہ ہے کہ جو چیزیں وہاں اس قوم میں تمثیلاً چلی آ رہی تھیں وہ انہیں بیان کرتا ہے اور جو اس سے نتیجہ مستخرج کرتا ہے وہ کسی بڑے اصول کے اوپر مبنی ہوتا ہے وہ اس مقصد کے لیے ان قصوں کو بیان کر دیتا ہے۔ پہلی چیز تو یہ کہ یہ آدم کے دو بیٹوں کا قصہ۔ آدم کے متعلق چونکہ تصور یہ تھا اور خاص طور پہ تورات کا دیا ہوا تصور تھا کہ وہ سب سے پہلا انسان جسے خدا نے مٹی سے پیدا کر دیا۔ میں نے کئی دفعہ یہ بتایا ہے کہ آج تو اس بات کا سمجھنا بڑا آسان ہے کہ انسانی بچہ کیسے پیدا ہوتا ہے اس کے لیے ایک جوڑے کی ضرورت ہے اس کے بعد سلسلہ آگے چل پڑتا ہے۔ لیکن یہ چیز کہ پہلا انسان کس طرح سے وجود میں آ گیا یہ بڑا مشکل مسئلہ تھا تو ذہن انسانی جب تک اپنے عہد طفولیت میں تھا اس کے متعلق کیا سمجھ سکتا۔ دنیا کے ہر مذہب میں پہلے کسی نہ کسی طرح سے ایک جوڑا بنا دیا گیا بس جوڑا بن گیا تو آگے بات پھر سہل ہو گئی پھر تو چل پڑا نا سلسلہ۔ یہ تو قرآن ہے کہ جس نے آ کے اتنی عظیم حقیقت چودہ سو سال پہلے بیان کی کہ آج کا سائنسدان علم الحیات کا ماہر سلسلۂ ارتقاء کے متعلق جنہوں نے ریسرچ کی ہے وہ جب اس پہ غور کرتے ہیں تو فی الواقعہ وہ انگشت بدنداں ہوتے ہیں کہ اس زمانے میں جب کسی کا تصور بھی نہیں آ سکتا تھا کہ زندگی ایک اولیں جرثومے سے ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی پیکر انسانی تک پہنچی قرآن کریم نے کس طرح سے یہ چیزیں بیان کی ہیں۔ اور یہی چیزیں ہیں اس کی دلیل کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔ لیکن ہمارے ہاں بھی اس دور کے مفسرین نے جب اپنے سطح علم سے کام لیا تو وہ بھی اس سے آگے نہیں بڑھ سکے کہ کسی طرح سے ایک جوڑا بنا دیا جائے۔ یہ چیزیں پہلے آ چکی ہوئی ہیں قصۂ آدم میں۔ اُنہوں نے بھی کہا کہ ایک مٹی کا پتلا بنایا پھر اس کی پسلی میں سے اس کی بیوی کو عورت کو نکالا اور یہ جوڑا کسی طرح سے ہو گیا پھر آگے سلسلہ چل پڑا۔ قرآن یہ نہیں کہتا۔ اور ضمناً یہاں میں صرف اتنا کہہ کے آگے بڑھ جاؤں گا کیونکہ اس کی تفسیر متعدد بار سامنے آ چکی ہے ہمارے

سامنے۔تو آدم کی جگہ آدمی کا لفظ آپ لے لیں تو ساری بات صاف ہوجاتی ہے۔ یہ بنی آدم جسے ہم کہتے ہیں انسانوں کو کہتے ہیں نا۔ یہ دوانسانوں کا قصہ ہے کسی آدمی کے دو بیٹوں کا قصہ ہے۔اب دیکھا کہ جسے عربی زبان میں آدم کہا گیا ہمارے ہاں آدمی کہتے ہیں اسے۔قصہ ہے ان دونوں کا۔ بات تو اتنی ہے جو قرآن بتا تا ہے کہ (اذ قربا قرباناً فتقبل من احدھما و لم یتقبل من الاٰخر) (5:27)

انہوں نے کچھ نیاز دی کوئی نذر دی کوئی قربانی دی کوئی پیشکش کی کوئی تحفہ کیا ایک کا قبول ہوا دوسرے کا قبول ہوا یہی چیز بنیاد بن گئی باہمی حسد کی۔(قال لاقتلنک) (5:27)اس نے کہا کہ میں تجھے قتل کر دونگا۔حسد کے جذبات بھڑکے اور اس نے کہا کہ میں تجھے قتل کر دونگا۔اس نے کہا کہ میرا جرم کیا ہے جس کے لیے تم مجھے قتل کر دوگے۔(قال انما یتقبل اللہ من المتقین) (5:27)اگر میری نذر میرا انذرانہ میرا تحفہ قبول ہوا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ میں تقویٰ شعار ہوں میں نے اس کے مطابق کام کیا ہے اس لیے یہ قبول ہو گیا۔اب اس میں میرا جرم کیا ہے تمہارا قبول نہیں ہوا تو تم اپنے پہ خود نگاہ ڈالو اور سوچو کہ کہاں تم سے کوئی غلطی ہوئی کونسی کمی رہ گئی جو تمہارا تحفہ قبول نہیں ہوا اس کی اصلاح کرو۔ بجائے اس کے کہ اپنی اصلاح کرو تم اس لیے میری گردن زدنی کے اوپر آمادہ ہو رہے ہو کہ میرا تحفہ قبول کیوں ہو گیا۔آپ دیکھتے ہیں یہ بنیادی چیز جو قرآن کہہ گیا ہے۔ جتنے آگے بڑھنے والے ہوتے ہیں آن میرٹ وہ آگے بڑھیں صلاحیتوں کی بناء پہ قابلیت کی بناء پہ جولوگ پیچھے رہ جاتے ہیں اس طرح سے اپنی نالائقیوں کی وجہ سے وہ ان کی Legg pulling جسے کہتے ہیں کیڑا چاہتا یہ ہے کہ ساری دنیا کیڑی ہو جائے۔ یہ جو چیز ہے کہ آگے بڑھنے والے کو پیچھے کھینچتے ہیں قرآن یہ کہتا ہے کہ جذبہ یہ بیدار ہوتا ہے کہ یہ کیوں آگے بڑھ گیا۔اس نے بات صاف کہی ہے کہ بھئی کوئی خوبی تھی میری جس کی وجہ سے یہ بات یوں ہوئی تم اپنے اندر وہ خوبی پیدا کرو۔ میرے قتل کرنے سے تمہیں کیا مل جائے گا۔(لئن بسطت الی یدک لتقتلنی ما انا بباسطٍ یدی الیک لاقتلک) (5:28)اب اگر تم مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ بڑھاؤ وہ بھی میری طرف تو یاد رکھو میں تمہیں قتل کرنے کے لیے ہاتھ اپنا نہیں بڑھاؤنگا۔ یہ جو خصوصیت سے قرآن نے یہ بات کہی یہ بڑی اہم کہی۔ کسی کو قتل کرنے کے لیے اگر کوئی حملہ آور حملہ کرتا ہے تو اسے اپنی مدافعت کا تو پورا حق حاصل ہے کہ اس سے اپنا بچاؤ وہ کرے۔ یہ بات کہ یہ اسے قتل کرنے کے لیے آگے بڑھ جائے تو برابر کے مجرم ہو جاتے ہیں پھر۔ یہ دیکھو جس نے کہا ہے کہ میں تو خدا کے قوانین کی نگہداشت کرتا ہوں کتنی اہم بات وہ کہہ گیا ہے کہ تم مجھ پہ حملہ بھی کروگے تو یہ ٹھیک ہے میں اپنی مدافعت تو کرونگا میری نیت یہ نہیں ہوگی کہ میں تمہیں قتل کر دوں مقابلے میں۔ مدافعت کے لیے یہ سب کچھ کرنا یہ تو قانون خداوندی کے مطابق ہے لیکن یہ کہ مقابلے میں تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو میں تمہیں قتل کرونگا؟ (انی اخاف اللہ رب العٰلمین) (5:28) میں یہ کبھی بھی یہ نیت نہیں کرونگا یہ ارادہ نہیں کرونگا میں تو ڈرتا ہوں خدا کے قوانین سے۔ خدا کے قوانین سے ڈرنے والا حملہ آور کو بھی اپنی مدافعت تک وہ رہتا ہے اسے قتل نہیں

کرتا یہ الگ بات ہے کہ مدافعت میں ایسا ہو جاتا ہے یا ہو جائے۔اور یہی آگے اس نے چیز کہی کہ (انی ارید ان تبوٓء ا بـاثـمی و اثمک فتکون من اصحٰب النار) (5:29) تو ایسے وقت میں اب تم سوچو کہ اگر میں نے اپنی مدافعت کے لیے کچھ کیا اور اس میں تمہیں نقصان پہنچ گیا قتل نہ بھی ہوئے سہی زخمی ہو گئے سہی' میرے نزدیک تو کسی انسان کو زخمی کر دینا بھی جرم ہے۔لیکن یہ جرم جو ہے وہ تمہاری وجہ سے ہو گا لہٰذا تم اپنے اس جرم کی بھی سزا بھگتو گے کہ تم نے مجھے قتل کرنے کے لیے مجھ پہ وار کیا اور میں اپنی مدافعت میں اگر کچھ کر بیٹھا اور اس سے تمہیں کوئی نقصان پہنچا تو یہ جو جرم ہے انسانیت کے خلاف اس کی ذمہ داری بھی تم پہ عائد ہو گی مجھ پہ عائد نہیں ہو گی' سمجھ لو اس بات کو۔دیکھتے ہیں کہ قرآن یونہی ایک تمثیلی واقعہ بیان کرتا ہے اور کتنے اصول بیان کرتا ہوا چلا جاتا ہے۔اس صورت میں (فتکون من اصحٰب النار و ذٰلک جزٓؤ الظٰلمین) (5:29) ٹھیک ہے پھر تم جہنم رسید ہو گے اور جو بھی ظالم ہوتا ہے اس کی تو یہی سزا ہوتی ہے تو تم دہرے ظلم کے مرتکب ہو جاؤ گے۔(فطوعت له نفسه قتل اخیه فقتله فاصبح من الخٰسرین) (5:30) میں عرض کر رہا ہوں آپ دیکھئے کہ ایسا واقعہ جو عام زبان زد تھا انہیں بیان کر رہا ہے قرآن اور نتائج کیا دیے چلا جا رہا ہے۔جذبات غالب آ گئے اور انہوں نے اسے آمادہ کر لیا اس بات پہ کہ وہ اسے قتل کر دے وہ آمادہ ہو گیا اور اس نے قتل کر دیا اپنے بھائی کو۔اور قتل کرنے کے بعد جب انتقام کے جذبات ٹھنڈے ہوئے تو پھر اسے ہوش آیا کہ یہ کیا ہوا۔کہا کہ اپنا ہی نقصان کر بیٹھا اپنا بہت بڑا نقصان کر بیٹھا اور اسے اس وقت اس کا احساس پیدا ہوا۔قصے کا باقی حصہ بیان کرنے سے پہلے میں یہ عرض کروں کہ بات تو قرآن نے اتنی ہی کہی ہوئی ہے لیکن وہ جو زیب داستاں کے لیے ہمارے ہاں بڑھایا جاتا ہے پرانی تفسیروں کو اٹھا کے آپ دیکھئے۔قرآن نے صاف یہ کہا ہے کہ کوئی ایک تحفہ کوئی پیش کش نذر نیاز کوئی چیز تھی جو وہ پیش کر رہے تھے ایک کی قبول ہوئی ہے دوسرے کی نہیں ہوئی۔لیکن اس سے تو کچھ بات مزیدار نہ بنی نا اور جب تک بات مزیدار نہ بنے وعظ میں تو دلکشی نہیں پیدا ہوتی۔اب وعظ میں دلکشی کے لیے آپ کی تفاسیر اٹھا کے دیکھئے' میں کہہ رہا ہوں تفاسیر میں چلئے ٹھیک ہے کسی واعظ نے پکی روٹی والے نے کہہ دیا سہی' مشکل یہ ہوتی ہے کہ اسے منسوب کر دیا جاتا ہے کہ ذات نبی اکرم ﷺ کی طرف کہ روایت میں یوں آیا ہے۔

اور روایت میں یہ آیا ہے کہ ہابیل اور قابیل آدم کے دو بیٹے تھے۔قصہ دلچسپ بنانے کے لیے دیکھئے گھڑی کیا بات۔انہوں نے وہ جوڑا تو بنایا میاں بیوی' آگے ان کی اولاد پیدا ہوئی اب آگے انہوں نے پھر میاں بیوی کے رشتے پیدا کرنے تھے تو انہیں دشواری ہوئی کہ یہ تو بہن بھائی ہیں ''تے بہن بھرا دا نکاح کیویں پڑھا دتا جائے''۔وہ دیکھا کتنی دشواریاں ہیں۔خود ہی ذہن کے اندر ایک چیز پہلے پیدا کی پھر اس کے بعد اس مشکل کا حل ڈھونڈنا شروع کیا۔انہوں نے کہا کہ وہ ہوتا یہ تھا اصل میں (ان سے پوچھئے تمہیں پتہ کیسے چلا یہ ہوتا تھا) ہوتا یہ تھا کہ حضرت حوا کے ایک حمل

سے ایک لڑکا پیدا ہوتا تھا ایک لڑکی پیدا ہوتی تھی اور پھر اس کے بعد دوسری دفعہ پھر ایک لڑکا پیدا ہوتا تھا پھر ایک لڑکی پیدا ہوتی تھی۔ تو انہوں نے حضرت آدمؑ نے (یعنی اندازہ لگائیے کہاں تک بات پہنچاتے ہیں ان کو نبی بھی بنا دیا ہوا ہے) کیا یہ کہ یہ پہلے حمل کا جو لڑکا تھا اس کی شادی دوسری حمل کی لڑکی سے کر دی اور پہلے حمل کی لڑکی کی شادی دوسرے حمل کے لڑکے سے کر دی۔ یعنی یوں سمجھ لیجیے ''جیں طراں او چاچے تایے دے پت بھرا بن گئے ایس طراں نال''۔ تو اس طرح سے وہ شادی کرتے تھے۔ کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ یہ جو ایک حمل میں یہ ایک لڑکی پیدا ہوئی وہ بڑی خوبصورت تھی (نگاہ ہی ان کی ادھر جاتی ہے) اور دوسرے حمل میں جو پیدا ہوئی لڑکی تو وہ خوبصورت اچھی نہیں تھی۔ یہ جو تھا (اب کہہ دیجیے سگا بھائی کہیے نا سگے تو سارے ہی تھے) یہ جو تھا نا اکٹھے والا یہ چاہتا تھا کہ اسی لڑکی کے ساتھ شادی کرے اس کی شادی اس دوسرے کے ساتھ نہ ہو جائے۔ وہ اس پہ آمادہ نہیں تھا وہ کہتا میں کیوں چھوڑ دوں اس طرح سے۔ تو اس پہ آپس میں رنجش ہوئی اور اس بھائی نے اپنے اس بھائی کو قتل کر دیا۔ پہلا ہی قتل جو دنیا میں ہوا ان کے نزدیک وہ عورت ہی کے مسئلے پہ تھا۔ یہ واعظ صاحب تو یہ بیان کر کے آگے گزر گئے لیکن اب یہ آگے نہیں بتایا کہ یہ جو قتل ہو گیا لڑکیاں رہ گئیں دو' لڑکا رہ گیا ایک' تو پھر کیا کیا مولوی صاحب نے۔ لیکن بات یہیں نہیں ختم ہوتی وعظ تو لمبا ہوتا ہے نا۔ ایک نے یہ لکھا ہے کہ وہ قتل کرنا چاہتا تھا اسے پتہ نہیں چلتا تھا کہ میں کروں کیا کیسے قتل کروں۔ تو اس پہ شیطان آ گیا اس نے آ کے یہ بتایا کہ پتھر کے اوپر اس کا سر رکھ اور دوسرا پتھر اس کے اوپر مار۔ اس نے ایسا کیا اس کو مار دیا خون کے چھینٹے زمین پہ پڑے زمین شق ہو گئی۔ اس نے تھوڑے سے چھینٹے اس کے لیے شیطان نے اور اماں حوا کے پاس آ گیا' بابا آدم کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ اس نے بتانا چاہا کہ اس تیرے بیٹے نے دوسرے کو مار دیا۔ یہ مار دیا موت یہ تو پہلی دفعہ ایک بات تھی اس سے پہلے کبھی ہوئی نہیں تھی وہ موت' وہ بات ہی نہیں سمجھ میں اس کے آتی تھی کہ کیا ہوا کیسے ہوا۔ تو بہر حال اس نے کسی طرح سے اس کی وہ لاش لی۔ وہ مارنے والا بھائی تو کہیں بھاگ گیا وہ لاش لی اور اس کو وہ دکھایا کہ دیکھو نہ اٹھتا ہے نہ بیٹھتا ہے نہ بولتا ہے یہ ایسا ہو گیا ہے۔ تو کسی طرح سے اس کی بات سمجھ میں کچھ آئی کچھ نہ آئی لیکن یہ ہوا کہ ہوا یہ بہت برا ہے بولتا نہیں اٹھتا نہیں بیٹھتا نہیں بات نہیں کرتا تو اس نے رونا شروع کر دیا۔ وہ اکیلی ابھی تھی تو اتنے میں بابا آدم آ گئے تو انہوں نے یہ کچھ سنا اور انہوں نے بھی پہلی دفعہ دیکھا تھا تو وہ روئے جا رہی ہے۔ اب وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ کیا ہوا ہے مجھے بتاؤ تو سہی اور وہ روئے جا رہی ہے۔ جب وہ تنگ آ گیا تو اس نے کہا کہ اچھا تو روئے جا رہی ہے ''تے تیریاں دھیاں قیامت تیکر روندیاں ای رہن گیاں''۔ (تیریاں دھیاں' ایہدیاں کچھ نئیں سی لگدیاں)۔ ''اے تہاڈا رونا میری بیٹیوا اے اوہدوں دا لکھیا ہویا اے''۔ آپ کو یاد ہے اب بھی اب تک یہ کیفیت ہے کہ ''لڑکی دا اولا ہما دینا ہووے نا تے اوماں نوں آ کے دئی دا اے' لڑکے دی شکایت کرنی ہووے تے پیو کل کری دی ہیگی اے''۔ ایسا کچھ ہوا ہے کہ وہ لڑکی ماں ہی کی لڑکی ہو گئی۔ دیکھا آپ نے! ذہن انسانی جب افسانے تراشتا ہے تو جن باتوں سے پہلے سے

متاثر ہوتا ہے انہی کو ان افسانوں کے رنگ آمیزی کے لیے اختیار کر لیتا ہے۔ یہ روتی رہیں گی حوا کی بیٹیاں قیامت تک کے لیے آدم کی اس بددعا کی وجہ سے' ان آدم کے بیٹوں کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے جس کی وجہ سے یہ قیامت تک کے لیے ان کے ہاتھوں میں روتی رہتی ہیں۔ بہرحال آگے بڑھئے پھر اور قصہ آ جاتا ہے۔(فبعث الله غرابًا یبحث فی الارض لیریه کیف یواری سواۃ اخیه قال یٰویلتٰی اعجزت ان اکون مثل هٰذا الغراب فاواری سواۃ اخی فاصبح من النٰدمین) (5:31) یہاں یہ ہے کہ صاحب وہ لیے پھر رہا تھا اس کی لاش کو' کئی سو سال لیے لیے پھرتا رہا سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں' ایک کوا آیا اس نے آ کے زمین کو کریدا اس نے کوئی چیز تھی اس کو دبا دیا تو اس کی سمجھ میں بات آ گئی کہ مجھے ایسا کرنا چاہیے۔تو پھر اس نے بھی اس کو دبا دیا لاش کو اور پھر اس کے بعد بڑا سوگوار بن کے بیٹھ گیا بڑی ندامت ہوئی۔ لاش کا ذکر نہیں ہے قرآن میں۔سواۃ اخیه : سواۃ ہوتا ہے کسی کی کوئی بات جو ناگوار کسی کو گذرے۔اور یہ جو چیز ہے نا جسے کہتے ہیں کوا آیا اور اس نے کچھ کریدا اور مٹی اس کے اوپر ڈالی۔ یہ اب بھی محاورہ ہے ہمارے ہاں کہتے ہیں آپ کہ''میاں! ایہدے تے مٹی پاؤ'' جو کچھ پیچھے ہو گذرا ہے اس پہ خاک ڈالیے آپ' کسی معاملے کو رفع دفع کر دینا ختم کر دینا درگذر کر دینا۔کہا کہ اسکے بھائی کی کوئی چیزیں تھیں وہ کوا آیا (ایسے اگر کچھ لینا ہے تو یہ کہ) وہ کچھ کریدر ہا تھا مٹی ڈال رہا تھا کسی چیز پہ تو اس کا ذہن ادھر منتقل ہوا کہ دراصل یہی چیز تھی کہ اگر مجھے بھی اپنے بھائی کی کوئی بات ناگوار گذری تھی تو مجھے چاہیے یہ تھا کہ اس پہ خاک ڈالتا اس کو ابھارتا نہیں آگے بڑھ جاتا مجھے ایسا کرنا چاہیے تھا۔کیونکہ (فاصبح من النٰدمین) ہے قرآن کہتا ہے اسے بڑی ہی ندامت ہوئی اپنے آپ پر کہ میں نے جوش غضب میں یہ کیا کر دیا جس کے بعد مجھے اس قدر پریشانی اور پشیمانی ہو رہی ہے۔ مجھے اس سے درگذر کرنا چاہیے تھا۔ بہرحال قرآن نے تفصیل نہیں دی قرآن نے یہی کہا ہے۔بات تو آگے ہے(من اجل ذٰلک) (5:32) یہ ہے وہ بات جس کے لیے یہ سارا اس نے تمثیلی قصہ بیان کیا کہ انسان جب حسد سے مغلوب ہو جاتا ہے تو اس وقت اور تو اور اپنے بھائی کے قتل پر بھی ہاتھ اٹھا دیتا ہے اور چھوٹی چھوٹی سی باتوں پہ دنیا میں اس طرح سے قتل اور غارت گری کی واردات ہوتی چلی جاتی ہیں۔ یہ وجہ تھی بنی اسرائیل میں یہ چیزیں اتنی عام ہو رہی تھیں۔اور اب آئی ہے عزیزانِ من! وہ عظیم آیت کہ جسے خاص طور پہ آج کے دور میں جب ہر صبح اٹھئے تو اخبار میں پانچ سات دس قتل کی وارداتیں تو نمایاں طور پہ آ جاتی ہیں اور جو اخباروں میں نہیں آتیں وہ تو معلوم ہی نہیں کتنی ہوتی ہیں صاحب۔قرآن کے نزدیک انسانی جان کی قیمت کتنی ہے اس ایک آیۂ جلیلہ سے آپ کے سامنے یہ بات آ جائے گی۔کہا کہ یہ بات تھی جو انہوں نے اس طرح سے قتل کو ایک عام واقعہ بنا دیا تھا اپنے ہاں' معمول ہو گیا تھا کہ ہم نے ان کے اوپر یہ کہا تھا یہ فرض قرار دیا تھا یہ لکھا تھا بنی اسرائیل کی طرف' وحی بھیجی تھی ان کی طرف۔(انه من قتل نفسًا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعًا) (5:32)

جس نے کسی ایک جان کو بھی ناحق تلف کر دیا ضائع کر دیا قتل کر دیا یوں سمجھو گویا اس نے پوری انسانیت کو قتل کر دیا۔ ایک انسانی جان کی قیمت جسے ناحق قتل کیا جائے پوری انسانیت کی جان کے برابر ہے۔ (**و من احیاھا فکانما احیا الناس جمیعًا**) (5:32) اور جس نے کسی ایک بھی جان بچالی یوں سمجھو گویا اس نے پوری انسانیت کو زندگی عطا کر دی۔ ایک فرد کی جان کی قیمت اتنی ہے۔ یہ جو پہلے کہا ہے کہ جس نے ایک فرد کو بھی قتل کر دیا اس میں یہ استثنا ہے Exception ہے (**بغیر نفس او فساد فی الارض**) ہاں یہ ہے کہ جرم قتل کی سزا میں کسی کو قتل کیا جائے موت کی سزا دی جائے یا (**او فساد فی الارض**) یہ ہے اہم چیز جو آگے آئے گی ملک میں Disorder لاقانونیت' بدنظمی' فساد' بغاوت یہ پیدا کرنے کے لیے کیا جائے تو اس صورت میں تو کسی کی جان لی جاسکتی ہے اسے سزا دی جاسکتی ہے موت کی یا جرم قتل کے لے سزا دی جاسکتی ہے۔ اس کے بغیر اگر کسی کو ناحق قتل کر دیا جائے تو وہ یوں سمجھو جیسے پوری انسانی کو اس نے قتل کر دیا اور جس نے کسی ایک جان کو محفوظ کر دیا بچالیا کسی کی زندگی کو یوں سمجھو کہ پوری انسانیت کو بچالیا۔ اب یہاں تھا (**فساد فی الارض**) (5:32) اگلی آیت میں قرآن کریم اس کی تشریح خود کر دیتا ہے۔ اگلی آیت سے پہلے اس آیت کے الفاظ ہیں کہ (**ولقد جآء تھم رسلنا بالبینٰت ثم ان کثیرًا منھم بعد ذٰلک فی الارض لمسرفون**) (5:32) کہ یہ بات کچھ نئی نہیں تھی جو بنی اسرائیل سے اسی زمانے میں کہی گئی ہو' پہلے نہ کہی ہو بعد میں نہ کہی ہو۔ کہا یہ تو ایک اصولی چیز تھی کہ جتنے بھی رسولؑ آتے رہے وہ یہی پیغام دیتے رہے کہ انسانی جان بڑی واجب الاحترام ہے۔ **ولقد کرمنا بنی اٰدم** قرآن نے کہا ہے ہر انسانی بچہ محض انسانی بچے ہونے کی جہت سے واجب التکریم پیدا کیا گیا ہے۔ ہر انسانی بچہ بلا لحاظ اس امر کے کہ وہ کس گھر میں پیدا ہوتا ہے یکساں عزت کا مستحق ہے۔ اور اسی طرح سے انسانی جان یہ سوال ہی نہیں ہے کہ وہ کونسا فرد ہے' ذات کی اونچ نیچ تو قرآن میں ہے ہی نہیں' یہاں تو امیر و غریب کا بھی کوئی فرق نہیں' حاکم و محکوم کا بھی کوئی فرق نہیں انسانی جان کہا گیا ہے یہاں' واجب التکریم ہر بنی انسان کو کہا گیا ہے قرآن کی رو سے۔ اس لیے کہا کہ یہ دین کا اصول تھا جسے ہم تمام رسولوں کی وساطت سے وحی کے ذریعے انسانوں کی طرف اس اصول کو عام کرتے چلے گئے۔ وہ یہ بات کہہ جاتے تھے لیکن اس کے بعد یہ لوگ جذبات سے مغلوب ہو کر اس اصولی تعلیم کو فراموش کر دیتے تھے اور پھر ملک میں زیادتی کرنی شروع کر دیتے تھے۔ اب وہ آیا **فساد فی الارض** جو ہے اس کی تشریح آرہی ہے۔ (**انما جزآؤا الذین یحاربون اللہ و رسولہ و یسعون فی الارض فسادًا**) (5:33)

اس فساد کی دو چیزیں گنائی ہیں متعین طور پر۔ ایک تو یہ ہے کہ خدا اور رسول کے خلاف جنگ کرنا۔ آپ کو یہ معلوم ہے قرآن کریم میں جہاں خدا اور رسول کے الفاظ آتے ہیں اس سے مراد ہوتا ہے وہ نظام مملکت وہ نظام معاشرہ جو خدا کے قوانین کو نافذ کرنے کے لیے عمل میں لایا گیا

ہو۔ یعنی جہاں بھی یہ چیز آتی ہے خدا کے خلاف جنگ کے تو کچھ معنی نہیں ہو سکتے‘ خدا کے خلاف جنگ کون لڑے گا صاحب ۔ اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ یہ ٹھیک ہے حضور ﷺ کی زندگی میں تو یہ جنگیں ہوئی تھیں تو کیا حضور ﷺ کی وفات کے بعد پھر یہ بات ختم ہوگئی خدا اور رسول کے خلاف جنگ کی ۔ آپ دیکھیں گے قرآن کریم میں خدا اور رسول یہ نمائندگی کرتے ہیں اس چیز کی کہ وہ نظام معاشرہ وہ نظام مملکت جو خدا کے قوانین کو نافذ کرنے کے لیے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے مقدس ہاتھوں سے متشکل ہوا۔ اور پھر یہ چیز قرآن نے یہ کہدی کہ (**وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل**) کہ محمد ﷺ کی کیفیت بھی یہ ہے کہ یہ ایک رسول ہے اس سے پیشتر کئی رسول آئے اپنی اپنی زندگی گذارنے کے بعد چلے گئے ۔ اگر کل کو یہ بھی مرجائے یا قتل کردیا جائے تو تم سمجھو گے کہ خدا اور رسول والی بات جو تھی وہ ختم ہوگئی‘ کہا یہ بات نہیں ہے۔ یہ نظام جو آگے چلے گا تو جو رسول ﷺ کا جانشین اس میں ہوگا خدا اور رسول سے مفہوم وہ نظام ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ نظام جو خلاف علیٰ منہاج رسالت جسے کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ کے قائم کردہ نظام کے خطوط پر جب تک یہ مسلسل چلا خدا اور رسول کا نمائندہ ہوا یہ نظام جو تھا۔ پہلی چیز یہ کہی کہ اس نظام مملکت کے خلاف بغاوت‘ مملکت کے خلاف بغاوت‘ اسکی استثنا خود قرآن نے کردی کہ یہ وہ جرم ہے جس کے لیے جان لی جاسکتی ہے‘ باغی ۔ **و یسعون فی الارض فسادًا** (5:33) یا مملکت کے نظام امن کو تہ و بالا کرنے کے لیے لاقانونیت پھیلائی جائے ہنگامہ آرائیاں کی جائیں فساد برپا کیا جائے ۔ یہ جرم ہیں جن کے بدلے میں موت کی سزا دی جاسکتی ہے۔ تو آپ نے دیکھا کہ پہلے ایک فرد کی زندگی کے متعلق قرآن نے کیا تعلیم دی کہ کس قدر قیمتی اور واجب الاحترام ہے اور اس کے بعد یہ بتایا کہ مملکت کا نظام معاشرے کا امن یہ کتنی اہمیت رکھتا ہے کہ اس کے برقرار رکھنے کے لیے ایک فرد نہیں جتنے افراد بھی اس میں ملوث ہونگے ان کی جان لی جاسکتی ہے۔ یہ معاشرے میں امن قائم رکھنا بغاوت نہ کرنا یہ بھی تو افراد معاشرہ کی جان مال عزت آبرو کی حفاظت کے لیے ہے یہ بھی تو مقصود بالذات چیز نہیں ہے۔ تو بات وہی آجاتی ہے کہ قرآن کی رو سے انسانوں کے باہمی معاملات قانون کی رو سے عدل کی رو سے خدا کے دیے ہوئے نظام کی رو سے جب طے پائیں گے اس میں خلل اندازی کرنا‘ اختلال پیدا کرنا‘ فساد پیدا کرنا ‘ انتشار پیدا کرنا‘ یا خود مملکت کے خلاف بغاوت کھڑی کردینا یہ وہ جرم ہیں کہ جس کے متعلق قرآن نے کہا (**انما جزؤا الذین**) (5:33) سزا تو وہ قتل کی ہے لیکن قتل بھی اس شدت کا ہے اس نوعیت کا ہے کہ جو بڑا ہی عبرت آموز ہو دوسروں کے لیے۔ (**ان یقتلوا**) (5:33) جرم کی نوعیت کو دیکھو جس قدر سنگینی ہے جرم کی اس کے مطابق یہ سزا ملتی ہے۔ ایک تو قتل ہی ہے قتل کردیا جائے **او یصلبوا** پھانسی دیدی جائے صلیب پہ لٹکا دیا جائے (**او تقطع ایدیهم و ارجلهم من خلاف**) (5:33) ہاتھ اور پاؤں کو مخالف سمت میں سے کاٹ دیا جائے۔ یا بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس میں گرفتاری کے وقت الٹی بیڑیاں پہنانا جسے کہتے ہیں‘ گرفتاری کے وقت کی بھی یہ چیز ایسی ہوسکتی ہے۔ (**او ینفوا من الارض**) (5:33) یا

اسے جلاوطن کر دیا جائے ملک بدر کیا جائے۔ دیکھ لیا جائے کہ کس نوعیت کا جرم ہے اور یہ جو چیز جو فتنہ پھیلایا گیا ہے وہ فرو کس طرح سے ہوگا اس کے مطابق یہ سزا دی جائے اور سزا بڑی ہی عبرت ناک ہے جو قرآن نے تجویز کی ہے۔ اس لیے کہ عزیزانِ من! ملک میں فساد برپا کرنے سے کسی کی جان مال عزت آبرو کوئی شے محفوظ رہتی ہی نہیں ہے۔ تو جب ایک فرد کی جان کو تلف کر دینا ناحق' اتنا بڑا جرم تھا گویا پوری انسانیت کو اس نے تلف کر دیا تو اگر Law lessness پھیلا دی جائے مملکت کے اندر تو اس سے کتنی جانیں ناحق تلف ہوتی ہیں کتنی آبروئیں برباد ہوتی ہیں کتنی عزتیں تباہ ہوتی ہیں اور پھر مملکت کی مملکت کہیں بنیاد سے اٹھ جاتی ہے۔ یہ جرم قرآن کریم نے اس کو سب سے زیادہ سنگین جرم قرار دیا ہے بغاوت کا جرم سازش کا جرم غداری کا جرم فساد پھیلانے کا جرم لاقانونیت عام کرنے کا جرم اس کی سزا یہ دی ہے۔ (**ذٰلک لھم خزی فی الدنیا**) (5:33) کہا یہ تو اس دنیا کی سزا ہے جو ذلت اور رسوائی ہے۔ یہ باغی یا اس قسم کے فساد کے سرغنے کی سزا کے طور پر **خزی** کہنا بڑی ہی دوررس بات قرآن کہہ گیا ہے۔ بغاوت کے لیے جو اٹھتے ہیں ان کے ذہنوں میں یہ ہوتا ہے کہ ہم اس مملکت کے اب حکمران بننے والے ہیں۔ بادشاہ کے خلاف بغاوت کرنے والا بادشاہ بننا چاہتا ہے' مملکت کے خلاف بغاوت کرنے والا خود مملکت کے اندر سربراہ ہونا چاہتا ہے' لاقانونیت پھیلانے والا اس مملکت کی بڑی سے بڑی قوت اور اقتدار کی چیزوں کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا ہے۔ اس دور میں جب وہ یہ اٹھتا ہے اس سرکشی کے اندر بدمست تو پوچھو نہیں کہ وہ اپنے آپ کو کتنا بڑا باعزت سمجھتا ہے بااقتدار سمجھتا ہے۔ اب یہ قرآن نے کہا ہے (**ذٰلک لھم خزی فی الدنیا**) (5:33) وہ جو اتنا بڑا غلط طریقے سے اپنے آپ کو صاحب اقتدار اور صاحب عزت سمجھتا تھا وہ اتنا ہی ذلیل ہوگا اس مملکت کے اندر۔

اور یہ تو یہاں کی سزا رہی اور آپ کو معلوم ہے قرآنِ کریم سزاؤں کے معاملے میں بھی ہمیشہ یہ چیز کہتا ہے کہ جرم جو شخص کرتا ہے اس جرم کے دو حصے ہوتے ہیں: ایک تو وہ معاشرہ کے قانون یا نظام کے خلاف جرم کرتا ہے اس جرم کی سزا تو معاشرہ کی طرف سے مل جاتی ہے اسے۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ ہر جرم کرنے والا ایک جرم خود اپنی ذات کے خلاف بھی کرتا ہے جو جرم یہ اپنی ذات کے خلاف کرتا ہے یہ معاشرہ کی طرف سے جو عدالتوں کی طرف سے سزا ملتی ہے یہ اس کی سزا نہیں ہوتی یہ معاشرہ کے قانون کی خلاف ورزی کی سزا ہوتی ہے اس کی سزا تو اس کو ابھی بھگتنی ہے۔ اور وہ چیز ہے کہ جس کے لیے ایمان بالآخرت' انسانی زندگی کا تسلسل' آگے بڑھنا انسانی ذات کا اور جو بھی اس نے یہاں قائم کیے ہیں ان قوموں کی جزاء اور سزا اور کے لیے زندگی کی اگلی منزل میں پہنچنا یہ ایمان ہے قرآنِ کریم کا جو یہ بتاتا ہے کہ جرم جو ہے اس کی اب پہلی چیز تو یہ ہے کہ اگر یہاں سے تم بچ بھی جاتے ہو تو سوسائٹی کے قانون سے جو تمہیں سزا ملنی تھی اس سے تو تم بچ جاتے ہو یہ جو تم نے اپنے خلاف جرم کیا ہے اس کی سزا سے تو تمہیں کوئی بچا ہی نہیں سکتا۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اگر یہاں سوسائٹی نے اس کی سزا بھی دیدی ہے' جو چیز تمہاری اپنی ذات پر اس سے مرتب ہوئی ہے اس جرم سے

تمہاری ذات کمزور ہوگئی ہے اس میں اضمحلال واقع ہوگیا ہے۔ یہ چیز سوسائٹی کی اس سزا سے بھی پوری نہیں ہوتی اس داغ کے دھونے کے لیے تو قرآن نے اور ہی تجاویز بتائی ہیں۔اور وہ تو یہ ہیں کہ (ان الحسنات یذھبن السیاٰت) یہ جو اثرات تمہاری ذات پہ مرتب ہوئے ہیں غلطیوں سے سہو سے جرم سے اس کے دھونے کا طریقہ یہ ہے کہ جتنا نقصان ہوا ہے اس سے کہیں زیادہ فائدہ کرو انسانیت کا پھر وہ جرم زائل ہوتا ہے۔اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو اس جرم کی سزا تو ابھی باقی ہوتی ہے' سزا تو ایک طرف رہی وہی نیٹشے کا قول جو میں دہرایا کرتا ہوں وہ قرآن ہی کی اس تعلیم کا ملخص ہے حقیقت میں جو اس نے کہا تھا کہ جو جرم تم نے میرے خلاف کیا ہے اسے تو میں معاف کر دونگا لیکن اس سے جو جرم تم نے اپنے خلاف کیا ہے اسے تمہیں کون معاف کرے گا گا۔قرآن یہی چیز کہتا ہے کہ یہ جو سزا مل جاتی ہے معاشرے کی طرف سے یہ اس جرم کی تو سزا ہے جو تم نے معاشرے کے خلاف کیا تھا جو جرم تم نے اپنی ذات کے خلاف کیا ہے اس کی سزا تو یہ نہیں ہے اس کو تو نہ کوئی معاف کر سکتا ہے نہ یہاں کی سزائیں اس جرم کا دھونا دھو سکتی ہیں۔(ولھم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم) (5:33) آخرت کی زندگی' زندگی کے اگلے مرحلوں میں ان کے لیے کہ جنہوں نے یہاں زیادہ منفعت بخش کام کر کے اس کا ازالہ کیا کفارہ نہیں ادا کیا ان کے لیے کہیں زیادہ سزا عذاب جسے کہتے ہیں وہ اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔(الا الذین تابوا) (5:34) یہ گنجائش دیکھ لیجیے۔فساد برپا کرنے والے حتیٰ کہ بغاوت کا علم بھی اٹھا کے چلنے والے (الا الذین تابوب من قبل ان تقدروا علیھم) (5:34) بڑی عظیم چیز ہے قرآن کی۔

ایک تو یہ ہے کہ انہوں نے فساد برپا کیے ہیں مقابلہ کر رہے ہیں بغاوت پہ اٹھے ہوئے ہیں بغاوت کے مقابلے میں اگر وہ اس طرح سے مر جائیں اور بات ہے اور تم نے ان کو گرفتار کر لیا پکڑے گئے سازش پکڑی گئی بغاوت ناکام ہوئی اور اس کے بعد انہوں نے معذرتیں پیش کرنی شروع کر دیں کہتا ہے یہ توبہ نہیں ہے۔(من قبل ان تقدروا علیھم) (5:34) قبل اس کے کہ تم نے ان پہ قابو پا لیا تھا فرو کر دیا تھا غلبہ پا لیا تھا مغلوب کر لیا تھا جب وہ ابھی سرکشی کے عالم میں تھے اگر اس وقت وہ ہتھیار رکھتے ہیں پھر سوچا جا سکتا ہے کہ ان میں سے کس کو معاف کیا جا سکتا ہے۔لیکن اگر صورت یہ ہو کہ عصمت بی بی از بیچارگی' ناکام ہوگئی بغاوت پکڑی گئی سازش گرفتار ہوگئے اور اس کے بعد یہ چیز جسے آپ کہتے ہیں کہ یہ پھر Statements اور بیانات اور معذرتیں آنی شروع ہوئیں قرآن کہتا ہے یہ بات نہیں ہے۔ایسے وقت میں تو ہر شخص معذرت کرے گا۔(من قبل ان تقدروا علیھم فاعلموا ان اللہ غفور رحیم) (5:34) یہ یاد رکھو کہ خدا کے ضابطۂ قانون میں معافی کی شق رکھی گئی ہے لیکن معافی کے لیے تو دیکھنے کی بات ہے کہ کیا یہ اس وقت کی معافی ہو رہی ہے جب بھاگنے کی قوت نہیں رہی کوئی راستہ باقی نہیں رہا اس وقت یہ معافی طلب کی جا رہی ہے یا جب ابھی ہنوز سرکشی تھی ہو سکتا تھا کہ اس وقت ذہن میں ہو کہ ہم غالب آجائیں گے اور اس اپنے جرم یا اپنی اس غلطی کا احساس ہوا اس

وقت اگر اس نے ہتھیار رکھے ہیں پھر سوچا جاسکتا ہے کہ ان میں سے کسے معاف کیا جاسکتا ہے۔لیکن اگر صورت یہ ہے کہ وہ مغلوب ہوگئے ہیں مغلوب ہونے کے بعد تو توبہ کی بات باقی نہیں رہتی۔ یہ ہے جرم بغاوت اور فساد فی الارض لاقانونیت پھیلانے کی سزا جو قرآن کریم نے تجویز کی ہے عزیزانِ من!۔ یہاں سے اور آگے بڑھ گیا قرآن۔

مقصد صرف معاشرے میں امن قائم کرنا ہی تو نہیں' یہ تو ایک منفی پہلو ہے۔ مقصد تو انسانی زندگی کو آگے بڑھانا بلند کرنا ترقی معاشرے کے اندر بھی افراد کے اندر بھی یہ ہے اصل میں مقصد۔ یہ معاشرے میں امن اس لیے قائم کیا جاتا ہے کہ انسان ان بلند مقاصد کے لیے مطمئن ہو جائے بے خوف وخطر ان بلند مقاصد کے حصول کے لیے کوشش کرتا جائے۔اور وہ جو بلند مقاصد ہیں(ینقسوا فی الارض ما ینفع الناس) کہ یاد رکھو وہی نظریۂ زندگی وہی آئیڈیالوجی وہی نظام وہی عمل دوام حاصل کرسکتا ہے جو پوری انسانیت کے لیے نفع بخش ہو۔ یہ ہے وہ بلند مقصد جس کے لیے ایک خاص رقبے ایک خاص مملکت کے اندر نظام قائم رکھنا امن قائم رکھنا ضروری ہوتا ہے تاکہ یہ افراد یہاں اطمینان اور امن کی زندگی بسر کرنے سے یہ بلند مقصد جو ہے کہ نوع انسانی کے لیے یہ کتنے منفعت بخش کام کرسکتے ہیں اس کے لیے ان کو سکون اور امن میسر آجائے۔یعنی اتنی اہمیت دی ہے اس نے امن اور قانونیت کے معاشرے کو لیکن اسے بھی مقصود بالذات قرار نہیں دیا اور آگے بڑھنے کے لیے امن قائم کیا ہے سکون قائم کیا ہے۔ جیسے صبح کے وقت (Refresh) تروتازہ جاگنے کے لیے رات کی نیند ہوتی ہے۔ امن کی تو صورت یہ ہوتی ہے سکون کی صورت یہ ہوتی ہے کہ معاشرے میں مزید تقویت پیدا ہوا فراد کے اندر ان کے جو خفتہ جوہر ہیں وہ زیادہ بیدار ہوں ان کی صلاحیتیں نشوونما پائیں تاکہ یہ اس سے بلند مقصد حاصل کرنے کے قابل ہو جائیں۔ یہ ہے جسے قرآن نے تقویٰ کہا ہے اور دوسرا لفظ اس کے تو نزدیک قربِ خداوندی جسے کہا ہے۔اب تو ہمارے ذہن میں جب ہم کہتے ہیں خدا کے مقرب تو وہ نقشے ہی کچھ عجیب قسم کے آتے ہیں وہ ساری دنیا سے الگ الگ کہیں گوشے میں تنہائی میں حجرے میں زاویے میں بیٹھے ہوئے خانقاہوں کے اوپر' دنیا کمائے اور وہ کھائیں وہ مقربین ہوتے ہیں۔قرب خداوندی کے تو معنی یہ ہیں اور خدا کا قرب پہلی چیز تو یہ ہے کہ وہ قرب تو ایسی چیز تو ہے نہیں کہ جس میں خدا کسی ؟؟؟؟؟؟؟؟؟۔ یہ کیا چیز ہے؟

انسانی زندگی کا تقویٰ یا قرآنِ کریم کے خطوط کے مطابق زندگی کے بسر کرنے سے ہوتا کیا ہے' انسان کی ذات کے اندر اس کی صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں۔اور ان کے متعلق قرآن نے بتایا ہے کہ جو صفات خداوندی ہیں انہی کی مماثل انہی کی مثل یہ جو صفات ہیں یہ انسان کی ذات کے اندر ان کی نمود ہوتی چلی جاتی ہے علیٰ حد بشریت۔ وہ خدا تو Infinite ہے لامحدود ہے اس لیے اس کی صفات بھی لامحدود ہیں' انسان تو محدود ہے اس کی صفات کا دائرہ بھی محدود ہوگا۔لیکن اس محدودیت کی شرط کے ساتھ یہ صفات وہی ہیں جو صفات خداوندی ہیں بجز ان صفات کے کہ جو مختص ہیں خدا ہی

کے لیے جیسے قادر مطلق ہونا ھوالاول ہونا ھوالاٰ خر ہونا۔ باقی صفات جو ہیں وہ انسان کے اندران کی نمود ہوتی چلی جاتی ہے اوراسی کا نام کریکٹر ہے حقیقت میں ’انسان کے اندرخدا کی ذات کاعکس کتنا آتا چلا جاتا ہے‘۔اور جو معاشرہ ان افراد پر مشتمل ہوتا ہے خوداس معاشرے میں بھی خدا کی یہ صفات نمودار ہوتی چلی جاتی ہیں۔انسانوں کے اندرخدا کی صفات کی مثل صلاحیتوں کا ابھرنا نمودار ہونا نشو ونما پانا اسے کہتا ہے قرآن قرب خداوندی‘ یعنی آہستہ آہستہ علیٰ حد بشریت خدا جیسا ہوتے چلے جانا یوں کہیے نا۔یہی ہے جسے وہ مدارج کہتا ہے مؤمنین کے‘ یہ ہیں کہ جس کو ذات کا ارتقاء کہتا ہے نشو ونما کہتا ہے درجات کی بلندی کہتا ہے۔مقصد یہ ہے۔اس لیے اگلی ہی آیت اس کے بعد یہ کہی کہ معاشرے میں امن کا قائم رہنا نظام کا قانون کے تابع رہنا یا قانون کو پھیلانے کی صلاحیت اس کے اندر فساد برپا نہ ہونا بغاوتیں نہ ہونا اس کے لیے ہیں کہ انسان امن اور امان سے اپنی ان صلاحیتوں کی نشو ونما کرتے چلے جائیں۔(یایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ) (5:35)اے جماعت مؤمنین! قوانین خداوندی کی ہمیشہ نگہداشت کرو۔اس نگہداشت کرنے سے ہوگا کیا؟ (وابتغوا الیہ الوسیلۃ) (5:35) اب یہ بڑی ایک اہم آیت آ گئی اور جس کا غلط مفہوم پوچھئے نا کہ قوم کو کہاں سے کہاں لے گیا۔میں وسیلے کا لفظ ابھی وسیلہ ہی رکھتا ہوں عام ترجمہ بھی یہی کیا جائے گا کہ اس کی طرف پہنچنے کے لیے وسیلہ ڈھونڈو۔اور اس مفہوم یا اس ترجمے کی بنیادوں کے اوپر پھر جو عمارتیں اٹھنی شروع ہوئی ہیں۔تو قرآن کریم شخصیت پرستی کو جڑ بنیاد سے اکھیڑنے کے لیے آیا ہے۔ دنیا میں سب سے عظیم شخصیت جن کے متعلق ہمارا ایمان ہے اور علیٰ وجہ البصیرت ایمان کہ

؎ بعداز خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

حضورِ ذات اکرم ﷺ‘ عالم انسانیت کے بلندتریں مقام پر فائز۔ان کے متعلق بھی قرآن کی کیفیت یہ کہ بار بار کہلوا تا چلا جاتا ہے کہ (قل انما انا بشر مثلکم) ان سے کہدو میں تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہوں۔(یوحی الیا) بس میری طرف یہ وحی نازل ہوتی ہے اور جب یہ وحی میں تمہیں دیدیتا ہوں تو پھر بس جیسے تم بشر ہو ویسے میں بشر ہوں۔ یہاں تک بھی حضو ﷺ نے کہا قرآنِ کریم کے اندر دو تین مقامات میں ہے کہ ان سے کہدو کہ اور تو اور اگر میں بھی قوانین خداوندی کی؟؟؟ کروں تو میں بھی اس کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ پھر حضو ﷺ کے متعلق یہ چیز جو ابھی میں نے آپ کے سامنے آیت تلاوت کی ہے کہ (وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ رسل افئن ماتوا قتل ان تلقتکم ؟؟؟) محمد ﷺ تو ایک رسول ہے اس سے پہلے بھی رسول گذر گئے کیا کل کو اگر یہ مر گیا یا قتل کر دیا گیا تو تم سمجھو گے کہ معاملہ ختم ہو گیا اور تم پھر اپنی ایڑیوں پہ واپس لوٹ جاؤ گے۔اوراس بھی آگے سورۃ اٰل عمران کی وہ آیت کہ (ما کان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتٰب والحکمۃ والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادًا من دون اللہ) کسی انسان کواس کا حق نہیں پہنچتا خواہ خدااس کو قوانین سازی کے اختیارات‘ اس کو حق حکومت‘ حتیٰ کہ نبوت تک بھی کیوں

نہ دیدے کہ وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم میرے محکوم بن جاؤ۔ اس کا فریضہ یہی ہے کہ وہ کہے کہ خدا کے قوانین کی اطاعت کرو تم بھی کرو میں کرتا ہوں (و انا اول المسلمین) میں سب سے پہلے اس کے سامنے جھکتا ہوں۔ عزیزانِ من! قرآنِ کریم نے یہ تصور دیا تھا یہ نظام دیا تھا' وہ کسی انسان کو دوسرے انسان کا محکوم بنانا جو ہے اس کو شرک قرار دیتا ہے۔ یہ میدان ہے جس میں ہر انسان کھلا ہے کہ وہ اپنے حسنِ عمل سے جتنا جی چاہے آگے بڑھتا جائے۔ یہاں قانون کا اتباع ہے' قرآن کے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کا ایک نظام ہے اشخاص کا اس میں کوئی تعلق ہی نہیں۔ لیکن اس آیت میں جو لفظِ وسیلہ آ گیا اور وسیلہ لیا انہوں نے اردو اور پنجابی کا تو اس کے بعد صاحب کہ صاحب وسیلے کے بغیر تو خدا تک پہنچا ہی نہیں جا سکتا ''قرآن شریف نے کہیا ہویا ہیگا''۔ اب یہ وسیلے ڈھونڈ رہے ہیں یہ حضرت صاحب جتنے بھی آپ کے ہاں ہیں وہ سارے کے سارے پھر وسیلے بنے ہوئے ہیں خدا تک کے۔ عام دتہ سائیوں سے پوچھئے اس ٹائپ کے لوگوں سے تو ان کے پاس تو دلیلیں ہی بڑی آسان سی ہوتی ہیں کہ صاحب ''پوڑی بغیر کوٹھے تے چڑھیا جاندا ہیگا''۔ دیکھا آپ نے کیسے چپک جاتی ہے بات۔ آپ کو معلوم ہے میں نے کئی دفعہ یہ بات کہی ہے تصوف کا سارا راز تشبیہات میں ہے' کچھ نہیں اس میں۔ وہ تشبیہات ایسی انہوں نے رکھی ہوئی ہیں کہ وہ چپک جاتی ہیں ذہن کے ساتھ۔ یہیں سے بات پہلا سبق جو وہاں شروع کرایا جاتا ہے وہ یہ کرایا جاتا ہے کہ خدا اور انسان کے درمیان ایک ضرورت ہے ایک وسیلے کی اس کے بغیر انسان خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہاں سے ابتداء ہوتی ہے تصوف کا پہلا سبق یہ دیا جاتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس کے لیے تشبیہات کیا دی جاتی ہیں؟ پہلی تشبیہ یہ پڑھائی گئی تھی کہ جلال خداوندی جو ہے اس کے جلوے کی تو کوئی تاب نہیں لا سکتا' موسیٰؑ تاب نہیں لا سکے کوہ طور پھٹ گیا صاحب ''توں کیہڑے باغ دی مولی ایں''۔ بات بھی ٹھیک ہے۔ کہا کہ ذرا دوپہر کا سورج مئی کا مہینہ ذرا اس کی طرف آنکھیں کھول کے دیکھو تو سہی دیکھ ہی نہیں سکتا انسان' چندھیا جاتی ہیں آنکھیں۔ اس نے کہا بیٹا! جلال خداوندی ہے اسے دیکھنا ہو تو پیرو مرشد کے جمال کے Through دیکھئے' پانی کا پیالہ رکھ دیا سامنے کہا اس میں دیکھو سہی سورج کس طرح سے نظر آ رہا ہے۔ چپک گئی یا نہیں۔ جلال خداوندی کی تاب انسانی آنکھ لا سکے؟ موسیٰؑ نہیں لا سکے کوہ طور نہیں لا سکا۔ اور اس پہ پھر جو شاعری چلتی ہے تو آپ کو تو معلوم ہے۔ اور آپ نے دیکھا کہ پھر وہ پانی کے پیالے سے کس طرح سورج نظر آتا ہے اس میں سے۔ یہ جلال و جمال کا امتیاز ہے وہ جلال ہی جلال ہے پیر جمال ہی جمال ہے۔ اچھا جی!!۔ حضرت صاحب اعمال تو ہم بھی کرتے ہیں کام بھی کرتے ہیں' کہنے لگے بیٹا! اس طرح سے اعمال کوئی نتیجہ پیدا کرتے ہیں؟ غلط ہے۔ یہ تو جب تک پیر کے تصور کے راستے سے نہیں آئیں گے کوئی نتیجہ نہیں پیدا کریں گے' بات سمجھ میں نہیں آئی۔ کہنے لگے کہ بیٹا! تم نے یہ دیکھا ہے یہ مئی جون کی دوپہر میں کپاس سارا دن رکھ چھوڑ و تم دھوپ میں' شام تک زیادہ سے زیادہ کچھ گرم ہو گی اس سے زیادہ تو کچھ نہیں ہے' کہنے لگا جی نہیں کچھ' کہنے لگے یہ آتشی شیشہ جو ہے نا یہ ہوتے تھے نا آتشی خوردبین

والے' اس آتشی شیشے کے سامنے رکھو سورج کی شعاعیں جب آتشی شیشے کے نقطے سے گذرتی ہیں دومنٹ میں آگ لگا دیتی ہیں صاحب۔ تمہارے یہی اعمال براہِ راست پڑیں گے تمہارے اوپر' زیادہ سے زیادہ ذراسی گرمی پیدا ہوگی' بیٹا! جب یہ پیر کے تصور کے آتشی شیشے میں سے گذریں گی تمہارے اعمال کی کرنیں' دومنٹ کے اندر عشق کی آگ بھڑکا دیں گی۔ اللہ اکبر۔ چپک کے رہ گئے۔ حضرت داراصاحب روز گاؤں سے چلتے تھے راستے میں دریا پڑتا تھا پیچھے پیچھے مرید ہوتا تھا کشتی کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ آتے تھے دریا کے کنارے اور اسے کہا ہوا تھا کہ میں آگے آگے چلتا ہوں تم یا فرید یا فرید کہتے ہوئے میرے پیچھے پیچھے چلتے آؤ۔ چلتے جاتے تھے سالہا سال گذر گئے ساتھ چلے جاتے تھے۔ ایک دن مرید کے ذہن میں آیا کہ یہ حضرت صاحب بھی کچھ منہ سے کہتے ہیں ان کے لب ہلتے نظر آتے تھے اس کو' قریب جا کے سنا تو وہ یا اللہ یا اللہ کہہ رہے تھے' انہوں نے کہا کہ صاحب ہمیں انہوں نے خوامخوہ کے لیے اپنے راستے پہ لگا چھوڑا ہے یہ جو یا اللہ کہتے ہیں تو میں بھی کیوں نہ کہوں۔ دوسرے دن جب چلے وہ آگے چلے یہ پیچھے چلے اس نے یا اللہ یا اللہ کہا دو ہی قدم گیا تھا تو گڑم' پیچھے سے دیکھا تو وہ ڈبکیاں کھا رہا ہے حضرت صاحب بچا لیجئے' انہوں نے نکالا۔ کہا کیا کیا تھا تم نے' اتنے سال ہو گئے تھے تم آسانی سے جا رہے تھے آج ہوا کیا تھا' کہنے لگا صاحب جان کی امان پاؤں تو عرض کروں' میں نے یوں ''کن سوئی لے لئی سی'' کہ حضرت صاحب یا اللہ یا اللہ کہہ رہے ہیں میں نے کہا میں بھی کیوں نہ وہی کہوں میں نے آج یا اللہ کہہ دیا۔ ہنسے آپ' کہنے لگے بیٹا! بابا فرید کو تو جانتے ہو تمہارے سامنے ہے' کہ جی ہاں' واقفیت بھی ہے نا اس سے' کہ جی ہاں' کہنے لگے کبھی اللہ کو بھی دیکھا ہے' کہنے لگا کہ جی نہیں' کہنے لگے اس کے ساتھ تو تمہاری واقفیت ہی نہیں ہے فرید کی تو اس کے ساتھ واقفیت ہے وہ اس لیے اسکا نام لیتا ہے ''تیری نہ واقفیت نہ توں جانے اوہناں دالیناایں تینوکیوں بچانداؤ'' تو بیٹا! فرید کا نام لے' فرید اللہ کا نام لے۔ عزیزانِ من! وہ یونہی دو چار باتیں مثال کے طور پہ سمجھا دیتا ہوں آپ کو پتہ چلے کرتے کیا ہیں یہ۔ ورنہ میں کیا کیا عرض کروں آدھی عمر اس میں بسر کی ہے۔ اور یہاں تو پھر یہ قصہ ہے وہ تو آپ کو معلوم ہے کہ وہاں سے کیسے پھر وہ جنت میں لے جاتے ہیں کہ Strict حکم دیدیا رضوان کو کہ صاحب جس کے ہاتھ میں وہاں حساب کتاب کے بعد پروانہ دیا جائے گا اس کو اندر جانے دینا۔ ٹھیک ہے ٹکٹیں دیکھ کے اندر پاس کرتا تھا وہ۔ اس کے بعد اللہ میاں نے دیکھا کہ وہاں ہزاروں ایسی مخلوق چلی گئی ہے ''جیہدے کول ٹکٹ ای ہے نئیں' خط بھیجیا اوہنوں'' کر لیا کھڑا' کہنے لگے اوئے یہ کیا ہے' وہ کہنے لگا کہ میں نے تو کسی ایک شخص کو بھی نہیں جانے دیا جس کے پاس ٹکٹ نہ ہو' وہ کہنے لگے او اندر دیکھتے نہیں ہو وہ بیس ہزار کے قریب آئے ہوئے ہیں یہ کیسے آ گئے پتہ لگا ''نئیں تے کان بچہ کان کر دیاں گا یا دس کنے پیسے لئے''۔ حضرت صاحب کو رحم آ گیا جب انہوں نے دیکھا کہ ایک بے گناہ اس طرح سے مارا جا رہا ہے انہوں نے کہا کوئی بات نہیں میں سمجھا دونگا۔ انہوں نے کہا یہ کہ میں تمہارے پاس سے گذرا تھا نا اور یہ کمبل میرے اوپر تھا (اب دیکھئے سمگلر کس قسم کے ہوتے ہیں)

یہ عقیدہ ہے یہ کالی کملی آپ دیکھتے ہیں عام طور پہ یہ کہتے ہیں اور پھر کملی والا گدڑی والا ''ضرور رکھدے نیں کمبل' تے تسی سمجھدے اوایویں ہونداا اے اوہدے اچ جوواں ہوندیاں نیں پیاں''۔ کہا یہ گیا کہ پیر کی کملی کے ہر تار کے ساتھ مریدوں کی روحیں چپکائی جاتی ہیں اور وہ کملی لے کے نہایت آسانی سے گذر جاتا ہے رضوان کے پاس سے ''تے اوہنوں وی نئیں پتہ لگدا'' اور وہ اندر جاکے بس اس کو وہ جھاڑ دیتے ہیں وہ سارے کے سارے بہشت میں ہوتے ہیں صاحب۔ کہنے لگا اس کے بغیر جنت میں جانے کا کوئی راستہ ہے بیٹا۔(وابتغوا الیه الوسیلة (5:35) یہ ہے قرآن کی آیت' جس آیت کی تفسیر میں عزیزانِ من! عمر گذار دی جاتی ہے اور اس کو ملنے نہیں دیا جاتا کہ وسیلے کے بغیر تم نہیں پہنچ سکتے۔ پوری شخصیت پرستی کی عمارت جسے قرآن نے شرک قرار دیا تھا اتنا مقدس بنا کے اس کو رکھ دیا۔ اور بات کیا ہوئی۔

عربی زبان کا لفظ ہے وسیلہ تو کہتے ہی درجے کو ہیں منزلت کو ہیں مقام کو ہیں پوزیشن کو ہیں ارتقاء کو ہیں تقرب کو ہیں۔ خدا کے ہاں بلند مقامات کی آرزو کرو(وابتغوا) بلند درجات کی آرزو کرو' کوشش کرو ان کو حاصل کرنے کی۔ کیسے کوشش کرو؟ (جاھدوا فی سبیلہٖ) (5:35) اس کے راستے میں جہاد کرو' مسلسل جدوجہد کرو یہ حاصل ہو جائے گا۔ انہوں نے بھی کہا و جاھدوا فی سبیلہٖ آگے آیا تھا' کہا کہ بیٹا! یہ جو جہاد بالسیف ہوتا ہے نا یہ تو جہاد اصغر ہے جہاد اکبر اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنا ہے۔ آیت کے معنی یہ ہو گئے کہ وسیلہ ڈھونڈو پیر کا' جہاد کرو اپنے نفس کے ساتھ۔ پوچھو نہیں پھر کیا کیا چیزیں اس کے بعد آتی ہیں۔ قرآن نے خود بتا دیا تھا کہ خدا کے ہاں بلند مقامات حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جاھدوا فی سبیل اللہ اس کے راستے میں مسلسل جدوجہد کرو۔ اور یہ تو اس نے خود دوسری جگہ کہہ دیا تھا کہ (والذین جاھدوا فیما لنھدینھم ؟؟) جو ہمارے راستے میں جدوجہد کرتا ہے کوشش کرتا ہے سعی و عمل کرتا ہے ہم اس کو اپنی طرف آنے کے راستے اس کو کھول دیتے ہیں۔ کسی وسیلے کی ضرورت درمیان میں نہیں ہے۔ عزیزانِ من! جو یہ کہتا ہے (سعلک عبادی انی قل انی قریب) میرے بندے تم سے پوچھتے ہیں میرے متعلق' ان سے کہو کہ میں تو تمہارے بالکل قریب ہوں (نحن اقرب الیه من حبل الورید) میں تو انسان کی رگ جاں سے بھی زیادہ اسکے قریب ہوں۔(اجیبوا الدعوۃ اذا دعآءِ) ہر پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہوں۔ جس کی کیفیت یہ ہو اس تک پہنچنے کے لیے راستے میں آپ کو دربانوں کی' وزیروں کی' مشیروں کی' سفارش کرنے والوں کی اور وسیلوں کی ضرورت پڑے گی؟۔ جب پوچھئے تو کہا جاتا ہے کہ صاحب دیکھئے یہاں آپ ڈپٹی کمشنر تک نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ آپ کے پاس وسیلہ نہ ہو۔ یہ بدنظمی کے زمانے کی باتیں ہیں نا جو وہ بتا رہے ہیں۔ عمر فاروقؓ تک پہنچنے کے لیے تو کسی راستے کے دربان کی ضرورت نہیں' رسول اللہ ﷺ تک پہنچنے کے لیے تو کسی حاجب کی ضرورت نہیں تھی۔ ان کا نقشہ سامنے نہیں لائیں گے بگڑے ہوئے نظام کا نقشہ سامنے لائیں گے۔ اور وہ اس لیے کہ انہوں نے خدا کا تصور ہی ملوکیت کے زمانے میں پیدا کیا اپنے ہاں۔ بٹھایا اس کو

بہت دور، پھر اس کے گرد ایک دائرہ مقربین کا بنایا پھر اس کے بعد ایک اور درجہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وہ راستے میں دور پہلے وہاں وہ کھڑے ہیں چوکیدار دربان کھڑے ہیں کسی کی عرضی وہاں تک پہنچ ہی نہیں سکتی جب تک ان ہاتھوں سے نہ چلے۔شہنشاہیت کے زمانے کا تصور، اس زمانے کا انہوں نے خدا بنایا ہوا ہے۔ وہ خدا جو رگِ جان سے بھی زیادہ قریب تھا اس خدا کو نگاہوں سے اوجھل کر دیا۔اور وہ تو ایک دنیا تھی جو دنیاوی سلطنت کی تھی انہوں نے اپنے ہاں روحانیت کی الگ ایک سلطنت قائم کر رکھی ہے۔خود تو حضرت صاحب ہوتے ہیں بیٹا ان کا خلیفہ ہوتا ہے اپنی مملکت ہوتی ہے ان کی۔اور یہاں ایمان یہ ہوتا ہے کہ یہ جو باہر مملکت میں ہیں نا یہ گورنر یہ کمشنر یہ ڈپٹی کمشنر یہ ایس ایس پی وغیرہ یہ تو یونہی کٹھ پتلیاں ہیں تھیٹر کے ایکٹر ہیں۔سارا نظم ونسق تو زیرِ زمین ہوتا ہے وہاں یہ مقربین بارگاہِ خداوندی جو ہیں یہ غوث اور قطب اور یہ سارے، یہ سب نظم ونسق کرتے ہیں یہ انہیں حکم دیتے ہیں اور یہ سب کچھ کرتے ہیں۔آج کل تو ایسا نظر آتا ہے کہ ان کا بھی ساری رشوت میں حصہ ہوگا اگر وہی حکم دیتے ہیں تو۔بہر حال یہ تصور قائم کر رکھا ہے ان لوگوں نے، اس کی بناء پر خدا تک پہنچنے کے لیے بھی وسیلے کی ضرورت ہے۔اور یہ معنی جو تھے وسیلے کے اس نے یہ چیز کہی کہ جن کے متعلق تم ذہن میں سمجھتے ہو کہ وہ خدا تک پہنچاتے ہیں(اولئک الذین یدعون یبتغون الیٰ ربھم الوسیلة ایھم اقرب و یرجون رحمتہ و یخافون عذابہ) (17:57) جن کے متعلق یہ ذہن میں سمجھتے ہیں کہ وہ خدا تک ان کو پہنچا دیں گے اگر وہ خدا کے بندے ہیں تو ان کی کیفیت یہ ہے کہ وہ خود اس کے آرزو مند رہتے ہیں کہ ہم خدا تک کیسے پہنچ جائیں اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں ڈرتے رہتے ہیں اس کے عذاب سے اُن کی تو کیفیت یہ ہوتی ہے۔اور اِن کی کیفیت یہ ہے کہ یہ ان کے بغیر سمجھتے ہیں کہ خدا تک بات ہی نہیں پہنچ سکتی درخواست ہی نہیں پہنچ سکتی کہا کہ یہ سارا تصور غلط ہے۔خدا کا قرب جسے آپ کہتے ہیں یا مقرب کہتے ہیں وہ انسانی ذات کے شرف کا نام ہے اس کی ذات کی صلاحیتوں کی نشوونما پانے کا نام ہے۔طریقہ اس کا: (اٰمنوا اتقوا اللہ) (5:35) خدا کے قوانین کی نگہداشت کرو (وابتغوا الیہ الوسیلة) (5:35) اور اس طرح سے اس تک مقام بلند حاصل کرنے کی کوشش کرو، درجات بلند حاصل کرنے کی کوشش کرو۔(ولکل درجة مما عملوا) قرآن نے کہہ دیا اور درجات تو ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق، کردار کے مطابق، کریکٹر کے مطابق ملیں گے صاحب۔(و جاھدو فی سبیلہٖ) (5:35) اس کے راستے میں جدوجہد کرو ہے یہ ہے اس کا طریقہ، انسانوں کے وسائل ڈھونڈ کے نہیں۔(لعلکم تفلحون) (5:35) تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ تمہاری کھیتیاں پروان چڑھ جائیں۔اور یاد رکھو! ہمارا قانون مکافات یہ ہے، تم تو یہ تصور کر رہے ہو کہ کسی اور کو اگر ہم نے درمیان میں مرشد مقرر کر لیا، یاد رکھو! قرآن کریم نے مرشد صرف خدا کو کہا ہے رشد و ہدایت صرف وہ دیتا ہے ہادی بھی وہی ہے مرشد بھی وہی ہے۔اور یہ دونوں قرآن کے اندر پھر آ گئیں قرآن ہی مرشد ہے قرآن ہی ہادی ہے۔اس نے کہا یہ ہے کہ یہ جو تصور تمہارے ذہنوں میں ہیں کہ تم جو جی میں آئے

کرتے رہو تمہیں یہ بخشوا دیں گے یہ مقرب ہیں یہ تمہاری سفارشیں کردیں گے' بالکل غلط ہے۔ اور تمہیں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ نذر نیاز اگر تم پوری کردو گے اپنی کمائی میں سے انہیں دیتے چلے جاؤ گے تو پھر بخشش کا وسیلہ ہو جائے گا۔ اور پھر وہ انہیں دینے تک محدود نہیں ہوتا برادرانِ عزیز! پھر تو وہ سلسلہ آگے چلتا ہے' متولیوں تک نہیں' وہ جو چونے اور پتھر کا ڈھیر ہے کہ جسے قبر یا مزار کہا جاتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ کل یا پرسوں کے اخبار میں ہی یہ چیز تھی کہ یہاں ایک مزار کو جو غسل دیا گیا ساڑھے چار من گلاب کا عرق اس کے اوپر کام آیا۔ بہر حال چونے مٹی کی ایک قبر ہے دھویا ہے اسے' ٹھیک ہے صفائی کر دیجیے اس کی۔ آپ سوچ لیجیے یہاں مریضوں کو اتنا سا گلاب کا عرق خالص نہیں ملتا۔ یہ سب کچھ دیا جاتا ہے ہر دینے والا یہ سمجھتا ہے کہ اس کے صدقے میں حضرت صاحب ہمیں بخشوا دیں گے ہماری مرادیں پوری ہو جائیں گی۔ قرآن کہتا ہے (**ان الذین کفروا لو ان لھم ما فی الارض جمیعًا و مثلہ معہ لیفتدوا بہٖ من عذاب یوم القیٰمۃ ما تقبل منھم**) (5:36) یہ تو بات ہی کچھ نہیں ہے یہ چار من عرق تم نے کہہ دیا یا دس دیگیں تم نے چڑھا دیں' جتنی دولت دنیا کے اندر ہے وہ اتنی ہی اور کہیں سے یہ ساری کی ساری دولت لے کے بھی اگر کوئی شخص چاہے کہ اپنے ایک غلط عمل کا فدیہ ادا کرے اس سے چھوٹ جائے نہیں چھوٹ سکتا۔ دیکھتے ہیں کہاں لایا ہے قرآن اس چیز کو۔ بالکل نہیں چھوٹ سکتا' مکافاتِ عمل تو چیز وہ ہے صاحب' فدیہ دے کے چھوٹ کہاں سکتا ہے۔ میں نے عرض کیا ہے کہ میں مثال کے طور پہ سمجھایا کرتا ہوں کہ آگ میں انگلی ڈالیے اس کے بعد انگلی جلے گی اور اس سے آپ کو درد ہوگا۔ اب یہ جو درد آپ کو ہو رہا ہے لائیے تو بڑی سے بڑی سفارش کسی بادشاہ کی کسی پریزیڈنٹ مملکت کی بھی سفارش لے آئیے چٹھی وہ لکھ دے اس کو آگ کو یا اس درد کے زخم کو کہ ہم سفارش کرتے ہیں کہ اسے تکلیف نہ ہو' کچھ اثر اس کا؟ دنیا بھر کی دولت تقسیم کر دے باہر' درد مٹ جائے' نہیں مٹ سکتا۔ بڑے سے بڑا ہمدرد دوست بھی ہمدردی کے الفاظ چار کہہ دے گا جسے کہتے ہیں اس کے دل پہ مرہم رکھ دے گا غمگساری کی' یہ درد نہیں لے سکتا اس سے' کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے تو خدا کے قانون کی خلاف ورزی کی تھی اسی کے قانون کی طرف لوٹ کر دوا جو اس نے اس کے لیے تجویز کی ہے وہ لگانی پڑے گی۔ کفارے اور فدیے اور سفارشیں اور شفاعتیں ان سے یہ اثرات جو ہیں دور نہیں ہوتے۔ اور یہ وسیلے یہ کیا کام کر دیں گے؟۔ کہا یہ ساری دولت بھی صرف کر دو پھر بھی اس درد سے اس عقوبت سے اس عذاب سے تم نہیں بچ سکتے۔ (**ما تقبل منھم**) قبول ہی نہیں کیا جائے گا۔ دیکھئے قبول کرنا کہاں آیا ہے۔ (**ولھم عذاب الیم**) (5:36) یہ درد وہ ہے کہ جو فدیوں سے' نذر و نیازوں سے ان چیزوں سے سفارشوں سے کسی کو یہ نہیں کم ہوا کرتا۔ یہ تو جسے درد ہے ہوگا بھی اسے اور اس سے بچنے کی یا اس کی تلافی کی شکل بھی یہ ہے کہ جو اس نے اپنے قانون میں یہ کہا ہے کہ اس کا علاج اس طرح سے ہوگا وہ کیجیے تو یہ ہو سکتا ہے۔ اور سیأت کو دور کرنے کا علاج اس نے کہا ہے کہ حسنات زیادہ سے زیادہ کرو اور پھر یہ چیز دور ہو سکے گی۔ عزیزانِ من! سورۃ مائدۃ کی آیت 36 تک ہم آ گئے اور

37 آیت سے ہم آئندہ لیں گے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المآئدۃ۔آٹھواں باب (آیات 37 تا 44)

عزیزانِ من!

آج اپریل 1971ء کی 25 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ المآئدۃ کی 38 ویں آیت سے ہوتا ہے (5:38)۔

قرآنِ کریم نے چار جرم ایسے ہیں جن کی سزا بھی خود ہی متعین کی ہے: جرمِ قتل' بغاوت کا جرم' زنا کا جرم اور سرقہ یعنی چوری کا جرم۔ جرم قتل اور جرم بغاوت کے متعلق اس سے پہلی آیات میں ذکر آ چکا ہے۔ سرقہ کے متعلق زیرِ نظر آیت میں بات سامنے آتی ہے۔ (والسارق و السارقة فاقطعوا ایدیهما جزآء بما کسبا نکالًا من الله) (5:38) عام ترجمہ جس کا کیا جاتا ہے کہ چوری کرنے والا مجرم عورت ہو یا مرد' ان کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں۔ جرم اور سزا کے فلسفہ کے متعلق جو قرآنِ کریم نے بتایا ہے میں تفصیل سے اس سے پہلے دو ایک درسوں میں بیان کر چکا ہوں۔ اس وقت اس میں سے صرف اتنی سی بات دہرا دوں کہ جرم سزا سے متعلق احکام ہوں یا قرآن کریم کے دیگر قوانین' انہیں الگ الگ کر کے نہیں لیا جا سکتا Inisolation جسے کہتے ہیں اس طرح نہیں ان کو لیا جا سکتا نہ وہ ایسے سمجھ میں آ سکتی ہے بات۔ قرآن کریم زندگی کا ایک نظام دیتا ہے اس نظام کے اندر افراد کی تربیت کرتا ہے' ان کے قلب ونگاہ کی اصلاح کرتا ہے' ضروریاتِ زندگی کی ذمہ داریاں لیتا ہے' ان کو امن و سکون کی ضمانت دیتا ہے۔ یہ اس قسم کا نظام پورے کا پورا وہ متشکل کرتا ہے اور اس نظام کے اندر پھر اپنے احکام' قوانین اور ہدایات دیتا ہے۔ لہٰذا اس کے احکام اس نظام یا اس فضا کے اندر فٹ اِن ہوتے ہیں۔ انہیں اگر وہاں سے نکال کے الگ الگ دیکھا جائے تو پھر وہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اور یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگوں کو جو شکوک پیدا ہوتے ہیں تو وہ اسی لیے پیدا ہوتے ہیں کہ وہ ان تمام چیزوں کو Inisolation سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں یونہی ایک چیز اٹھائی اور دیکھا دیکھئے صاحب! چور کے ہاتھ کاٹ دیئے' اتنی سی چیز ان کے ذہن میں ہوتی ہے۔ وہ اپنے نظام' اپنی سزا' افراد کی تربیت ان چیزوں کو کس طرح پیشِ نظر رکھتا ہے اسے ایک مثال سے سمجھئے۔ مثلاً اس نے زنا کی سزا کے متعلق کہا ہے کہ اسی کوڑے اس کی سزا ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ سنگسار کرنا ہے زنا کی سزا' یہ قرآن میں نہیں ہے' اسی کوڑے سزا اس کی تجویز کی۔ اب نزول قرآن کے زمانے میں یا جب پہلے پہل یہ نظام متشکل ہوا ہے تو اس میں وہاں کی اولیں مخاطب آبادی میں ایک حصہ تو وہ تھا جسے وہ لوگ یا آج کی اصطلاح میں بھی شرفاء کا طبقہ کہا جاتا ہے تربیت یافتہ' تعلیم یافتہ' تعلیم یافتہ نہ بھی ہوں تو بہر حال مہذب' تمیز والے' تربیت والے' یہ جاننے کے اہل کہ جرم کیا ہوتا ہے قانون کیا چیز ہے سزا کسے کہتے ہیں۔ اور ایک وہ طبقہ تھا کہ جو نا تربیت یافتہ تھا انہیں ان چیزوں کا علم نہیں تھا انہیں اس زمانے میں غلام اور لونڈیاں کہا جاتا تھا۔ قرآن

نے جب سزا تجویز کی ہے زنا کی تو اس نے یہ کہا کہ یہ جو خواتین کا شرفاء کا طبقہ ہے اس کی سزا تو یہ ہے اسی کوڑے۔ لیکن یہ طبقہ جنہیں لونڈیوں کا طبقہ کہا جاتا تھا اس زمانے میں غیر مہذب' غیر تربیت یافتہ' یہ عام ملازمہ چھوکریاں جنہیں کہا جائے گا آج کی اصطلاح میں' تو کہا کہ ان کی سزا اسی جرم کی آدھی ہے۔ آپ نے دیکھا کہ کس طرح سے وہ مجرموں کی ذہنی کیفیت کو تربیتی حالت کو ماحول کو سزا کو سامنے رکھتا ہے۔ ان کی سزا آدھی ہے۔ اور اس کے برعکس نسآء النبی ﷺ' نبی اکرم ﷺ کے گھرانے کی خواتین کے متعلق کہا کہ تم عام خواتین جیسی نہیں ہو تمہاری حالت یہ نہیں ہے تم سے اگر کوئی جرم سرزد ہوا تو تمہیں عام سزا سے دوگنی سزا دی جائے گی۔ دیکھا آپ نے کس طرح سے وہ ملحوظِ خاطر رکھ رہا ہے افراد یا طبقات کی جو ذہنی کیفیت ہے نفسیاتی کیفیت ہے وہ سزا ہے جس کے اندر ان کی زندگی بسر ہو رہی ہے انہیں سامنے رکھ کے ایک ہی جرم کی مختلف سزائیں یوں تجویز کرتا ہے۔ تو یہ میں نے مثالاً عرض کیا کہ قرآن کے کسی حکم کو اس کے پورے نظام اور سزا سے الگ ہٹا کے Inisolation نہیں لینا چاہیے۔ یہاں ہے کہ سارق اور سارقہ چور مرد یا عورت' لفظ ہیں (**فاقطعوا ایدیهما**) (5:38) پہلی چیز تو یہ لیجیے کہ اس میں سرقہ کی قانونی Definition خود نہیں دی قرآن نے۔ قانون دان حضرات اسے جانتے ہیں کہ قانون کی بنیاد اس پہ ہے کہ اس کو Define پہلے کیا جائے اس کی Definition دی جائے اس کی تعریف کی جائے بتایا جائے کہ یہ کیا مقصود ہے اس سے' قانوناً کیا مقصود ہے۔ چوری تو ہر ایک سمجھتا ہے لیکن آپ عدالتوں میں جا کے دیکھئے چوری کا مقدمہ جب پہلے پیش ہوتا ہے تو وہاں سب سے پہلے یہ سوال آتا ہے کہ یہ دفعہ اس پہ لگتی بھی ہے یا نہیں۔ 'یہ دفعہ نہیں لگتی' کے کیا معنی ہوتے ہیں؟ کہ وہ خاص Definition کے اندر یہ جرم آتا بھی ہے یا نہیں۔ اور اکثر آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہر ایک کے علم میں ہے کہ جرم کا مرتکب جو ہوا ہے جرم اس سے سرزد ہوا ہے عدالت نے اس کے باوجود اسے چھوڑ دیا۔ وہ کیوں چھوڑ دیا؟ کہ جس دفعہ کے ماتحت اس کا چالان ہو رہا تھا اسے ملزم گردانا جا رہا تھا اس Definition کے ماتحت اس کا وہ جرم آتا نہیں تھا۔ ایسے حالات میں پھر دوبارہ پولیس کو اس کے دوسرے جرم کے تابع مجرم گرداننا پڑتا ہے۔ تو Definition بڑی ضروری ہے۔ اور یہ Definition جو ہے یہ حالات کے مطابق بدلنے والی شے ہے۔ میں ابھی عرض کرونگا کہ حالات کے مطابق خود اس سرقہ کی Definition صدرِ اول میں بھی کس طرح سے بدلی۔ پہلی چیز تو قرآن نے یہ کہی ہے کہ اس کی خود Definition نہیں دی یہ اسلامی مملکت کے اوپر چھوڑا ہے کہ وہ اپنے اپنے زمانے میں جب اس اصول کے تابع ضمنی قوانین متعین کریں تو وہ Define کریں اپنے کوڈ میں اپنے ضابطۂ قوانین میں کہ سرقہ قانوناً کہتے کسے ہیں۔ مزید سمجھنا ہو تو میں عرض کروں ہماری فقہ میں سرقہ کی Definition یہ ہے کہ وہ کسی کا مال محفوظ کوئی دوسرا شخص اس کی رضامندی کے بغیر لے جائے۔ یہ تھی Definition سرقہ کی۔ ایک Face اس میں آتا ہے' باپ بیٹے نے مل کے ایک مکان میں نقب لگائی ''سن لائی جنوں کیندے نیں' باہر کی دیوار کمرے کی جو تھی باپ نے اسے توڑا۔ اس کے

بعد وہ الگ ہو گیا اور بیٹے نے اندر جا کے وہ جو مال تھا وہ اس کو اٹھا کے لے آیا پولیس نے چالان کر دیا چوری کے جرم کا۔ میں یہ بتا رہا ہوں کہ قانوناً Technicality جسے کہتے ہیں یہ Definition کے اوپر کتنا دارومدار ہے اس کا۔ مال ان کے پاس موجود ہے موقعہ پہ گرفتار ہوئے ہیں سرقہ کے تابع مقدمہ ان کے اوپر دائر ہوا ہے اب اس کے بعد کسی اور چیز کی ضرورت ہی نہیں ان کو مجرم ثابت کرنے کے لیے۔ لیکن Defence میں کہا یہ گیا کہ سرقہ کی Definition یہ ہے کہ کسی کا مالِ محفوظ اس کی رضامندی کے بغیر لے لیا جائے۔ باپ نے وہ کہا کہ میں نے نقب لگائی نقب لگانا تو سرقہ نہیں ہے' وہ الگ ہو گیا۔ بیٹے نے کہا کہ وہ جو اندر مال پڑا ہوا تھا میں نے وہ اٹھایا وہ مالِ محفوظ نہیں تھا وہ تو دیوار کھلی ہوئی تھی۔ تو غیر محفوظ مال کا چرا لینا سرقے میں نہیں آتا' غیر محفوظ مال اٹھا لینا سرقے میں نہیں آتا۔ اس لیے سرقہ کا جرم ان کے اوپر عائد نہیں ہو رہا حالانکہ مال ان کے پاس موجود ہے' ہمارے آپ کے ہر ایک کے خیال کے مطابق انہوں نے چرایا ہے وہ بھی کہتے ہیں کہ چرایا ہے' سرقہ کے تابع نہیں آتا۔ میں کہہ یہ رہا ہوں کہ یہ بڑی Important چیز ہے بڑی اہم چیز ہے Define کیا جائے کسی چیز کو کہ وہ کیا چیز ہے۔ اور یہ تو قانون کی بات ہے جتنے بھی ضوابط ہیں جتنے بھی اصول ہیں جو کچھ بھی آپ کے ہاں اسلام کے نام پہ ہو رہا ہے اگر ان کو کہیں Define کر دیا جائے تو آپ دیکھئے گا کہ آدھی پرابلم آپ کی آج Solve ہو جاتی ہے۔ یہ Define نہ کرنے کی وجہ ہے کہ آپ کے ہاں اتنے اتنے فرقے بنے ہوئے ہیں فکر و نظر کا انتشار ہے جس کے جو جی میں آئے اس کے معنی وہ لے لیتا ہے۔ صاحب! وہ بڑا تقویٰ شعار ہے بڑا متقی پرہیزگار ہے' اب متقی کے متعلق کہیں Define نہیں کیا گیا کہ کسے کہتے ہیں۔ آپ دیکھیں گے ہر ایک کے نزدیک متقی کی تعریف اور ہو گی۔ بڑا نیک آدمی ہے صاحب! نیک آدمی کی تعریف ہر ایک کے نزدیک الگ الگ ہو گی۔ قرآن سب سے پہلے یہ متعین کرتا ہے کہ یہ ہوتا کیا ہے۔ جتنے اصول دیے ہیں اسلام کی اس کی تو Definition اس نے خود دی دی ہے' متعین کر دیا ہے ہر ایک کا مفہوم۔ اور یہ ہے چیز عزیزانِ من! اسلام اور قرآن کی تعلیم کو سمجھنے کی کہ اس کی جتنی اصطلاحات اس نے استعمال کی ہیں ان کا مفہوم پہلے متعین کیا جائے کہ اس کے معنی کیا ہیں۔ ایمان کسے کہتے ہیں' اسلام کا متعین مفہوم کیا ہے' یہ جو اجزائے ایمان ہیں ان کا مفہوم کیا ہے' یہ صلوٰۃ کا متعین مفہوم کیا ہے' قیام کیا ہے' تقویٰ کیا ہے۔ یہ جتنی چیزیں ہیں ان کو اگر قرآن کی رو سے ان اصطلاحات کو متعین کر دیا جائے آپ دیکھیں گے کہ آپ کے کتنے مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ Definition بڑی اہم چیز ہوتی ہے۔ یہ میں نے عرض کیا کہ جتنے اصول ہیں دین کے ان کی Definition ان کا متعین مفہوم کہیے اس کا ترجمہ' کیونکہ Definition کا ترجمہ تعریف ہمارے ہاں کیا جاتا ہے وہ تعریف کے تو معنی کچھ اور بھی ہوتے ہیں' متعین مفہوم میں اس کا ترجمہ کر دیتا ہوں۔ قرآن کی اصطلاحات کا مفہوم قرآن سے متعین کر لیا جائے بڑا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ میں نے جو قرآن کو سمجھا ہے اور اسے سمجھانے کی کوشش کی ہے اپنے لغات میں اور مفہوم میں' میں نے

اس میں کیا یہ ہے بالخصوص لغات میں' قرآن کی ان اصطلاحات کا مفہوم قرآن سے متعین کیا ہے۔اور آگے بات بڑی آسان ہوگئی۔لیکن یہ جو جرائم ہیں ان کے متعلق قرآن نے اسے چھوڑ دیا ہے کہ ہر مملکت اپنے اپنے زمانے کے مطابق ان کا قانونی مفہوم متعین کرے۔لہٰذا پہلی چیز تو یہ ہے کہ مملکت اسلامیہ کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ یہ کہے کہ سرقہ کسے کہا جاتا ہے سارق کون ہوتا ہے' پہلی بات یہ ہوگئی۔اس کے جرم کی سزا کے متعلق یہ ہے(**فاقطعوا ایدیھما**) (5:38) ٹھیک ہے بالکل اس کے لغوی معنی اگر یوں لیے جائیں **قطع** کے معنی کاٹ دینا' **ایدیھما** کے معنی ہاتھ' یہ ترجمہ بھی ہوگا۔لیکن وہی عربی زبان اور پھر قرآن کریم کے دیگر مقامات' اس میں ہاتھ کا یوں کاٹ کے الگ کر دینا یہی مفہوم نہیں۔ہاتھوں کا زخمی کر دینا بھی تو مفہوم ہے سورۃ یوسف میں وہ جو عورتوں کا قصہ وہاں ہے وہ جو چھریاں لے کے بیٹھی تھیں۔وہاں بھی یہ چیز ہے کہ ان پہ یہ کیفیت طاری ہوگئی کہ وہ اپنے ہاتھ کاٹ لیے انہوں نے۔اور ہمارے ہاں ہاتھ کاٹ لینا تو روز کہتے ہیں بچے نے اپنی انگلی کاٹ لی ہاتھ کاٹ لیا وہ زخمی کر دینے کے معنی میں آتا ہے۔اور پھر قطع لسان کے معنی ہوتا ہے روک دینا کسی کو' زباں بندی کر دینا۔قطع السبیل کے معنی ہوتا ہے راستہ روک دینا۔قطع ید کے معنی ہوتے ہیں کسی کے ہاتھ کو روک دینا اس چیز سے کہ وہ دوبارہ ایسا نہ کرے۔اور اس کی تشریح یہاں قرآن نے خود کی(**نکالًا من اللہ**) (5:38) نکال کے معنی ہی روک ہوتا ہے۔یہ خدا کی طرف سے روک پیدا کرنے کے لیے ایک بات کہی گئی ہے۔سرقہ کی واردات نہ ہوں اس کے لیے وہ مملکت سوچے کہ کیا کیا اقدامات کرنے چاہئیں کیا کیا تدابیر کرنی چاہئیں کہ روک پیدا ہو جائے ان جرائم کے ارتکاب کے لیے۔اب اس روک کے لیے آپ سب سے پہلی چیز تو یہ ہے کہ افرادِ معاشرہ کی اصلاح کریں گے' تربیت کریں گے' تعلیم ان کی کریں گے۔اصل میں یہ جسے سزا کہتے ہیں یہ تو بڑے Exceptional Cases ہوتے ہیں مستثنیات میں سے یہ ہوتے ہیں کہ ایسی ذہنیتیں جو تعلیم تربیت اس قسم کی تمام سہولتیں وغیرہ بہم پہنچانے کے باوجود قانون شکنی کریں اور اور کوئی ذریعہ ان کے روکنے کا نہ ہو تو عوام کو یا دوسرے لوگوں کو ان کی اس ذہنیت کے نقصان سے محفوظ رکھنے کے لیے ایک طریقہ Psychologically یہ بھی ہے کہ خوف کے ذریعے سے کسی کو روک دیا جائے۔بہر حال یہ تو فلسفے میں آ جائے گا جرم کے۔میں یہ کہہ رہا ہوں کہ **نکالًا من اللہ** میں یہ سب چیزیں آ جائیں گی کہ ان کے ہاتھ کو روک دیا جائے کہ ایسا نہ ہونے پائے۔اور اگر یہ انتہائی سزا جسے آپ کہتے ہیں کہ ہاتھ کو کاٹ دیا جائے تو یہ Inisolation نہیں لینا چاہیے کہ بس یہ لیا جیسا ہمارے ہاں ہے کہ صاحب! وہ دیکھئے نا اسلام نے یہ کہہ دیا چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔تو معاشرے میں نوے فیصد ہی تو چور بستے ہیں یہاں' تو بس آپ دیکھئے گا پانچ سات سال میں سارا معاشرہ ''لولیاں دا ای ہو جائے گا جناب''۔یہ اس طرح کی باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جن کو یہ معلوم نہیں کہ قرآن سے بات کیسے سمجھنی چاہیے۔سوچئے تو سہی انتہائی سزا اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ انتہائی سزا جو ہے اس کی بھی ضرورت پڑ جائے گی۔لیکن کب ضرورت پڑے گی؟

قرآن ایک معاشرہ قائم کرتا ہے جس میں ہر فردِ معاشرہ کی بنیادی ضروریات بہم پہنچانے کی ذمہ داری حکومت پر ہوتی ہے ہر شخص کو اس کی بنیادی ضروریاتِ زندگی ملتی چلی جاتی ہیں کوئی شخص ان سے محروم نہیں رہتا یہ As of right ڈیمانڈ کرسکتا ہے بطورِ حق کے اس کو طلب کرسکتا ہے' حکومت پہ دعویٰ کرسکتا ہے اور کوئی اس کی ضرورت رک جائے تو۔ وہ اربابِ نظم و نسق مجرم کے کٹہرے میں کھڑے ہو جائیں گے کہ (نحن نرزقکم و ایاہ) تمہاری اور تمہارے بال بچوں کی ضروریاتِ زندگی کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے' یہ مملکت اعلان کرتی ہے۔ آپ سوچیے کہ ہر شخص کی ضروریات زندگی پوری ہوتی چلی جائیں۔ اگلا حکم اس معاشرے کا یہ ہے کہ کسی کے پاس زائد از ضرورت کوئی دولت رہنے نہ پائے' دولت کی تقسیم اس طرح سے ہو Circulation (گردش) اس طرح سے ہو سارے معاشرے کے اندر وہ یوں گردش کرے جیسے انسان کی رگوں میں خون گردش کرتا ہے۔ ہر ایک کو یہ چیزیں میسر ہوں کوئی محروم نہ ہو کوئی محتاج نہ ہو۔ آپ سوچیے کہ جب معاشرے میں یہ حالت ہو جائے کہ کوئی محروم و محتاج نہ ہو کوئی مفلس اور غریب نہ ہو کوئی بھوکا نہ ہو کوئی ننگا نہ ہو ہر چیز اس کی Assured ہو ذمہ داری اور ضمانت لی ہوئی ہو حکومت نے کہ وہ پوری کرے۔ اور اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی چیز کو وہ چرا کے لے آئے آپ کہتے ہیں ہاتھ کاٹ دیجیے'' او ہدا تے کان بچہ کان کر دینا چاہیدا ہیگا''۔ ان حالات میں جو شخص یہ پھر کرتا ہے ٹھیک ہے میں آگے عرض کرونگا کہ قرآن فوراً پکڑ کے ہاتھ ہی نہیں کاٹ دیتا۔ لیکن میں کہتا یہ ہوں کہ اگر ان حالات کے اندر کوئی اس قسم کے جرم کا مرتکب ہو جائے تو اس کو اس قسم کی سخت سے سخت سزا کیوں نہ دی جائے۔ کونسی ضرورت اس کی رکی ہوئی تھی جس کے لیے اس نے یہ کیا۔ اور جس سے یہ کیا ہے اس کے پاس تو ضروریاتِ زندگی ہی تھی اس سے زائد تو اس کے پاس بھی کچھ نہیں تھا۔ اپنی ایک ہوس کو پورا کرنے کے لیے دوسرے کو ضرورتِ زندگی سے محتاج کر دینا یہ ہوا نا جرمِ سرقہ۔ یہ چیز کہ یہ اسی سزا کے اندر تھی صدرِ اول کی تاریخ میں بعض چیزیں ہماری سامنے آتی ہیں جو ان باتوں کی تائید کرتی ہیں۔ مثلاً یہ چیز کہ حضرتِ عمرؓ نے عام قانون کے ذریعے سے قحط کے زمانے میں روٹی یا غلے کی چوری جو تھی اس کو سرقہ قرار نہیں دیا تھا' Definition ہے۔ وہ واقعہ بھی تاریخ کے اندر ہے کہ کسی شخص کے غلاموں نے (کہیے کہ اسکے نوکروں نے) کسی دوسرے شخص کی اونٹنی پکڑ لی اسے ذبح کیا اور اسے کھا گئے۔ جرم ثابت ہو گیا عدالت میں آئے بچنے کی کوئی بات ہی نہیں تھی۔ آپؓ نے پوچھا کہ تم نے یہ کیوں کیا؟ انہوں نے کہا کہ ہمارا مالک اس قدر ظالم ہے کہ وہ مدتوں سے ہمیں بھوکا رکھ رہا ہے ہمیں اتنی روٹی نہیں دے رہا کہ جس سے ہمارا پیٹ بھر جائے' ہم تنگ آ گئے کوئی اور صورت ہمارے لیے نہیں تھی کہ یہ ایک اونٹنی تھی ان حالات میں ہم نے اس کو پکڑ کے ذبح کر کے کھا لیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے ان مجرموں کو تو چھوڑ دیا اور ان کے مالک کو بلایا اور کہا کہ اصل مجرم تم ہو جس نے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ یہ لوگ مجبور ہو گئے اس جرم کے ارتکاب کے اوپر' جرم کی سزا تمہیں ملے گی انہیں نہیں ملے گی۔ غور فرمایا آپ نے کہ ان حالات کے اندر رکھ کے اسے

دیکھئے آپ، بات صاف ہوجاتی ہے۔ اوراس کے لیے قرآن کی سند موجود ہے۔ یعنی یہ حضرات اس قسم کے فیصلے یونہی ازخود نہیں کرتے تھے بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کے سامنے قرآن کی تعلیم ہوتی تھی۔ قرآن نے جب یہ چند چیزوں کے کھانے کو حرام قرار دیا اوراس کے بعد یہ کہا کہ اگر اضطراری حالت پیدا ہوجائے ایسی حالت پیدا ہوجائے کہ انسان کی جان پہ بن جائے اوراور کوئی طریقہ نہ ہواس کو بچانے کا اور کوئی چیز نہ ملے تو حرام چیز کو بھی کھالیا جاسکتا ہے اس حدتک جس حدتک زندگی انسان کی بچ جائے جان بچ جائے۔ اس سے استنباط انہوں نے کیا کہ جس چیز کو بھی عام حالات میں قراردیا ہے اضطراری حالت میں اس حدتک اس کا استعمال جائز ہوجاتا ہے جس حدتک جان کے بچانے کا خطرہ ہو۔ لہٰذا اگر بھوکا اضطراری حالت میں کہیں آ گیا ہے دوسرے کے پاس ضرورت سے زائد موجود ہے تو اس کو یہ حق حاصل ہے کہ عام حالات میں جو چیز اس پہ حرام تھی ان حالات میں اس کے اوپر وہ حلال ہوجائے گی۔ اسلام کا جو اپنا معاشی نظام ہے اس نظام کے اندر آپ رکھ کے دیکھئے تو پھر معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یہ شکل پیدا ہی نہیں ہوسکتی کہ ضرورت کے تابع کوئی آدمی یہ کرے، ضرورتیں تو پوری ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اب اس کے باوجود اگر کوئی یہ کچھ کرتا ہے تو پھر تو واقعی روکنے کی ضرورت ہے (**نکالًا من اللہ**) جس شکل سے بھی روکا جاسکے اسے روکنے کی ضرورت ہے۔ لیکن میں نے عرض کیا تھا کہ روکنے کی صورت پہلا ہی قدم یہ نہیں ہے کہ سزا دیدی جائے ہاتھ کاٹ دیے جائیں۔ وہ جو میں کہا کرتا ہوں کہ آیات کے آخر میں جو خدا کی صفات بیان ہوتی ہیں بڑی غور طلب ہوتی ہیں۔ قانون یہ بیان ہورہا ہے کہا گیا ہے کہ (**واللہ عزیز حکیم**) (5:38) یادرکھو! خدا کا قانون خدا کا نظام صاحبِ غلبہ بھی ہے صاحبِ حکمت بھی ہے۔ اگر آپ صرف غلبہ ہی غلبہ استعمال کرتے ہیں تو وہ آپ نے عزیز تو اس کو مان لیا حکیم نہیں مانا۔ یہ کیوں دونوں چیزیں قرآن یہاں کہہ گیا کہ (**واللہ عزیز حکیم**) (5:38) شاعری کررہا ہے (معاذاللہ)۔ عزیز اور حکیم، **نکالًا من اللہ**، روک ہونی چاہیے خدا کی طرف سے ایسی چیز کے لیے۔ روک کے لیے دو چیزیں ہیں: حسن تدبیر سے، عمدہ تربیت سے، تعلیم سے، سمجھانے سے اس کی اصلاح کی جائے۔ اس اصلاح کے ذریعے سے اگر وہ رک جائے تو یہ بھی روک ہوگئی۔ اوراگر یہ تمام طریقے فیل ہوجائیں یہ صورت نہ ہو تو ایک طریقہ نفسیاتی طور پر خوف کے ذریعے سے روکنے کا بھی ہوتا ہے وہاں عزیز آ گیا۔ اب عزیز اور حکیم جو ہے اس کا امتزاج اگلی آیت میں آپ دیکھئے۔ (**فمن تاب بعد ظلمہ و اصلح فان اللہ یتوب علیہ**) (5:39) جرم سرزد ہوگیا اس کے فوری بعد اسے اس کا احساس ہوا کہ مجھ سے غلطی ہوئی۔ فوری جذبات کی شدت میں انسان وہ کچھ کر بیٹھتا ہے کہ اس کے بعد پھر اسے خود اپنے کیے پر ندامت ہوتی ہے۔ ندامت ہوئی **تاب** واپس لوٹا۔ آپ کو معلوم ہے میں کئی بار بتا چکا ہوں کہ توبہ کے معنی کیا ہوتے ہیں۔

زندگی کے دوراہے پہ غلط راستے کی طرف قدم اٹھ جائے اور انسان چلتا جائے کچھ راستہ طے کرنے کے بعد یہ معلوم ہو کہ غلط سمت کی

طرف میں آ رہا ہوں وہاں سے اس احساس کے تابع کہ یہ سمت غلط تھی وہاں پھر آ نا پڑے گا جہاں سے غلط راستے کی طرف اس کا قدم اٹھا تھا۔ یہ وہاں سے یہاں پھر جو واپس آ نا ہے اسے توبہ کہتے ہیں عربی زبان میں۔ جو غلطی ہوگئی ہے اس کے ازالے کے لیے اس احساس کے بعد ایک ندامت کے ساتھ پھر وہیں وہ آ تا ہے جہاں سے اس کا قدم غلط سمت کی طرف اٹھ گیا تھا۔ لیکن یہ آ نا تو صرف Negative Aspect ہے وہ اس سے منزل مقصود پہ تو نہیں پہنچ جائے گا۔ یہاں سے پھر اس کو صحیح راستے کے اوپر چلنا پڑے گا نا' یہ Positive Step ہوگا مثبت قدم اٹھانا پڑے گا۔ تاب و اصلح ' تاب تو صرف لوٹ کے وہاں آ جانا ہے اور اصلح پھر صحیح راستے کی طرف چل پڑنا ہے۔ کہا کہ جس کی یہ کیفیت ہو جائے (فان اللہ یتوب علیہ) (5:39) تو پھر خدا کا قانون بھی اس کی طرف لوٹ کر آ جاتا ہے۔ وہ کیا چیز ہے جو لوٹ کے آ تی ہے؟ (ان اللہ غفور رحیم) (5:39) غفور اور رحیم۔

غفور تو ہے حفاظت کرنے والا' وہ اس کی حفاظت کر دیتا ہے وہ نقصان جو اسے اس سزا سے پہنچنا تھا وہ سزا اس سے ٹال دیتا ہے۔ غفور: یہ پھر Negative Aspect ہے کہ اس سے تو بچ گیا لیکن یہ اس کی کیا شکل ہو کہ آ ئندہ پھر اس قسم کی حرکت نہیں کرے گا۔ دیکھا گیا کہ اس کی خود اصلاحِ ذات نہیں ہوئی' اس کے اندر جو صلاحیتیں ہیں ان کی نشوونما نہیں ہوئی' وہ انسانیت کی سطح پہ نہیں پہنچا۔ اس کے لیے کہا کہ رحیم بھی ہے وہ ایسے سامان بہم پہنچاتا ہے کہ جس سے انسان کی انسانی صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی جائے' رحیم یہ چیز ہوتی ہے۔ تو اب یہ دیکھئے ان چیزوں کو ملا کے آ پس میں پھر بات سمجھ میں آ جائے گی کہ جرم کی سزا قرآ ن کی رو سے کس حکمت پر کس فلسفے پر تجویز ہوتی ہے پھر اس میں توبہ کا Element موجود ہوتا ہے۔ یہ بغاوت کی وہ جو ابھی ابھی آیت پچھلے دو درسوں میں گذری تھی اس میں بھی آ پ نے دیکھا ہوگا کہ بغاوت کی سنگین ترین سزا دیتا ہے قرآ ن۔ لیکن وہیں یہ چیز کہی ہوئی ہے کہ ان میں سے وہ لوگ قبل اس کے کہ ان کے اوپر آ پ قابو پالیں غلبہ پالیں گرفتار کر لیں پکڑ لیں اس سے پہلے اگر وہ سفید جھنڈی بتا دے اور سرنڈر کر جائیں تو پھر ان کے لیے نرمی کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ یہاں بھی یہ تاب و اصلح یہی صورت ہے کہ جو بھی اپنے کیے پر نادم ہو پھر اپنی اصلاح کرے اور وہ اس کے لیے پھر مملکت یا نظام کی ذمہ داری ہے کہ اس سے اگر اس کو محفوظ کرے سزا سے تو رحیم بھی ساتھ ہو وہ' ایسا انتظام کرے کہ اس کی صحیح تربیت نہ ہونے کی وجہ سے جو اس سے یہ جرم سرزد ہوا ہے اس کی صحیح تربیت ہو جائے۔ یہ ہے قرآ ن کی رو سے سزا کا جو فلسفہ ہے' وہ تربیت کرنا چاہتا ہے۔ غفور ہے کہ دوسرے امن پسند لوگوں کو ایسے لوگوں کی دست درازیوں سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے' رحیم ہے کہ وہ ان لوگوں کی اس قسم کی تربیت اور اصلاح کرتا ہے کہ آ ئندہ کے لیے یہ اس قسم کے جرائم ان سے سرزد ہی نہ ہونے پائیں۔ یہ بنیادی چیز ہے۔ کہا کہ یہ جو چیز ہے کہ مجرم آیا ہے یہ کس طرح سے مجرم کو آ پ پکڑ لیتے ہیں اور ایسی سزا دیتے ہیں کہ عام حالات میں وہ کبھی بھی اس کے لیے تیار ہی نہیں ہو سکتا

وہ تو پوری ممکن کوشش کرتا ہے کہ چھوٹ جائے پولیس کی گرفت سے چھوٹ جائے جیل خانے سے بھی آپ دیکھتے ہیں کہ دیواریں پھاند پھاند کے وہ باہر چلے جاتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے نا۔ تو ایسا نظر آتا ہے کہ جس کے پاس قوت ہوتی ہے وہ دوسرے کو اس طرح سے مجبور کر دیتا ہے اور اسے وہ سزا دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خدا کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ ان انسانوں کے اوپر اپنے چھوٹے چھوٹے بندوں کے اوپر اتنا بڑا استبداد کا غلبہ پا کے ان کو پکڑ لے اپنے پنجے میں (**ان بطش ربک لشدید**) اور اس طرح سے ان کی ہڈیاں توڑ دے اسے ضرورت کیا ہے۔ (**الم تعلم ان اللہ لہ ملک السمٰوٰت و الارض**) (5:40) یہ اگر تم کہو کہ یہ ہوسِ اقتدار ہے جس کو پورا کرنے کے لیے یہ کیا جاتا ہے اور اس کی تو روز مثالیں ہمارے سامنے عام طور پہ آتی ہیں۔ پولیس کے ہاتھوں سے جو تشدد ہوتا ہے عام طور پر اس میں یہ کہا جاتا ہے کہ ان میں بعض ہوتے ایسے ہیں Sadistic جن کو کہتے ہیں کہ دوسرے کو تکلیف پہنچا کے خوش ہوتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ خدا کی تو یہ صورت نہیں ہے' ساری کائنات کے اوپر اس کا غلبہ ہے اس کا اقتدار ہے تو اسے اس کی کیا ضرورت ہے کہ اس ہوسِ اقتدار کو پورا کرنے کے لیے انسانوں کو سزائیں دیتا پھرے' یہ بات نہیں ہے۔ یہ ہے اصول۔ (**یعذب من یشآء و یغفر لمن یشآء**) (5:40) اب پھر وہی بات آ گئی اور میں یہ بار بار یہ عرض کر رہا ہوں کہ یہ جتنی ایسی آیات ہیں جن میں یہ ہے کہ جسے چاہتا ہے وہ یہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے یہ کرتا ہے' جب تک ان کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہ آئے قرآن کی تعلیم اس کی حکمت بالغہ کبھی سامنے نہیں آتی۔ نہ صرف یہ کہ سامنے نہیں آتی بلکہ اتنا غلط مفہوم ذہنوں کے اندر آتا ہے کہ انسان خدا سے برگشتہ ہو جاتا ہے۔ اب سوچئے تو سہی کہ یہ جو ترجمے ہمارے ہاں کیے جاتے ہیں ایک طرف تو وہ یہ کہہ رہا ہے کہ کائنات میں ہمارا اقتدار پھیلا ہوا ہے ہمیں کیا ضرورت ہے اس قسم کی چیزیں کرنے کی اور اس کے بعد اگر کہا جائے کہ **یعذب من یشآء و یغفر لمن یشآء** جسے چاہتا ہے عذاب دیدیتا ہے جسے چاہتا ہے چھوڑ دیتا ہے۔ یعنی نہ کوئی قاعدہ نہ کوئی قانون' یہ جسے چاہتا والی بات تو مستبد حاکم تو کرتے ہیں جو کسی قاعدے قانون کے ہی پابند نہیں ہوتے ہیں۔ تو اگر یہ کہا جائے کہ جسے وہ چاہتا ہے سزا دیدیتا ہے جسے چاہتا ہے وہ چھوڑ دیتا ہے اور آگے (**واللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر**) (5:40) کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ چل بھئی۔ عزیزانِ من! لمبی چوڑی بحث میں تو نہ پڑیئے۔ اور یاد رکھئے میرے سامنے ہے یہ مسئلہ اور قوم کو بری طرح سے تباہ کیا ہوا ہے ان تصورات نے۔ کچھ تھوڑی سی فرصت اور مہلت بھی مجھے ملی تو اس بات کو بھی میں صاف کرونگا انشاءاللہ العزیز۔ اس وقت تو آپ یہ سمجھ لیجیے کہ قرآن بات کو کیسے صاف کرتا ہے۔ یہاں اس نے کہا تھا جزآء **بما کسبا** یہ سزا ہے اس کی جو انہوں نے کیا ہے۔ یعنی یہاں یہ بتایا گیا ساتھ ہی **بما کسبا** یہ ان کے اپنے جرم کی سزا ہے جو انہوں نے کیا ہے اس کی سزا ہے۔ جب یہ کہا جائے کہ اس کے اپنے جرم کی یہ سزا ہے تو اس کے بعد تو یہ کہنا بے معنی ہے کہ ہم جسے چاہتے ہیں سزا دیدیتے ہیں جسے چاہتے ہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ ارے ایک ہی سانس میں دو باتیں اور ایسی متضاد باتیں کہ وہ کہتا ہے کہ یہ

سزا ہے اس کے جرم کی اور اس کے بعد کہتا ہے کہ صاحب چھوڑ و اس قصے کو' ہماری مرضی ہے کیوں سزا دی ہے ہماری مرضی ہے ہم نے سزا دی ہے ہم دے سکتے ہیں جسے چاہیں سزا دیں جس کو چاہیں چھوڑ دیں ہم ہر چیز پہ قادر ہیں۔ ارے پھر یہ کیوں کہا کہ یہ سزا ہے ان کے اپنے اس جرم کی جو انہوں نے کیا ہے۔ بات وہی ہے کہ ہمیں ہوسِ اقتدار کو پورا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابھی ابھی ہم نے یہ کہا ہے کہ انہوں نے یہ کیا ان کی یہ سزا ہے' یہ اگر سزا نہیں دینا چاہتے تھے تو یہ کرتے ہی نہ ایسا۔ لہٰذا ہمارے قانون کی رو سے **(یعذب من یشآء و یغفر لمن یشآء)** (5:40) جو سزا لینا چاہتا ہے وہ سزا لے جائے جو سزا سے محفوظ رہنا چاہتا ہے وہ امن پسند ہو کے رہ جائے۔ دیکھا کیسے بات صاف ہو جاتی ہے۔ اور **(واللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر)** (5:40) یہ بھی نہیں ہے وہ قادر مطلق ہے' ہم نے تو ہر شے کے لیے پیمانے بنا دیے ہوئے ہیں اور یہ انسانوں کو بتا دیا ہوا ہے کہ اگر تم نے چوری کی ان حالات میں سرقہ کے جرم کے مرتکب ہوئے تو یہ سزا دی جائے گی۔ یہ قدر ہے یہ پیمانہ ہے یہ قانون ہے۔ قانون کا لفظ تو قرآن میں نہیں آیا اور اس زمانے کے عربی لٹریچر میں بھی یہ ان معنوں میں بہت کم ملتا ہے۔ اس کے لیے لفظ ہی یہ تھا جسے آپ قدر یا یہ پیمانہ کہتے ہیں Measure کہتے ہیں۔ اصل شے ہی اصل میں Measure ہے کسی کے طرز عمل کو کسی پیمانے کے مطابق ماپنا کہ یہ جرم کے پیمانے پہ پورا اترتا ہے یا نہیں اترتا۔ بڑا ہی جامع لفظ ہے جو قرآن نے استعمال کیا ہے۔ تو کہا کہ ہم نے ہر شے کے لیے پیمانے مقرر کر دیے ہیں اب جس کا جی چاہے اس کے مطابق امن پسندانہ زندگی بسر کرے تو اس کو کوئی سزا نہیں ملے گی اس کی حفاظت کا سامان ہم کریں گے۔ اگر کوئی خود پیما شکنی کرتا ہے تو اس کے بعد وہ خود اپنے آپ کو مستحق اور مورد بناتا ہے سزا کا' وہ سزا لینا چاہتا ہے سزا لے گا۔ یہ تو انسانوں کے اپنے اختیار کی بات ہے۔ آپ کو یاد ہے کہ بات چلی آ رہی تھی منافقین کی اور یہود کی' ان کی کارستانیوں کی' ان کی کرتوتوں کی۔ یہود ہی کے قصے میں یہ بات آ گئی تھی کہ خوں ریزیں اور قتل عامہ ان کا ایسا شعار ہو چکا ہوا تھا کہ بات بات پر دوسرے کی گردن کو؟؟ کی طرح اڑا دیتے تھے۔ اس کے لیے یہ کہا گیا تھا کہ ہم نے انہیں یہ کہا تھا کہ یاد رکھو جس نے کسی ایک جان کو بھی ناحق تلف کر دیا گو یا اس نے پوری انسانیت کو تلف کر دیا۔ اسی کے لیے ہم نے جرم قتل کی سزا جو تھی وہ تجویز کی تھی۔ اسی سلسلے میں یہ کہا ہے کہ قتل کے بعد سرقہ کی بھی سزا جو ہے ہم نے تجویز کی ہے۔ یہ چیزیں اس ضمن میں آ رہی تھیں۔ یہ کچھ کہنے کے بعد قرآن پھر اپنے اصلی موضوع کی طرف لوٹ گیا جہاں سے بات چلی آ رہی تھی وہی یہود' وہی ان کی کارستانیاں' وہی ان کی منافقت۔ **(یایھا الرسول لا یحزنک الذین یسارعون فی الکفر من الذین قالوا اٰمنا بافواھھم ولم تؤمن قلوبھم)** (5:41) اے رسول!۔ یہاں ہے **لا یحزنک**' عام طور پہ یہ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا ہے کہ ان کی ان باتوں سے کبیدہ خاطر نہ ہو جایا کرو تمہارے دل پہ بارِ گراں نہ گذریں ان کا اثر نہ لیا کرو' یہ بات نہیں ہے۔

قرآنِ کریم نے کئی مقامات پر یہ بتایا ہے کہ نبی اکرمﷺ کی ایک طبیبِ مشفق کی طرح یہ کیفیت تھی کہ اتنی وعظ ونصیحت اتنے اصلاحی اقدامات کے باوجود یہ لوگ باز نہیں آتے تھے قانون شکنی سے اور معصیت کوشی سے۔اور پھر ان کی سزا ان کو بھگتنی پڑتی تھی تو حضورﷺ کے دل پہ یہ بات بڑی گراں گذرتی تھی آپﷺ چاہتے تھے کہ یہ کسی طرح سے بچ جائیں ہلاکت سے ۔قرآن نے یہ کہا ہے کہ ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ تو اپنی جان گھلا لے گا اس حسرت میں کہ یہ لوگ کیوں نہیں صحیح راستے پہ آتے ۔تو یہ حضورﷺ کے اپنے دل کی کیفیت تھی۔ یہاں بھی وہی کہا ہے کہ تجھے اس بات سے حزن وملال نہیں ہونا چاہیے کبیدہ خاطر تمہیں نہیں ہونا چاہیے کہ یہ لوگ یہ روش کیوں اختیار کیے ہوئے ہیں۔روش کیا ہے؟ **(یسارعون فی الکفر)** (5:41) بھاگے ہوئے جا رہے ہیں کفر کے راستے پہ۔غور طلب ہے عزیزانِ من! کہ کفر یہاں کہا کس بات کو ہے قرآن نے۔میں نے کہا ہے نا قرآن سے متعین کیجیے مفہوم' بات بڑی صاف ہو جاتی ہے۔لیکن علاوہ اور باتوں کے ہم کیوں نہیں متعین کرتے؟ ایک بات یہ بھی ہے کہ متعین کرنے سے ایسا آئینہ ہمارے سامنے آجاتا ہے کہ اس میں ہمارے اپنی شکل بھی مجرموں کی نظر آتی ہے۔ہم آئینہ توڑ دینا چاہتے ہیں ہم نہیں چاہتے کہ اس قسم کی شکل ہمارے سامنے آئے۔آئینہ توڑ دینے سے تو بدصورت خوبصورت نہیں بن جاتا عزیزانِ من! یہ تو فریب نفس ہے' یہ تو خود فریبی ہے۔آئینہ تو رکھنا چاہیے ساتھ۔اور آئینہ یہ ہے کہ قرآن کی ان اصطلاحات کا مفہوم متعین کر کے پھر اس کے اندر اپنی شکل دیکھی جائے کہ وہ کس پیمانے پہ پورا اترتا ہے۔کفر ہم نے تو سمجھ لیا نا ''ہندو ہوندے نے کافر' مسلمان نئیں'' اپنے ذہن سے ایک ہم نے تعریف کر لی کفر کی اس کے بعد ہم مومن ہو گئے پھر ضرورت ہی نہیں کبھی شیشہ دیکھنے کی کہ حلیہ شریف اس میں کیسا نظر آتا ہے۔**(یسارعون فی الکفر من الذین)** (5:41) یہ وہ لوگ ہیں **(قالوا اٰمنا بافواھھم ولم تؤمن قلوبھم)** (5:41)

وہ زبان سے کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور مومن ہیں' دل کے اندر ایمان ان کے نہیں ہوتا' کفر ہے یہ۔عزیزانِ من! جب ہم کہتے ہیں کہ سنکھیا زہر ہے اور قاتل ہے آپ کو معلوم ہے کہ زبان سے یہ کہتے ہیں اور دل میں اس کے اوپر ایمان ہوتا ہے۔کیسے پتہ چلا کہ اس پہ ایمان ہوتا ہے؟ مار مار کے آپ کو ہلکان کر دیا جائے آپ کبھی سنکھیا نہیں پھانکتے۔آپ کہیں گے کہ صاحب دس سال کی قید کاٹ آؤں گا یہ نہیں پھانکوں گا' لاکھ روپیہ آپ کو رشوت کا دیا جائے آپ سنکھیا نہیں پھانکیں گے۔یہ کیوں نہیں پھانک رہے؟ آپ نے تو صرف یہ کہا تھا کہ سنکھیا زہر ہوتا ہے' آپ کے دل میں ایمان ہے اس کے اوپر کہ یہ زہر ہوتا ہے۔دل کے ایمان کا ثبوت ملتا ہے انسان کے اپنے اعمال سے' نہیں کھاتا سنکھیا۔ایمان ہے' دیکھا! ایمان کی Definition' ایمان کی پرکھ اور ایمان کا ثبوت: نہیں کھاتا سنکھیا انسان۔یہ صرف زبان سے نہیں کہتا' زبان سے کہتا ہے دل سے مانتا ہے۔اور جب زبان سے یہ کہتا ہے کہ حرام کی کمائی جو ہے یہ ہلاکت آفریں ہے اور صبح سے شام تک قدم قدم پر حرام کا مال کھاتا جاتا ہے تو کہیے کہ اس

کے دل میں اس بات پر ایمان ہے؟۔اس کے لیے کسی فلسفیانہ موشگافیوں کی ضرورت ہی نہیں ہے عزیزانِ من!۔دو باتیں آپ کے سامنے ہیں وہ ایمان کی بات آپ کے سامنے ہے۔دونوں باتیں زبان سے تو انہوں نے کہی ہیں زبان سے کہنے کے بعد پھر آگے بات۔(**فلما یدخل الایمان فی قلوبھم**) قرآن کہتا ہے ابھی نہیں ابھی نہیں بھئی! دل میں نہیں اترا۔وہ کیسے پتہ ہو جائے' وہ سرجیکل آپریشن تو ہے نہیں کہ دل کو چیر کے دیکھ لیا جائے' اس میں سے تو ایک قطرۂ خون بھی نہیں کہتے نکلتا۔دل میں نہیں اترا کے معنی یہ ہیں کہ تمہارے اعمال ابھی اس اقرار کی شہادت نہیں دیتے۔ ایمان وہ ہے کہ جو زبان سے کہہ رہے ہو زندگی میں تمہارا ہر قدم ہر عمل اس اقرار کی شہادت دے اسے کہتے ہیں ایمان۔آگے چل کے آؤنگا ایک موضوع ہی میں یہ رکھونگا' مومن کا تقابل قرآن نے کن لوگوں سے کرایا ہے' ہم تو صرف یہ کہتے ہیں نا مومن اور کافر۔ایک آیت میں قرآن کہتا ہے کہ مومن اور مجرم دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔یعنی مومن مجرم ہو ہی نہیں سکتا' قرآن کی آیت ہے۔جس چیز پہ اس کا ایمان ہے اس کا عمل اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا۔پھر آپ نے دیکھا کہ یہ پھر کفر کہاں آیا ہے یہ لفظ۔ہے کسی میں جرآت کہ یہ آئینہ اپنے سامنے رکھ کے دیکھ لے کہ کس کیٹگری میں ہمارا شمار ہوتا ہے۔میں نے کہا ہے کہ نہ رکھئے آئینہ سامنے۔

؎ حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

نہ رکھئے آئینہ' آئینہ سامنے نہ رکھنے سے تو پھر آپ بدشکل سے خوبصورت نہیں ہو جاتے۔ہمارا کفر ایمان سے نہیں بدل جائے گا یہ کہہ دینے سے کہ ہم نے اپنے نزدیک کفر کی Definition یہ کہی ہے کہ ہندو کو کہتے ہیں۔ان میں کون لوگ شامل ہیں؟ ایک تو (**من الذین ھادوا**) (5:41) ان یہودیوں میں سے جو لوگ آتے ہیں یہ کچھ کہتے ہیں ان کی بھی یہی کیفیت ہے۔(**سمّٰعون للکذب**) (5:41) آتے ہیں شریک ہوتے ہیں محفل میں' درس میں آتے ہیں' وعظ و نصیحت میں آتے ہیں' حضورﷺ کی محفل میں آتے ہیں' بات سنتے ہیں۔مجلس میں مختلف قسم کے لوگ آتے ہیں مومن بھی ہیں' یہ بھی آتے ہیں یہ سنتے ہیں کاہے کے لیے؟ سنتے ہیں اس لیے کہ باہر جا کے جھوٹ بولنے کی گنجائش ملے۔باہر جا کے جو آپ یہ کہیں کہ صاحب وہ درس کے اندر پرویز صاحب وہاں یہ یہ یہ۔اور اگر یہ معلوم ہو کسی کو کہ صاحب! تم تو کبھی درس میں گئے ہی نہیں تو اس کی گنجائش نہیں رہے گی نا کہنے کی۔اس کی گنجائش اسی صورت میں مل سکتی ہے نا کہ وہ آئے محفل میں بیٹھے اور اس کے بعد باہر جا کے یہ کہے کہ وہاں تو یہ چیزیں ہوتی ہیں صاحب۔تو یہ ایک ثبوت ہو جائے گا اس چیز کا کہ ہاں جو یہ کہہ رہا ہے ٹھیک ہے۔کیا قرآن کا انداز ہے!! (**سمّٰعون للکذب**) (5:41) سنتے ہیں آ کے اس مقصد کے لیے کہ جھوٹ بولنے کی گنجائش نکل آئے۔اور یاد رکھئے! یہ جو بہت زیادہ قریب بیٹھتے ہیں نا وہ بہت زیادہ خطرناک ہوتے ہیں ان کو مزید گنجائش ہوتی ہے نا۔کہ جی ٹھیک ہے او بھئی! درس تو ہوتا ہے سینکڑوں آدمیوں کے سامنے وہاں تو آدمی بڑا نیک بنا ہوا ہوتا ہے

ذرا اندر جا کے دیکھئے' ہم تو صاحب دس سال پاس رہے ہیں نا بس پوچھئے نا میاں صاحب ''اسبغول وچوں نہ پھول''۔ چل بھئی۔ اگلا بھی یہ کہتا ہے کہ یار بات ٹھیک کہتا ہے یہ ان کے بہت قریب رہتا ہے۔(سمعون للکذب) (5:41)افوہ! کتنے خطرناک ہوتے ہیں اس قسم کے آ کے سننے والے۔ ساتھی تو میں کہہ نہیں سکتا ان کو۔(سمعون لقوم اٰخرین لم یاتوک) (5:41) یہ آ کے اپنے لیے نہیں سنتے یہ ان کے سنانے کے لیے سنتے ہیں جو یہاں نہیں آتے۔ جو یہاں آ جائیں گے وہ تو کہہ دیں گے کہ صاحب! بکتے ہو تم' خدا کو جان دینی ہے میں تو وہاں خود وہاں موجود تھا اس نے تو یہ نہیں کہا تھا۔ یہ سنتے ہیں ان کے لیے کہ جو خود وہاں نہیں آتے۔ یہ سارا پروپیگنڈہ یہ لوگوں کے خلاف ہوتا چلا جاتا ہے آپ دیکھتے ہیں یہ اس معاشرے کے اندر ہوتا ہے جہاں یہ ذہنیت اور یہ کیفیت ہو۔ ان کے لیے سنتے ہیں۔ کرتے کیا ہیں؟ (یحرفون الکلم من بعد مواضعہ) (5:41) جس مقصد کے لیے جس منشاء کے جس Context میں کوئی بات کی جاتی ہے اس کو وہاں سے اکھیڑ کے دوسری طرف ملا دیتے ہیں۔

آپ نے دیکھا کہ کذب کی Definitions کیا ہو رہی ہیں۔ قرآن سے کذب کی Definition لینی ہو تو سورۃ منافقین لیجیے عجیب چیز ہے صاحب اس کے اندر۔ اس میں کہا گیا ہے کہ یہ منافق جب تیرے پاس آتے ہیں تو قسم کھا کے کہتے ہیں کہ تو خدا کا رسول ہے۔ یعنی اس بات کے سچ ہونے میں شبہ کیا ہے کہ جی وہ کہتے ہیں کہ تو خدا کا رسول ہے۔ ہر شخص کہے گا کہ سچ بولتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ (واللہ یشھدوا انا ؟؟) اس کی شہادت خدا دیتا ہے۔ یعنی جو یہ کہہ رہے ہیں آپ سوچئے! خدا اس کی شہادت دیتا ہے کہ بالکل سچی بات ہے تو اس سے زیادہ اور پکی بات کیا ہوگی۔ کہ جو کہہ رہے ہیں وہ قول ہمارے سامنے ہے کہ تو خدا کا رسول ہے خدا شہادت دیتا ہے کہ بالکل سچی بات ہے۔ لیکن کہتا ہے کہ (ان ؟؟ الکذبون) لیکن یہ جھوٹے ہیں۔ جھوٹ کی Definition' جب بھی زبان اور دل کے ساتھ ہم آہنگی نہ ہو تو وہ جھوٹ ہے قرآن کی رو سے۔ سچ وہ ہے جس میں قلب اور لسان زبان اور دل دونوں ہم آہنگ ہوں وہ ہے سچ قرآن کے نزدیک۔ اتنی بڑی بات کہ تو خدا کا رسول ہے خدا کی شہادت موجود ہے اس کے سچ ہونے کے شبہ کیا ہو سکتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ بات بالکل صحیح ہے ہم شہادت دیتے ہیں کہ بات سچی ہے' یہ جھوٹ بولتا ہے' کیوں؟ اس لیے کہ یہ زبان سے وہ بات کہتا ہے جو اس کے دل میں نہیں ہے۔ یہ دوسری Definition یہاں دیکھئے جھوٹ کی۔(یحرفون الکلم من بعد مواضعہ) (5:41) روز یہ ہوتا ہے کہ اس Context میں سے بات نکال لیتے ہیں اور دوسری جگہ اس کو لگا دیتے ہیں۔ ہمارا یہ معاشرہ اور اس معاشرے کے اندر آپ کے ہاں پروپیگنڈے اور پبلسٹی کے یہ سارے Organs اور ذرائع۔ آگے چل کے میں آؤں گا ابلیس نے جب چیلنج دیا تھا خدا سے کہ بہت اچھا! اس کی وجہ سے میاں صاحب کی وجہ سے ہمیں ذلیل تو کیا جا رہا ہے' ٹھیک ہے انہیں ذرا دنیا میں بھیج رہے ہیں نا آپ' اس کے بعد آپ دیکھئے گا کہ میں ان کے ناک نکیل ڈال کے اسے نچاتا کیسا ہوں۔ اس نچانے کے لیے اس نے وہاں تین چار چیزیں بتائی ہیں' خود وہاں

اعلان کر دیا ہے، ابلیس تو بڑا بے باک ہے منافق نہیں ہے وہ۔ وہ کہتا ہے میں بتا تا ہوں کیا کرونگا اس کے ساتھ۔ بڑی عجیب چیزیں ہیں: ایک تو یہ چیز ہے کہ اس کی اولاد کو سنبھال لونگا میں، اپنے زیر تربیت رکھونگا۔ یہ مدرسے آپ کے، یہ مکتب آپ کے۔ دوسرے یہ کہ ان کی مال و دولت اور کاروبار کے اندر میں شرکت کرلونگا۔ میں وہاں آ ونگا تو بتاؤ نگا ان چیزوں کے متعلق وہ کیا کہتا ہے۔ یہاں جو میں بات کہہ رہا ہوں وہ اگلی چیز ہے۔ اور تیسرے یہ کہ میں اتنا بڑا ڈھنڈورچی بن جاؤ نگا کہ وہ ساری دنیا میں پکارونگا جس کے تلے اس کی بات چلے ہی نہ کہیں صاحب، باطل کا ڈھنڈورچی بن جاؤ نگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس قدر زیادہ بڑا ڈھنڈورچی اس دور میں آ کے بنا ہے اس سے پیشتر کبھی اس کے نصیب میں یہ بات نہیں تھی۔ اب تو اسے کسی اور ذریعے کے اختیار کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے ڈھنڈورا ہی اتنی بڑی چیز ہے صاحب۔ قوموں کی قوموں کی آپ ذہنیت بدل دیتے ہیں جھوٹے پروپیگنڈے سے، ہر فرد؟؟ ہے کہ جھوٹ کو اتنا دہراؤ کہ وہ سچ بن جائے۔ ہر صبح کو آپ دیکھتے ہیں نکلا ہوتا ہے اخبار کے اندر کہ صاحب میرے متعلق جو انہوں نے کل Statement یہ بیان کیا ہے یہ سب کچھ ہے میں نے کوئی Statement ہی نہیں دی، دوسرا کہتا ہے میں نے یہ کچھ کہا ہی نہیں تھا میں نے تو کچھ اور ہی کہا تھا۔ اور پھر یہ اس قدر ڈھیٹ ہیں Brazen faced یعنی دوسرے دن ایک دفعہ آدمی کو کوئی ثابت کر دینا کہ جھوٹا ہے وہ منہ چھپاتا پھرتا ہے۔ لیکن یہ تو شریفوں کی بات ہے نا۔ دوسرے دن پھر وہی کچھ وہ کرتے ہیں روز کرتے ہیں فخر سے کرتے ہیں۔ اور اسی بناء پہ کہتے ہیں کہ اس اخبار کی اشاعت باقیوں سے دگنی ہے یعنی میں سب سے زیادہ جھوٹ بولتا ہوں۔ اور اس جھوٹ کی تازہ ترین مثال تو یہ آکاش وانی ہے جو انڈیا میں بیٹھی ہوئی ہے یہاں سے بھی دس پندرہ میل کا ہی فاصلہ ہوگا۔ وہاں جہاں انہوں نے آج کل اڈہ بنا رکھا ہے وہاں تو اتنا بھی فاصلہ نہیں ہے۔ اس دھڑلے سے جھوٹ بولا جا رہا ہے یہاں حیرت ہوتی ہے۔ پتہ نہیں اتنی جرآت نہیں کچھ اعصاب کمزور ہیں ہمارے، یعنی وہ جھوٹ سن کے کانپ جاتے ہیں اور ان کی کیفیت یہ ہے بولا جا رہا ہے دھڑلے سے بولا جا رہا ہے۔ ایسٹ پاکستان کے گورنر ٹکا صاحب کو ہلاک کر دیا گیا۔ چلئے صاحب! اتنی خبر سہی۔ ادھر سے ٹکا خاں خود بول رہے ہیں ٹی وی پہ ان کی تصویریں آ رہی ہیں اُدھر سے بیان شائع ہوتا ہے کہ وہ جو خبر دی تھی ہم نے ہلاک ہوگئے ہیں اس کی تفصیل موصول ہوئی ہے کہ وہ وہاں جا رہے تھے اور انہوں نے اپنا ہی ایک تھا افسر، شمس الدین اس کا نام تھا، انہوں نے حکم دیا اس کو کہ یہ جو عوامی لیگ کا لیڈر چلا آ رہا ہے اس کو گولی مار دو۔ اس نے کہا کہ نہیں صاحب! میں تو نہیں گولی مارونگا، اس نے کہا کہ یہ حکم ہے ایک جرنیل کا حکم ہے مارشل لاء کے چیف کا حکم ہے گورنر کا حکم ہے اور فوج کے اعتبار سے جرنیل کا حکم ہے اپنے ہی ایک میجر کو، کیسے انکار کرتے ہو، کہتا ہے میں تو نہیں مارتا۔ اس نے کہا کہ یہ تو بغاوت ہے، اس نے اپنی پستول پہ ہاتھ رکھا اس کا ہاتھ تو بعد میں پہنچا اس نے پہلے اس کے اوپر فائر کر دیا اور وہیں ڈھیر ہوگئے ٹکا خاں۔ یہ تفصیل آ رہی ہے جب ٹکا خاں صاحب کو اس میٹنگ میں بیٹھے ہوئے انسٹرکشن دے رہے ہیں اور

تفصیل آ رہی ہے۔کوئی شرم کوئی حیا جسے کہتے ہیں نہیں! چلی آ رہی ہے' مجرم گرفتار ہی نہیں ہوا' بنگلہ دیش کا دارالخلافہ ایک بن گیا ہوا ہے وہاں سے احکام نافذ ہو رہے ہیں' آ رہی ہے۔یعنی آپ سوچئے جو اس نے یہ کہا تھا کہ بھیج تو رہے ہیں آپ اسے' کوئی بات نہیں بھیج دیجیے اس نے کہا کہ مجھے اس سے ڈر ہی کچھ نہیں ہے۔وہ جو اس نے کہا تھا نا کہ میں تو اس کے ناک میں نکیل ڈال کے نچاؤ نگا اس کو' نچانے کا ایک ذریعہ اس نے کہا تھا صوت کا کہ کچھ مجھے زیادہ ضرورت نہیں پڑے گی' اتنی آواز بلند کرونگا جھوٹ کی کہ یہ دب کے رہ جائے گا اس کے اندر' پھر دیکھئے گا میاں صاحب کی حالت کیا ہوتی ہے۔اس دور میں عزیزانِ من! یہ چیز اس شکل میں ہمارے سامنے ہے ساری دنیا میں عام ہو رہی ہے۔وہ 1965ء کی جنگ میں یہاں لاہور فتح ہو رہا تھا انارکلی میں بی بی سی اعلان کر رہا ہے''گھر سے آیا ہے معتبر نائی''۔یعنی ہماری انارکلی بی بی سی تصویریں دے رہا ہے کہ انڈیا کی فوج پھر رہی ہے۔اسی طرح سے وہاں کی خبریں روز آتی ہیں آپ کے ہاں' صبح سے شام تک آپ دیکھئے ایک لمحے کے لیے ان کو چین نہیں ہے۔بنتی چلی جا رہی ہے' بنتی چلی جا رہی ہے حیرت ہوتی ہے۔یعنی اتنا کچھ بنانے کے لیے بھی انسان سوچتا ہے کہ کچھ تو انسان کو سوچ سے کام لینا چاہیئے' وہاں ایسا ہے کہ وہ ایک فیکٹری لگی ہوئی ہے ڈھلتا چلا آ رہا ہے ڈھلتا چلا آ رہا ہے۔اس پہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ کرتے یہ تھے(**یحرفون الکلم من بعد مواضعہ**) (5:41)

بات وہی کہتے ہیں' اس Context سے الگ کر دیتے ہیں اس کو' جھوٹ کی قسمیں گنا رہا ہے۔(**یقولون ان او تیتم ھٰذا فخذوہ و ان لم تؤتوہ فاحذروا**) (5:41) اور پھر آگے کہتے ہیں کہ بات خدا کی قسم یہ ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔اگر تو یہی بات کوئی تم سے کہے کہ اسے تو تسلیم کر لو اور اس کے خلاف کوئی لاکھ بات کہے بالکل نہ ماننا تباہ ہو جاؤ گے' بات یہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔کہا یہ ان کی کیفیت ہے۔(**ومن یرد اللہ فتنۃ فلن تملک لہ من اللہ شیئاً**) (5:41) لیکن انہیں اس کا علم نہیں ہے کہ یہ ساری ان کی سیاست گری جو خوار ہو رہی ہے اس کے اوپر بھی ایک قانون مکافات عمل ہے۔اور وہ خدا کی قوتوں کا قانون ہے اس کے پنجے کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا وہ Objectively الگ بیٹھا ہوا وہ یہ سب کچھ کر رہا ہے۔بس اتنا ہی ہے کہ اس کی رفتار ذرا سست واقع ہوئی ہے ہمارے حساب وشمار سے۔کیونکہ وہ کہتا ہے کہ ہمارا ایک ایک دن تمہارے حساب وشمار سے ہزار ہزار سال کا بھی ہو سکتا ہے۔ٹھیک ہے اتنا سا فرق ہے ورنہ وہ کہتا ہے ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے کہ ضرور کوئی سپاہی پکڑے ضرور کسی عدالت میں ہی پیش ہو ضرور کسی جیل خانے کے اندر ہی مبعوث کیا جائے۔یہ ٹھیک ہے سوسائٹی کا نظام اس طرح چلتا ہے تم یونہی کرو۔لیکن ہمارا قانون مکافات عمل اس سے اونچا ہے اسے ان کی ضرورت نہیں ہے۔وہ اپنے پروگرام کے مطابق سب کچھ کرتا ہے اور اس کے بعد (**ان بطش ربک لشدید**) پھر اس کی گرفت جب آتی ہے تو وہ بڑی سخت گرفت ہوا کرتی ہے۔افراد پہ تو وہ کم کارفرما ہوتا ہے قوموں کی زندگی کے

اندر تو خدا کا یہ قانون اس طرح سے چلتا ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی بڑی قوتوں کا مالک اتنی بڑی عزتوں کی مالک یہ قوم یہ کس طرح سے تباہ ہوگئی کس طرح سے برباد ہوگئی کیا ہوا اس کو۔ لوگ اس کے Immediate Causes کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں وہ جو فوری طور پہ نظر آئے کہ اس کا سبب کیا تھا۔ فوری سبب نہیں وہ تو بہت دور سے بات چلی ہوئی ہوتی ہے صاحب۔ (اولئک الذین لم یرد اللہ ان یطھر قلوبھم) (5:41) کہا یہ ساری چیز یہ دیکھو کہا یہ کیوں کررہے ہیں کیسے کررہے ہیں ممکن ہی کیسے ہے؟ تو کہا یہ دل کا روگ ہے نفسیاتی بیماری ہے خباثت نفسیات کے اندر بھری ہوئی ہے ان کے۔ جب تک تطہیر نفس نہیں ہوگی اس وقت تک یہ باز نہیں آسکتے' طریقہ یہ ہے اس کا۔ لیکن کوئی بات نہیں (لھم فی الدنیا خزی) (5:41) ہمارے قانون مکافات کی رو سے اسی دنیا میں ان کو ذلت وخواری نصیب ہوگی۔ 1965ء کی جنگ میں بھی جس طرح سے ہوئی تھی ساری دنیا کو معلوم ہے۔ اس کے بعد بھی آپ دیکھیں گے (خزی فی الحیوٰۃ الدنیا) ۔(ولھم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم) (5:41) اور بات ختم یہیں نہیں ہوجاتی' تمہارے معاشرتی قانون اور ان کی سزائیں تو یہاں ختم ہوجاتی ہیں ہمارے قانون کی سزا تو آگے بھی چلتی ہے کہ زندگی یہیں نہیں ختم ہوجاتی۔ (سمٰعون للکذب) (5:42) کہا کہ یہ ان کے ہاں کے یہ بڑے بڑے پیشواء مذہبی بھی اس میں آتے ہیں بڑے مقدس لوگ صاحب یہ سب کچھ سنتے ہیں آکے' کہتے ہیں باہر جاکے پتہ نہیں صاحب! فتنہ پھیلا رہے ہیں نیا دین ایک جاری ہو رہا ہے الگ فرقہ بنایا جارہا ہے تین نمازیں مانتے ہیں نو روزے۔ آتے ہیں جھوٹ کے لیۓ کاہے کے لیے؟ کیا مقصد ہے؟ (اکلون للسحت) (5:42) پیشہ ہے ان کا یہ اس کے ذریعے سے روٹی کماتے ہیں۔ اللہ اکبر۔ اس سے زیادہ اور کیا کہا جائے۔ (فان جآءوک فاحکم بینھم او اعرض عنھم) (5:42) کہا: ایک اور روش ان کی یہ ہے اس مملکت کے اندر ان کو Minority کی حیثیت سے ایک Religious Minority ایک مذہبی اقلیت کی حیثیت سے انہیں ان کے Private Affair ذاتی معاملات کے متعلق اختیار دیا ہوا ہے کہ اپنے Private Personal Laws جو ہیں معاملۓ اپنے قانون کے مطابق طے کرلیا کرو انہیں اس کی اجازت دی ہوئی ہے۔ کہا یہ کرتے کیا ہیں یہ جو ان میں سے یہ پیشہ ور ہیں' جب ان کے پاس کوئی اس قسم کا مقدمہ آتا ہے تو دیکھتے ہیں کہ یہودیوں کے ہاں جو قانون تھا وہ قانون ان کے ہاں کی سزا کا قانون بڑا ہی سخت ہے۔ آتشی شریعت اسے کہا جاتا ہے۔ اس میں جب دیکھتے ہیں کہ اس کی سزا بڑی سخت ہے اور یہ دیکھتے ہیں کہ اسلامی نظام میں اس کی سزا سخت نہیں ہے تو ان سے کہتے ہیں کہ میاں صاحب! اگر کوئی دو چار سو روپے فتوے کا دیجیے تو بات نکالتا ہوں میں۔ (اکلون للسحت) (5:42) ان سے یہ چار پیسے لے کے ان سے کہتے یہ ہیں کہ درخواست دیدو کہ میں اپنا مقدمہ اسلامی عدالت میں لے جانا چاہتا ہوں' ہم منظور کردیں گے۔ کہا ان کی کیفیت یہ ہے۔ اب ایسے Cases میں اب دیکھئے اسلامی نظام سے نظامِ عدل سے کہا گیا ہے کہ تم پہ کوئی پابندی نہیں ہے کہ ضرور تم ان کی درخواستوں کو

؟؟؟ کرواوران کے مقدمے تم لے لو۔تم خود ہر چیز کے اوپر غور کرو اگر تم چاہو اپنے ہاں اس کا فیصلہ کرلو' اگر تم چاہو تو ان سے کہو کہ نہیں بھئی! اس کا اختیار تمہیں موجود ہے اپنے ہاں کی عدالت میں جاؤ وہاں سے فیصلہ لے لو۔(و ان تعرض عنهم فلن يضروک شيئًا) (5:42)اس میں کئی مضائقہ کی بات نہیں ہے کوئی نقصان کی بات نہیں ہے اگر کوئی یہ کہدے کہ نہیں صاحب! اپنا فیصلہ وہاں اپنے ماتحت' ہم نے اختیارات دے رکھے ہوئے ہیں۔(و ان حکمت) (5:42)

اور اگر پھر تم نے فیصلہ کرنا ہے لے لی ہے درخواست کہ اچھی بات! ہم سنیں گے مقدمے کو۔اور آگے یہ بات کہی ہے اور تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ کن معاملوں میں عام طور پہ وہ مقدمہ یہاں لے آیا کرتے تھے۔کہ جہاں ان میں اور کسی مسلمان میں کوئی متنازعہ فیہ بات ہوا کرتی تھی تو انہیں یہ یقین تھا کہ اسلامی عدالت وہ عدالت ہوسکتی ہے کہ جو مسلمان کے خلاف بھی ڈگری دیدے گی۔ ہمارے ہاں تو رشوت لے کے یہ لوگ ہمارے خلاف ہوجائیں گے ہوسکتا ہے کہ عدل اور انصاف نہ کریں' انہیں یہ یقین تھا کہ وہاں سے انصاف ملے گا خواہ مسلمان ہی کیوں نہ مقابل میں ہمارے کھڑا ہو۔اور وہ Cases موجود ہیں کہ مسلمان عام ہی نہیں اربابِ نظم ونسق اور بعض اوقات خود خلیفۃ المسلمین ایک مدعا علیہ یا ایک ملزم کی حیثیت سے پیش ہوئے اور ان کے خلاف مسلمان قاضیوں نے فیصلے صادر کیے ہیں۔تو اس کے ماتحت تھا(و ان حکمت) (5:42)اگر تو ان کا مقدمہ؟؟؟ کرلے اور تو فیصلہ کرے(فاحکم بينهم بالقسط) (5:42) تو پھر انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا ہے انصاف یہاں ملے گا۔(ان الله يحب المقسطين) (5:42)اور یہ کرنے کے بعد کچھ ان پہ احسان نہیں تو رکھ رہا ہے کہ صاحب! ہم یہ تمہارے لیے کررہے ہیں' اس لیے کہ یہ تو تمہارے خدا کا قانون ہے ہم پسند ہی یہی کرتے ہیں کہ انصاف کیا جائے۔کہا ذرا سوچو تو سہی یہ کیوں آتے ہیں تمہارے پاس اپنا مقدمہ لے کر۔(و كيف يحكمونک و عندهم التورٰة فيها حكم الله) (5:43) تورات ان کے پاس ہے ان کا یہ دعویٰ ہے کہ خدا کے احکام اس کے اندر موجود ہیں' تو پھر؟ اسلامی نظام نے انہیں اجازت دے رکھی ہے کہ اپنے شخصی معاملات اس کے مطابق طے کرلیا کرو' پھر یہ کیوں ادھر آتے ہیں۔(ثم يتولون من بعد ذٰلک) (5:43)اس سے اعراض برتتے ہیں۔اب یہ دیکھئے پھر وہی کفر کی بات آئی۔کہا تورات پہ ایمان بھی رکھتے ہیں دعویٰ بھی یہ ہے کہ اس میں احکام خداوندی موجود ہیں اسی لیے تو وہ تمہاری کتاب کو مانتے نہیں ہیں مدعی ہیں اس بات کے' یہ سب کچھ ہے۔لیکن عملاً کیفیت یہ ہے کہ اگر تورات کا کوئی فیصلہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے خلاف جاتا ہے تو وہ وہاں سے فیصلہ لینے کی بجائے ادھر آجاتے ہیں کہ یہاں حق میں ہمارے فیصلہ آئے گا۔کہا کہ تورات پہ ان کا یہ ایمان(وما اولئک بالمؤمنين) (5:43) یہ مومن نہیں ہیں۔تو آ گئی ناوہی بات۔قرآن نے دوسری جگہ کہا ہے ان لوگوں کو دیکھئے منافقین کو کہ زبان سے یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہوئے ہیں لیکن اپنے مقدمات کے متعلق چاہتے یہ ہیں

کہ یہ اسلامی عدالت میں نہ لے جائیں کسی دوسری عدالت کے اندر لے جائیں جہاں سے ان کو اپنے حق میں فیصلہ ملنے کی امید ہے' یہ کفر ہے۔ دیکھتے ہیں آپ کفر اور ایمان کہاں آیا۔ان کے متعلق کہا کہ ان کا یہ دعویٰ ایمان بالکل غلط ہے کہ جہاں نظر آتا ہے کہ فائدہ ہے تورات کے مطابق تورات میں لیا' جہاں دیکھا کہ یہاں فائدہ نہیں ہے یہاں ہے یہاں چلے آئے۔اور ہمارے ہاں تو عدالتوں میں روز ہوا کرتا تھا' پتہ نہیں اب بھی وہ چیز موجود ہے نہیں' بالکل عدالت میں آ کے کھڑے ہو کے وہ پوچھا کرتے تھے کہ فیصلہ شریعت کے مطابق چاہتے ہیں آپ یا رواج کے مطابق۔ ہمارے ہاں رواج چلتا تھا۔عام طور پہ زمینداروں میں یہ جو زمین وغیرہ کا قصہ یا وراثت کا' اس قسم کے قصوں میں شریعت کا بھی قانون ہوتا تھا رواج بھی چلتا تھا۔ میں اس لیے یقینی طور پہ نہیں کہتا کہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ یہ قانون شریعت جب نافذ ہوا ہے تو اس کے بعد یہ پوزیشن رہی ہے یا نہیں لیکن بہرحال یہ چیزیں ہم نے خود دیکھی ہیں کہ عدالت میں کھڑے ہو کے اور پہلے تو وہ قرآن پہ ہاتھ رکھنا پڑتا ہے نا' قرآن پہ ہاتھ رکھ کے وہ یہ کہتے تھے کہ ہم شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں چاہتے رواج کے مطابق چاہتے ہیں۔کیوں چاہتے ہیں؟ کہ رواج کے مطابق فیصلے میں لڑکی کو حصہ نہیں دینا پڑتا۔''اونوں جمدی نوں کیوں نہ ماردتا''۔عدالت میں آ کے اس دھڑلے سے ایک شخص مسلمان کہتا ہے قرآن پہ ہاتھ رکھنے کے بعد کہ میں شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں چاہتا رواج کے مطابق فیصلہ چاہتا ہوں۔اور جب مردم شماری کا رجسٹر ہوگا تو مسلمان کے خانے میں نام ہوگا۔جب آپ گنائیں گے کہ یہاں کتنی آبادی ہے مسلمانوں کی تو یہ سارے اس میں ہونگے ہم سارے ہی اس میں ہونگے۔کہا ہے کہ سوچو تو سہی کہ کیوں آتے ہیں تمہارے پاس؟ اس لیے کہ انہیں پتہ ہے کہ شریعت کے مقابلے میں رواج کے مطابق فیصلہ لینے سے کچھ فائدہ ہے۔کہا کہ یہ ان کا دعویٰ کہ ہم مانتے ہیں تورات کو خدا کی کتاب اور اس میں خدا کے احکام ہیں(**وما اولئک بالمؤمنین**) (5:43) بکتے ہیں مومن نہیں ہیں۔ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تمہارے حق میں جائے تمہارے خلاف جائے اس کے مطابق اپنے فیصلے کراؤ۔(**ان انزلنا التورٰۃ فیھا ھدًی و نور**) (5:44)اور تورات نازل کی تھی اس میں بھی ہدایت تھی اس میں بھی روشنی تھی جب وہ اپنی اصلی شکل میں تھی۔ یہ اس کو بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں مدعی ہیں اس چیز کے اسی لیے قرآن کی طرف نہیں آتے۔(**یحکم بھا النبیون الذین اسلموا للذین ھادوا و الربانیون و الاحبار بما استحفظوا من کتٰب اللہ و کانوا علیہ شھدآء**) (5:44) تورات وہ ہے کہ جس کے مطابق یہ ان کے انبیاء فیصلے دیا کرتے تھے ان کے ہاں کے یہ احبار و رہبان جو تھے وہ فیصلے دیا کرتے تھے مشائخ علماء فیصلہ دیا کرتے تھے اب بھی یہ دیا کرتے ہیں۔ضمناً یہاں ایک بات یہ آ گئی۔

ہمارے ہاں ایک دعویٰ یہ کیا جاتا ہے اور عجیب عجیب قسم کے دعوے کہ جی وہ جو خدا کی طرف سے آتا ہے نبی' ایک تو صاحب شریعت ہوتے ہیں ایک وہ ہوتے ہیں جو شریعت نہیں ان کے ہاں ہوتی' ایک کتاب لاتے ہیں ایک کتاب نہیں لاتے۔میں بارہا بار یہ کہہ چکا ہوں کہ یہ

دعویٰ کرنے والا اس کو قرآن کی ابجد کا بھی پتہ نہیں ہے۔قرآن بالتصریح کہتا ہے کہ ہر نبی کو ہم نے کتاب دی تھی۔تو اس میں یہ پیش کیا کرتے تھے کسی زمانے میں' ان کو پتہ تھا کہ قرآن کا تو لوگوں کو علم ہے ہی نہیں اور جو ان سے مناظرے کیا کرتے تھے نا واقعی ان کی بھی یہ کیفیت تھی کہ لغت ہائے حجازی کے قارون ہوتے تھے قرآن کی آیت ان کو نہیں پتہ ہوتی تھی کہ صاحب دیکھئے نا حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ دونوں نبی تھے حضرت موسیٰؑ کو کتاب ملی حضرت ہارونؑ کو نہیں ملی۔قرآن بالتصریح کہتا ہے کہ دونوں کو کتاب ملی وہ کہتا ہے ہر نبی کو کتاب ملی۔پھر یہ پیش کرتے تھے کہ صاحب دیکھئے نا تورات اس کے لیے کہا ہے کہ (یحکم بھا النبیون) (5:44) کہ نبی اس کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔تورات کے متعلق یہ کہہ دیا کہ وہ جو حضرت موسیٰؑ پہ کتاب نازل ہوئی تھی وہ تھی تورات۔تو یہ بعد کے نبی جو تھے اگر ان کی اپنی کتاب ہوتی تو وہ تورات کے مطابق کیوں فیصلے کیا کرتے۔ دلیل دیکھتے ہیں یہ باطل دلیلیں کیسے چپک جاتی ہیں۔اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ تورات کہتے کس کو ہیں تو بات صاف ہو جاتی ہے۔تورات کسی ایک خاص کتاب کا نام نہیں ہے اب بھی جو آپ کے ہاں بائبل ملتی ہے کہیں سے آپ لے آیئے اٹھا کے' ایک تو اسکے دو حصے ہوتے ہیں وہ Old Testiman عہد نامۂ قدیم اور عہد نامۂ جدید۔عہد نامۂ قدیم میں شروع سے لے حضرت عیسیٰؑ تک کے پہلے جتنے انبیائے بنی اسرائیل تھے ان تمام کے صحیفے اس کے اندر جمع ہیں اس کے مجموعے کا نام وہ بائبل لیتے ہیں اور اسے تورات کہتے ہیں۔ان تمام انبیاء کی طرف جو کتابیں کوئی صحیفے یا احکام نازل ہوئے ہیں ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ سب کے سب اس میں موجود ہیں۔لیکن بہرحال وہ کسی ایک نبی کی طرف نازل شدہ کتاب نہیں ہے وہ موجود ہے ہمارے پاس' اس میں تمام انبیائے بنی اسرائیل کی کتابیں ہیں ان کے مجموعے کا نام ان کے ہاں بھی خود وہ اس کو جو مانتے ہیں اپنی کتاب اس مجموعے کو مانتے ہیں۔اگلا مجموعہ وہ ہے کہ جو حضرتِ عیسیٰؑ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔تو یہ جو انبیائے بنی اسرائیل کہا ہے کہ فیصلے کرتے تھے اس کے مطابق تو یہ وہ ساری کتابیں ہیں۔ ہر نبی کی اپنی اپنی شریعت اپنی اپنی کتاب تھی۔یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر نبی جو ہے پہلی شریعت کو پوری کی پوری کو منسوخ کر دیتا تھا۔وہ جو لاتا تھا وہ اسی کی شریعت کہلاتی تھی وہ اسی کی کتاب ہوتی تھی۔بہرحال بات تو یہاں یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ وہ چیز ہے کہ جس کے مطابق یہ سارے انبیاء ان کے علماء مشائخ خدا کی طرف سے نازل کردہ جو ضابطۂ قوانین ہے اس کے مطابق یہ حکم دیا کرتے تھے فیصلہ کیا کرتے تھے۔علماء ان کے کہ جن کو یہ کہا گیا تھا کہ وہ حفاظت کریں جن کی حفاظت میں یہ دی گئی تھی خدا کی کتاب یہ ضابطۂ قوانین (و کانوا علیہ شھدآء) (5:44) وہ اس کی شہادت دیتے تھے کہ یہ خدا کے قوانین ہیں وہ ضوابط ہیں' یہ سب کچھ وہ شہادت بھی دیتے تھے۔لیکن کرتے کیا تھے؟ جو بھی بات کہی کہ جہاں دیکھا کہ اپنے فائدے کی بات وہاں سے ملتی ہے اس کی طرف سے فیصلہ لے لیا جہاں دیکھا کہ اس کا فیصلہ ہمارے خلاف جاتا ہے فوراً دوسری طرف چلے گئے۔کہا کہ تمہارے لیے اوپن ہے یہ بات' جی چاہے تو ان کے مقدمات کو Entertain کرو جی چاہے تو ان

سے کہو کہ جا کے اپنے ہاں سے اپنی عدالت سے فیصلہ کراؤ۔(فلا تخشوا الناس و اخشون ولا تشتروا باٰیٰتی ثمناً قلیلًا) (5:44) کسی انسان سے ڈرنے کی بات نہیں ہے ڈرنا صرف ایک چیز سے کہ خدا کے قانون کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے۔اور پھر یہ کہہ دیا کہ یہ ذرا سی متاع حیات کے عوض یہ سب کچھ کرتے پھرتے ہیں صاحب' پیشہ ہوگیا ہے ان کا یہ' یہ یہ حرکتیں کرتے ہیں۔اور سنئے عزیزانِ من! اب آ گئی کفراور ایمان کی وہ Definition نہیں وہ حدِ فاصل وہ قول فیصل جس میں کسی قسم کا شبہ نہیں اور جس کے بعد کسی اور Definition کی ضرورت نہیں۔(ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئک هم الکفرون) (5:44) یاد رکھو! جو بھی خدا کی طرف سے نازل کردہ کتاب واحکام کے مطابق فیصلے نہیں کرتا اور حکم نہیں دیتا قانون نہیں بناتا حکومت نہیں قائم کرتے یہی ہیں جن کو کافر کہا جاتا ہے۔(ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئک هم الکفرون) (5:44) یہ ہے Definition قرآن کی رو سے کافر کی' یہ ہے حدِ امتیاز کفر اور ایمان میں۔کتاب اللہ کے مطابق حکومت قائم کرنا فیصلے کرنا قانون بنانا یہ ایمان ہے اور اس کے مطابق نہ کرنا یہ کفر ہے۔(اولئک هم الکفرون) (5:44) کیا انداز ہے یہ!! یہی تو ہیں جن کو کافر کہا جاتا ہے۔تو آپ سوچئے تو سہی وہ جو چیز ہے زبان سے یہ کہتے ہیں کہ ہم اس پہ ایمان رکھتے ہیں اور عملاً اس کے خلاف جاتے ہیں تو کیا اسے قرآن ایمان قرار دیتا ہے' وہ تو کہتا ہے(ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئک هم الکفرون) (5:44) ایمان یا اسلام یا دین یہ تو قائم ہی اس صورت میں ہوسکتا ہے عزیزانِ من! کہ اس قوم کو جو قرآن پہ ایمان رکھتی ہے یہ اتنا اقتدار حاصل ہونا چاہیے یہ اتنی Political Power ان کے پاس ہونی چاہیے یہ ایک آزاد مملکت ان کے پاس ہونی چاہیے جس کے اندر یہ کتاب اللہ کے مطابق حکومت قائم کرسکیں۔اگر حکومت کسی دوسری قوم کی ہو اس کے اندر آپ دین قائم ہی نہیں کرسکتے' وہ ماانزل اللہ کے مطابق آپ اپنے معاملات ہی نہیں طے کرسکتے' آپ حکومت ہی قائم نہیں کرسکتے نہ جمہوری انداز میں نہ ملوکیت کے اندر۔یہ تھی وہ بنیادی نزع کی بات جو تحریک پاکستان کے دوران انڈیا میں چل رہی تھی۔ہندوؤں کا اور انگریزوں کا تو تصور سیکولر تھا وہ تو یہ بات سمجھتے ہی نہیں تھے کہ صاحب یہ جو کہتے ہیں کہ مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ہماری اپنی آزاد مملکت ہو۔تو وہ ٹھیک ہے انہوں نے مذہب کو الگ کردیا تھا سیاست سے وہ یہ بات سمجھتے تھے۔سمجھتے تھے جو ان میں سے' بے ایمان تھے وہ اس پہ رضا مند نہیں ہوتے تھے۔بہرحال انہیں تو آپ قابل عفو قرار دے سکتے ہیں کہ وہ سیکولر نظام چاہتے تھے۔حیرت ہے ان مسلمانوں کے اوپر اور وہ ان میں سے بڑے بڑے علمائے کرام جن کا نام لینے سے ذہن میں آتا ہے کہ صاحب ان سے بڑا تو دین کا عالم کوئی نہیں ہوگا' بڑی بڑی جماعتیں آپ کے ہاں کی وہ بھی یہ کہتے تھے کہ صاحب ٹھیک ہے اس ملک کے اندر وطنیت کی بنیاد پہ قوم پوری کی پوری ہندو اور مسلمان سب ایک قوم' نظام اس قسم کا بنا لیجیے پارلیمنٹری جمہوری نظام جس میں ملک کے فیصلے جتنے بھی ہیں وہ جمہور کی رائے کے مطابق ہوں اور جو مذہب پرست طبقہ ہے انہیں یہ کہا جائے کہ

اپنے اپنے شخصی معاملات وہ اپنی اپنی شریعت کے مطابق طے کرلیا کریں ۔ یہ آپ کے ہاں کا یہ علمائے کرام کا طبقہ جو تھا وہ یہ کہتا تھا کہ یہ ہے صحیح اسلام ۔ وہ ہمیں گارنٹی دیتے ہیں شخصی معاملات میں یعنی شخصی معاملات تک تھی ۔ وہاں یہی بحث تھی کہ صاحب! دین یا اسلام اس کا نظام ممکن ہی نہیں قائم ہونا جب تک اس کتاب کو ماننے والوں کی اپنی آزاد مملکت نہ ہو' ایک چیز ۔ اور مملکت آزاد اس لیے ہو کہ وہ اس میں کتاب اللہ کے مطابق حکومت قائم کرسکیں' یہ ہے دین ۔ یہ تھی وہاں بحث اور وہ اسی کے اوپر تھی (**ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکٰفرون**) (5:44) ذاتی بات درمیان میں نہیں لانا چاہتا آپ دیکھیں گے اپریل 1938ء میں طلوع اسلام کا پہلا پرچہ شائع ہوا اور یہی آیت تھی جو سرعنوان ہوا کرتی تھی اس پرچے کے اوپر ۔ جتنی بھی بحثیں ان سے ہماری ہوتی تھیں ہم ان سے کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہونے کی حیثیت سے مجبور ہیں قرآن کے اس فیصلے کے اوپر ۔ ہمارے لیے دوسری شکل ہے ہی نہیں مسلمان بن کے زندہ رہنے کی اگر یہ کیفیت نہیں ہے تو ۔ اور یہ **من لم یحکم** یہ **یحکم** کے اندر یہ کہیں نہیں لکھا ہوا کہ شخصی معاملات جو ہیں وہ تو اس کے مطابق ہوں اور سیاسی معاملات جتنے بھی ہیں وہ کسی طرح سے بھی طے ہوں ۔ یہ تھی بنیاد عزیزانِ من! یہ ہے کفر اور اسلام کی بنیاد (**من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکٰفرون**) (5:44) ایک ابدی حقیقت ہے جس کے بعد گنجائش ہی نہیں رہتی یہ فیصلے کرنے کی بحثیں کرنے کی مسلمان کسے کہتے ہیں کافر کون ہوتا ہے سوال نہیں ہے ۔ عقائد کی باتیں' مسائل کی بحثیں' موشگافیاں چل رہی ہیں ۔ بات تو یہ ہے جو قرآن کہتا ہے ۔ سورۃ مآئدہ کی آیت 44 تک ہم آ گئے عزیزانِ من! ۔ آج وقت ہوگیا ہے یہ سلسلہ آگے چلے گا یہی چیز **من لم یحکم** جو ہے دو تین مرتبہ آگے بھی آتی ہے اور یہی بنیادی حقیقت ہے جس پہ اسلام کے نظام کی پوری عمارت استوار ہوتی ہے ۔ ہر جگہ اسے لکھ رکھنا چاہیے **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکٰفرون .**

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المآ ئدۃ۔نواں باب (آیات 45 تا 50)

عزیزانِ من!

آج مئی 1971ء کی 2 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ المآ ئدۃ کی 45ویں آیت سے ہوتا ہے (5:45)۔

قبل اس کے کہ آج کی بات شروع کی جائے پچھلے درس میں ایک بات کی تصحیح ضروری ہے۔ میں نے جرائم کی سزا کے سلسلے میں غالباً یہ کہہ دیا تھا کہ قرآنِ کریم کی رو سے زنا کی سزا اسی درے ہے' یہ غلط ہے۔ کہنا یہ تھا مجھے کہ زنا کی سزا سو کوڑے اور بہتان لگانا کسی کے خلاف تہمت تراشی کرنا کسی باعصمت خاتون کے خلاف اس کی سزا اسی کوڑے ہے۔ اس کی تصحیح کر لیجیے گا' سورۃ نور کی ابتدائی آیتوں میں یہ چیز آئی ہوئی ہے۔

45ویں آیت' بات چلی آ رہی تھی یہودیوں کی نصاریٰ کی اور پھر اپنی بات آئے گی۔ تادیب کا اصول یہ ہے کہ قانون شکنی جتنی عام ہوتی جائے لوگوں کے دلوں سے قانون کا احترام اٹھتا جا رہا ہو تو سزائیں اتنی ہی زیادہ سخت ہو جاتی ہیں۔ یہ ایک طریقہ ہوتا ہے جرائم کے سدباب کا' یہ عام حالات کی بات نہیں ہوتی۔ ایسے غیر معمولی حالات جب کہیں کسی قوم میں پیدا ہو جائیں تو وہاں اس قسم کے قوانین نافذ کرنے پڑتے ہیں۔ بنی اسرائیل کی حالت اسی قسم کی ہو چکی تھی قانون کا احترام بالکل ان کے ہاں سے اٹھ چکا تھا۔ اور اسی اعتبار سے ان کے ہاں جرائم کی سزائیں زیادہ سخت تھیں۔ شریعتِ موسوی کو عام طور پر آتشی شریعت کہا جاتا ہے۔ اسی سلسلے میں قرآنِ کریم میں ہے کہ (**و کتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس و العین بالعین و الانف بالانف و الاذن بالاذن و السن بالسن و الجروح قصاص**) (5:45) کہ یہاں تک بھی پھر ہمیں اس میں کہنا پڑا ان کے ضابطۂ تعزیرات میں کہ قتل کی سزا ہی قتل نہیں ہے موت نہیں ہے بلکہ اگر کسی کو زخم لگایا جائے تو اس کی بھی سزا ہے۔ اور اس کی سزا کی کیفیت یہاں تک کہ آنکھ کے بدلے میں آنکھ' ناک کے بدلے میں ناک' کان کے بدلے میں کان' دانت کے بدلے میں دانت۔ یہ قصاص ہے زخموں کا۔ (**فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہ**) (5:45) ہاں البتہ اگر وہ کہ جسے اس قسم کا زخم لگا ہے جو مجروح ہوا ہے جس کو نقصان پہنچا ہے وہ اگر اس کو معاف کر دے تو پھر یہ چیز کفارہ ہو جاتی ہے۔ اور آگے پھر وہی بات جو پہلے سامنے آ چکی ہے۔ (**ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٓئک ھم الظٰلمون**) (5:45) پہلی آیت میں یہ کہا تھا کہ (**ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٓئک ھم الکٰفرون**) (5:44) یہاں **ظٰلمون** کہا ہے اس سے آگے آیت آ رہی ہے وہاں **فٰسقون** کہا ہے۔ یہ تین چار آیات میں قرآنِ کریم نے اس بات کو دہرایا ہے اور یہ بڑی اہم اور بنیادی شے ہے۔ جہاں ہمارے متعلق یہ چیز آئی ہے وہاں میں اس کی ذرا تفصیل بیان کرونگا کہ **ما انزل اللہ** کے مطابق فیصلے کرنا' حکم دینا' حکومت قائم

کرنا یہ ہے اسلام۔اور جوقوم بھی اس کے مطابق ما انزل اللہ کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتی انہی کو فاسق کہا جاتا ہے' ظالم کہا جاتا ہے' کافر کہا جاتا ہے۔یعنی کفر اور اسلام کی حدِ فاصل یہ ہے۔وہ جو میں نے پچھلی دفعہ بھی یہ عرض کیا تھا کہ یہ جو فتوے شروع ہو جاتے ہیں تکفیر کہ وہ کافر ہو گیا ہے وہ کافر نہیں ہے' عقائد کی چھان بین ہو رہی ہے۔

؎ دہن کا ذکر کیا یہاں سر ہی غائب ہے گریباں سے

بات تو یہاں اصل و بنیاد سے شروع ہوتی ہے۔کفر اور اسلام کا فیصلہ کرنا ہے تو یہاں تو افراد کا کیا فیصلہ یہاں تو قوموں کا فیصلہ ہو رہا ہے کہ (**من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک هم الكفرون**) (5:44) جو قوم بھی اپنے ہاں ما انزل اللہ کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتی وہ کفار کی قوم ہے۔کفار کی قوم کے اندر افراد جو ہیں ان کو تلاش کرنا کہ ان میں یہ مومن ہے اور یہ کافر ہے مذاق ہے۔دین انفرادی شے ہی نہیں ہوتا یہ تو اجتماعی چیز ہے۔یہاں کہا (**اولئک هم الظلمون**) (5:45) میں نے عرض کیا ہے کہ چونکہ ان کے ہاں قانون شکنی اتنی عام ہو چکی تھی اس لیے ان کے ہاں جرائم کی سزائیں بھی اتنی زیادہ سخت ہو گئی ہوئی تھیں۔اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بعد یہ عیسائیت یہ مروجہ عیسائیت جو خدا کی طرف سے حضرتِ عیسٰیؑ کو تعلیم ملی تھی وہ تو کہیں ہے نہیں دنیا میں۔یہ جو مروجہ عیسائیت ہے یہ درحقیقت ری ایکشن ہے اس شدت کا جو وہ یہودیوں کے ہاں کی شریعت میں پایا جاتا تھا۔جہاں بھی شدت ہوگی اس کا ری ایکشن دوسری طرف Extreme کے اوپر جائے گا افراط آئے گی تو تفریط کی طرف چلا جائے گا۔افراط یہ تھی یہودیوں کے ہاں ان کے تالموت میں ان کے ضابطۂ تعزیرات میں آپ دیکھئے ذرا ذرا سے جرم کی سزا اتنی سخت اور سنگین وہاں ہوتی ہے۔اس کے مقابلے میں یہ جو عیسائیوں نے اپنے ہاں پھر عیسائیت بنائی تو یہاں دوسری سمت پہ Extreme کی صورت یہ تھی کہ ساری عیسائیت میں سرے سے قانون ہی کوئی نہیں' ہے ہی نہیں۔آپ حیران ہونگے یہ سن کے' وہاں وعظ ہے' قانون کوئی نہیں ہے ساری انجیل میں۔وہ جو چار انجیلیں کہتے ہیں ان سب میں ایک ہی چیز ہے اسے قانون کہہ لیجیے کہ نکاح کے بعد میاں بیوی کی علیحدگی یا طلاق اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ زناء کا جرم ثابت ہو جائے۔بس اتنی سی چیز ہے ساری اناجیل کے اندر جسے آپ قانون کہہ سکتے ہیں۔یہاں بھی سزا والی بات نہیں ہے عام قانون ضابطہ وہاں ہے ہی نہیں۔تو یہ نظر آتا ہے کہ یہ مایوسی تھی یہ جسے کہتے ہیں ناری ایکشن ہوتا ہے یہ درحقیقت مایوسی ہوتی ہے۔کہ یہ لوگ اتنے مایوس ہو چکے تھے کہ انہوں نے پھر زندگی کے متعلق سمجھا رہبانیت' ترک آلائش' ترک دنیا' گوشہ نشینی' خانقاہیت' اس ٹنٹے کو چھوڑو۔یعنی یہ مایوس ہو گئے ہوئے تھے اس واسطے یہ اس Extreme تک آ گئے دوسری طرف کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری' بات ختم کرو' "آ لے پھڑ مالا اپنی میں تھوں رام چھپیا نہ جاوے سیاپا مکاؤ"۔یہ ہے رہبانیت۔اور یہی وجہ ہے کہ قرآن نے یہ کہا ہے کہ انہوں نے خود اس کی ابتداء کی تھی انہوں نے اس کو تراشا تھا انہوں نے اس کو

وضع کیا تھا۔ہم نے ان کو یہ فرض قرار نہیں دیا تھا ہم نے لازم نہیں قرار دیا تھا۔ رہبانیت یا خانقاہیت کی زندگی ترک دنیا کی زندگی کہیں خدا کی ہدایت ہوسکتی ہے؟۔ وہ ری ایکشن تھا ان کا عیسائیت کا' مایوسی کا عالم ہے یہ عیسائیت کا جو ہے جنہوں نے یہ کہہ دیا کہ دنیا کے بکھیڑوں میں دل ہی نہ لگاؤ صاحب! وہاں جھنجٹ میں پڑو ہی نہیں ختم کرو قصہ۔اور اسی کا نتیجہ آج وہ Dualism ہے کہ جس میں ان کے ہاں مذہب اور سیاست الگ الگ ہوئی اور وہاں سے سیکولر تصورِ حکومت عام ہوا اور یہ پھر ساری دنیا میں اب پھیل گیا آگ کی طرح۔اور پھیلنا چاہیے تھا۔اس لیے کہ دین تو آج دنیا میں کہیں ہے نہیں۔دین کے نام لینے والے جو ہیں ان کے ہاں بھی تو مذہب ہے۔اور مذہب تو جس طرح سے عیسائیت کا مذہب ان انسانوں کا خود وضع کردہ ہے اسی طرح ہر مذہب دنیا کا انسانوں کا خود ساختہ ہوتا ہے وہ مسلمانوں کا مذہب ہو یا ہندوؤں کا یا عیسائیوں کا یہودیوں کا۔دین تو خدا کی طرف سے عطا کردہ ہوتا ہے مذہب انسانوں کا خود ساختہ ہوتا ہے۔اسی لیے مذہب چونکہ انسانیت کے بلند تقاضوں کو پورا نہیں کرسکتا اس واسطے تصور ہی سیکولرازم کا عام ہوگیا کہ دنیاوی معاملات دنیاداروں کی طرح عقل وفکر کی رو سے باہمی مصالحت کی رو سے طے کرو۔ یہ نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' خانقاہیت' راہبانیت' جوگیوں کا سا قصہ یہ سارے قصے جتنے بھی ہیں ان کا دنیاداروں سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ دنیا سے الگ ہوگئے۔ یہ ری ایکشن ہوتا ہے حقیقت میں' مایوسی ہوتی ہے۔اور سب سے بڑی چیز یہ کہ دین جب اپنی اصلی شکل میں کہیں باقی نہیں رہتا تو پھر انسان اس سطح پہ آجاتا ہے۔ عیسائیت یہاں پہلے آئی اور اس کے بعد جیسا میں نے عرض کیا ہے آج ساری دنیا اسی سطح پہ آئی ہوئی۔ جو زبان سے اقرار نہیں بھی کرتے عملاً وہ بھی اسی سطح کے اوپر ہیں۔لیکن یہاں بھی قرآن نے کہا ہے کہ ماانزل اللہ کے مطابق اگر حکومت نہیں قائم کی جاتی تو یہ ظلم ہے فسق ہے یہ کفر ہے۔(و قفینا علٰی اٰثارھم بعیسی ابن مریم مصدقًا لما بین یدیه من التورٰة و اٰتینٰه الانجیل فیه ھدًی و نور) (5:46) اور پھر انہی انبیائے سابقہؑ کے نقش قدم پر ہم نے عیسٰیؑ ابن مریم کو پیدا کیا' وہ تورات میں جو کچھ ہم نے کہا تھا انبیائے بنی اسرائیلؑ کے صحیفوں میں جو باتیں خدا کی طرف سے آئیں تھیں وہ ان کی تصدیق کرتا تھا۔تصدق کے معنی اگر لیں' صدق کے معنی کسی چیز کو سچ کر کے دکھانا ہے۔ جو باتیں وہاں کہی گئی تھیں کہ ایسا کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا۔ ہر نبی جو آتا تھا اصولی اور بنیادی طور پر وہ ایک ہی دین پیش کرتا تھا' اس کی جزئیات میں فرق ہوجاتا تھا اپنے اپنے زمانے کے تقاضے کے اعتبار سے۔اصولی طور پر خدا کی تعلیم شروع سے ایک ہی تھی آخر تک ایک ہی رہی۔تو وہ اس اعتبار سے ہر آنے والا رسول اپنے سے پہلے رسل کے دین خالص کی تائید وتصدیق کرتا تھا۔اور جو اس میں وعدے کیے گئے تھے کہ اگر اسطرح سے انسانیت چلے تو ان کے نتائج یہ نکلیں گے۔ وہ اپنی تعلیم اور عملی مثال سے ان وعدوں کو سچ کر دکھاتا تھا۔ جہاں جہاں قرآن نے کہا ہے کہ وہ مصدق ہے اور خود قرآن کے متعلق کہا کہ یہ بھی پہلے انبیاء کی تعلیم کا مصدق ہے۔ ہمارے ہاں یہ اس کا ترجمہ عام کرلیا کہ یہ تصدیق کرتا ہے ان کی اور پھر اسکے بعد کہا کہ صاحب یہ اگر تصدیق کرتا ہے تو یہ

موجودہ انجیل موجودہ تورات یہ ان کی تصدیق کرتا ہے قرآن' اوران میں اوران میں تو بڑا تضاد ہے۔تصدیق کرتا نہیں ہے' یہ ان کی تصدیق نہیں کرتا کہ جنہیں وہ خود کہتا ہے کہ یہ محرف ہیں اپنی اصلی شکل میں نہیں ہے۔وہ تصدیق کرتا تھا اس تعلیم کی جو خدا کی طرف سے ان انبیاء کو ملتی تھی اور جو وعدے وہ قوموں سے کرتے تھے کہ اگر ایسا کروگے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا۔یہ آنے والا رسول انہی وعدوں کو عملاً سچ کر کے دکھاتا تھا۔مصدقاً کا جہاں لفظ آئے گا اس کے یہ معنی ہونگے یاد رکھئے۔یہ نہیں کہ جو انجیل' تورات' وید لوگوں کے پاس مختلف مذاہب کے پاس ہیں قرآن ان کی تصدیق کرتا ہے' ان میں تو اس قسم کی خرافات بھری ہوئی ہیں کہ انسانیت کی نگاہیں جھک جاتی ہیں' قرآن ان کی تصدیق کرے گا کیا؟۔وہ خدا کی جو اصلی ملتی تھی انبیاء کو ان کی تصدیق کرنے کے لیے آتا تھا۔(فیہ ھدًی و نور) (5:46) آسمانی کتابوں کے متعلق قرآنِ کریم نے یہ کہا ہے ہدایت بھی' نور بھی۔ بڑی سمجھنے کی بات ہے یہ کہ ایک ہدایت ہے اوراس کے ساتھ نور ہے۔ہدایت تو ہے کسی راستے کا متعین کر دینا منزل کا متعین کر دینا' نور ہے وہ روشنی جس کی رو سے وہ راستہ نظر آ جاتا ہے۔اگر راستہ تو ہو متعین لیکن رات ہو تاریک تو پھر بھی راستے پہ انسان نہیں چل سکتا۔اور اگر روشنی ہو بڑی عام پھیلی ہوئی اور صحرا میں انسان کھڑا ہو جہاں راستے کا کوئی نشان نہ ہو پھر بھی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔نشاناتِ راہ' منزل کا تعین اوراس کے ساتھ روشنی کی موجودگی۔یہ قرآنِ کریم نے جو کہا ہے کہ ہم نے کتاب اور حکمت کو نازل کیا ہے تو یہی ہیں وہ دو چیزیں۔کتاب تو وہ قانون ہے وہ راستے کے نشانات ہیں وہ منزل کا تعین ہے اور حکمت وہ دلائل وشواہد ہیں وہ نتائج واثمار ہیں جن کے متعلق کہا کہ ان قوانین کے اوپر اگر تم چلو گے تو یہ ہوگا۔یعنی ان کے لیے ان کی غرض اور غایت اور حکمت جو ہے ان کے لیے The why of it جسے کہتے ہیں خدا کی وحی یہ بھی ساتھ دیتی تھی۔اور یہ تھے وہ دلائل و شواہد جو عقل وفکر کی رو سے سمجھے جاتے تھے۔یہ ہے جسے خدا نے نور کہہ کر پکارا ہے کہ خدا کی وحی میں ایک مستبد آمر کی طرح ڈکٹیٹر کی طرح محض حکم نہیں دیا جاتا تھا کہ تمہیں یہ کرنا ہوگا۔وہ اس کے ساتھ سمجھاتا تھا کہ تمہیں یہ کیوں کرنا ہوگا' وہ عقل کے چراغ گل نہیں کرتا تھا ان میں اور روغن ڈالتا تھا۔کہ عقل کے چراغوں کی روشنی دلائل وشواہد کی روسے' نتائج کی رو سے یہ تمام چیزیں بیان کر کے اس کے بعد راستے کا تعین منزل کا تعین یہ دونوں چیزیں خدا کی وحی میں تھیں اور یہ آج قرآن کے اندر دونوں چیزیں موجود ہیں۔یہ ہے نور اور ھدًی جسے قرآن نے کہا ہے کہ ہر کتاب میں یہ موجود تھی۔ اور یوں تو عام زبان میں اگر کہا جائے تو آپ دیکھئے کہ یہ قرآن یا اسلام کتنی کشادہ ظرفی اور کشادہ نگہی ہے اس میں کہ دوسرے لوگوں کے مذاہب کی جو کتابیں ہیں ان کی اتنی تعریف کرتا ہے کہ اگر وہ کہتا ہے کہ قرآن میں ہدایت اور نور ہے تو وہ تورات میں بھی یہ بتاتا ہے انجیل میں بھی یہ بتاتا ہے۔اور پھر اس اجمالی طور پہ ہمیں یہ کہتا ہے کہ دنیا کی ہر قوم کو ہم نے اسی قسم کا نور اور ہدایت دیا تھا۔تو یوں سمجھئے کہ یہ کتنی بڑی کشادہ ظرفی ہے کہ وہ دوسری اقوام کے مذاہب کی کتابوں کے متعلق بھی یہ کچھ کہتا ہے ان کے انبیاء پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے۔لیکن قرآن کی رو سے سوال یہ کسی دوسرے مذہب کا

نہیں ہے' وہ تو دین ایک ہی ہے ایک ہی خدا کی طرف سے آتا رہا مختلف ممالک میں مختلف اقوام کی طرف مختلف انبیاءؑ کی وساطت سے۔ لیکن وہ دین تو خدا کی طرف سے آتا ہے تو جہاں بھی خدا کی وحی دین کی تصدیق کرتی ہے تو وہ درحقیقت اسی ایک ہی دین کی تصدیق کرتی ہے جو وقتاً فوقتاً خدا کی طرف سے آتا رہا۔ لیکن بہرحال اس میں کشادہ ظرفی تو بڑی ہے نا۔ قرآن تو یہاں تک کہتا ہے کہ تم دوسروں کے معبودانِ باطل کی شان میں بھی گستاخی کا کوئی لفظ نہ کہو' یہاں تک Toleration سکھاتا ہے۔ یہ اس قوم کی حالت ہے جس کی Intolerence کی حالت آج آپ کے سامنے ہے کہ ذراسی بات کسی کے مزاج کے خلاف ہو اور اس کا خنجر آپ کے سینے میں پیوست ہوتا ہے۔ اور یہ بات عام بازاری غنڈوں کی نہیں' مذہب کی دنیا میں آپ کے ہاں جس قدر Intolerence ہے پوچھو ہی نہیں کس قدر شدید تعصب آپ کے ہاں پایا جاتا ہے۔ یہ اس قوم کی حالت ہے۔ لیکن میں ابھی عرض کرونگا کہ یہ حالت کیوں ہوگئی ہے۔ دین کے اوپر چلنے والی قوم جو ہے اس میں تو بڑا شرحِ صدر ہوتا ہے' بڑی کشادہ ہوتی ہے اس کے ظرف کی' وہ ذرا ذراسی بات کے اوپر اس طرح سے بھڑک نہیں اٹھتا وہ حلیم ہوتا ہے' اس میں بڑی سہار ہوتی ہے' بڑی برداشت ہوتی ہے' کشادہ نگہی ہوتی ہے۔ وہ تو جب ان سے الگ ہونے لگتا ہے تو وہاں کہتا ہے **قالوا سلٰم علیه** قرآن کے الفاظ ہیں کہ ان سے کہو کہ بھئی خدا حافظ' ٹھیک ہے بھئی! تم اپنا کام جانو **ولنا اعملنا ولكم اعملكم** یہ کیفیت اس کی ہوتی ہے۔ بڑی کشادگی چاہیے اس کے لیے ظرف اور نگاہ کی اور قرآن یہ پیدا کرتا ہے مومن کے اندر۔ لیکن مذہب نام ہی تنگ نگہی کا ہے اس لیے کہ جتھہ قائم ہی اس صورت میں رہتا ہے کہ آپ دوسروں کے خلاف نفرت پیدا کریں۔ یہ جتھہ بازی یا پارٹی بازی کی بنیاد نفرت کے اوپر ہوتی ہے۔ دوسروں سے نفرت دلاتے چلے جائے اور اپنے ہاں کہیے کہ دنیا بھر کی صالحیت اور دنیا بھر کی خوبیاں یہاں جمع ہوئی ہیں پھر پارٹی قائم رہتی ہے پھر جتھہ قائم رہتا ہے۔ اسلام تو کوئی جتھہ نہیں بنانے آیا تھا وہ تو عالمگیر حقائق تھے جو دنیا میں بکھیرنے کے لیے آیا تھا۔ اس لیے وہ تنگ نظری اور تنگ نگہی کیوں پیدا کرتا' بڑی کشادہ ہے اس کے اندر۔ (**هدًى و نور و مصدقًا لما بين يديه من التورة و و هدًى و موعظةً للمتقين**) (5:46) کتنی بڑی تعریف کر رہا ہے دوسرے مذہب کی کتابوں کی۔

کہا کہ ہم نے ان سے یہ بھی کہا تھا (**وليحكم اهل الانجيل بما انزل الله فيه**) (5:47) اور انہیں بھی یہ کہا تھا جب انجیل نازل کی کہ تم اسی انجیل کے مطابق معاملات کے فیصلے کرو اسی کے مطابق حکومت قائم کرنا۔ یہیں سے نظر آتا ہے کہ یہ موجودہ انجیل جو ہے یہ وہ انجیل نہیں ہے جو حضرتِ عیسٰیؑ کو ملی تھی اس لیے کہ یہاں تو کہا گیا ہے کہ انجیل میں دیے گئے قوانین کی رو سے فیصلے کرنا اور انجیل میں تو قانون ہی کوئی نہیں ہے جو موجودہ انجیل ہے۔ اور یہ تو بات ہی سمجھ میں نہیں آتی کہ خدا کی طرف سے ایک نبی آئے ایک پیغامبر آئے وہ ایک ہیئت اجتماعیہ قائم کرے انسانوں کی اور وہاں وہ صرف ملا کی طرح وعظ کر کے چلا جایا کرے۔ وہ تو ایک نظام ہوتا ہے' وہ تنظیم ہوتی ہے وہ اس کی رو سے ایک حکومت کی داغ بیل ڈالتا

ہے ایک مملکت قائم کرتا ہے اس میں وہ اپنے ان قوانین کو نافذ کرتا ہے جو خدا کی طرف سے اسے ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ موجودہ انجیل جو ہے اسے کہا ہی نہیں جاسکتا کہ یہ خدا کی طرف سے دیا ہوا دین ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ یہ ہے تو (ولیحکم اھل الانجیل بما انزل الله فیــــہ) (5:47) اس نے جو خدا نے نازل کیا تھا اس کے مطابق اپنے معاملات کے فیصلے کرے۔ تو جیسا میں نے عرض کیا ہے موجودہ انجیل میں تو قانون ہی کوئی نہیں ہے۔ بولو!!۔ میں نے کہا نا کہ ایک ہی چیز ہے جسے آپ Law کہہ سکتے ہیں کہ اس میں میاں بیوی کی علیحدگی یا طلاق کے لیے یہ ایک شرط ہے بس اور کوئی قانون نہیں ہے۔ تو قرآن اس کی شہادت دیتا ہے کہ یہ انجیل وہ انجیل نہیں ہے' اُس میں قوانین تھے اور کہا گیا تھا اہل انجیل کو کہ تم اس کے مطابق اپنے معاملات کے فیصلے کرو۔ اور اس کے بعد ہے کہ (ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئک ھم الفٰسقون) (5:47) اور ہم نے کہہ دیا تھا کہ یاد رکھو جو بھی اس کے مطابق فیصلے نہیں کریں گے وہ لوگ فاسق ہیں۔ تو اب تین آیتیں ہمارے سامنے آ گئیں: فاسق ہیں وہ لوگ' ظالم ہیں وہ لوگ' کافر ہیں وہ لوگ جو ماانزل اللہ کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے فیصلے اپنے نہیں کرتے۔ غور فرمایئے عزیزانِ من!۔ کیا ہمارا جی چاہتا ہے کہ اس آئینے کے اندر ہم اپنی شکل دیکھیں۔ وہی جو میں نے کہا تھا کہ اس کے اندر ہمیں اپنی بدصورتی نظر آتی ہے تو ہم آئینے کو توڑ دیتے ہیں۔ ابھی بات سامنے آتی ہے کہ آئینہ کیسے توڑا وہ۔ اور یہ سارا کچھ یہودی اور نصاریٰ کے بعد کہا کہ (و انزلنا الیک الکتٰب بالحق) (5:48) اے رسولِ خاتم النبیین ﷺ! اب تمہاری طرف حق کے ساتھ وہی دین نازل کیا ہم نے۔ (مصدقًا لما بین یدیہ من الکتٰــب) (5:48) کسی ایک کے متعلق نہیں جتنی بھی کتب سابقہ اپنے اپنے وقت میں خدا کی طرف سے انبیاء کو ملی تھیں ان تمام کی صحیح تعلیم کی تصدیق کرنے والا' ان تمام وعدوں کو سچ کر کے دکھانے والا یہ ضابطۂ قوانین اب خدا کی طرف سے آیا ہے۔ (من الکتٰب و مھیمنًا علیہ) (5:48) یہ ہے ایک چیز جو خصوصیت ہے قرآن کی۔ یہ نہ انجیل کے متعلق کہا گیا ہے نہ تورات کے متعلق نہ کسی اور کتاب کے مطابق۔

مھیمنًا علیہ جتنی تعلیمیں پہلے آئی تھیں ان کتب کے اندر اور جن کا مستقل طور پہ باقی رکھنا مقصود تھا وہ ساری کی ساری اس کے اندر آ گئی ہیں۔ مھیمنًا اسے کہا جاتا ہے جو ان تمام کو اپنے دائرے اور اپنے گھیرے کے اندر لے کے محفوظ کر لے۔ غور فرمایا کہ قرآن کی اب حقیقت کیا ہوئی۔ خدا کی طرف سے وقتاً فوقتاً جتنی اصولی تعلیم آتی رہی مختلف انبیائے کرامؑ کو ان تمام کو اس کے اندر جامع کر دیا ان کے علاوہ جن اور اصولوں کے دیے جانے کی ضرورت تھی ان کا اضافہ کر دیا۔ اور یہ کرنے کے بعد کہہ دیا کہ (و تمت کلمت ربک صدقًا و عدلًا ' لا مبدل لکلمة الله) خدا نے جو تعلیم دینی تھی نوعِ انسانی کو وہ مکمل بھی ہوگئی اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی کوئی تبدیلی پیدا کرنے والا نہیں آئے گا۔ اور اس کے بعد یہ کہا کہ ہم نے اسے نازل کیا ہے انه له لحفظون اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ مھیمن ہے تمام کتب سابقہ کی سچی تعلیم کا' اتمام ہوگیا ہے اس میں نعمت

کا' غیر متبدل ہے جو کچھ قرآن میں آیا ہے اور محفوظ ہے یہ خدا کی طرف سے۔ یہ ہے وہ ضابطۂ قوانین وہ قرآن جسے ہم کہتے ہیں۔ اور اس کے لیے کہا (فاحکم بینهم بما انزل الله) (5:48) وہی چیز جو پہلے چلی آ رہی ہے وہی چیز نبی اکرم ﷺ سے کہی گئی کہ اب جو خدا نے نازل کیا ہے اس کے مطابق فیصلے کرو معاملات کے۔ دہرا دیا اسی چیز کو من لم یحکم کو کہ جو اس کے مطابق نہیں کرے گا فاسق بھی ہیں ظالم بھی ہیں کافر بھی ہیں۔ ما انزل اللہ کے مطابق فیصلے کیے جائیں گے۔ یہ تھا جو خدا نے کہا۔ اس قسم کی کتاب دیدی۔

پہلی امتوں کے لیے مشکل یہ ہوگئی کہ رسول کے چلے جانے کے تھوڑے عرصے کے بعد وہ کتاب اپنی شکل میں باقی نہیں رہتی تھی۔ اس لیے وہ ما انزل اللہ کے مطابق فیصلے کر نہیں سکتے تھے کہ ما انزل اللہ ہی باقی نہیں رہتا تھا۔ قرآن کے متعلق تو یہ صورت ہوگئی کہ خدا نے اس کی حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے۔ اب ما انزل اللہ غیر محرف ہو نہیں سکتا ان کے ہاں اور یہ جو خدا کے دین کی بجائے اپنا خود ساختہ مذہب رائج کرنا چاہتے تھے ان کے راستے میں یہ بڑی رکاوٹ پیدا ہوگئی۔ لیکن یہ رکاوٹ ہی کونسی ہے جس کو کہ انسان کی عقل بہانہ ساز دور نہیں کر سکتی۔ معاف رکھئے گا! یہاں بات پھر جذبات کی آ جاتی ہے اور مجھے قرآن کے اگلے الفاظ پیش کر دینے چاہئیں تا کہ جب جذبات کی بات آئے تو آپ کو معلوم ہو قرآن کیا کہتا ہے وہ کہتا ہے (ولا تتبع اهوآءهم عما جآءك من الحق) (5:48)

یاد رکھو! حق کے اوپر چلنے کے معاملے میں ایک چیز آئے گی راستے میں: لوگوں کے جذبات' ان کی قطعاً پرواہ نہ کرنا۔ بڑی چیز ہے جو یہاں کہہ دی ہے۔ ما انزل اللہ سے ہٹانے کے لیے صرف جذبات ہیں کہ جو پیش کر دیے گئے آپ کے سامنے۔ غور کیجیے گا اس چیز کو' کس جامعیت سے قرآن نے یہ بات کہی جب اس کے ساتھ کہا ہے کہ جذبات آئیں گے راستے میں حائل ہونگے یاد رکھو۔ یہ جذبات کیا ہوتے ہیں؟ اس میں شخصیتیں آ جاتی ہیں' جذبات ہمیشہ اشخاص سے متعلق ہوتے ہیں۔ جب کسی Personality کو Idealize کر دیا جائے اس کو بت بنا دیا جائے شخصیت کی عقیدت جب آ جائے وہاں جذبات آ جاتے ہیں۔ خدا کے متعلق آپ گھنٹوں بکواس کرتے رہیے' چوراہے میں کھڑا ہوا آدمی گالیاں دیتا رہے' یونہی صاحب سن کے چلا جاتا ہے آدمی۔ لیکن جس شخص کو آپ نے اپنا ہادی' مرشد' پیر' راہنما' فرقے کا بانی کچھ بھی مان لیا ہے اس کی شان میں ایک لفظ کوئی کہہ دے آپ دیکھئے چھرا گھونپ دیتے ہیں آپ۔ شخصیت کے خلاف نہیں کچھ سنا جا سکتا۔ یہ جو Abstract تعلیم ہوتی ہے اس سے جذبات نہیں انسان کے مفلوج ہوتے وہ نہیں مجروح ہوتے' اسے بڑا Lightly لیتا ہے انسان۔ وہ تو جب اس تعلیم کی عظمت اور اہمیت دلوں کے اندر گھر کر جائے تو اس وقت انسان کو یہ سمجھ میں بات آتی ہے کہ یہ بات کیا کہہ گیا ہے میں نہیں اس چیز کو سن سکتا۔ لیکن اس وقت بھی وہ جسے Intolerence اس قسم کی کہتے ہیں Sanaticism جسے کہتے ہیں مذہبی جنون جسے کہتے ہیں وہ نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن جب بھی کسی شخصیت

کے متعلق کوئی بات آپ کریں گے آپ دیکھئے گا کہ وہاں فوراً مذہبی جنون جو ہے یہ اوپر آ جائے گا۔ قرآنِ کریم نے ختم نبوتﷺ سے شخصیت پرستی کی جڑ کاٹ دی تھی‘ کسی شخص کی کوئی اہمیت نہیں نبی اکرمﷺ کے بعد۔ احترام ہے ان کا ان کے مدارج کے اعتبار سے اور احترام کی صورت صرف یہی ہے اخوانًا الذی سبقونا بالایمان ہمارے یہ بھائی تھے ایمان کے ساتھ یہاں سے چلے گئے اللہ کے ساتھ ان کا معاملہ ہے ہم کسی کے خلاف کچھ نہیں کہیں گے۔ خلاف کچھ نہیں گے‘ بس یہ احترام ہے ان کا۔ ان کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے (ولا تسئلون اما کانوا یکسبون) ہم تم سے یہ پوچھیں گے ہی نہیں کہ انہوں نے کیا کیا تھا۔ شخصیتوں کے متعلق یہ ہے قرآن کا Attitude ان کے معاملے ان کے ساتھ‘ تمہارے معاملے تمہارے ساتھ اور ہم تم سے یہ پوچھیں گے ہی نہیں کہ انہوں نے کیا کیا تھا‘ واسطہ ہی نہیں۔ شخصیتوں کا خاتمہ کر دیا ختمِ نبوتﷺ کے معنی ہی یہ ہیں عزیزانِ من! ۔ لیکن اس قوم نے ختم نبوتﷺ کے عقیدے کو تو قائم رکھا لیکن قدم قدم کے اوپر اشخاص کے بت کھڑے کر دیے۔ اب جہاں کہیں کسی بات کی مخالفت ہوتی ہے کسی نہ کسی شخصیت کی رو سے سامنے سے مخالفت ہوتی ہے۔ یہ اشخاص پرستیاں: پہلے ہی آپ کے ہاں اس شجرِ اسلام کے جو ٹرنک میں سے دو شاخیں پھوٹی ہیں شیعہ اور سنی کی‘ اشخاص پہ مبنی ہیں۔ اب آگے چلئے تو سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ آپ کے ہاں کے جتنے محدثین کرام اشخاص‘ ائمہ حدیث اشخاص‘ رواۃ حدیث اشخاص‘ ائمہ فقہ سارے اشخاص‘ ائمہ تفسیر سارے اشخاص۔ یہ چیزیں شریعت کے راستے سے آئیں۔ اور آگے طریقت کے راستے میں آ جائیے یہ غوث‘ یہ قطب‘ یہ ابدال‘ یہ پیر سارے اشخاص۔ آگے آگے چلے جائیے ہر صدی کے بعد ایک مجدد‘ مثیل مسیح‘ آنے والے مہدی تمام اشخاص۔ ختمِ نبوتﷺ نے جس بنیاد کو اکھیڑا تھا ہم نے اس ختمِ نبوتﷺ کے عقیدے کو تو زبانوں تک رکھا اور جو اس کا مقصد تھا اس کے خلاف یہاں سے وہاں تک آپ دیکھئے

می تراشد فکرِ ما ہر دم خداوندے دگر
رست از یک بند تا افتاد در بندے دگر

ایک شخصیت سے پلہ آپ کا چھوٹتا ہے کسی دوسری شخصیت کی خارداروادیوں میں الجھ کے رہ جاتے ہیں آپ۔ شخصیتیں شخصیتیں یہاں سے وہاں تک۔ ان تمام حضرات کے نام کے ساتھ پہلے امام آخر میں رحمتہ اللہ علیہ اور ان کی عظمتیں ان کے احترام اس طرح دل کی گہرائیوں میں پیوست کر دیے گئے ہیں آپ ایک لفظ نہیں سن سکتے۔ قرآن کریم کے علی الرغم اس کے خلاف یہ سب چیزیں ہیں جو انہوں نے دی ہوئی ہیں یا کہا جاتا ہے جو انہوں نے دیں آپ کسی ایک چیز پہ تنقید نہیں کر سکتے۔ طریق جو آگے تھا ما انزل اللہ کے متعلق وہ تو یہی تھا نا اس کی تعلیم تھی‘ تعلیم تو ایک دوسرے کو دیتے ہیں مومن کے متعلق تو و تواسعو بالحق و تواسعو بالصبر اس نے کہا تھا ایک دوسرے کو وہ تلقین کرتے ہیں۔ آپ دیکھئے کہ وہ جو ذرا سا درجہ ایک ہوتا

تھا ناوہ استاد کا اور شاگرد کا' اس امت کے اندر قرآن اس کو بھی مساوات کے لیول کے اوپر لے آیا ہے و تواسع بالحق و تواسع بالصبر وہ ایک دوسرے کو یہ تلقین کرتے ہیں۔ آپس میں ان کے ہاں محبت ہوگی تالیف قلب ہوگا احترام ہوگا' شخصیت پرستی کوئی نہیں ہوگی۔ کوئی ایسی شخصیت اب نہیں ہوگی حضور ﷺ کے بعد کہ جس کے قول کو آپ سند اور حجت قرار دیدیں جسے آپ تنقید کی حد سے بالاتر قرار دیدیں۔ شخصیت پرستی اسے کہتے ہیں عزیزانِ من! کہ اس پہ تنقید نہ کی جاسکتے۔ نبی ﷺ کے بعد کوئی ہستی ایسی نہیں ہے کہ جس پہ آپ تنقید نہ کرسکیں۔ تنقید کے معنی گالی دینا نہیں ہوتی' نقد کے معنی ہوتا ہے پرکھنا کسی چیز کو۔ کہ جس کے قول کو پرکھا نہ جاسکے' پرکھا کس طرح جاسکے؟ ماانزل اللہ اس لیے کہ (من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون) (5:44) ماانزل اللہ کے مطابق تو کوئی غیر مسلم آپ سے کہے تو وہ بھی قابل تسلیم ہوگی' اس لیے نہیں کہ وہ اس کی بات ہے اس لیے کہ ماانزل اللہ کے مطابق ہے۔ اور اس کے خلاف اگر کوئی بات جاتی ہے آپ کی تو وہ کتنی بڑی سے بڑی کیوں ہستی نہ ہو وہ دھتکار دینے کے قابل ہے' اس لیے کہ ہم تو ماانزل اللہ کے مطابق چلنے سے مسلم قرار پاتے ہیں ورنہ اولئک ھم الکفرون۔ شخصیت پرستی: یاد رکھئے! دین اور مذہب میں یہ بنیادی فرق ہے دین میں شخصیت پرستی نہیں ہوتی تمسک ہوتا ہے تعلیم کے ساتھ' اعتصام ہوتا ہے حقائق کے ساتھ' تعلق ہوتا ہے خدا کے ساتھ۔ اور خدا کے ساتھ تعلق بھی کچھ ایسی بات نہیں ہے وہ اندر باطنی کوئی سلسلہ ہو' خدا کے ساتھ تعلق خدا کی کتاب کے ذریعے سے ہے۔ یہ کلام اللہ ہے ہم جب اسے پڑھتے ہیں خدا ہم سے باتیں کر رہا ہوتا ہے اور اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں ہے خدا سے تعلق کا۔ شخصیتیں ختم ہوگئیں' ما انزل اللہ کے مطابق آپ نے چلنا ہے۔ میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ وہ ہزار طریقے ہوتے ہیں اس کے لیے۔ قرآن نے ماانزل اللہ کہا تھا ناجی۔

یہودیوں نے یہ بات کی کہ صاحب ماانزل اللہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ چلئے صاحب!!۔ ان کی وحی نے تو ماانزل اللہ کہا تھا خدا نے نازل کیا' انہوں نے کہا کہ یہ ماانزل اللہ اصل میں دو قسم کا ہوتا ہے ایک تو ہوتا ہے وحی شب کتب اور ایک ہوتی ہے وحی شب؟؟' ایک وحی وہ ہوتی جو لکھی جاتی ہے اور پڑھی جاتی ہے اور ایک وہ ہوتی ہے کہ جو اس طرح لکھی پڑھی نہیں جاتی وہ روایات میں آتی ہے۔ ان کے ہاں یہ دو حصے تھے وحی کے۔ یہ ان کے ہاں بعد میں جب انہوں نے دین کو چھوڑ کے انسانوں کے مذہب کی طرف آنا تھا تو بنیاد رکھی تھی اس کی کہ یہ دوسرا حصہ خود ایسا تجویز کرو جسے ما انزل اللہ کہا جائے کیونکہ ماانزل اللہ کے مطابق فیصلے کرنے تھے نا۔ انہوں نے اس کا نام ہی ماانزل اللہ کر دیا کہ جی وہ دو حصے ہوتے ہیں دو قسمیں ہوتی ہیں ماانزل اللہ کی۔ اور وہ جو تورات کا یا ان کے ہاں کے صحف کا ماانزل اللہ تھا وہ تو اتنا سا تھا اور یہ جو اس کے بعد انسانوں کا ماانزل اللہ تھا (انسانوں کا ماانزل اللہ معاف رکھئے Quoted کہتا ہوں میں) اس کا پوچھئے؟؟ لگے ہوئے ہیں۔ وہ تو Snowball ہوتا ہے جوں جوں بڑھتا چلا جاتا ہے انسانوں کے خیالات کی اس میں آمیزش ہوتی چلی جاتی ہے یہ گولہ پھولتا چلا جاتا ہے۔ ان کے ہاں یہ چیز تھی۔ قرآن نے آ کے اس

چیز کو صاف کیا' ما انزل اللہ وہی ہے جو اس قرآن کے اندر ہے اور جس کی حفاظت کا ذمہ ہم نے لیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کہتے رہیے آپ۔ معاف رکھئے گا میں نے پھر کہا تھا کہ یہاں جذبات کی دنیا آ جاتی ہے۔ لیکن قرآن کے الفاظ ہیں (ولا تتبع اھوآء ھم عما جآء ک من الحق) (5:48) عزیزانِ من! جو شخص قرآن ہاتھ میں لے کے بیٹھتا ہے اس کی بڑی دشواری ہوتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب حق تیرے سامنے ہو پھر کسی کے جذبات کی پرواہ نہ کر۔ حق کہہ ہی وہ سکتا ہے۔ اور اس کے لیے تو سب سے پہلے اسے اپنے جذبات کو ذبح کرنا پڑتا ہے۔ پھر اس میں اگر میں کی معافی دیدیں تو یہ جو آپ کے سامنے جو بیٹھا ہے

شریف مکہ رہا ہے کئی برس اے شیخ
یہ میر اب جو گدا ہے شراب خانے کا

ایک عمر گذری اس کی' انہی معبودوں کے آستانوں پر جبہ سعی کرتے ہوئے۔

؎ ہر زماں در آستیں دارد خداوندے دگر

پتہ نہیں کتنے خدا تھے جن کی اس طرح سے پرستش کرتا چلا آ رہا تھا۔ میں کہا کرتا ہوں کہ شاید ہی ہندوستان میں کوئی ایسا بڑا آستانہ ان مزاروں کا ہوگا جس کی مٹی اس بدبخت پیشانی کے ساتھ نہیں لگی ہوگی۔ وہ دور دورِ جاہلیت تھا۔ اب اس خدا کے حضور قدم قدم پہ سجدہ ریز ہوں کہ اس نے' آہاہا کیا کہا ہے اقبالؒ نے کہ

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اس نے ایک ایسی سنگ آستاں بتا دی ما انزل اللہ کی کہ اس نے دنیا کے ان خود ساختہ تمام معبودوں کو ایک دم ذبح کر کے رکھ دیا گھسالۂ سامری کو جلا کے پیس کے حضرت موسیٰؑ کے الفاظ میں سمندر میں ڈال دیا صاحب کہ اس کا نام ونشان تک باقی نہ رہے۔ قلوب کے اندر جو گھسالے گھسے ہوئے ہوتے ہیں برادرانِ عزیز! وہ تو خون کے ذریعے بنے ہوئے ہوتے ہیں انسان کے' ان کو وہاں سے نکالنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

ان کا طریقہ تو وہی جو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا وہ ابلیس کے متعلق کہ ہر شخص کا ایک ابلیس ہوتا ہے۔ عظیم چیز ہے عزیزانِ من! سچی حدیث ہیرے کی طرح چمکتی ہوئی نظر آ جاتی ہے۔ ہر شخص کا ایک ابلیس ہے' پوچھا انہوں نے کہ کیا آپ ﷺ کا بھی؟ کہا ہاں میرا بھی' کہا کہ پھر؟ کہا کہ میں نے اپنے ابلیس کو مسلمان کر لیا ہے۔ اقبالؒ نے اس مقام پہ بڑی عجیب چیز کہی ہے کہ ابلیس کو آپ نکال نہیں سکتے اس لیے کہ وہ تو خون کے

اندر حلول کیے ہوئے ہوتا ہے' اسے آپ مسلمان بنا سکتے ہیں۔ عقیدت واحترام کے جذبات تو آپ نکال نہیں سکتے' جذبات کو نکال دیا جائے تو انسان اس کے بعد تو پھر کمپیوٹر بن کے رہ جاتا ہے وہ انسان رہتا ہی نہیں ہے۔ بڑی چیز ہیں یہ جذبات جو انسان کے ہیں۔ کیا کہا ہے غالب نے!!

گر عشق نہ بودو غمِ عشق نہ بودے

ایں ہا سخنِ نغز ؟؟ کہ شنودے

یہ تو ان جذبات کی دنیا ہے۔ لیکن جذبات کو مسلمان کر کے رکھنا ہوگا۔ ایک ہی آستانہ ہے جس کے اوپر اس کو جھکنا ہوگا۔ تو اس لیے میں نے عرض کیا ہے کہ اس مقام پہ جب میں آجاتا ہوں تو یہ پھر آپ بیتی سی کچھ ہوتی ہے۔ قرآن جب میں نے ہاتھ میں لیا ہے عزیزانِ من! تو پہلے میں نے اپنے ان معبودوں کو ذبح کیا ہے اس کے بعد پھر دوسروں کی باری آتی ہے۔ اور مجھے معذور رکھا اگر اس مقام پہ کسی کے جذبات کو کوئی کسی قسم کی بھی ٹھیس پہنچتی ہے تو میں معذرت خواہ بھی نہیں ہوں اس لیے کہ قرآن میرے ہاتھ میں ہے۔ قرآن جو کچھ کہتا ہے وہی حق ہے' جو اس کے خلاف جاتا ہے وہ باطل ہے خواہ اسے منسوب کر دیا جائے کتنی بڑی سے بڑی شخصیت کی طرف کیوں نہ۔

سب سے پہلا آپ کے ہاں' گاڑی کو دین کی پٹڑی سے اکھیڑنے کے لیے یہودیوں کا وہی جو عقیدہ تھا کہ ما انزل اللہ دو قسم کا ہوتا ہے' آپ کے ہاں بھی وہ دو چیزیں آگئیں۔ یہی کہا تھا نا کہ **ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئک ھم الکفرون** (5:44)۔ آپ دیکھئے کس قدر سٹر ہے یہ چیز کہ ٹھیک ہے جی جو ما انزل اللہ کے مطابق فیصلے نہیں کرتا کافر ہوتا ہے۔ کہا کہ صاحب ما انزل اللہ ہوتا دو قسم کا ہے۔ اچھا جی!!۔ وہ دو قسم کا کونسا ہے جی؟ کہ ایک تو یہ ہے نا جو قرآن میں ہے اور ایک وہ ہے جو سارا روایات کے اندر ہے۔ بالکل یہودیوں کا تصور۔ اب یہ پورا ما انزل اللہ ہوا۔ عزیزانِ من! یہ تفاصیل اور یہ تاریخیں ان چیزوں کی کہ روایات کیسے بنیں کیسے اکٹھی ہوئیں کیسے دین کا جزو بنیں متعدد بار آپ کے سامنے آچکی ہیں۔ لیکن میں صرف یہاں ایک بات کہنا چاہتا ہوں آپ سے کہ ما انزل اللہ کے متعلق اس نے یہ کہا تھا کہ اس کی حفاظت کا ذمہ بھی ہم نے لے لیا ہے۔ اور یہ دوسرا حصہ جسے ما انزل اللہ کہا جاتا ہے میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہنا چاہتا اس ما انزل اللہ کیفیت جو تھی وہ یہ کہ دو اڑھائی سو سال تک تو اس کا کہیں وجود ہی لکھا ہوا نہیں ملتا۔ پہلا مجموعہ سب سے زیادہ مستند جسے صحیح بخاری کا آپ کہتے ہیں اڑھائی سو سال کے بعد یہ ہوا نا جی شامل۔ چلئے آپ کہہ لیجیے کہ وہ نہیں صاحب! وہ اسی شکل کے اندر لفظاً لفظاً چلا آرہا تھا زبانی یاد ہوگا لوگوں کو' انہوں نے اپنے ہاں لکھ لیا ہوگا' نہیں صاحب! یہ تو ہے ہی نہیں۔ یہ ما انزل اللہ کتنا بکھرا ہوا تھا اور پھر اس میں سے کس طرح سے الگ کیا گیا یعنی یہ سارا ما انزل اللہ بکھرا ہوا اور ایک انسان اٹھ کے اس میں سے چھانٹتا ہے کتنے میں سے کتنا۔ یہ جو احادیث کے مجموعے ہیں نا ان میں سے چھ تو ایسی کتابیں گنی جاتی ہیں جن کو صحاح ستہ کہتے ہیں یعنی

چھ صحیح تریں کتابیں اور یہ صحیح تریں کتابیں سنیوں کی ہیں۔شیعہ حضرات کی اسی قسم کی چار صحیح تریں کتابیں اپنی ہیں دونوں آپس میں لٹھم لٹھا ہو رہے ہیں ما انزل اللہ سے ما انزل اللہ۔عزیزانِ من! سوچئے کہاں ہیں ہم۔ان کو چھوڑ دیجیے کہ یہ تو بحث ان کی ختم ہی نہیں ہوگی دونوں فرقوں کی۔اہل سنت والجماعت کو لے لیجیے چھ ان کے ہاں کی۔یعنی اس کے علاوہ بھی مجموعے ہیں چھ وہ ہیں جو انہوں نے چن کے کہا یہ بالکل ٹھیک ہیں۔آپ کو پتہ ہے یہ عیسائیوں کے ہاں پہلی تیسری صدی تک انجیلیں پتہ ہی نہیں کتنی تھیں۔پھر ان کے ہاں ایک کونسل ہونسیا میں' تین سو سال کے بعد قریباً اسی زمانے میں جس زمانے میں آپ کی حدیثیں جمع ہو رہی تھیں' تو وہاں یہ فیصلہ ہوا کہ ان میں سے کس کو ما انزل اللہ مانا جائے۔تو سارے وہاں جمع ہوئے تھے مولوی صاحب۔یعنی کبھی کوئی فیصلہ ہوسکتا ہے ان کا باہمی مشورے سے' ان سے اتنا فیصلہ آپ نہیں کرا سکتے کہ الحمد کے بعد آمین اونچی آواز سے کہنی چاہیے یا نیچی آواز سے' متفقہ علیہ یہ فیصلہ کیا دیں گے۔تو ان کے ہاں مولوی کیا فیصلہ دیتے' لڑتے جھگڑتے رہے کتنے ہی دن' آخر میں انہوں نے کہا کہ صاحب! فیصلہ خدا پہ چھوڑ دیجیے۔کہنے لگے جی بہت اچھا!!۔ایک میز کے اوپر ساری کتابیں رکھ دیں اور کہا کہ صبح آ کے دیکھیں گے جتنی کتابیں نیچے گری ہوئی ہونگی وہ تو ہونگی جعلی اور جو اوپر رہ جائیں گی وہ ما انزل اللہ ہونگی۔چل بھئی !!۔یہ چار کتابیں انہوں نے اس طرح سے فیصلہ کر لیا۔ہم سنتے ہیں اور ہنستے ہیں۔آپ کو پتہ ہے آپ کے ہاں ما انزل اللہ کا انتخاب کیسے پھر ہوا تھا۔

امام بخاری کہتے ہیں کہ میں نے جب اس کو جمع کرنا شروع کیا ما انزل اللہ کو' چھ لاکھ حدیثیں مجھے ملیں اور اس میں سے انہوں نے کوئی دو ہزار سات سو کے قریب الگ نکالیں۔یہ جو ما انزل اللہ پھیلا ہوا تھا اس کی یہ کیفیت۔انہوں نے کس طرح سے نکالی' نبی تو تھے نہیں' بہرحال اپنی بصیرت کے مطابق یہ کیا نا۔انہوں نے کہا یہ ہے۔ان کے شاگرد امام مسلم تھے انہوں نے کہا کہ مجھے تین لاکھ حدیثیں ملیں اس میں سے انہوں نے چار ہزار کے قریب اکٹھی کیں۔ایک تیسرے جامع حدیث ہیں امام ترمذی انہوں نے کہا کہ مجھے تین لاکھ کے قریب حدیثیں ملیں اس میں سے انہوں نے تین ہزار کا انتخاب کیا۔چوتھے جامع احادیث ہیں امام ابوداؤد انہوں نے کہا کہ مجھے پانچ لاکھ حدیثیں ملیں اس میں سے کوئی چار ہزار آٹھ سو کے قریب انہوں نے انتخاب کیا۔ایک مجموعہ ہے ابن ماجہ کا انہوں نے کہا کہ مجھے چار لاکھ حدیثیں ملیں ان میں سے کوئی چار ہزار کے قریب کا انتخاب کیا۔چھٹی ہے نسائی کی کتاب انہوں نے کہا کہ دو لاکھ مجھے ملیں ان میں سے چار ہزار کا انتخاب انہوں نے کیا۔اور کوئی Written Record نہیں تھا جس سے اس چیز کے متعلق کچھ پرکھ کر لی جائے کہ یہ واقعہ ہے یا نہیں ہے۔اور اس میں سے اس طرح سے یہ اکٹھی ہوئیں۔پھر یہ جو یوں جمع ہوئیں چلئے صاحب! شیعہ حضرات کو چھوڑ دیجیے آپ کہتے ہیں ان کا تو عقیدہ ہی الگ ہے' آپ اپنے ہاں سنیوں کو لے لیجیے نا' ان میں سے بھی جو متشدد عقائد یہ ہیں ان کو بھی چھوڑ دیجیے۔اہل سنت والجماعت میں اہلِ حدیث اور اہل فقہ یعنی حنفی حضرات جو ہیں وہ سب سے زیادہ ممتاز حیثیت

رکھتے ہیں نا' دونوں حدیثوں کے ماننے والے ہیں۔اہل حدیث کا عقیدہ یہ ہے کہ بخاری اور مسلم کی کسی ایک حدیث کا انکار بھی کفر ہے۔اور فقۂ حنفی والے یہ کہتے ہیں کہ ان میں سے دوسو حدیثیں ہیں جن کے اوپر وہ کہتے ہیں یہ غلط ہیں ہم ان کو نہیں مانتے وہ ترمذی کی حدیثوں کو مانتے ہیں۔ ما انزل اللہ۔ان کے مطابق آپ کے ہاں کے جو فیصلے ہیں کہا جاتا ہے جو قرآن نے کہا تھا کہ **من لم یحکم بما انزل الله فاولئک هم الکفرون** (5:44) یہ ہے وہ ما انزل اللہ جس کے مطابق فیصلے کیے جائیں گے۔اچھا صاحب! یہ اتنے جو کچھ یہ آ گیا یہ بارِ کتب اس میں اُس کی بھی کوئی حیثیت ہے جسے خدا نے ما انزل اللہ کہا تھا۔غور طلب چیز ہے نا جی۔اس کے متعلق پہلے تو یہ کہا گیا کہ اس میں سے قریباً پانچ سو آیات منسوخ ہیں یعنی پڑھی جاتی ہیں لیکن ان کا حکم منسوخ ہے۔کہا کہ صاحب! قرآن کہیں یہ ہے کہ یہ آیت جو ہے یہ منسوخ ہے اب ہماری' یا فلاں آیت جو ہے اس نے اس کو منسوخ کر دیا ہے؟ یہ تو ہے نہیں اس میں۔تو پھر خدا کا ما انزل اللہ جس کے مطابق اگر فیصلہ نہ کیا جائے تو کفر لازم آتا ہے اب اس میں سے یہ فیصلہ کہ وہ یعنی چھ سو کے قریب تو احکام کی ساری آیتیں ہیں اس میں سے وہ کہتے ہیں پانچ سو کے قریب منسوخ ہیں۔کس نے منسوخ کی؟ علماء نے۔خدا کے ما انزل اللہ کا اتنا حصہ تو منسوخ۔پھر جو باقی کچھ بچا اس کے متعلق عقیدہ یہ کہ اگر تو وہ ان کی جمع کردہ ان روایتوں کے مطابق بیٹھتا ہے تو پھر تو ٹھیک ہے یعنی اس اعتبار سے وہ ٹھیک ہے۔

کہ تم جانو غیر سے جو تمہیں رسم و راہ ہو
ہم کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

اسے بھی پوچھ لیں کیونکہ یہ اسکے مطابق ہے۔پوچھا گیا کہ سرکار! اگر ایسی صورت پیدا ہو کہ دونوں میں ٹکراؤ ہو جائے یہ اس کے مطابق نہ ہو؟ تو کہا کہ پھر جو روایت ہے وہ ناسخ ہے قرآن کی آیت کی۔آگے آ گئی آپ کے ہاں کی فقہ۔ابھی تو آپ روایات میں ہی ہیں فقہ میں آپ آئیں گے تو ان کے ہاں یہ چیز' ان کے ہاں کا فقہ کا فیصلہ یہ ہے کہ قرآن کی کوئی آیت یا مجموعۂ احادیث کی کوئی حدیث جو ہمارے امامِ فقہ کے کسی قول کے خلاف جاتی ہو تو اول تو اس کی ایسی تاویل کرو کہ وہ اس فیصلے کے مطابق ہو جائے کسی طرح سے' کچھ کرو اس میں کہ اس کے مطابق ہو جائے کسی طرح سے۔ بھئی! نہیں ہوتی پھر؟ تو کہا کہ یہ جو امام کا قول ہے پھر اس کے اوپر عمل ہوگا۔یہ ما انزل اللہ والے ہیں جی۔پوچھتے ہیں یہ سارے کہ صاحب! قرآن اس قوم کے پاس محفوظ شکل میں ہے آخری کتاب خدا کی اور اس کی حالت یہ ہے کہ اتنے سے معاملے میں بھی ان میں اتفاق نہیں ہو رہا کہ نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں آمین کہاں اونچی کہی جائے گی نیچی کہی جائے۔کوئی بات ایسی نہیں جس پہ یہ متفق ہوں۔اور قرآن میں یہ کہا ہوا ہے کہ اس کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں اختلاف نہیں۔اور اس امت کی کیفیت یہ کہ ایک فرد دوسرے فرد کے ساتھ متفق نہیں فرقے تو

ایک طرف رہے۔ یہ ہوا کیا۔ ہر ایک کا عمل اس کے زعم اور عقیدے کے مطابق ما انزل اللہ کے مطابق' لیکن بس اتنی سی بات ہی ہے اس کے اندر کہ ما انزل اللہ ہر ایک کا اپنا اپنا۔ یہ تو ابھی وہ ہیں کہ جو بہرحال کسی لکھی پڑھی چیز کو سند مانتے ہیں' وہ ما انزل اللہ والے اس سے بھی آگے بڑھے۔

انہوں نے کہا کہ ہمیں اس ما انزل اللہ کی کوئی پرواہ نہیں ہم اس کو سند اور حجت نہیں مانتے جو یہ لوگ انسان کہتے ہیں۔ ہم تو روز اللہ میاں سے پوچھ آتے ہیں صاحب۔ روز نہیں ہر رات کو۔ براہِ راست اس سے علم حاصل کرتے ہیں۔ اب اس ما انزل اللہ میں تو کوئی شبہ ہی نہ رہا صاحب۔ تمہارے ہاں تو پھر بھی کسی واسطے سے آیا ہوگا اور نہیں تو معاف رکھے "نقل کفر کفر نہ باشد" باتیں کہنی پڑتی ہیں۔ قرآن بھی وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی معرفت آیا تھا درمیان میں آ گئی نا ایک کڑی۔ ابن عربی کہتے ہیں کہ جس مقام سے رسولِ خاتم النبیین ﷺ جا کے لیتے تھے ہم ہمارے غوث' قطب' ابدال براہِ راست وہیں سے جا کے لے آتے ہیں۔ رسول کا واسطہ بھی درمیان سے ختم۔ یہ کس کا ما انزل اللہ زیادہ معتبر ہوا جی؟۔ یہ بھی سارا ما انزل اللہ۔ اور یہ ابن عربی اس چکر میں ڈال گیا ہے آپ کے ہاں کے یہ سارا تصوف جو گھوم رہا ہے۔ یہ براہِ راست خدا سے علم حاصل کرنے والے سارے اس کے چکر میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان میں سے کسی کی کوئی تعلیم لیجیے کوئی عقیدہ لے لیجیے کہیں نہ کہیں سے جا کے ابن عربی کے ہاں سے وہ مل جائے گی بات۔ براہِ راست خدا سے لیتے ہیں' چلے ہوئے ہیں آپ کے ہاں کے عقیدے۔ پیر و مرشد وہاں سے لیتے ہیں' غوث و قطب وہاں سے لیتے ہیں' مامور من اللہ وہاں سے لیتے ہیں' مجدد وہاں سے لیتے ہیں' آخر میں آ کے تو مہدی وہاں سے لیتے ہیں۔ یعنی براہِ راست وہاں سے لیتے ہیں ما انزل اللہ۔ دیکھا آپ نے صاحب! ایمان اس پہ موجود کہ من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون (5:44) جو ما انزل اللہ کے مطابق فیصلے نہ کرے وہ کافر ہوتے ہیں۔ اور انہوں نے کہا کہ ایمان ہے اس کے اوپر ہمارا صاحب' پھر؟ بس ما انزل اللہ بدل لیا نا جی۔ یہ ہے جو آپ کے ساتھ ہوا ہے۔ عزیزانِ من! ویسے کوئی بھی کچھ نہیں کہہ سکتا اس عمر میں تو میں بہرحال یوں بھی کہہ سکتا ہوں زندگی کا کیا بھروسہ' آپ احباب اس کے شاہد رہیے یہ قرآن میرے سامنے ہوتا ہے۔ یاد رکھئے گا یہ مسلمان موجودہ اور اسکے بعد آنے والی نسلیں جب تک اپنے متوارث عقائد جو ان کے ہاں چلے آ رہے ہیں اس طرح سے اور اس میں ان شخصیتوں کو انہوں نے معبود بنا رکھا ہے جن کی طرف اس ما انزل اللہ نسبت کی جاتی ہے پہلے دور کا ہو یا آخری دور کا' نام کچھ بھی اس کا رکھ لیا جائے جب تک یہ اس متوارث عقیدوں کے اندر چلے آئیں گے یاد رکھئے گا یہ کبھی اسلام کے اوپر نہیں آ سکیں گے۔ اس میں پیوند سازی کا سوال ہی نہیں ہے اس میں آپ اصلاح نہیں کر سکتے یہاں جڑ اور بنیاد جو ہے وہ بگڑ چکی ہوئی ہے۔ ابھی آگے بات آتی ہے قرآن نے کہا ہے کہ جو تم میں سے پھر اس دین سے پھر جائے گا پھر تمہاری جگہ خدا ایک اور قوم کو لے کے آئے گا۔ اور اس قوم کی کیفیت پہلی یہ ہوگی کہ شخصیتیں اس کے راستے میں نہیں آئیں گی وہ براہِ راست ما انزل اللہ کے اوپر آئے گی اور ما انزل اللہ اسکے نزدیک صرف یہ

قرآنِ کریم ہوگا خدا کی آخر مکمل غیر متبدل کتاب۔ اس شان کی کتاب کہ

؎ ترا کشید و دست از قلم کشید خدا

خواہ وہ غیر مسلم قوم اسلام لائے صرف قرآن کی رو سے اسے اس کے علاوہ کچھ اور نہ بتائیں اور خواہ آپ اپنی نئی نسل کی تعلیم اس طرح سے کرلیں کہ وہ ان فضاؤں سے غیر متاثر رہے اور یہ قرآنِ خالص جو ہے وہ اس قوم کو دیجئے علمِ حاضر کی روشنی میں ' نور اور ہدایت ' راستہ متعین۔ روشنی دیجیے عقل وفکر کی دلائل وشواہد کی اس کو روشنی دیجئے ' علوم انسان کی روشنی دیجئے ' فکر وتدبر سے اس کو قرآن سمجھائیے۔ یہ جو ایک جنریشن اس طرح سے اگر وہ اسلام لے آئی اور مسلمان ہوئی تو وہ ماانزل اللہ کے مطابق حکومت کرنے والی قوم ہوگی۔ شخصیتیں اس راستے میں کہیں نہیں آئیں گی پہلی چیز یہ ہے۔ یہ جسے قرآن نے بار بار اربابًا من دون اللہ کہا ہے یہ ہیں کون؟ خدا سے ورے ہی یہ بڑے بڑے معبود۔ کسی کی بات کو جب آپ تنقید سے بالاتر قرار دے لیں گے اور سند وحجت قرار دیں گے وہ ارباب من دون اللہ میں آ جائے گا۔ یہاں کسی سے آپ بات کیجیے اسلام کی وہ خدا تک کوئی پہنچتا ہی نہیں ہے ' فلاں امام نے یہ کہا فلاں مفسر کا یہ قول ہے فلاں محدث کا یہ ارشاد ہے فلاں کتاب میں یہ لکھا ہے۔ او بابا! اس کے متعلق بھی یہ کچھ کیجئے ' وہ کہتے ہیں کہ نہیں یہ تو بخشش کے لیے ہے اس کے ایک ایک حرف سے دس دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ یہ تو ہے اس مقصد کے لیے۔ نہیں عزیزانِ من! سن رکھئے گا یہ چیز ' شاید پھر موقع نہ ملے۔ صرف وہ مسلمان کہلانے کا حق ہوگا مومن کہلانے کا ' صرف وہ جماعت وہ قوم اسلام پہ ہوگی خدا کے دین کے اوپر ہوگی جو اس ماانزل اللہ کو جو دفتین کے اندر محفوظ ہے خدا کی طرف سے اسے دین میں سند وحجت مانے گی۔ اور اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی آتی ہے نا جس کے متعلق ایمان ہے ہمارا کہ

؎ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

سیدھی سی بات ہے۔ لیکن بعد از خدا بزرگ توئی۔ حضور ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہمارے لیے شمعِ ہدایت ہے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ قرآن کا کمال یہ ہے کہ وہ اسوۂ حسنہ جو ہے وہ خود قرآن کے اندر محفوظ ہے۔ اس کے بعد تاریخ میں جو کچھ آپ کو ملے اگر وہ اس اسوۂ حسنہ کے مطابق ہے سمجھ لیجیے کہ صحیح ہوسکتا ہے اگر نہیں ہے تو اس کی نسبت کتنی بڑی سے بڑی شخصیت کی طرف بھی کیوں نہ کر دی جائے کہہ دیجیے یہ انسانوں کا قول ہے خدا کا نہیں ہے۔ جس قوم میں جس گروہ میں جس جماعت میں جس فرد میں یہ جرآت ہوگی ایسا کہنے کی وہ ان شخصیتوں کو کہ جسے اس نے اپنے اس کعبۂ دل کے اندر بت بنا کے رکھا ہوا ہے گوسالۂ سامری کی طرح جلا کر پیس کر دریا میں پھینک دینے کی جرآت رکھے گا۔ جو یہ رکھے گا وہی صاحبِ ضربِ کلیم ہوگا وہی اسلام پہ ہوگا اسی کو مومن کہا جائے گا اسی کے متعلق یہ آئے گا کہ (من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون) (5:44)۔ یہ ہے

عزیزانِ من! اسلامؐ یہ ہے دین۔(ولا تتبع اھوآء ھم عما جآء ک من الحق) (5:44)وہی ٹکڑا جو میں نے ابھی عرض کر دیا کہ اس راستے میں انسانی جذبات حائل ہونگے۔کیا بات ہے اس کتابِ عظیم کی عزیزانِ من! کس طرح نکھار اور ابھار کر ان چیزوں کو واضح لاتا ہے۔کہتا ہے اس میں نہ آ جایئے گا۔یہ عزیزانِ من! چیز ہے میرا ذاتی تجربہ یہ ہے اب تو کم از کم مسلسل درس دیتے ہوئے بھی مجھے بیس سال ہو گئے ہیں۔ سینکڑوں ہزاروں افراد اس درمیان میں آئے گئے وہ لوگ بھی ہیں جو مسلسل درس میں بھی آتے ہیں متواتر آتے ہیں اکثریت سے آتے ہیں وہ بھی میرے سامنے ہیں۔لیکن کیفیت یہ ہے یہاں کہ ہر شخص اپنا اپنا ایک عقیدہ ایک نظریہ ایک شخصیت وہ لیے ہوئے آتا ہے قرآن سننے کے لیے۔(الا ما شآء اللہ) ۔جو بات تو اس کی اس نظریے اس عقیدے یا اس شخص کے کسی قول کے مطابق اس میں سے ملتی ہے سبحان اللہ جھومتا ہے اتنے حصے کو تو وہ صحیح سمجھ کے چلا جاتا ہے اور جو اس کے خلاف جاتی ہے اسکے بعد یہ کہ جی! پرویز صاحب ایک نیا ہی دین ایجاد کر رہے ہیں' وہ نیا دین ہوتا ہے۔ میرے ساتھ ساتھ چلتے ہیں یہ' میں نے دیکھا ہے بہت سے قریبی لوگ ہیں چلتے ہیں۔جب دوسروں کے معبودوں پہ پڑ رہی ہوتی ہے تو بہت خوش ہو رہے ہوتے ہیں' کیا کہہ دیا آپ نے پرویز صاحب!! بہت صحیح بات کہی بالکل ٹھیک ہے۔اور چلتے چلتے جب ان کے معبود کی باری آ جاتی ہے تو وہ وہ جاتے ہیں چوراہے میں کھڑے ہو گئے کہ صاحب پتہ نہیں یہاں کیا ہوتا ہے۔یہاں تو خدا کے سوا کوئی معبود بھی باقی نہیں رہے گا عزیزانِ من!۔ کسی نے اگر قرآن سے نفع حاصل کرنا ہے تو اس کے لیے پہلی چیز یہ ہے(من یکفر بالطاغوت و یؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقٰی ؟؟؟)

یہ جتنی شخصیتیں آپ کے حریم کعبہ کے قلب کے اندر پیوست ہیں پہلے انہیں نکالنا پڑے گا پھر خدا کی طرف آنا پڑے گا بڑا غیور ہے وہ۔وہ تو جب تک کعبے کے ان محسوس بتوں کو بھی نکال لیا تھا حضورﷺ نے اس کے اندر قدم نہیں رکھا تھا۔اسے تو قرآن کچھ فائدہ دے گا۔اور اگر یہ چیز نہیں ہے تو پھر معاف رکھیئے وہی لفظ پھر وہ پنجابی کا ہی آتا ہے مجھے ''فیر تے ٹھرک پورا کرن والی گل ہیگی'' کچھ فائدہ نہیں ہے۔یہاں آنا ہے تو اس طرح سے آنا ہو گا من یکفر بالطاغوت' لا الہٰ لا الہ کہتے ہوئے آتے چلے جایئے ہر الہ کو توڑتے چلے جایئے۔یہ الہ کہیں باہر نہیں ہوتے عزیزانِ من! الہ آپ کے قلب کے اندر ہوتے ہیں۔اور اس کے بعد پھر الا اللہ آتا ہے۔وہ قدم ہی نہیں رکھتا اس گھر کے اندر جہاں پہلے کوئی بیٹھا ہوا ہو۔(ولا تتبع اھوآء ھم عما جآء ک من الحق) (5:48)اب آگے بات چلی کتنی عظیم بات یہ کہہ گیا ہے۔(لکل جعلنا منکم شرعۃً و منھاجًا) (5:48)اتنا سا ٹکڑا لے کے' میں نے کہا تھا کہ قرآن کے سمجھنے کا ایک یہ بھی طریق بنایا ہوا ہے لوگوں نے وہ اتنا سا ٹکڑا انہوں نے لیا لا تقربوا الصلوٰۃ والا اور اسی پہ قائم ہیں قرآن یہ کہتا ہے۔اتنے سے ٹکڑے کے معنی یہ کر دیے کہ ہم نے ہر قوم کے لیے ایک شریعت ایک منہاج بنا

دی صاحب۔ چلئے آ گئے مولانا ابوالکلام آزاد: عالمگیر سچائیاں تمام مذاہب میں یکساں طور پہ موجود ہیں' ہر ایک کے لیے خدا نے یہ بنا دی ہیں۔یعنی یہ بت پرستی' یہ اشخاص پرستی' یہ باطل پرستی' یہ جھوٹ' یہ ٹھگ بازی یہ سب کچھ وہ جتنی بھی دنیا کے اندر شریعت کے نام سے منہاج کے نام سے شریعت بھی نہیں منہاج' جو راستے لوگوں نے اختیار کر رکھے ہیں وہ جتنے بھی ہیں بس ایک لفظ **جعلنا** کہا اور انہوں نے کہا یہ سب خدا کے بنائے ہوئے ہیں ان کے لیے' بھئی! اس میں کیوں جھگڑتے ہو' رام بھی وہی رحیم بھی وہی

؎ گنگا ایک گھاٹ بہتیرے؟؟ کبیر عقل کے پھیرے

یہ جتنی شریعتیں منہاج ہیں سب خدا کی بنائی ہوئی ہیں۔یا اللہ۔غور کیجیے! اس Context میں یہ آیت آتی ہے کہ **من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون** (5:44) کہ جو ما انزل اللہ کے مطابق نہیں فیصلہ کرتا وہ کافر ہے۔اور اس کے ساتھ یہ کہ صاحب ہر شریعت ہر راستہ خدا کا بنایا ہوا ہے جو جس کے اوپر چلے میاں۔سانس بھی پورا نہیں ہوا تو قرآن نے بات سمجھائی کہ وہ کیا کہتا ہے۔(**و لو شآء اللہ لجعلکم امۃً واحدۃ**) (5:48) کہا کہ تمہارے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو گا نا کہ جب خدا ہی نے انسانوں کو بنایا خدا ہی نے اپنی یہ شریعت دی اپنا یہ دین دیا تو اس نے انسانوں کو ایسا بنا کیوں نہیں دیا کہ وہ سارے ایک ہی شریعت کے اوپر چلتے۔انسان کو مجبور کیوں نہ پیدا کر دیا جس طرح کائنات کی دوسری چیزیں مجبور ہیں۔ہر مخلوق کے لیے اس نے ایک شریعت دیدی بکری کی شریعت یہ ہے کہ وہ گھاس کھاتی ہے گوشت نہیں کھاتی' شیر کی شریعت یہ ہے کہ وہ درندہ ہے گوشت کھاتا ہے گھاس کی طرف منہ نہیں کرتا۔بکری کا بچہ کہیں نہ تعلیم حاصل کرنے جاتا ہے نہ بکریوں کی طرف کبھی کوئی پیغمبر آتا ہے وہ مسلسل اور متواتر اس راستے پہ چلے جا رہے ہیں۔کہا کہ یہ ہمارے لیے کچھ مشکل نہیں تھا کہ اگر ہماری مشیت میں یہ ہوتا تو انسانوں کو بھی ایسا پیدا کر دیتے۔قربان جاؤں قرآن کے عزیزانِ من! کیا بات کہہ جاتا ہے۔(**ولٰکن لیبلوکم فی ما اتکم**) (5:48) اس سے ہوتا یہ کہ پہلے دور کا بکری کا بچہ جو کچھ تھا آج بھی بکری کا بچہ جو آتا ہے وہ وہی کچھ ہوتا اس سے آگے کچھ نہیں ہوتا' پہلے دن جس طرح سے وہ پیدا ہوتا ہے مرتے دم تک وہ بکری کا بچہ رہتا ہے وہی خصوصیتیں اسکے اندر ہوتی ہیں مجبور جسے پیدا کر دیا جائے اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے۔انسانوں کے اندر ہم نے بڑی مختلف قسم کی صلاحیتیں دی ہیں اور صلاحیتوں کی نشوونما اور نمو اس طرح سے ہو سکتی تھی کہ انہیں صاحب اختیار بنایا جاتا کہ خود راستے چنو اپنے لیے۔مجبور تو مشین ہوتا ہے مشین کی صلاحیتوں کی نشوونما کا سوال نہیں ہے۔لیکن انسان کو تو ایک خلق؟؟ قرآن نے کہا ہے ایک اور عجیب قسم کی مخلوق ہم نے اس کو پیدا کیا ہے اس کے اندر ممکنات کی ایک دنیا مضمر کر کے رکھ دی بڑی لامنتہا Potentialities اس کے اندر رکھی ہوئی ہیں۔اس کی برومندی کا تو طریقہ ایک ہی ہے کہ قدم قدم کے اوپر Two Possibilities اس کے سامنے آئیں دو ممکنات آئیں۔مجبور کے سامنے دو ممکنات نہیں ہوتیں

ایک ہی راستہ ہوتا ہے۔ دو آ ئیں اور وہاں کھڑا ہو کے پھر یہ سوچے فیصلہ کرے غور وفکر کرے اس کے بعد ایک فیصلہ لے۔ غلط فیصلہ لیا گیا ہے تو واپس لوٹے تجربہ حاصل کرے By Process of Elemination صحیح راستوں کے اوپر آ ئے۔ کتنی صلاحیتیں جونشوونما پاتی چلی جاتی ہیں اس طرح سے۔ کہا اس لیے ان کو ایسا پیدا کیا ہے ہم نے۔ اور یہ جو تم دیکھتے ہو کہ مختلف لوگ مختلف راستوں پہ چل رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے انہیں مجبور نہیں پیدا کیا کہ ایک ہی راستے پہ چلتے رہیں۔ ہم نے کیا یہ ہے کہ (و ھدینٰھم نجدین) پیدا کیا' دونوں راستے اس کے سامنے واضح طور پہ رکھ دیے ہیں اور پھر ہم پیچھے ہٹ گئے۔ کہا کہ اب خود سوچو' راستہ تمہارے سامنے روشنی دیدی گئی ہے آنکھ تمہاری جو ہے بینا پیدا کر دی گئی ہے بات سمجھا دی گئی ہے نہیں سمجھائی تو خود سمجھ لو زمانے کے حالات سے مطالعہ کرو (والعصر) تمام تاریخ انسانیت اپنے سامنے رکھو۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد ٹھیک ہے دو راستے ہیں ان میں سے ایک پہ چلو۔ (ولٰکن لیبلو کم فی ما اٰتکم فاستبقوا الخیرٰت) (5:48) چلو اب اس دوراہے پہ کھڑے جو ہو گئے ہو وہ جو صحیح راستہ ہے۔ دیکھئے یہ خیرات کا لفظ قرآن عجیب ہے صاحب!! ویسے تو خیر اور خیرات نیکی بھلائی اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے' یہ ترجمے صحیح نہیں ہیں۔

یہ خیرات اور اختیار اس کا تو ایک ہی مادہ ہے یہ انسانی اختیارات کی وسعتیں ہوتی ہیں اس سے۔ جس قدر زیادہ راستے کے اندر یہ دوراہے آ ئیں گے رکاوٹیں آ ئیں گی سنگلاخ وادیاں آ ئیں گی نہر کے آگے فالز آ ئیں گی پتھروں کی ان سے وہ ٹکرائیں گی اتنی ہی زیادہ ان کی صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی چلی جائے گی۔ اختیار کے معنی یہ ہیں کہ چوائس اور انتخاب کا جو مادہ ہے وہ زیادہ وسیع ہوتا چلا جائے انسان کے لیۓ خیر اس کو کہا ہے قرآن نے۔ پہلی چیز تو اختیار کی جو اندر صلاحیت ہے اس کی وسعت ہونی چاہیے نا۔ اور پھر اس کے بعد کہ یہ اختیار میں نے استعمال کس طرح سے کرنا ہے یہ دوسری چیز ہے جو اس کو خدا کی ہدایت سے لینا چاہیے (استبقوا الخیرٰت) (5:48)۔ (الی اللہ مرجعکم جمیعًا فینبئکم بما کنتم فیہ تختلفون) (5:48) اس کا بھی عام ترجمہ یہی ہوتا ہے کہ خیر! آ خر الامر تم نے جمع ہونا ہے وہاں وہ تمہیں بتائے گا جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے۔ ٹھیک ہے آخرت پہ ہمارا ایمان ہے اور ایمان بالآخرت تو وہ بنیاد ہے جس کے اوپر اسلام کی عمارت استوار ہوتی ہے اس سے انکار کیا ہے۔ لیکن ہر آیت کے معنی تو یہ نہیں ہیں' بات تو یہ ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ اچھا یہاں تو جتنے اختلاف ہیں کر لو وہاں قیامت میں تم نے آنا ہے وہاں یہ بتایا جائے گا کہ کونسا راستہ صحیح تھا کونسا غلط تھا۔ وہاں اس کا فائدہ کیا ہو گا۔ وہاں تو جو کچھ یہاں کیا ہوا ہے بویا ہوا ہے وہ کاٹنا ہے۔ یہ بات بڑی گہری ہے اور قرآن کے بڑے مقامات ہیں جس میں یہ قرآن نے یہ کہا ہے کہ ایک تو طریقہ یہ ہے کہ یہ تمہارے سامنے ہم نے یہ دیدیا ضابطۂ ہدایت' غور کرو فکر کرو سمجھو تجربے سے مشاہدے سے مطالعہ سے اور اس کو اختیار کرو۔ اگر وہ قوم اس طرح سے اختیار نہیں کرتی تو اس نے کہا کوئی بات نہیں ہے

یہ نہیں کہ اس کے بعد پھر ہم خاموش بیٹھ گئے ہوئے ہیں کہ خیر انسان جیسے جا رہا ہے جا رہا ہے۔ ایک اور پراسیس ہے انسانیت کے لیے وہ طریقِ کار ہے عقل کا طریقہ کار Experimental جسے آپ کہتے ہیں تجرباتی طریقہ ہے۔ پہلے دور کا انسان تاریخ میں آپ دیکھئے جہاں سے وہ چلا غاروں میں رہنے والا درختوں کے اوپر چڑھ کے رات بسر کرنے والا۔ وہاں سے انسان شروع ہوا ہے آپ دیکھئے کہ کن کن وادیوں سے اور راستوں سے گذرتا چلا آ رہا ہے پچھلی نسل کے تجربے منتقل ہو کے آگے آ رہے ہیں تاریخ اس کا نام ہے۔ اور قرآن نے اسی لیے تاریخ کو بڑی اہمیت دی ہے۔ یہ صرف انسان میں ہے کہ پچھلی نسل کا تجربہ جو ہے وہ منتقل ہو کے آگے بڑھتا ہے۔ اور اس طرح سے Accumilative جو Knowledge ہے انسان کا' اجتماعی طور پہ بڑھنے والا' ہر آنے والی نسل پچھلی نسل کے مقابلے میں علم کے اعتبار سے ایک قدم آگے ہوتی ہے۔ انسانیت کا کارواں اس طرح سے بڑھتا چلا جاتا ہے اپنے ساتھ اپنے اسلاف کی دنیا ان کا نچوڑ ان کے نتائج یہ متاع لیے ہوئے آگے چلا جاتا ہے۔ اور یہ ہے اسلام کا دعویٰ کہ ایک دور ا ہے کے اوپر قوم غلط فیصلہ کر سکتی ہے اور کرتی ہے لیکن تجربات کے بعد آپ دیکھئے گا بار بار تجربے کے بعد ٹکریں کھانے کے بعد آگ کی خندقیں پھاندنے کے بعد خون کے دریاؤں کو پار کرنے کے بعد قومیں جب اس طرح سے آخر میں آتی ہیں تو اسی نقطے کے اوپر آتی ہیں جو وحی نے کہا تھا کہ یہ صحیح راستہ ہے۔ یہ بھی ایک پراسیس ہے اسے زمانے کے تقاضے کہا جاتا ہے۔ آپ دیکھیں گے انسانیت کی تاریخ میں کہ اسی طرح سے بھی چلی آ رہی ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے وہ کہتا یہ ہے کہ وحی کی راہنمائی کو تم فوراً قبول کر لو تو ان مشقتوں سے بچ جاؤ گے کہ جن کے اندر سے پڑ کے پھر انسانیت نے وہاں پہنچنا ہے۔ اور اگر یہ طریق انسان نے اختیار نہ کیا تو پھر اپنے اس پراسیس کے ذریعے سے پٹتا ہوا مار کھاتا ہوا لٹتا ہوا رہزنوں سے قزاقوں سے جنگوں میں سے خوں ریزیوں میں سے فساد انگیزیوں میں سے (خود ملائکہ نے اس کے خمیر دیکھی تھیں) ان میں سے گذرتا ہوا وہ بالآخر اس طریق سے بھی جہاں آخر میں آ کے پہنچے گا حقیقت تک پہنچ جائے گا۔ وہاں پہنچنے کے بعد انسان کا یہ Accumilative تجربہ' وحی کا یہ سبق جو ہے وہ ایک منزل ہوتی ہے۔ فرق یہ ہے کہ یہ راستہ بڑا لمبا ہے بڑی مشقتوں اور مصیبتوں اور صعوبتوں سے بھرا ہوا ہے' وحی کا راستہ بڑا آسان ہے پر امن ہے اس میں یہ چیزیں نہیں ہیں۔ وہ چیز جو اقبالؒ نے کہی اور کئی دفعہ سامنے آئی کہ

هر دو امیرِ کارواں هر دو بمنزل رواں
عقل به حیله می رود عشق برد کشاں کشاں

دونوں امیر کارواں ہے دونوں ہی منزل کی طرف لے جا سکتے ہیں فرق اتنا یہ ہے کہ عقل جو لے جاتی ہے ذرائع سے' وسائل سے' اسباب کے ذریعے سے' پیچ در پیچ راہوں میں سے گذرتی ہوئی' تجرباتی طریقے سے غلطیاں کرتی ہوئی۔ اور (عشق کے معنی وحی) وحی کی روشنی یوں کھینچ کے لے جاتا

ہے۔ یہ سوال کا وہ جواب ہے جو حساب کی کتاب کے آخر میں دیا ہوا ہوتا ہے یہاں سوال ہوتا ہے وہاں جواب دیدیا ہوا ہوتا ہے۔ بچہ سوال حل کر کے وہ اگر پاس اس کے موجود ہے اس سے فوراً دیکھ لے کہ صحیح ہے یا نہیں' صحیح نہیں ہے تو اسی وقت صحیح کر لے۔ اگر وہ حصہ اس کے پاس نہیں ہے تو پھر وہ ٹکریں مارے گا۔ اپنی دانست میں صحیح سمجھے گا کہ میں نے سوال صحیح نکالا ہے' پتہ اس وقت لگے گا جب دوسرے دن صبح ماسٹر جی کی طمنچی پڑے گی کہ یہ کیا لے آیا کر کے۔ وحی سوالات کا جوابات ہے جو انسانی زندگی کے ضابطے کے ساتھ پیوست کر دیتا ہے۔ اور یہیں پھر قرآن نے کہا ہے **(و ان احکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھوآءھم)** (5:49)

پھر تاکید کہ یاد رکھو ما انزل اللہ کے مطابق فیصلے کرو' کسی کے جذبات کی کوئی رعایت نہ کرو' کسی کے جذبات کا اتباع نہ کرو۔ آگے بڑی تاکید ہے ایک چیز کی جہاں آ کے ہم لٹے ہیں۔ **(واحذرھم ان یفتنوک عن بعض ما انزل اللہ الیک)** (5:49) بڑے محتاط رہنا اس بات سے کہ یہ جتنی قوتیں باہر پھر رہی ہیں یہ ما انزل اللہ کے کسی نہ کسی حصے سے تمہیں ورغلا دیں گی لے جائیں گی دوسری طرف۔ اس قسم کے عقائد در آئیں گے تمہارے کہ ہاں صاحب! یہ بھی ما انزل اللہ کا ہی دوسرا حصہ ہے جو وحی غیر مکتوب ہے اسی کے مطابق ہی چلنا چاہیئے' یہ صاحب براہِ راست علم حاصل کرنے والے ہیں یہ ما انزل اللہ تو بالکل Pure شکل کے اندر آتا ہے اس کو بھی لے لو۔ **(فان تولوا)** (5:49) اب آ گئی ہماری داستاں۔ اگر یہ اس سے اعراض برتیں روگردانی کریں خالص ما انزل اللہ کی بجائے ان چیزوں کو ما انزل اللہ قرار دے کے اس کے پیچھے ہو جائیں۔ **(فاعلم انما یرید اللہ ان یصیبھم ببعض ذنوبھم و ان کثیرًا من الناس لفٰسقون)** (5:49) پھر یاد رکھو! ان کے ان جرائم کی سزا مل کے رہے گی۔ اور سزا وہ ہوگی جو بنی اسرائیل کے قصے میں بتادی کہ **(و ذربت علیھم الذلۃ و المسکنۃ و ؟؟ بغضب من اللہ)** ذلت اور مسکنت ان کے پیچھے سائے کی طرح لگی ہوئی ہوگی جہاں جائیں گے ذلیل وخوار ہونگے۔ اقوام عالم میں ان کو کہا تھا فضلنا ہم نے تمہیں فضیلت دی اقوام عالم میں' پھر ان کی کیفیت یہ ہوگی وہ کہا ہے قرآن نے کہ اگر یہ کہیں چار دن جی سکیں گے تو کسی نہ کسی دوسری قوم کے سہارے سے جی سکیں گے۔ عزیزانِ من! یہ بنی اسرائیل کی داستاں نہیں ہے' ارے دل یہ تو اپنی داستاں معلوم ہوتی ہے' اگر یہ جی سکیں گے تو کسی نہ کسی دوسری قوم کے سہارے سے جی سکیں گے۔ اور یہ بدترین زندگی ہے عزیزانِ من! جو بھیک کے ٹکڑے مانگ کے کہیں سے کھانی پڑے۔ مومن سے تو یہ کہا گیا تھا کہ تو ہی غالب رہے گا **و انتم الغٰلبون** ۔ جسے غالب رہنے کے لیے پیدا کیا تھا اس کی کیفیت یہ ہو کہ بھیک کے ٹکڑے مانگ کے یہ طبعی زندگی بسر کرے انتہائی ذلت ہے عزیزانِ من!۔ **(ان یصیبھم ببعض ذنوبھم و ان کثیرًا من الناس لفٰسقون)** (5:49)۔ اب آخری چیز آ گئی۔ اس قرآن کے آنے کے بعد بھی **(افحکم الجاھلیۃ یبغون)** (5:50) کیا اس کے بعد بھی یہ زمانہ پری اسلامک جو تھا جس میں مذاہب

پھر رہے تھے یہودیت نصاریت مجوسیت وغیرہ کیا یہ بھی وہی کچھ چاہتے ہیں کہ وہی کچھ ہو جائے۔قرآن نے یہ کہا کہ کیا یہ بھی وہی حکم جاہلیت چاہتے ہیں۔اس قوم نے کہا کہ چاہتے ہیں اور بڑے زور سے چاہتے ہیں۔(ومن احسن من الله حكمًا) (5:50) ان سے کہو خدا سے زیادہ احسنؑ حسیں تریں فیصلے کرنے والا اور کون ہے۔لیکن کن کے لیے؟ (لقوم یوقنون) (5:50) صرف اس قوم کے لیے جو اس ما انزل اللہ کے اوپر یقین رکھنے والی قوم ہو اس کے لیے اس کے فیصلے بڑے حسین فیصلے ہیں۔زندگی حسین ہو جائے گی عزیزانِ من! معاشرہ حسین ہو جائے گا دنیا حسین ہو جائے گی کائنات حسین ہو جائے گی اگر اس حسین فیصلے دینے والے کی طرف آپ آ جائیں۔قرآن نے تو اعمال کو حسن عمل کہا ہے کہ اس سے حسین ہو جاتی ہے زندگی انسان کی بھی یہ کائنات بھی حسین ہو جاتی ہے۔ایسا نہیں ہے تو حکمِ جاہلیت کی طرف آتے چلے جایئے۔عزیزانِ من! سورۃ مائدہ کی آیت 50 تک ہم آ گئے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

دسواں باب: سورۃ المآ ئدۃ (آیات 51 تا 56)

عزیزانِ من! آج مئی 1971ء کی 16 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ المائدۃ کی آیت 51 سے ہو رہا ہے:(5:51)۔

قرآنِ کریم میں ایک دوسرے مقام پر ہے **سنریھم اٰیٰتنا فی الافاق و فی انفسھم حتٰی یتبین لھم انه الحق** کہ ہم خارجی دنیا میں اور ان لوگوں کی داخلی دنیا میں اپنی نشانیاں دکھاتے چلے جائیں گے تا نکہ آہستہ آہستہ رفتہ رفتہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ قرآن الحق ہے اس کی ہر بات اس کا ہر دعویٰ حقیقت پر مبنی ہے۔تو گویا قرآن کے یہ حقائق جو مستور رہتے ہیں زمانے کی لہروں کے اندر' یہ منکشف ہوتے ہیں بے نقاب ہوتے ہیں جوں جوں دنیا میں مختلف رموز و اسرار' حوادث اور واقعات کے ذریعے سے سامنے آتے جاتے ہیں۔ ہر نیا آنے والا واقعہ قرآن کے کسی دعوے کی صداقت کی شہادت بنتا چلا جاتا ہے۔تو اس اعتبار سے قرآنِ کریم بتدریج رفتہ رفتہ اپنے حقائق کھولتا ہوا زمانے کے سامنے لاتا ہے۔ یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ ہمارے ہاں یہ حال ہی میں جو حوادث ہوئے' جو آیات ہمارے سامنے آ رہی ہیں انہیں جب ان واقعات کی روشنی میں دیکھا جائے تو عجیب عجیب حقیقتیں سامنے آتی ہیں۔مشرقی پاکستان میں جو کچھ ہوا' پہلی ہی آیت میرے سامنے جو آ رہی ہے **یایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الیھود و النصٰرٰی اولیآء بعضھم اولیآء بعض و من یتولھم منکم فانه منھم ان الله لا یھدی القوم الظٰلمین** (5:51) قرآنِ کریم نے بتایا یہ ہے جیسا کہ سابقہ اتوار میرے خصوصی درس میں آپ احباب سن چکے ہیں کہ ایمان یا دین کے اشتراک کی بنا پر وہ ایک امت یا قوم کی تشکیل کرتا ہے اس میں نظریے کی وحدت' ان کے اندر وجہِ جامعیت بنتی ہے اس بنیاد پر یہ ایک قوم بنتے ہیں۔اور یہ چیز جو آپس میں جامعیت ہے اس کی بنیاد کیا ہو۔وہ تو ایک نظریے کی وحدت ہوگئی۔اس کے لیے Exclusiveness ضروری ہوتا ہے کہ جو لوگ اس نظریے سے اتفاق و اتحاد نہ رکھیں اسے تسلیم نہ رکھیں اسے نہ مانیں اس کی مخالفت کریں ان سے الگ رہنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔اور یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم نے متعدد مقامات میں جماعتِ مومنین سے یہ کہا ہے کہ تم اپنوں کے سوا کسی دوسرے کو اپنا دوست راز دار سرپرست انہیں بالکل نہ بناؤ۔ یہ سب **ولی** کے معنی میں آتے ہیں۔اس سے پیشتر سورۃ اٰلِ عمران کی آیات ہمارے سامنے آ چکی ہیں

ان کے چند الفاظ دہرادوں جہاں قرآنِ کریم نے کہا کہ **لا یتخذ المؤمنون الکٰفرون اولیآء من دون المؤمنین** (3:27) کہا کہ مومن کبھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ مومنین کے علاوہ کسی اور کو اپنا دوست یا رازدار یا سرپرست بنائے۔ وہ کرتے ہی نہیں ہیں ایسا۔ یعنی یہ ایک شرط ہے مومن ہونے کی کہ وہ ایسا کرتے ہی نہیں ہیں۔ **و من یفعل ذٰلک فلیس من اللہ فی شیءٍ** (3:27) اور جو ایسا کرے تو پھر خدا کے ساتھ اس کا کوئی واسطہ باقی نہیں رہ جاتا۔ یعنی یہ جو اس کا مومن ہونا تھا یا مومنین کی قوم کا فرد ہونا تھا اس کے لیے وجہِ اشتراک تو خدا تھا یعنی خدا پر ایمان، اس کے قوانین پر ایمان، اس کے رسول کی صداقت پر ایمان۔ اور جب وہ کہتا ہے کہ یہ زبان سے یہ مانتے رہیں اس پہ ایمان رکھیں اپنے آپ کا نام بھی مسلمان رکھیں، مردم شماری میں بھی اپنے آپ کو مسلمان لکھوائیں لیکن اگر وہ ان کے علاوہ ان کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا دوست بنا لیتے ہیں تو پھر وہ نہ اس جماعت کے فرد رہتے ہیں یعنی ایک لفظ ہے کہ **فلیس من اللہ فی شءً** (3:27) اللہ سے ان کا تعلق باقی نہیں رہتا۔ کتنی بڑی چیز ہے جو قرآن نے یہاں بتائی ہے۔ دوسرے مقام پہ جو کہا ہے **یـٰایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا بطانةً من دونکم** (3:118) اے جماعتِ مومنین! اپنوں کے علاوہ کسی اور کو اپنا رازدار نہ بنانا۔ **لا یالونکم خبالًا** (3:118) وہ تمہاری تباہی اور بربادی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے۔ تو میں نے کہا ہے کہ جب حوادث اور واقعات سامنے آتے ہیں تو قرآن کے یہ جو حقائق ہیں ان کے معنی مفہوم، نکھر، ابھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ وہ تمہاری تباہی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے۔ **ودوا ما عنتم** (3:118) وہ ہر وقت یہ چاہتے ہیں کہ تم کسی نہ کسی مصیبت میں پڑے رہو۔ جی سے یہ چاہتے ہیں کہ تم تباہ ہوجاؤ، برباد ہوجاؤ، مصیبت میں پڑے رہو۔ **قد بدت البغضآء من افواھھم و ما تخفی صدورھم اکبر** (3:118) کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بے ساختہ ان کی زبانوں سے کچھ باتیں نکل جاتی ہیں تو تمہیں معلوم ہوجاتا ہے کہ ان کے عزائم ان کے ارادے یہ ہیں لیکن یہ کبھی کبھی ہوتا ہے۔ ان کے سینوں میں جو کچھ چھپا ہوا ہوتا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ **قد بینا لکم الاٰیٰت ان کنتم تعقلون** (3:118) اگر تم عقل و فکر سے کام لو تو تم دیکھو گے کہ ہم نے بات کتنی واضح کر کے تمہیں سمجھا دی ہے۔ یہ آیت (3:119) آگے ہی چل کے یہ آگئی اس میں یہ کہا گیا ہے کہ تم دیکھتے نہیں ہو کہ تم ان کے ساتھ دوستیوں کے ہاتھ بڑھاتے ہو اور وہ عداوت اور دشمنی میں تمہاری تباہی اور بربادی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے۔ ان کی کیفیت یہ ہے۔ یہ ہے وہ کیفیت جو بتائی ہے۔ **اذا لقوکم قالوا اٰمنا** (3:119) یہ کون ہیں جن کے ساتھ دوستی کو بھی منع کیا ہے؟ جب تمہارے سامنے آتے ہیں تم سے ملتے ہیں

کہتے ہیں کہ بالکل صاحب! ہم تو تمہارے ساتھ ہیں قومِ مومنین کے فرد ہیں ہم ایمان رکھتے ہیں۔ **و اذا خلو عضوا علیکم الانامل من الغیظ** (3:119) جب الگ ہوتے ہیں تو غیظ اور غضب سے تمہارے خلاف دانتوں سے انگلیاں کاٹتے ہیں۔ دشمنی کی یہ کیفیت ہے ان کی۔ اور منافقت کا یہ عالم ہے کھلے ہوئے یہ بات نہیں کہتے۔ ابھی بات آتی ہے جو آیت میرے سامنے آج زیرِ تلاوت درس میں ہے وہاں یہ بات آتی ہے وہاں یہ واضح کرونگا کہ یہ سارا کچھ منافقت کے رنگ کے اندر کہتے ہیں۔ مسلمان بنے ہوئے' پاکستانی کہلاتے ہوئے' تم میں سے ہوتے ہوئے' یہ کہتے ہوئے کہ ہم سب کچھ تمہارے بھلے کے لیے چاہتے ہیں۔ کیفیت ان کی یہ ہے۔ **ان تمسسکم حسنة تسؤھم** (3:120) تمہارے حالات اگر خوشگوار ہوتے ہیں تو ان پہ مصیبت پڑ جاتی ہے' بے حد کبیدہ خاطر اس سے ہوتے ہیں کہ ان کے حالات اچھے کیوں ہو رہے ہیں۔ **و ان تصبکم سیئة یفرحوا بھا** (3:120) تم پہ مصیبت پڑتی ہے تو چراغاں کرتے ہیں' جشن مناتے ہیں' بڑے خوش ہوتے ہیں' یہ کیفیت ہے ان کی۔ ان سے بچنے کے لیے ایک ہی بات بتائی **و ان تصبروا و تتقوا لا یضرکم کیدھم شیئًا** (3:120) اگر تم قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرو اور سے سے ثابت قدمی سے جمے رہو تو ان کی سازش تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ آپ دیکھتے ہیں قرآن کے الفاظ کہاں آتے ہیں کیسے آتے ہیں! **کیدھم** ۔ یہاں کہا کہ اے جماعتِ مومنین! اپنوں کے علاوہ انہیں کبھی اپنا دوست نہ سمجھنا۔ **من یتولھم منکم فانه منھم** (5:51) بڑی گہری چیز ہے! تم میں سے جو ان لوگوں کے ساتھ دوست داری کے تعلقات رکھتا ہے انہیں اپنا سمجھتا ہے ان کے ساتھ ملنا چاہتا ہے تو یاد رکھیے! وہ پھر تم میں سے نہیں رہتا۔ کفر اور ایمان کے امتیازات آپ دیکھ رہے ہیں کیسے واضح طور پہ سامنے آجاتے ہیں۔ مسلمان ہیں' مسلمانوں جیسے نام ہیں' مسلمان کہلاتا ہے' مسلمان قوم کا فرد بنتا ہے' تم میں سے ہی ہوتا ہے' تم میں رہتا سہتا ہے' سب کچھ ہے۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ اس کے باوجود اگر وہ جماعت مومنین کے علاوہ کسی اور سے تعلقات دوست داری کے' رازداری' ولایت کے' سرپرستی کے رکھتا ہے تو پھر وہ تم میں سے نہیں رہتا۔ یہاں کسی ملا کے فتوے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے **فانه منھم** وہ تم میں سے رہتا ہی نہیں بلکہ وہ اُن میں سے ہو جاتا ہے۔ **ان اللہ لا یھدی القوم الظٰلمین** (5:51) یاد رکھیے! خدا کی رہنمائی' خدا کی ہدایت' ایسے لوگوں کو کبھی نہیں ملتی۔ قرآن نے اس کو ظلم کہا ہے کہ جو شے جس مقام پہ رکھنی چاہیے وہاں نہیں رکھی جا رہی۔ غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی جو نوعیت ہونی چاہیے' وہ تعلقات کی نوعیت نہیں رکھ رہے تو ان پہ تو کبھی کشاد کی راہ واضح نہیں ہو سکتی۔ یہ لوگ کون ہیں؟ **فتری**

الذین فی قلوبھم مرض (5:52) یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کے اندر منافقت کا مرض ہے۔ عجیب بات ہے۔ اب آپ دیکھیے حالیہ واقعات وحوادث میں؟؟؟؟ تو ایسا ہوتا ہے کہ جو بغاوت پہ ابھرتا ہے تو اپنے آپ کو باغی کہہ کے سامنے کہہ کے سامنے آتا ہے' Revoled کرتا ہے تو کھلے بندوں Revoled کرتا ہے۔ یہ کچھ بھی دنیا میں ہوتا ہے۔ اعلانیہ وہ کہے کہ ٹھیک ہے ہم اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں' ہم تمہارے خلاف بغاوت لے کے اٹھے ہوئے ہیں' تم سے کوئی واسطہ ہمارا نہیں ہے' اس کے لیے بڑی جرأت کی ضرورت ہے۔ یہ ایک اور انداز ہوتا ہے۔ ایک انداز یہ ہے کہ بغاوت کے جذبات دل میں پرورش پا رہے ہیں' عزائم یہی ہیں' دشمن کے ساتھ ساز باز ہو رہی ہے' برسوں سے یہ تعلقات وابستہ کیے جا رہے ہیں' اندر ہی اندر یہ تمام چیزیں جتنی بھی ہیں یہ لاوا پک رہا ہے۔ لیکن باہر سے آپ کے ساتھ ہیں' Constitutional Means اختیار کیے جا رہے ہیں۔ کہا یہ جا رہا ہے کہ ہم ان کی بنا پر ایک اسمبلی بنائیں گے' دستور بنائیں گے' تم میں رہیں گے' مرکز یہ ہوگا' Provinces یہ ہونگے' ان کے اندر اختیارات کی نوعیت یہ ہوگی۔ یعنی بالکل جیسے کہ آپ کی قوم کے افراد' دوسری پارٹیاں کرتی ہیں اسی طرح سے وہ وہ کچھ کر رہے ہیں لیکن دلوں کے اندر ایک مرض ہے منافقت کا۔ وہ بڑی مشکل سے کرید کرید کے آپ کو اس کے متعلق معلومات بہم پہنچانی پڑتی ہیں' ڈھونڈنا پڑتا ہے کہ اندر ان کے دلوں کے ارادے کیا ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ پچیس چھبیس مارچ تک ذہنوں کے اندر یہی تھا کہ یہ کچھ آئینی سا اختلاف ہے' یہ جو مرکز میں اور صوبوں میں کچھ اقتدارات اور اختیارات ہیں ان کے تقسیم کا سوال ہے۔ وہ یہی کہہ رہے تھے حالانکہ اس دوران میں بغاوت کے لیے جو کچھ ہونا چاہیے وہ سب کچھ انہوں نے کر رکھا تھا۔ دوسروں کے ساتھ دوست داری کے تعلقات ہی نہیں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر خود انہی میں سے ہو چکے ہوئے تھے' اُن کی فوجیں ملک کے اندر آ چکی ہوئی تھیں' ان کا اسلحہ آ چکا ہوا تھا' مداخلت کار آ چکے ہوئے تھے۔ اس سازش کی ساری تجاویز وہاں طے پاتی تھیں یہاں بروئے کار لائی جا رہی تھیں۔ لیکن آخری دن تک معلوم ایسا ہوتا تھا جیسے مسئلہ کوئی تقسیم سازی' آئین سازی' کی کچھ شقوں کا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ **فتری الذین فی قلوبھم مرض** (5:52) دلوں کا یہ مرض ہے۔ کہتا ہے یہ کاہے کے لیے سب کچھ کرتے ہیں؟ وہی سورۃ النسآء کی ایک آیت **بشر المنفقین** یہ منافق ہے' ذرا ان کو اعلان کر دیجئے' ایک چیز کی بشارت دیدیجیے کہ جو کچھ یہ کر رہے ہیں اس کا انجام **بان لھم عذاب الیم** بڑا دردناک عذاب ان کے لیے ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ عذابِ الیم قرآنِ کریم نے یہ کہا ہے۔ ان میں سے جتنے لوگ اس مخالفت میں میدانِ کارزار میں سامنے آ کے

اپنی موت مر گئے ان کو تو چھوڑ یئے جو ان میں سے زندہ ہیں اس کے بعد یہ عذابِ الیم کا تصور آپ کر سکتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ منافق تو ہر وقت ایک عذابِ الیم میں رہتا ہے۔وہ چاہتا کچھ اور ہے کرتا کچھ اور ہے' کہتا کچھ اور ہے ارادے کچھ اور ہوتے ہیں' یہ جو اس کے سینے کے اندر کشمکش ہوتی ہے Self Contradiction ہوتی ہے' اپنے ساتھ اس کی ایک جنگ ہو رہی ہوتی ہے۔یہ ہے جسے قرآن نے ان کے سینے کا مرض کہا ہے اور عذابِ الیم کہا ہے' بڑا دردانگیز' بڑا الم انگیز عذاب ہوتا ہے جس میں وہ محفوظ ہوتے ہیں۔کہتا ہے یہ کاہے کے لیے یہ کرتے ہیں یہ سب؟ **للذین یتخذون الکٰفرین اولیآء من دون من المومنین** یہ لوگ اپنوں کو چھوڑ کر غیروں کو اپنا دوست بناتے ہیں' چارہ ساز بناتے ہیں۔ء **یبتلون عندھم العزۃ** یہ ان کے ہاں اقتدار ڈھونڈنے جاتے ہیں' اختیارات ڈھونڈنے جاتے ہیں' صحبت ڈھونڈنے جاتے ہیں۔عزت عربی زبان میں صرف Respect کو نہیں کہتے' ہمارے ہاں تو یہ لفظ عزت جو ہے وہ عزت کے معنوں میں آتا ہے جسے Respect کہتے ہیں۔عربی زبان میں اس کے معنی غلبہ ہوتا ہے' اختیار ہوتا ہے۔یہ ان کے ساتھ سازش کر کے تو اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں۔انہیں کہہ دو **نشآء العزتہ اللہ ؟؟؟** اختیار و اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہو تو وہ تو یہ جو خدا کے نام کے اوپر یہ قوم بنی' یہ جماعت بنی' یہ مملکت بنی' یہیں رہ کر مل سکے گا۔دوسروں کے ہاں جاؤ گے بھی' سازش بھی کرو گے تو وہ تمہیں پھر بھی اپنوں میں سے کبھی نہیں سمجھیں گے وہاں ذلیل کے ذلیل رہو گے محتاج رہو گے محکوم رہو گے۔انہی کے اندر رہتے ہوئے تمہیں غلبہ اور اقتدار اور اختیار اور عزت اور آبرو مل سکتی ہے وہاں یہ چیز تمہیں نہیں مل سکتی۔یہ ہے منافقت کے انداز سے دوسروں کو اپنا بنانا' سازش کرنا' وہاں اقتدار چاہنا' اختیار چاہنا' یہ ہے جو کچھ ہمارے سامنے ہے۔تو اب نظر آتا ہے کہ قرآنِ کریم نے بیشمار مقامات میں یہ چیز کہی ہے کہ دیکھنا اپنوں کے سوا دوسروں کو کبھی اپنا دوست نہ بنانا' وہ دوست تمہارے بن ہی نہیں سکتے۔بات بڑی واضح ہے۔جب آپ نظریے کی بنیاد کے اوپر ایک قوم کی تشکیل کرتے ہیں ایک جماعت بناتے ہیں ایک امت بناتے ہیں تو دنیا میں جو شخص بھی اس نظریے کو صحیح تسلیم نہیں کرتا وہ تمہارا دشمن ہے۔قرآن میں تو بنیاد ہی قومیت کی نظریے کی وحدت ہے۔تو اپنوں کے علاوہ جتنے دوسرے ہیں ان میں سوال ہی نہیں ہے کہ وہ یہود ہیں وہ نصاریٰ ہیں وہ ہندو ہیں وہ کونسے کافر ہیں۔تمہارے نظریے کے ساتھ جو متفق نہیں ہیں تم ان میں سے نہیں ہو سکتے وہ تم میں سے نہیں ہو سکتے۔ان کے ساتھ قرآنِ کریم معاہدات کے ذریعے سے تعلقات وابستہ کرتا ہے۔دوست داری کے تعلقات کے اندر شرطیں نہیں ہوتیں معاہدے نہیں ہوتے وہ تو دونوں ایک ہو جاتے ہیں۔لیکن مختلف اقوام کے ساتھ جو تعلقات وابستہ ہوتے

ہیں معاہدات کی رو سے ہوتے ہیں۔قرآن ان اقوام کے ساتھ معاہدہ کرنے سے نہیں روکتا ان سے حسنِ سلوک کرنے سے بھی نہیں روکتا ان سے عدل اور انصاف کرنے کی تو تاکید کرتا ہے حکم دیتا ہے۔لیکن وہ کیفیت جو اپنوں کی ہوتی ہے ان سے وہ پیدا کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔تو Treaties کے ذریعے سے' معاہدات کے ذریعے سے آپ ان سے تعلقات وابستہ کیجیے۔معاہدے بن بھی سکتے ہیں معاہدے ٹوٹ بھی سکتے ہیں۔معاہدے کی رو سے انہی معاملات میں آپس میں صلح ہوتی ہے جو معاہدے کے اندر لکھے جاتے ہیں لیکن اگر یہ صورت ہو کہ آپ اپنوں کے خلاف سازش کریں دوسروں کے ساتھ مل کر تو یہ چیز وہ ہے کہ منافقت کے اعتبار سے آپ کرتے ہیں تو وہ تو پھر جہنم کے درکِ اسفل میں قرآن پھینکتا ہے۔کھلے بندوں بغاوت ہوتی ہے اور بغاوت کی سزا قرآن نے خود تجویز کر رکھی ہے۔لیکن یہ جو چیز ہے کہ فی قلوبھم مرضًا منافقت کی بنا پر تم سے ملتے ہیں تو تمہارے ساتھ ہوتے ہیں' بظاہر جو کچھ کرتے ہیں وہ یوں کرتے ہیں جیسے وہ تمہاری قوم کے افراد ہیں' اندر سے سازش ہو رہی ہوتی ہے ان کی دوسروں کے ساتھ۔اور وہ جو قرآن نے کہا ہے کہ ان کے ہاں بھی اقتدار اور اختیار اور عزت اور آبرو ڈھونڈتے ہیں۔یہ وہ منافق ہیں جن کے متعلق کہا کہ جب یہ کچھ کر رہے ہوتے ہیں تو اس وقت بھی عذاب میں ہوتے ہیں اور جب ان کی منافقت کا بھانڈا پھوٹ جاتا ہے اور اس کے بعد یہ راکھ تشت از بام ہو جاتے ہیں تو اس وقت بھی ان کے لیے عذابِ الیم ہوتا ہے۔اس سے پہلے کیونکہ ہمیں ذاتی طور پہ تجربہ نہیں تھا کہ اپنوں میں سے جو لوگ غیروں کے ساتھ مل کے اپنوں کے خلاف سازش کرتے ہیں قوم کو یہ کس قدر عظیم نقصان پہنچا جاتی ہے یہ چیز۔اس وقت تک قرآن کی ان آیات کا صحیح مفہوم جو تھا وہ ابھر کر ہمارے سامنے نہیں آتا تھا۔بس یہی چیز آتی تھی یونہی ایک نظری سی کہ ہاں صاحب! ٹھیک ہے قرآن کہتا ہے کہ اپنے علاوہ دوسروں کو دوست نہ بنایا کرو۔لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے ان واقعات کے بعد تو قرآن کی یہ آیتیں منہ بول رہی ہیں کہ معنی کیا تھے ہوتا کیا ہے قوموں کے ساتھ جب کسی قوم کے اندر سے کچھ لوگ اٹھ کر اپنوں کو چھوڑ کر غیروں کے ساتھ دوست داری کے تعلقات قائم کرتے ہیں پھر ان کے ساتھ مل کے سازش کرتے ہیں اور بظاہر اپنوں کے اندر ملے رہتے ہیں۔کتنا بڑا نقصان ہوتا ہے۔

1965ء کی جنگ میں ہمارے ساتھ یہ نہیں ہوا تھا اس لیے کہ وہاں مقابلہ ہمارا منافقین کے ساتھ نہیں تھا یہ صورت نہیں تھی کہ ہمیں معلوم تھا کہ اپنوں میں سے ہیں یا وہ ہمیں اپنوں میں سے کہتے تھے بلکہ وہ کھلے بندوں للکارے ہوئے میدانِ جنگ کے اندر ہیں۔اور وہ جو چیز تھی جب وہ

آمنے سامنے کی بات ہوئی ہے وہ سترہ دن کے اندر اندر آپ نے دیکھا کہ کس طرح سے لپیٹ کے رکھ دیا ہم نے انہیں۔ بالکل کھلے بندوں سامنے آئے ہوئے تھے۔لیکن یہ جن کی کیفیت یہ ہے کہ وہ آپ کے اندر آپ میں سے بنے ہوئے آخر تک رہ رہے ہیں۔اسی حصے میں ساری گفتگو یہاں ہورہی ہے کہ جیسے کچھ دستوری آئینی باتیں ہیں ان کا تصفیہ چاہتے ہیں۔اندر سے ایک گہری سازش ہورہی ہے۔میں کہتا ہوں اس سازش کا مقابلہ کرنا 1965ء کی جنگ کے مقابلے میں بہت زیادہ کہیں شدید تھا اور کہیں مشکل تھا۔عزیزانِ من! گھر کے اندر تو چھوٹے سے خاندان میں بھی کوئی ایک فرد بھی ایسا ہو جو گھر کی بہی خواہی نہ چاہتا ہو اور دوسروں کے ساتھ ملا ہوا ہو' آپ دیکھتے ہیں کہ کس قدر عذاب ہوجاتا ہے اس گھر کے اندر رہنا۔چہ جائیکہ ایک مملکت کے اندر' مملکت کا آدھا حصہ اوراس کے اندر وہ پوری کی پوری اس قسم کی قوم کی کیفیت یہ ہوجائے ۔لیکن کس قدر احسان ہے خدا کا' کس قدر مستحقِ سپاس گزاری ہیں وہ ذرائع جنہوں نے یہ کچھ کرکے ہمارے لیے دکھا دیا کہ اتنی بڑی سازش کو پھر بےنقاب کیا۔قرآن نے جو یہ کہا تھا کہ یادرکھو! جن کے ساتھ تم مل کے اپنوں کے خلاف سازش کرتے ہو وہ تمہارے اپنے نہیں ہوسکتے کبھی بھی۔یہ آیتیں جو ہمارے آئیں تو میں نے دیکھا یہ کہ یہ جو واقعات ہمارے سامنے اب آئے ہیں ان کی روشنی میں ان کے معنی اوران کے مفہوم جو ہیں کتنے نکھر کر ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔تو یہ چیز انفرادی نہیں ہے۔دین تو انفرادی ہوتا نہیں ہے۔یہ تو اجتماعی چیز ہے۔اوراس اجتماعی شے میں جب قوم یا امت یا ملت کا کوئی ایک گروہ یہ کیفیت اختیار کرلے کہ وہ اپنے آپ کو آپ میں سے کہے اور وہ ملا ہوا ہو دوسروں سے' وہ کتنی بڑی تباہی کا موجب ہوسکتا ہے۔**یقولون نخشٰی ان تصیبنا دآئرۃ** (5:52) جب پکڑے جاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ صاحب! بات یہ نہیں تھی کہ ہم آپ لوگوں کے خلاف ان سے ملے ہوئے تھے' ہم تو یہ چاہتے تھے کہ ان کی طرف سے کوئی ادھر کسی قسم کا حملہ نہ ہوجائے کوئی مصیبت نہ آجائے بس اس کی مدافعت کررہے تھے ہم' ان کے ساتھ تعلقات ہم تو خوشگوار اور وابستہ کررہے تھے تو وہ آپ کے خلاف بات نہیں تھی اصل میں' وہ تو یہ چیز تھی کہ ہم سمجھتے تھے کہ خوامخواہ کے لیے ملک مصیبت میں پڑ جائے گا ان کے ساتھ عداوت مول لے ان سے اگر دشمنی مول لے لی اس لیے ہم یہ کچھ چاہتے تھے۔**فعسی اللہ ان یاتی بالفتح ا و امر من عندہ فیصبحوا علٰی ما اسروی فی انفسھم نٰدمین** (5:52) کہا کہ یہ بکتے ہیں ان کے دلوں میں کچھ اور بات ہے اور کہتے یہ ہیں کہ ان کے ساتھ تو ہم تعلقات اس لیے وابستہ کررہے تھے کہ اس طرح سے پاکستان کی مدافعت اور حفاظت اوراس کی تقویت مقصود تھی' بالکل غلط کہتے ہیں۔لیکن خیر! یہیں کہا ہوا ہے کہ ذرا انتظار کیجیے چند ہی

دن کے بعد آپ دیکھیں گے کہ خدا تمہارے لیے کشاد کی راہ پیدا کر دے گا' تمہیں غلبہ حاصل ہو جائے گا' کوئی اور راستہ نکل آئے گا اس کے لیے اور پھر تم دیکھو گے کہ یہ لوگ جو سینے میں ان باتوں کو چھپاتے تھے ان کے راز کیسے افشا ہو کے سامنے آتے ہیں اور کتنی بڑی ندامت ان کو اٹھانی پڑتی ہے۔ ندامت کا تو اندازہ اس سے لگا لیجیے کہ جو لوگ ابھی ان میں سے باہر ہیں ان کی کیفیت یہ ہے وہ کہہ رہے ہیں کہ صاحب! ہمیں اس کا علم نہیں تھا کہ یہ جو ہماری جماعت' ہماری پارٹی ہے اس کے اندرونی عزائم یہ تھے ان کے ارادے اس قسم کے تھے' ہم تو ایک پارٹی سمجھتے تھے' ہمیں بے حد افسوس ہے اس بات کا کہ جو کچھ یہاں یہ ہوا۔ یعنی جس وقت انہیں ان پہ غلبہ حاصل ہو جائے گا جس وقت خدا کشاد کی راہ نکال دے گا اس وقت تم دیکھو گے کہ پھر ان کی کیفیت کیا ہوتی ہے۔ **و یقول الذین اٰمنوا اھؤلآء الذین اقسموا باللہ جھد ایمانھم انھم لمعکم** (5:53) تو اس وقت یہ جو صحیح مومن ہیں' جب ان کے سامنے منافقین کے چہرے بے نقاب ہو کے سامنے آئیں گے تو وہ کہیں گے کہ ارے! افوہ یہ لوگ ہیں' قسمیں کھا کھا کے ہم سے کہتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تم میں سے ہیں ہم کوئی غیر نہیں ہیں اسی مملکت کے رہنے والے' اسی قوم کے افراد ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قسمیں کھا کھا کے کہتے تھے کہ ہم تم میں سے ہیں۔ یعنی چہروں کے بے نقاب ہونے کے بعد خود ان افراد کو بھی حیرت ہوگی کہ صاحب! یہ اس قسم کے گہرے منافق نکلے' اتنی گہری سازش ان کی تھی کہ اتنے عرصے تک ہم سے یہ بار بار قسمیں کھا کھا کے کہتے رہے کہ ہم تمہی میں سے ہیں۔ لیکن کیفیت ان کی یہ نکلی کہ سامنے آتے تھے تو کچھ اور تھے پسِ پردہ ان کے متعلق معلوم ہوا تو کتنی بڑی گہری سازش تھی۔ **حبطت اعمالھم فاصبحوا خٰسرین** (5:53) ان کا سارا کیا کرایا غارت ہو کے رہ جائے گا اور بالآخر یہ دیکھیں گے کہ انہوں نے کتنا نقصان اٹھایا۔ عزیزانِ من! آپ دیکھ رہے ہیں۔ لیکن یہ چیزیں از خود نہیں ہوا کرتیں' قرآنِ کریم نے یہ بتایا ہے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی پیدا ہو جائے کہ جو پھر ان کی اس قسم کی سازشوں کی مدافعت کرے انہیں بے نقاب کرے تو پھر ان کو اس قسم کی ذلت اور رسوائیاں نصیب ہوتی ہیں۔ غنیمت ہے وہ قوم کہ جس میں ابھی ایسے افراد' ایسے گروہ' ایسی تنظیمات موجود ہوں کہ جو ان سازشوں کو بے نقاب کریں ان کا مقابلہ کریں ان کی مدافعت کریں پھر غلبہ حاصل کریں اور پھر یہ اس طرح سے ان کے صحیح چہرے قوم کے سامنے آ جائیں۔ عزیزانِ من! یہ غنیمت ہے جب تک قوم میں یہ کیفیت باقی رہے۔ اللہ کا احسان ہے کہ یہ کیفیت ابھی تک ہماری یہ ہے کہ **حبطت اعمالھم فاصبحوا خٰسرین** (5:53) ان کی وجہ سے جو ان کا مقابلہ کرنے کے لیے اٹھتے ہیں ان کے اعمال بے نتیجہ ہو کے رہ جاتے ہیں ان کی ساری

سازش جو ہے ناکام ہو کے رہ جاتی ہے اور پھر یہ دیکھتے ہیں کہ کتنے بڑے نقصان میں رہے۔ نقصان کا تو اندازہ آپ لگا سکتے ہیں۔ کل ہی یہ کیفیت تھی کہ خود انہوں نے تو ایک طرف رہا' قانونی اور آئینی حالات ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ خود صدرِ مملکت نے اس شخص کو پاکستان کا وزیرِ اعظم کہہ دیا تھا' کتنی بڑی عزت کا مقام تھا۔ لیکن اس کے بعد جب وہ کھلے بندوں سامنے اب آئے ہیں تو یہ بے نقاب ہوئے ہیں **فاصبحوا خٰسرین** (5:53) آج ان سے پوچھیے کہ کتنا بڑا نقصان ہے جس کے اندر وہ ہیں' زندگی کس طرح سے یہ گزر رہی ہے۔ یاد رکھیے! منافقت' سازش' اپنوں کے خلاف اس قسم کی غیبتیں' دوسروں کے ساتھ مل کے اپنوں کو یوں دھوکا دینا جو ہے' اس کا انجام یہی ہوا کرتا ہے اور یہ وہ انجام ہے جس کی بنا پر قرآن ہمیں تاکید کرتا ہے کہ آئندہ کے لیے ہر وقت اس کی احتیاط برتو اور ابتدا ہی سے دیکھتے رہو کہ اس قسم کے لوگ تمہاری قوم میں' جماعت میں' پارٹیوں کے اندر' سرایت نہ کر جائیں تو یہ بڑے ہی نقصان کا موجب ہوتے ہیں۔ اور اس کے بعد ہے وہ آیۂ جلیلہ۔ پھر سن لیجیے کہ یہ لوگ مسلمان کہلاتے ہیں' اس قوم کے افراد بنتے ہیں' کہتے یہ ہیں کہ یہی ہمارا وطن ہے' یہیں ہم نے رہنا ہے' انہی میں سے ہم ہیں لیکن کیا انہوں نے یہ ہے کہ اپنوں کو چھوڑ کر دوسروں کے ساتھ دوست داری کے تعلقات' رازداری کے تعلقات' ان کے ساتھ مل کے اپنوں کے خلاف ایک سازش کی ہے۔

قرآن کہتا ہے **یایھا الذین اٰمنوا من یرتد منکم عن دینه** (5:54) جو اپنے دین سے مرتد ہو جاتا ہے۔ میں نے لفظ مرتد خاص طور پر یہ بولا ہے۔ یاد رکھو! تم میں سے جو بھی اپنے دین سے مرتد ہو جائے گا۔ اب ہمارے ہاں تو مرتد ایک خاص اصطلاح بن گئی ہے۔ مولوی صاحبان فتویٰ دیدیتے ہیں کہ اس کے عقائد صحیح نہیں رہے' عقائد صحیح نہیں رہے تو مرتد ہو گیا۔ کفر کا فتویٰ جس مسلمان پہ لگا دیا جائے وہ مرتد ہو جاتا ہے۔ اور مرتد کی سزا ان کے نزدیک قتل ہے۔ لیکن آپ غور کیجیے گا کہ قرآن کس مقام پہ یہ مرتد کا لفظ لاتا ہے۔ مسلمان ہیں' عقائد کے متعلق کوئی کسی قسم کی جانچ پڑتال نہیں ہوئی ہے' کسی مفتی نے کسی مولوی نے کوئی کفر کا فتویٰ ان کے اوپر نہیں لگایا۔ یہ جو آپ کے ہاں کالعدم عوامی لیگ تھی اور ان کے سربراہ' ان کے خلاف کفر کا فتویٰ کسی نے نہیں لگایا تھا۔ ان کی شریعتِ حقا کی رو سے تو وہ بالکل مسلمان کے مسلمان تھے وہ مرتد تھے ہی نہیں۔ قرآن انہیں مرتد قرار دے رہا ہے۔ یہ تو لفظی اور زبانی عقائد کا سوال ہی نہیں ہے' یہاں تو یہ چیز ہے کہ ایک مسلمان' مسلمان کہلاتا ہوا کرتا کیا ہے۔ اگر اس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات وابستہ کرتا ہے' خفیہ سازشیں کرتا ہے' مفتی کے

ایمان میں وہ پورے کا پورا صحیح العقیدہ کیوں نہ ہو قرآنِ کریم اسے مرتد قرار دیتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے پہلی دفعہ ہمارے لٹریچر میں یا تاریخ میں یہ جو لفظ آیا ہے نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد حضرتِ ابوبکر صدیقؓ کے زمانۂ خلافت میں، تاریخ میں ایک واقعہ مشہور ہے جس کو صحیح شکل میں سامنے نہیں لایا گیا۔ کہا یہ گیا کہ صاحب! وہ زکوٰۃ سے انکار کرتے تھے، ایک قبیلے نے زکوٰۃ سے انکار کیا انہوں نے یہ کہا کہ زکوٰۃ کا ماننا جزوِ ایمان ہے زکوٰۃ سے انکار جو ہے یہ کفر لازم آ جاتا ہے کفر کا فتویٰ ان پہ عائد کیا کہا کہ وہ مرتد ہو گئے تھے اور مرتد ہونے کے بعد کہا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے خلاف اعلان جہاد کر دیا تھا۔ اس لیے وہاں سے ثابت ہوا کہ جس کا عقیدہ صحیح نہ رہے وہ مرتد ہو جاتا ہے اور مرتد کی سزا موت ہے اگر وہ مقابلہ کرے تو پھر اس کے خلاف جہاد واجب ہو جاتا ہے۔ تاریخ میں یہی کچھ ہمیں بتاتے رہے کہ وہ زکوٰۃ کے عقیدے سے پھر گئے تھے۔ وہ عقیدے سے نہیں پھر گئے تھے، ہوا کیا تھا؟ زکوٰۃ، سنٹرل؟؟؟ تھا، زکوٰۃ مملکت کی اس آمدنی کو کہتے ہیں جو مرکز میں جمع ہونی چاہیے۔ آج کی اصطلاح میں گفتگو کر رہا ہوں کہ Taxation کا اختیار مرکز کو تھا، مرکز کے Finances مرکز میں آنے چاہئیں تھے۔ ان لوگوں نے انکار نہیں کیا تھا انہوں نے کہا یہ تھا کہ ہم اپنے ہاں کے Taxes خود وصول کر کے اپنے ہاں ہی ان کو استعمال کر لیں گے۔ یہ کاہے کے لیے کہ یہاں ہم اکٹھے کریں کرنے کے بعد وہاں مدینے بھیجیں اور پھر وہ مدینے والے Alocation اس کی کریں کہ اچھا بھئی! تم ان میں سے اتنا اپنے بجٹ میں رکھ لو تم اتنا خرچ کر سکتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ یہ بات نہیں! ٹھیک ہے یہ ہمارے ہاں کے Taxes ہیں ہم اپنے ہاں خود جمع کرتے ہیں اپنے ہاں ہی ان کو استعمال کریں گے مرکز کو اس سے واسطہ کچھ نہیں۔ یہ تھا اصل مسئلہ۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ یہ چیز مرکز سے علیحدگی ہے، الگ مملکت کا اعلان ہے اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ سنٹر کے Taxes جتنے بھی ہیں سنٹر میں آئیں گے، یہاں Financial Control ہوگا۔ تم اپنی ضروریات بتاؤ کیا ہیں، ہم پوری کریں گے۔ اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ اپنے اپنے طور پر اپنے اپنے علاقوں میں جو Province چاہے وہ یہ کہے کہ صاحب! Taxation ہمارے ہوں گے اور اپنا اپنا Finance کا آپ انتظام کریں گے، قطعاً غلط ہے۔ سارے عقائد ان کے صحیح تھے، وہ عقائد کی واجبیت سے، اس کے وجود سے انکار نہیں کر رہے تھے، صرف اتنی سی چیز تھی کہ جو چیز سنٹر کی تھی وہ کہتے تھے کہ نہیں ہم اپنے طور پہ اپنے Province میں اس کو کنٹرول کریں گے۔ یہ چیز تھی جس کا نام ہمارے لٹریچر میں اور تاریخ میں جو ارتداد کا لفظ آیا ہے پہلی دفعہ وہ ان کے متعلق آیا تھا۔ تو اب اس سے آپ نے دیکھا کہ یہ مرتد ہونا جو ہے اس کے معنی کیا

ہیں۔اب یہیں سے پتہ چلا کہ ان کے خلاف جہاد جو ہے کیوں واجب ہوگیا تھا۔ مسلمان اگر اسلام کا مذہب چھوڑ کے کوئی دوسرا مذہب اختیار کر لیتا ہے قرآن کی رو سے یہ کوئی جرم ہی نہیں ہے' یہ تو مذہبی آزادی ہے۔ جیسے ہر غیر مسلم کو اس کا حق پہنچتا ہے کہ جب جی چاہے وہ مسلمان ہوجائے' اسی طرح سے مسلمان کو اس کا حق پہنچتا ہے کہ اگر کسی وقت اس کا دل نہیں ٹھکتا ہے کسی خاص مذہب پہ جسے آپ اسلام بھی کہتے ہیں وہ اسے چھوڑ کے دوسرا مذہب اختیار کرے **لا اکراہ فی الدین** مذہب کے معاملے میں تو زبردستی ہے نہیں۔ آپ دیکھتے ہیں جب دین' مذہب کی سطح پہ آجاتا ہے تو واقعات بھی وہی رہتے ہیں' حوادث بھی وہی رہتے ہیں' آیات بھی وہی رہتی ہیں' ان کا مفہوم کس طرح سے بدل جاتا ہے۔ بات یہ تھی جہاں ابتداًان کو مرتد کہا گیا اور ان کے خلاف اعلانِ جہاد کیا گیا اور انہوں نے اس کے بعد یہ کہا کہ صاحب! مسئلہ اصل میں عقیدے کا تھا۔ اگر کوئی شخص کسی طرح سے صحیح زکوٰۃ پہ عقیدہ نہیں رکھتا ہے تو کفر کا فتویٰ اس پہ عائد ہوجاتا ہے پھر وہ مرتد ہوجاتا ہے اور پھر مرتد کی سزا جو ہے یہ موت ہوتی ہے انفرادی طور پہ' اگر وہ جماعتی طور پہ مرتد ہوجاتے ہیں تو ان کے خلاف پھر جہاد کیا جاتا ہے۔ عزیزانِ من! بات یہ تھی ساری۔ یہاں قرآن کس مقام پہ لایا ہے! **من یرتد منکم** (5:54) اس مقام پہ جو کہا ہے کہ وہ اپنوں کو چھوڑ کر غیر مسلم کے ساتھ دوستانہ تعلقات وابستہ کرے اور ان سے یہ تعلقات رکھے اور ان کے ساتھ یہ سازش کرے وہ ہے جو مرتد ہوجاتا ہے تم میں سے۔ **من یرتد منکم عن دینہ** (5:54) اب اس کی سزا ملاحظہ فرمایئے' سزا ہی نہیں' جسے ہم سزا اور جزا کہتے ہیں قرآن کی رو سے اس کا مفہوم ہی اور ہے۔ مفہوم اس کا یہ ہے کہ اس قسم کے جرائم' اس قسم کی روش' اس قسم کے مسالک کا فطری نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ سوچیے کہ ایک قوم جو وہ اپنوں کو چھوڑ کے یعنی جو بھی نظریے میں آپ کے ساتھ متحد نہیں وہ آپ کے خلاف ہے ان کے ساتھ تعلقات وابستہ کرتا ہے ان کے ساتھ سازش کرتے ہیں ان کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ میں نے کہا کہ وہ تو غنیمت ہے کہ ہنوز یہ صورت ہوئی کہ ایک حصہ تھا ہمارے ہاں جس نے یہ کیا۔ مملکت کا دوسرا حصہ' قوم کا دوسرا حصہ جو تھا وہ ایسا نہیں تھا اس نے یہ نہیں کیا۔ لیکن اگر ایسی صورت نہ رہے اور ایک قوم دوسروں کے ساتھ مل کے یہ کچھ کرنا شروع کرے تو جسے آپ کہتے ہیں اس کی سزا کیا ہے' سزا والی بات نہیں ہے' قرآن کہتا ہے اس کا نتیجہ جو ہے سنیے! **فسوف یاتی اللہ بقوم** (5:54) ان کی جگہ ایک اور قوم آجائے گی' اس قوم کا نام و نشان مٹ جائے گا صفحۂ ہستی سے' مملکت ختم ہوجائے گی ان کی' سب کچھ ختم ہوجائے گا ان کا۔ عزیزانِ من! اس Context میں پھر دیکھیے جو آج ہوا ہے۔ خدانکردہ اگر یہ صورت ہوجاتی کہ آپ کے ہاں کی مثلاً اکثریت ہوجاتی کہ جو

ساتھ ملی ہوئی ہوتی اس سازشی پہ غلبہ نہ حاصل ہوا ہوا ہوتا تو اُس ہندو کے اندر جذب ہوگئے ہوئے ہوتے' پھر سے وہ اکھنڈ بھارت بن گیا ہوتا آپ کے ہاں تو آپ کا الگ جداگانہ ملی اور تشخص باقی رہ سکتا تھا کسی طرح سے۔ کہتا ہے تمہاری جگہ ایک دوسری قوم آجائے گی۔ یہ ہے ارتداد کا فطری نتیجہ: قوم ہی باقی نہیں رہتی۔ اب سوال یہ ہے کہ ایک تو یہ ایسی صورت بھی ہے کہ تم ختم ہوجاؤ گے۔ لیکن قرآن یہ کہتا ہے کہ یہ دین ختم نہیں ہوسکتا۔ پھر کوئی اور قوم آئے گی تم اس کے شایانِ شان نہیں رہے۔ یہ بہت بڑی عظیم ذمہ داری تھی' تمہارے سپرد کی گئی یا تم نے خود اس کو اپنے سر پہ لیا تم اس کے اہل ثابت نہیں ہوئے۔ اس لیے اس کے بعد تمہاری جگہ ایک اور قوم پھر آجائے گی۔ اب اس قوم کی خصوصیات ملاحظہ فرمایئے کہ جو تمہاری جگہ لے لے گی۔ یعنی یہ وہ قوم ہے کہ جو اسی دین کی حامل قوم ہوگی۔ کفار کی قوم اگر آجائے گی تو وہ تو پھر کفر پھیل جائے گا۔ یہ جو قوم آئے گی اس کی کیفیت کیا ہوگی؟ **یحبهم و یحبونه** (5:54) لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ وہ خدا سے محبت کریں گے خدا ان سے محبت کرے گا۔ یہ اس نے کہا تھا کہ جو تم میں سے دوسروں کے ساتھ سازش کرے گا تو خدا کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ یہ وہ قوم ہوگی جن کی کیفیت یہ ہوگی۔ یاد رکھیے! میں اس سے پیشتر سورۃ بقرۃ میں ایک پورے درس میں یہ واضح کر چکا تھا کہ خدا کے ساتھ محبت کے معنی کیا ہیں۔ یہ نظری سی بات' عقیدے کی بات نہیں ہے۔ یوں تو خدا کے ساتھ محبت کی ہی نہیں جاسکتی اس لیے کہ وہ کہ جو وہم' قیاس' خیال' سے بھی بلند برتر ہو' تصور میں بھی نہ آسکتا ہو اس کے ساتھ جسے ہم محبت کہتے ہیں وہ ہو کیسے سکتی ہے' وہ تو ایک محسوس کے ساتھ ہوسکتی ہے۔ اس کے ساتھ اس معنی میں محبت تو ہو نہیں سکتی۔ عربی زبان میں محبت کے یہی معنی نہیں جو ہمارے ہاں عام طور پہ رائج ہیں۔ وہاں انسان کا خدا سے محبت کرنے کے معنی ہوتا ہے اسے لازم پکڑنا' استحکام کے ساتھ اس کی بات کو ماننا' پورے طور پر ثبات و استقامت سے اس کی اطاعت کرنا۔ یہ معنی ہوتے ہیں۔ یعنی یہ جو چیز ہے محبت کا یہ فطری نتیجہ ہوتا ہے جسے آپ محبوب کہتے ہیں اس کے ساتھ تو آپ کی کیفیت یہ ہے کہ

ہمیں خُو ہے کہ جو کچھ کہیے بجا کہیے

محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی ہر بات مانی جاتی ہے۔ اسی اعتبار سے عربوں نے اپنے ہاں محبت کے اندر یہ چیز رکھی کہ کسی کے ساتھ اس قسم کے تعلقات کہ اس کی ہر بات آپ مانتے چلے جائیں اسے بھی محبت کہتے ہیں۔ تو انسان کا خدا کے ساتھ محبت کے معنی یہ ہوتا ہے کہ اس کی ہر بات کو مانا جائے۔

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

خدا کی اطاعت۔ اور خدا کی محبت انسانوں کے ساتھ، محبت کے معنی ہوتا ہے کسی کی حفاظت کرنا، کسی کو تھامے ہوئے رکھنا۔ یہ جو گھڑونچی کے اوپر مٹکا رکھا جاتا ہے اسے کہتے ہیں محبت کرنا۔ اس نے اسے کیسے تھاما ہوا ہوتا ہے۔ عجیب قوم تھی یہ صاحب! ان کے محبوب ملاحظہ فرمایئے۔ پانی کے مٹکے کو سنبھال کے رکھنے والی گھڑونچی، گھڑے کا محبوب ہوتا ہے۔ لیکن دیکھیے یہ قوم کتنی گہرائی میں جاتی تھی۔ جو دوسرے کو تھامے رکھے گرنے نہ دے۔ خدا کی محبت انسانوں کے ساتھ یہ ہوتی ہے۔ انسانوں کی محبت یہ ہے کہ اس کی ہر بات کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے، اُس کی محبت یہ ہے کہ وہ انہیں گرنے نہ دے ہر مقام پہ تھامے ہوئے رکھے۔ عزیزانِ من! کیسی حسین ہے یہ محبت۔ اور پھر یہ جذباتی چیز نہیں ہے عملی چیز ہے۔ کہا کہ اگر تم میں سے لوگ ایسے ہو جائیں گے کہ قوم دوسروں کے ساتھ مل کے یہ کچھ کرنا شروع کرے گی تو اس کے بعد پھر یہ کیفیت ہے کہ تمہاری جگہ ایک اور قوم آجائے گی، تم صفحۂ ہستی سے مٹ جاؤ گے۔ قرآن کوئی رعایت نہیں اس میں دے رہا۔ وہ گناہوں کی سزائیں دیتا ہے، جرائم کی سزائیں دیتا ہے، یہاں بھی دیتا ہے، جہنم میں بھیجتا ہے۔ لیکن جس قوم کے اندر سازش کرنے والے پیدا ہو جاتے ہیں وہ کہتا ہے وہ قوم مٹ جاتی ہے اس کی جگہ دوسری قوم آجاتی ہے۔ عزیزانِ من! یہ انجام ہوتا ہے سازش کرنے کا۔ قرآن کی رو سے اسے ارتداد کہتے ہیں۔ قوم دوسری آجائے گی۔ اور اگر وہ دین کی حامل قوم ہے تو پھر وہ تمہارے جیسی نہیں ہوگی وہ خدا کے احکام کی پوری پوری اطاعت کرے گی اور پھر خدا ان کو تھامے رکھے گا انہیں گرنے نہ دے گا۔ یہ تو ایک چیز تھی جسے ذہنی طور پہ آپ کیجیے کہ وہ اس قسم کی قوم وہ آئے گی۔ آگے دیکھیے قرآن کہتا کیا ہے۔ کہا تھا کہ یہ لوگ دوسروں کے ہاں جا کے اقتدار اور اختیار اور عزت ڈھونڈتے ہیں۔ کہا یہ جو قوم آئے گی اس کی کیفیت یہ ہوگی کہ **اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکٰفرین** (5:54) قرآن ایک ایک چیز کو کاٹتا چلا جاتا ہے۔ ان کی کیفیت یہ ہوگی کہ یہ اپنے جو ہیں ان کے سامنے جھکے ہوئے ہونگے اور اپنوں کے علاوہ جتنے بھی ہیں ان کے سامنے سخت چٹان کی طرح کھڑے ہونگے۔ **اشدہ علی الکفار رحمآء بینھم**۔ ان منافقین کی کیفیت یہ تھی کہ اشدہ علی المؤمنین تھے اپنی قوم کے جو لوگ تھے ان کے خلاف جس قدر وہاں انہوں نے تشدد برتا ہے اور جس قدر بہیمانہ بربریت سے کام لیا ہے اس کی تفصیلیں سامنے آتی ہیں۔ **اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکٰفرین** (5:54) ان کی کیفیت یہ ہوگی اپنوں کے سامنے جھکے ہوئے ہونگے غیروں کے مقابلے میں وہ ڈٹ کر کھڑے ہو جانے والے ہونگے۔ یہ دوسری قوم آجائے گی۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اس قوم کے برعکس صفات ان کے اندر ہونگی جو کہا کہ وہ ان کی جگہ لے لے گی۔ پھر کیا کریں گے۔ یہ اپنوں کے خلاف جنگ

کررہے تھے **یجاھدون فی سبیل اللہ** (5:54) وہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے ہونگے۔خدا کی راہ میں جہاد کے معنی ہوتے ہیں جہاں بھی ظلم ہوتا ہے اس ظلم کو روکنے کے لیے وہ سربکف میدان میں نکل آتے ہیں۔اس قوم کی کیفیت یہ ہوگی **یجاھدون فی سبیل اللہ و لا یخافون لومۃ لآئم** (5:54) بڑی عجیب چیز ہے۔اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا ان کو کوئی ڈر نہیں ہوگا۔میں خود یہ عرض کر رہا ہوں اس سے پیشتر کچھ محسوس طور پر بات سمجھ میں نہیں آیا کرتی تھی کہ یہ اتنی بڑی چیز قرآن نے یہ بتائی ہے۔اب تو نظر آتا ہے کہ جسے ہم بظاہر چھوٹی چھوٹی باتیں سمجھتے ہیں عملی زندگی کے اندر وہ بھی بڑی گہری اور بنیادی باتیں ہیں۔قرآن کوئی بھی چھوٹی بات نہیں کہتا۔اب اپنے معاشرے پہ نگاہ ڈالیے۔منافقت کی ایک شکل عام ہمارے ہاں یہ ہو چکی ہے کمرے کے اندر کسی سے بات کیجیے تو ہر شخص یہ کہے گا کہ ہاں صاحب! ہمارے ہاں جو کچھ ہو رہا ہے بڑا غلط ہو رہا ہے تو ہم پرستیاں ہیں دیکھیے تو سہی قوم کن چیزوں میں الجھی ہوئی ہے' مزاروں پہ دیکھیے' بازاروں میں دیکھیے' ان لیڈروں کی کیفیت دیکھیے' ہر ایک خلاف آپ دیکھیں گے کہ وہ باتیں کریں گے۔ان سے کہیے کہ جو کچھ آپ کمرے کے اندر کہہ رہے ہیں باہر جا کے ذرا کہیے تو وہ کہیں گے کہ ''صاحب! مت ماری ہوئی ہیگی اے بھونڈاں تے لکھر اچ ایویں ای پتھر مار دینا'' (مت ماری ہوئی ہے' بھڑوں کے چھتے میں پتھر مار دینا)۔کبھی نہیں باہر جا کے کہیں گے۔آپ دیکھیے کتنی بڑی چیز ہے۔اگر کیفیت یہ پیدا ہو جائے کہ آپ اعلانیہ برائی کو برائی کہیں' بدمعاش کو بدمعاش کہیں' غنڈے کو غنڈہ' جس کا کوئی عمل آپ دیکھتے ہیں کہ اسلام کے خلاف قوم کے خلاف پاکستان کے خلاف کوئی روش جاری ہے اس میں کسی قسم کی مروت اور لحاظ اور تعلق اور رشتے کو بالائے طاق رکھیں اعلانیہ کہہ دیں کہ تم غدار ہو تم یہ کچھ کرتے ہو قوم کے دشمن ہو اسلام سے باغی ہو تم شریف انسان نہیں ہو۔میں کہتا ہوں یہ روش اگر اختیار کرلیں وہ لوگ کہ جو واقعی محسوس کرتے ہیں ان چیزوں کو کہ یہ خراب ہیں' اگر وہ لوگ کمروں کے اندر جو باتیں کرتے ہیں کمرے سے باہر جا کے کرنے لگ جائیں آپ دیکھیے گا چند دن میں آپ کی قوم سنور جائے گی۔قرآن نے یہ جو کہا کہ وہ یعنی استبدالِ قومی وہاں ہو رہا ہے تمہاری جگہ ایک دوسری قوم آئے گی اور جو اس قوم کی خصوصیات بتا رہا ہے یہ تو خیر بڑی بلند خصوصیات تھیں ان کی لیکن اس میں ایک خصوصیت یہ بتاتا ہے کہ پھر وہ کسی کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔نظر آتا ہے کہ ابتدا جو ہوتی ہے قوموں کی تباہی کی وہ یہاں سے ہوتی ہے' ملامت کا خوف ہوتا ہے۔''ساہنوں کی پئی ہوئی اے صاحب! ایویں ای خوامخوہ برائی مول لین دی'' (ہمیں کیا ضرورت ہے صاحب! ایسے ہی خوامخوہ برائی مول لینے کی)۔اور جب یہ روش عام

ہوجاتی ہے پھر برائی جو ہے اس قوم کا معمول بن جاتی ہے۔کوئی ٹوکنے والانہیں رہتا' کوئی روکنے والانہیں رہتا' برے کو برا کہنے والانہیں رہتا۔ وہ اکبر نے جو کہا تھا کہ شیطاں کو رجیم کہہ دیا تھا اک دن' کہ میں نے کسی دن شیطان کو مردود کہہ دیا' اک دھوم مچی کہ خلافِ تہذیب ہے یہ' یہ خلافِ تہذیب ہے کسی کو برا کہنا۔یعنی شیطان کو مردود کہنا خلافِ تہذیب ہے۔تہذیب نام ہی اس قسم کا ہے کہ ہر قسم کا جو شیطان آپ کے سامنے نظر آتا ہے جھک کے اسے سلام کیجیے' Respect کیجیے کیونکہ بڑا منہ زور ہے بڑا احرامزادہ ہے۔عزیزانِ من! ساری قوم کی روش یہ ہوگئی ہوئی ہے۔نظر آتا ہے قرآن جہاں سے کہتا ہے کہ تباہی شروع ہوتی ہے۔تو وہ پھر قوم ایسی نہیں ہوگی۔نظر آتا ہے ناں کہ جو قوم مٹنے والی ہوتی ہے وہ ایسی ہوا کرتی ہے۔اس کا الٹ کرتے چلے جایئے تو وہ قوم آ جائے گی جو مٹنے والی ہوگی' اپنوں کے سامنے ہمیشہ ڈٹ کے کھڑے ہونے والے' مقابلے کرنے والے' فسادانگیزیاں' ہنگامہ خیزیاں اپنوں کے خلاف کرنے والے۔روز آپ دیکھیں۔میں کہتا ہوں اس زمانے میں بھی آپ اٹھا کے دیکھ لیجیے اپنے اخبارات کو' جتنی کیچڑ اپنے خلاف اچھل رہی ہے اس کا کہیں ہزارواں حصہ بھی انڈیا کے خلاف نہیں کہا جا رہا۔قوم کی یہ حالت ہوجاتی ہے پھر۔وہ قوم **اذلة علی المؤمنین اعزة علی الکفرین** (5:54) کے الٹ ہوجاتی ہے' **یجاھدون فی سبیل الله** (5:54) نہیں ہوتا۔حق کے راستے میں' عدل کے راستے میں ان کی جدوجہد نہیں ہوتی بلکہ ان کے خلاف جو کام ہیں ان کے لیے جدوجہد ہوتی ہے۔**ولا یخافون لومة لآئم** (5:54) اور ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ برائی کو برائی سمجھتے جانتے ہوئے بھی اس کا اعلان باہر نہیں کرتے کہ صاحب! ہمیں کیا ضرورت ہے برا بننے کی۔آپ دیکھتے ہیں یہ روش عام ہوگئی ہے۔قرآن کہتا ہے کہ جب کسی قوم کی یہ روش ہوجائے تو پھر اس کی جگہ دوسری قوم آ جایا کرتی ہے۔

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

یہاں یہ نہیں ہوا پھر کہ اس کے افراد جو ہیں پھر ان کو کوئی سزا دی جاتی ہے۔قرآن نے تو کہا ہے کہ پھر ایسے وقت میں اس فتنے سے ڈرو کہ جب وہ آیا کرتا ہے تو صرف ظالمین تک ہی محدود نہیں رہا کرتا ساری قوم کو اپنے گھیرے میں لے لیا کرتا ہے۔کتنے بے گناہ' کتنے معصوم' کتنے مظلوم' اس مشرقی پاکستان کے اندر کس بری طرح بربریت کا شکار ہوئے۔عزیزانِ من! آپ قرآنِ کریم میں ان چیزوں کو دیکھیے کہ وہ بات کیا کہتا ہے کہ جب کسی قوم میں یہ کیفیتیں پیدا ہوجائیں جو گنائی ہیں تو پھر وہ قوم مٹ جاتی ہے۔زندہ رہنے والی' باقی رہنے والی قوم وہ ہوتی ہے جس میں اس کے خلاف اس قسم کی خصوصیات اور صفات ہوتی ہیں **اذلة علی المؤمنین اعزة علی الکفرین یجاھدون فی سبیل الله**

و لا یخافون لومة لآئم (5:54) کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے قطعاً خائف نہیں ہوتی۔عزیزانِ من! یہ تو ایمان کا پہلا درجہ ہے' جرأتِ اخلاقی جسے آپ کہتے ہیں۔اور جہاں یہ پہلی چیز ملتی ہے سمجھ لیجیے کہ یہ دیا آہستہ آہستہ گُل ہونے لگا' لگا بجھنے یہ' جب یہ چیز ہو جائے کہ جس چیز کو آپ برا کہتے ہیں اس کو آپ برا نہ کہیں لوگوں کے ڈر سے' سوسائٹی میں Unpopular ہونے کے خوف سے۔ساری برائیاں پھر وہ عام ہوتی چلی جاتی ہے۔ Popular ہوتے چلے جایئے قوم کی قوم مٹ جاتی ہے۔کہتا ہے کہ یہ کیفیت جب کسی قوم کی ہو جائے تو اس کے بعد دوسری قوم آتی ہے۔**ذٰلک فضل الله یؤتیه من یشآء** (5:54) یاد رکھیے! یہ بات نہیں ہے کہ پھر ہم آسمان سے کوئی فرشتوں کی اس قسم کی فوج بھیج دیتے ہیں کہ جاؤ ان کی جگہ تم لے لو' یہ نہیں ہوتا' انسانوں میں سے ہی جو قوم چاہتی ہے یہ مقام حاصل کرنا اس کو یہ فضیلت مل جاتی ہے۔جو قوم مٹنا چاہتی ہے وہ مٹ جائے' جو قوم مٹنے والی قوم کی جگہ لینا چاہتی ہے آ جائے۔کیسے آ جائے؟ یہ خصوصیات پیدا کرے اس کی جگہ لے لے گی۔اس کے برعکس خصوصیات ہونگی مٹ جائے گی۔یہاں تو **من یشآء** (5:54) ہے جو جس قسم کا انجام چاہتی ہے فوراً اس قسم کا وطیرہ اختیار کرے وہ انجام اس کا ہو جائے گا۔یہاں ہمارے ہاں **من یشآء** کا ترجمہ کیا کہ ''خدا جیسا چاہتا ہے' جس کو چاہتا ہے وہ دیدیتا ہے' جسے چاہتا ہے وہ مٹا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اس کی جگہ لے آتا ہے''۔چل بھئی! نہ مٹنے والوں کا کوئی جرم نہ آنے والوں کی کوئی خوبی۔جو قوم ایسا بننا چاہے وہ ایسا بن سکتی ہے۔وہ مٹتی ہے یہ دوسری قوم آتی ہے۔**و الله واسع علیم** (5:54) اس کے ہاں تنگ نظری نہیں ہے بڑی کشاد ہے اس کے ہاں' پوری اقوامِ عالم ساری دنیا پوری مخلوق اس کے سامنے انسانوں کی مخلوق ہے۔قانون اس کے لیے مقرر کیے ہوئے ہیں وہ علم کے اوپر مبنی ہیں۔جس کا جی چاہے اس قسم کا انداز اختیار کر لے' سازشیں کرے' بغاوتیں کرے' اپنوں کے خلاف جائے' دوسروں کے ساتھ ملے' مٹ جائے گا۔جو قوم چاہے کہ باقی رہنا ہے' ہمیں مستحکم ہونا چاہیئے' اس کے خلاف یہ عادات یہ خصائل اپنے اندر پیدا کرے زندہ رہے گی **من یشآء** **و الله واسع علیم** (5:54)۔عزیزانِ من! دوسری چیز جو ہے یہ ٹھیک ہے ہمیں اس چیز پہ افسوس یہ آتا ہے کہ صاحب! یہ مسلمان مٹ رہا ہے' مسلمان کی یہ کیفیت ہو رہی ہے۔ٹھیک ہے بہرحال ہم بھی انہی میں سے ہوتے ہیں ان کے مٹنے کا رنج ہمیں ہوتا ہے لیکن فطرت کی تعزیریں تو بڑی سخت ہوتی ہیں وہاں تو رعایت نہیں' وہاں تو وہ نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈرتا ہے نہ کسی کی رعایت اور رعی کرتا ہے۔اس کے ساتھ ایک حقیقت اور بھی ہے کہ یہ جو قرآن نے الدین دیا ہوا ہے یہ نہیں مٹ سکتا۔ہماری بنیادی غلطی یہ ہے کہ ہم مسلمان

کی قوم کواور اسلام کولازم وملزوم سمجھتے ہیں۔یعنی جب ہم اپنی ان خطا کاریوں اور خطا کوشیوں اور جرائم کی بنا پہ ذلیل ہونا شروع ہوتے ہیں تو دہائی دیتے ہیں کہ اسلام خطرے میں ہے۔اسلام خطرے میں نہیں ہوتا تم خطرے میں ہوتے ہو۔یہ بھی ایک سلوگن ہے ڈھونگ ہے۔کاہے کے لیے یہ ڈھونگ رچایا ہوا ہے۔یہ کہنے والے اپنے آپ کو کہتے ہیں کہ ہم ہیں اسلام کے محافظ۔اسلام خطرے میں ہے کہ معنی یہ ہیں کہ ہمیں طاقت بہم پہنچاؤ۔ہوتے وہ بھی انہی میں سے ہیں۔اسلام خطرے میں نہیں ہوتا مسلمان خطرے میں ہوتا ہے۔وہ جو الدین ہے اس کے لیے دو چار درس چاہئیں' میں آؤں گا اس کے اوپر۔اسلام خود اپنے زورِدروں سے دنیا کے اندر آگے بڑھتا جارہا ہے اسلام کسی خاص قوم یعنی نام مسلمان رکھانے والی قوم کی روش کا نام نہیں ہے وہ ایک ایسا نظام ہے انسانوں کے اندر' انسان اپنی وحی کی رو سے اگر وہ چاہتا تو یہ بنا بنایا ہوا اس کے اندر وہ نظام مل گیا تھا جس کا جی چاہتا اسے حاصل کر لیتا۔اگر وہ یوں نہیں کرتا ہے تو اس کے بعد پھر اپنے اپنے تجربوں سے قومیں آگے بڑھ رہی ہیں۔ایک نظریۂ زندگی لیتی ہیں اس کو آزماتی ہیں سینکڑوں سال اس میں لگ جاتے ہیں' ان کی ہڈیاں ٹوٹتی ہیں خون کے دریا بہتے ہیں کتنا نقصان انسانیت کا ہوتا ہے اس کے بعد جاکے پتہ چلتا ہے کہ یہ غلط تھا۔ Trial & Error کے ذریعے سے پھر وہ قوم ایک دوسرا تجربہ کرتی ہے پھر انسانیت کسی اور چیز پہ آتی ہے۔قرآن کہتا یہ ہے کہ انسانیت ٹھوکریں کھاتی ہوئی' لمبے لمبے عرصے تک یہ منزلیں طے کرتی ہوئی' مصیبتیں جھیلتی' جب بھی آخرالامر وہ آئے گی' جہاں وہ آکے اپنے لیے سکون اور فلاح پائے گی تو وہ وہی نظام ہوگا جو قرآن نے دیا ہوا ہے۔درس میں یہ چیز تو اپنے وقت پہ آئے گی آپ کا جی چاہتا ہے تو ''سلیم کے نام خطوط'' میں میرا ایک خط ہے ''اسلام آگے کیوں نہ چلا'' استفہامیہ چیز ہے جس میں میں نے بتایا یہ ہے کہ چلا ہی اسلام ہے آگے لیکن غیر محسوس طور کے اوپر وہ آگے چل رہا ہے۔یہ ہے وہ چیز جو قرآن کہہ رہا ہے کہ **لیظھرہ علی الدین کلہ** ہم نے اس دین کو بھیجا ہے کہ دنیا کے ہر نظام پر اس نے غالب آنا ہے۔یعنی اقوامِ عالم نے بالآخر یہ نظام ہے جسے اختیار کرنا ہے۔پہلے اس کی الگ الگ کڑیاں اختیار کرے گی۔معاشی نظام کوئی اختیار کرے گا' سیاسی کوئی کرے گا' معاشرتی کوئی کرے گے' ایک قانون کوئی اختیار کرے گا' دوسرا کہیں اور اختیار کریں گے آہستہ آہستہ یہ ہوتا چلا جائے گا۔پھر آگے بڑھتی چلی جائے گی اور پھر جب یہ کلی طور کے اوپر کوئی نظام اختیار کیا جائے گا وہ وہی ہوگا جو قرآن نے دیا تھا۔اس لیے یہ چیز نہیں کہ کسی خاص خطے کی کوئی قوم مسلمان نام رکھانے والی اگر مٹتی ہے تو اس کے بعد ہم کہیں گے کہ یہ دین کی شکست ہے اسلام مٹ رہا ہے۔وہ ختم ہو رہی ہے قرآن کہتا ہے اس کی جگہ ایک اور قوم آئے گی وہ ان سے بہتر

خصوصیات رکھے گی' وہ زیادہ اسلام کے قریب ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت ابھی اس کا نام مسلمان ہو ہی نہ' کیونکہ اپنے تجارب کی رو سے آ رہی ہے وحی کو تسلیم کر کے ادھر نہیں آ رہی ہے۔لیکن وہ بہرحال ان سے بہتر ہوگی۔ یہاں تو سوال خصوصیات کا ہے۔اور آخرالامر جو یہاں نظام قائم ہوگا انسانیت کے لیے' وہ نظام وہی ہوگا جسے قرآن نے دیا ہے۔اس چیز کو اقبالؒ نے بڑے حسین انداز میں بیان کیا ہے' جی نہیں چاہتا ایسے مقام پہ اسے چھوڑ کے آگے چلوں۔

اقبالؒ کی فارسی کی ایک کتاب ہے ''جاوید نامہ''۔میں یہ عرض کر دوں کہ جسے آپ کہتے ہیں کہ ان نوجوانوں کو اسلام کی تعلیم دینی چاہیے ۔یاد رکھیں! ان کو دین سے برگشتہ آپ کی اسلامیات نے کیا ہوا ہے۔ یہ بڑی سازش ہے جو پاکستان اور اس قوم کے خلاف ہوئی ہے جس کا نام اسلامیات ہے۔کوئی نوجوان جو عقل وفکر سے کام لینے والا ہو اس کو اسلامیات کا یہ نظام پڑھا دیجیے اسلام سے برگشتہ نہیں متنفر ہو جاتا ہے۔اسلام کی تعلیم دینا چاہتے ہیں تو میں یہ عرض کروں گا' مبالغے کی بات نہیں ہے' یہ ایک کتاب ''جاوید نامہ'' یہ پڑھا دیجیے۔لیکن اس کے پڑھانے کے لیے ایسے لوگوں کی یا ایسے شخص کی ضرورت ہوگی جو علومِ حاضرہ کے اوپر پوری کتاب رکھتا ہو۔ یہ بڑی جامع کتاب ہے۔اور میں سمجھتا ہوں یہ اقبالؒ کی فکر کی شاہکار ہے۔تاریخِ عالم پہ نگاہ' مذاہبِ عالم پہ نگاہ' سارے فلسفے کے اوپر نگاہ' الٰہیات کے اوپر نگاہ' سوشیالوجی کے اوپر نگاہ' تمدن کے اوپر نگاہ' نظام کے اوپر نگاہ' سب سے بڑی یہ چیز کہ قرآن کی گہرائیوں کے اوپر بڑی نگاہ ہے۔اگر کہیں یہ چیز نصاب کی اس انداز سے سامنے آئے پھر آپ دیکھیے گا کہ انہی نوجوانوں کی ذہنیت بنتی کیا ہے۔ یہ جو چیز ہے کہ کوئی دوسری قوم آئے گی۔ بڑا حسین انداز ہے جہاں قرآن کا نظام یہ سامنے پیش کر رہا ہے

نقشِ قرآں تا بریں عالم
نقش ہائے کاہن و ؟؟ شکست

اس انداز سے بات شروع کرتا ہے کہ یہ نظام آیا تو ملوکیت بھی گئی اور یہ پاپائیت بھی گئی اور سرمایہ داری بھی گئی یہ سب چیزیں انہوں نے اڑا دیں۔

فاش گویم آنکہ بر دل مضمر است
جو میرے دل کے اندر چھپی ہوئی بات ہے آج میں اسے بے نقاب کہہ دینا چاہتا ہوں۔کہا یہ ہے کہ

ایں کتابِ نیست چیزے دیگر

الفاظ نہیں مل رہے یہ کہنے کے لیے کہ میں کیا کہوں کہ یہ ہے کیا' یہ کتاب تو نہیں کچھ اور ہی ہے۔

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود

اس کی کیفیت یہ ہے کہ جب جان کے اندر کسی کے یہ اتر جاتی ہے تو جان بدل جاتی ہے اور

جاں چوں دیگر شود جہاں دیگر شود

اور جب جان بدل جاتی ہے تو دنیا بدل جاتی ہے۔

یہاں سے بات اس نے شروع کی اور وہاں پھر آ گیا آخر میں اس مقام پہ جہاں یہ چیز ہے کہ پھر اس کے بعد کوئی اور قوم آ جائے گی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اقبالؒ کا یہ مرثیہ خون کے آنسو رلا دینے والا ہے کہ

محفلِ ما بے مے و بے ساقی است

یہ ٹھیک ہے ہماری محفل میں آج نہ شراب رہی ہے نہ ساقی رہا ہے۔ یہ بڑی چیز ہے۔

گلِ دارند و محبوبِ ندارند

اس نے کہا ہے قوم میں ابھی یہ کیفیت ہے کہ کوئی لیڈر ان کا محبوب اس قسم کا نہیں ہے کہ جس کے سامنے متاع جا کے یہ پیش کر دے اور وہ ان کے ساتھ غداری نہ کرے۔ ساقی بھی نہیں رہا۔

محفلِ ما بے مے او بے ساقی است
سازِ قرآں را نوا ہا باقی است

خاموش محفل ہے' کہیں موسیقی کی تان بھی نہیں اٹھ رہی۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ قرآن کے اندر یہ چیزیں ختم ہو گئیں۔ قرآن موجود ہے اس کے تاروں کے اندر

زخمہَ ما بے اثر ؟؟؟ اگر

ہوا یہ ہے کہ ہماری وہ مضراب ٹوٹ گئی ہے جس نے اس کی تاروں میں سے موسیقی کو نکال کے باہر لانا تھا۔ کیا بات کہہ جاتا تھا یہ شخص!

قرآن اپنے آپ کو خود نہیں یوں بے نقاب کر دیتا' یہ خود بخود عمل میں نہیں جاتا اس کے لیے ایک مضراب والے کی ضرورت ہے۔ اس کے تاروں کے اندر زندگی کے حقائق کے نغمات پوشیدہ ہیں از خود نہیں نکلتے۔ قرآن موجود ہے تاریں بھی بالکل صحیح ہیں اپنی جگہ پر موجود ہیں زخمہ بر

کوئی نہیں۔اس کے لیےملت کی ضرورت ہےامت کی ضرورت ہے۔کہا کوئی بات نہیں ہمارا مضراب اگر ٹوٹ گیا ہےاس کے تاروں میں چھپے ہوئے پوشیدہ نغمے باہر نہیں آ رہے۔

آسماں ??? دارد ہزاراں

ہزاروں زخمہ گر ہیں اس کے ساتھ۔

ذکرِ حق از امتاں آمد غنی

یہ خدا کی بات ہے یہ کسی خاص قوم کی محتاج نہیں ہے کہ وہ چھوڑ دے گی تو پھر اس کے بعد(معاذ اللہ) خدا مر جائے گا اس کا کلام ختم ہوجائے گا۔وہ اس چیز سے مستغنی ہے۔

از زمان و از مکاں آمد غنی

یہ تو Time & Space سے بلند ہے۔نہ یہ چیز ہے کہ کسی خاص دور کے اندر اسلام تھا پھر اسلام نہیں آئے گا' کسی خاص مقام کے اندر اسلام تھا پھر اسلام نہیں آئے گا۔یہ تو فطرت کے حقائق کی طرح زمان اور مکان کی حدود سے ماوراء ہے۔

ذکرِ حق از ذکرِ ہر ذاکر جداست

یہ بات کہنے والا یہ نہ سمجھے کہ میں ختم ہوجاؤں گا' مر جاؤں گا تو یہ ختم ہوجائے گا' بالکل نہیں۔وہ اس سے الگ اپنے طور پہ بذاتِ خویش وہ زندہ ہے وہ حی و قیوم ہے۔قیوم کہتے ہی اسے ہیں کہ جو اپنی ذات میں قائم ہو دوسروں کے قیام کا سہارا بنتا ہو اس کا سہارا کوئی نہ بنے۔یہ ذکرِ حق ہے' قیوم ہے' الحی ہے' یہ ہر ذاکر سے جدا ہے۔

احتیاجِ رو مشاں ??? کجاست

یہ کہاں ہے کہ صاحب! وہاں یہ ہوا' وہاں ہوا' وہاں نہیں رہے گا تو قرآن بھی باقی نہیں رہے گا۔

حق اگر از پیشِ ما بردار ??

پیشِ قومِ دیگرے بگزار ??

یہاں سے اگر تم اس کو چھوڑ دو گے' اٹھ جائے گا' کوئی اور قوم آئے گی وہ اس کو لے لے گی۔

از مسلماں دیدہ ام تقلید و زن

ہر زماں جانم بے لرزد در بدن

مسلمان کے ہاں کیا چیز رہ گئی؟ اندھی تقلید' یقین کی جگہ ظن شکوک۔ مسلمان میں میں یہ دیکھ رہا ہوں دل کانپ رہا ہے۔ اس شخص کو امت کے ساتھ مسلمان کے ساتھ محبت بڑی تھی۔ کہتا ہے ترسم از روئے جی لرز جاتا ہے اس احساس سے کہ محرومش کند اس قوم کو اس سے محروم کر دیا جائے گا۔ لیکن وہ کہتا ہے یہ فطرت کا نتیجہ' فطرت کے اصول ہیں' سوال ہی نہیں ہے کہ میرا دل ڈوبتا ہے میری آنکھ روتی ہے۔ روتی ہے روتی رہے وہ تو اٹل ہیں اس کے فطرت کے قوانین لیکن

ترسم از روئے کہ محرومش کند
آتشِ خود در دلِ دیگر کند

لرز اٹھتا ہوں اس تصور سے کہ ہم سے یہ حرارت چھین لی جائے گی کسی اور دل میں یہ رکھ دی جائے گی۔ ٹھیک ہے اس سے غم تو ہوتا ہے لیکن وہ کہتا ہے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ یہ اسلام ختم ہو جائے گا اگر ہم ختم ہو جائیں گے زخمہ گر ہزاروں آسمان کے ساتھ موجود ہیں' اس کے لیے دوسری قوم آ جائے گی۔ وہ قوم آئے گی وہ جس کی خصوصیات یہ ہونگی **اذلة علی المؤمنین اعزة علی الکٰفرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومة لآئم ذٰلک فضل اللہ یؤتیه من یشآء** (5:54)۔ کہا **انما ولیکم اللہ و رسوله و الذین اٰمنوا یقیمون الصلٰوۃ و یؤتون الزکٰوۃ و ھم راکعون** (5:55) یاد رکھو! اے جماعتِ مومنین! تمہارا دوست' تمہارا سرپرست' تمہارا پاسبان' تمہارا نگہبان' اللہ ہے۔ یہاں دیکھیے آگے رسول اور جماعت مومنین یہ بھی ساتھ کہا ہے کہ یہ ہیں لیکن ایک بڑا باریک نقطہ ہے اس کے اندر۔ یہاں **ولیکم** واحد کا صیغہ لیا ہے۔ بنیادی طور پہ تو یہ سرپرستی جو ہے وہ خدا ہی کی ہے وہی ہے ولی' وہی ہے سرپرست لیکن اس کی محسوس سرپرستی جو ہے وہ انسانوں کے راستے سے ہی سامنے آتی ہے۔ محسوس سرپرستی اس کی' دوستداری اس کی۔ **و رسوله و الذین اٰمنوا** (5:55) اس کا رسول اور جماعت مومنین تمہارے یہی دوست ہو سکتے ہیں۔ انہی کی دوستداری' انہی کی سرپرستی' اسی میں دین کا ثبات و قیام ہے۔ **و الذین اٰمنوا الذین** (5:55) اب ان کی دو تین خصوصیات یہاں بتائیں: وہ ایمان والے **یقیمون الصلٰوۃ و یؤتون الزکٰوۃ** (5:55) عزیزانِ من! یاد رکھیے! قرآن نے ہمیشہ یہ دو بنیادی خصوصیات بتائی ہیں۔ جیسا کہ میں نے کئی دفعہ عرض کیا ہے یہ نماز جو ہے یہ ایک مختصر Miniature Form کے اندر اسی نظام کی ایک سمٹی ہوئی شکل ہے لیکن صلٰوۃ زندگی کے پورے نظام کے اوپر حاوی ہوتا ہے۔ صلٰوۃ کے معنی ہوتا ہے زندگی کے ہر گوشے میں قوانینِ خداوندی کے پیچھے پیچھے چلتے چلے جانا۔ یہ ہوتا ہے اس قوم کا نظام اور اس کا مقصد ہوتا ہے **یؤتون**

الـزکٰوۃ نوعِ انسانی کی پرورش کا سامان بہم پہنچانا۔ یہ اصطلاحی چیز جو ہے یہ آپ کے ہاں کا ایک شریعت کا قانون کسی زمانے کا بنا تھا۔قرآن میں یہ چیز ہے کہ یہ مقصود یہ ہے اس نظام سے اور اس امت سے اور اس قوم سے جو اس نظام کو لے کے کھڑی ہوگی کہ زندگی کے ہر گوشے میں وہ خدا کے قوانین کے پیچھے پیچھے چلی جائے گی اور مقصد ان کا ہوگا پوری عالمگیر انسانیت کو نشوونما کے سامان بہم پہنچانا۔ یقیمون الصلوٰۃ و یؤتون الزکٰوۃ (5:55)۔ایک لفظ میں ساری بات نمٹادی و ھـم راکعون (5:55) ضمناً میں عرض کروں اگر عام معنی اس کے کیے جائیں بات بنتی نہیں ہے یـقـیـمون الصلوٰۃ کہ وہ نماز پڑھتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں و ھـم راکعون وہ رکوع کرتے ہیں۔ترجمہ کیا جائے تو کہا جائے گا کہ پہلے تو کہا گیا نماز پڑھتے ہیں تو پھر کہا گیا رکوع کرتے ہیں یعنی نماز پڑھتے ہیں تو کیا رکوع کرتے ہی نہیں ہیں ''اے وکھرا کہنا پیا اوہنوں'' (یہ اسے علیحدہ سے کہنا پڑا)۔آپ دیکھتے ہیں! قرآن پہ ذرا غور کرنے سے بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ یہاں صلوٰۃ کے معنی وہ پورا نظام ہے۔ یہاں یہ مفہوم کے اعتبار سے کہا گیا ہے یعنی صورت ان کی یہ ہے راکعون ۔راکعون کے معنی ہوتا ہے جھکنے والے۔ان کی کیفیت یہ ہے کہ وہ قوانینِ خداوندی کے سامنے جھکے ہوئے ہوتے ہیں۔بس یہ ہے ان کی خصوصیت۔و ھـم راکعون سرِ تسلیم خم ہے۔جہاں ان کے سامنے کوئی چیز احکامِ خداوندی میں سے' قانونِ خداوندی میں سے آئی' اور وہ ان کے سامنے جھک گئے۔ یہ ہیں وہ لوگ کہ جو نظامِ صلوٰۃ قائم کرتے ہیں عالمگیری نشوونما کا سامان بہم پہنچاتے ہیں یہ ہیں یاد رکھو! جو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ دوستی کے سرپرستی کے تعلقات رکھتے ہیں۔اور اگر یہ صورت نہیں و مـن یتـول الـلـه و رسوله و الذين اٰمنوا (5:56) یاد رکھو! جو شخص بھی دوست داری اختیار کرے گا' اللہ کی' اس کے رسول کی' جماعتِ مومنین کی' فـان حـزب الـلـه (5:56) یہ ہے خدا کا لشکر' یہ ہے خدا کی قوم' خدا کی پارٹی جسے کہتے ہیں۔حزب کے معنی تو اب پارٹی ہمارے ہاں آیا ہوا ہے۔اگرچہ یہ لفظ ہمارے ہاں حزبِ مخالف میں ہی یہاں آیا ہے یعنی قوم کی بدقسمتی دیکھیے' یہ اپوزیشن جو ہوتی ہے پارلیمانی نظام کی۔حزب اللہ قرآن نے جماعتِ مومنین کو کہا ہے۔ٹھیک ہے وہ کہا ہے دنیا میں پارٹیاں ہوتی ہیں دوسروں کی' ہماری بھی ایک پارٹی ہے' خدا کی پارٹی۔عزیزانِ من! کتنی بڑی چیز ہے۔ ہر پارٹی والا اپنے اپنے لیڈر کی طرف اپنی نسبت کرتا ہے' یہ فلاں کی پارٹی' فلاں کی پارٹی۔وہاں بھی اسی نسبت سے وہاں بیٹھتے ہیں۔وہ کہتا ہے صبـغـت الله یہ نسبتیں سب غلط ہیں' تم اور وہ سارے مل کے حـزب الله صرف خدا کی پارٹی۔اس کے برعکس اس نے ایک اور پارٹی کا بھی ذکر کیا ہے' سارے قرآن میں دو ہی پارٹیوں کا ذکر ہے' حزب اللہ اور حزب

الشیطان۔ وہ حزب اللہ میں نہیں ہیں حزب الشیطان میں ہیں۔ اب وہ جو اقبالؒ نے کہا تھا کہ آپ کے ہاں صرف مغرب کی تقلید دیکھ رہا ہوں' وہاں سے جو نظام آپ کے ہاں جمہوریت کا آیا' پارلیمانی نظام آیا' اس کے اندر ساری قوم مسلمانوں کی بیٹھی ہوئی ہے۔ اس قوم کے اندر یہ کہتے ہیں کہ جب تک اتنے اپوزیشن حزبِ مخالف نہیں ہوگی نظام نہیں چل سکتا۔ اولعنت اس نظام پہ کہ جس نے مسلمانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ اس طرح کہ ایک گروہ دوسرے گروہ کے خلاف مستقلاً وہاں بیٹھا ہوا ہوتا ہے کہ صاحب! اس کے بغیر چل ہی نہیں سکتا۔ قوم کو پارٹیوں میں تقسیم کیا' قرآن نے جس کو شرک کہا ہے جس کو کفر کہا ہے۔ جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کہا ہے کہ جو پارٹیاں بنالیں' وہ مذہبی فرقہ ہو یا سیاسی پارٹی ہو **لست منھم فی شیء** اے رسول! تیرا ان سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ خدا کے متعلق کہا کہ وہ خدا کے شریک کرتے ہیں مشرکین ہوتے ہیں **ولا تکونوا من المشرکین من الذین فرقوا دینھم** یہ پارٹیاں بنانے والے' یہ فرقے بنانے والے' مشرک ہیں رسول کا ان سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہاں یہ کہا جاتا ہے کہ جب تک قوم کے اندر پارٹیاں نہ ہوں سیاست ہی نہیں ان کی چلتی۔ سیاست ابلیسی ہے' سیاستِ فرعونی۔ قرآن نے ایک سیاست کے متعلق ذکر کیا ہے جس کو ختم کرنے کے لیے اتنے بڑے صاحبِ ضربِ کلیمؑ کی ضرورت تھی۔ فرعون کے متعلق قرآن نے جو پہلا جرم عائد کیا وہ کیا ہے؟ کہا ہے وہ قوم کو پارٹیوں میں تقسیم کیا کرتا تھا اور پھر میکیاولی سیاست یہ تھی کہ کبھی ایک پارٹی کو بڑھاتا تھا کبھی دوسری پارٹی کو بڑھاتا تھا۔ اسے قرآن نے فرعونی سیاست قرار دیا ہے۔ اپنے نظام کے متعلق کہا ہے کہ اس میں پارٹی بازی شرک ہے' کفر ہے' رسول سے بغاوت ہے۔ یہاں کہا جاتا ہے کہ پارٹیوں کے بغیر سیاست نہیں یعنی فرعونی سیاست جو ہے وہ آپ کے ہاں کی روحانی سیاست ہو رہی ہے۔ اور بڑے بڑے اسلام کے نام لینے والے مقدسین کا طائفہ بھی پارٹیاں بنا کے بیٹھے ہوئے ہیں۔ پہلے انہوں نے فرقے بنائے ہوئے تھے وہ شرک ہے' قوم بدبختی سیاست میں آ گئے حالانکہ اس نے اس وقت ہی یہ کہہ دیا تھا کہ

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا جانیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

دورِ حاضر کی سیاست سمجھ میں آنے والی نہیں' بڑی مشکل اصطلاح ہے یہ۔ آ گئے سیاست کے اندر۔ اس نے کہہ دیا کہ

میں جانتا ہوں انجام اس کا
جس معرکے کا ملا ہو غازی

فرقہ بندی سے تیرہ سو برس سے آپس میں سر پھٹول ان کے ہو رہی ہے' شرک میں مبتلا ہیں۔ وہ کچھ ماند پڑ رہی تھی اس لیے کہ جو اگلا گروہ ہمارا نسل کا آ رہا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ یہ سوال ہی نہیں اس کے نزدیک کہ یہ شیعوں کا فرقہ اچھا ہے یا سنیوں کا' دیو بندیوں کا اچھا ہے بریلوی کا اچھا ہے' وہ سرے سے اسلام سے منکر ہو گئے۔ دہن کا ذکر کیا یہاں سر ہی غائب ہے گریباں سے۔ اس لیے یہ فرقہ بندی کی گرہیں آپ دیکھتے تھے کچھ ماند پڑ رہی تھیں' کچھ کھل رہی تھیں۔ تو ابلیس نے ان کے کان میں یہ کہا کہ صاحب! یہ فرقوں کا دور چلا گیا پارٹیاں بناؤ۔ ہر ملا نے اپنی پارٹی بنا لی۔ فرعونی سیاست شرک ہے' رسول کا کوئی واسطہ اس سے نہیں اور اسلام کی سربلندی کے لیے یہ نظام؟؟؟؟ ۔ ٹھیک ہے یہ میدان میں نکل آئے شیطان آزاد ہو گیا دوسروں کی ضرورت ہی نہیں پھر پڑی۔ قرآن نے تو دو ہی پارٹیوں کا کہا ہے: حزب اللہ اور حزب الشیطان۔ یہاں یہ جو جماعت آ رہی ہے **فان حزب الله** (5:56) اور ان کے متعلق کہا ہے **هم الغٰلبون** (5:56) حزب اللہ کی پہلی نشانی یہ ہے کہ کفر پہ غالب ہوتی ہے۔ جب یہ کہیں کفر سے مغلوب ہوئی کفر پہ ہوئی تو سمجھ لیجیے حزب اللہ نہیں رہی۔ **یایها الذین اٰمنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم هزوًا و لعبًا** (5:57)۔

عزیزانِ من! وقت ہو گیا۔ ہم سورۃ المآئدۃ کی آیت 56 تک آ گئے 57 سے اگلی دفعہ ہم لیں گے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم . بسم الرحمٰن الرحیم

سورۃ المآ ئدۃ۔گیارھواں باب (آیات 57 تا 69)

عزیزانِ من!

آج مئی 1971ء کی 23 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ المآ ئدۃ کی آیت 57 سے ہوتا ہے (5:57)

تجدید یاداشت کے لیے عرض کردوں سابقہ آیات میں کہا یہ گیا تھا کہ اے جماعتِ مؤمنین! اپنوں کے علاوہ کسی اور کو اپنا راز دان نہ بنانا' اپنا دوست نہ سمجھنا' اپنا سرپرست نہ تصور کر لینا۔ یہ ذہن میں نہ رکھنا کہ ان کے ہاں سے تمھیں اقتدار اور اختیارات مل جائیں گے' ان کے ہاں سے تمھیں عزت وتکریم مل جائے گی یہ ان کے جھوٹے وعدے ہونگے۔ان کی کیفیت یہ ہے کہ وہ ہر اس بات سے خوش ہوتے ہیں جس سے تمھیں نقصان پہنچتا ہو اور ہر وہ بات کہ جس سے تمھیں فائدہ پہنچتا ہو ان پر بڑی گراں گذرتی ہے۔لہٰذا اپنے وہی ہیں جو تمہارے اپنے ہیں۔ دوسروں کے ساتھ تعلقات معاہدات کے رکھو' حسن سلوک کے رکھو' انسانی حقوق یہ دو انہیں' انسانیت کی تکریم رکھو۔لیکن اپنے نظام میں اپنی جماعت میں ان کو شریکِ حکم نہیں تم کر سکتے' راز دان نہیں بنا سکتے' ان پہ بھروسہ نہیں کر سکتے۔ان کی مدد سے اگر چاہو کہ تمھیں دنیا میں تقویت حاصل ہو تو بالکل غلط ہے۔اور اگلی چیز میں نے یہ کہی تھی کہ اس نے کہا یہ تھا کہ جو شخص ایسا کرے گا تم میں سے یہ اتنا سنگین جرم ہے کہ اس نے کہا کہ یہ ارتداد ہے وہ مرتد ہو جاتا ہے۔ مرتد کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ اسلام کا مذہب تیاگ کر چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کر لیتا ہے بلکہ قرآن کی رو سے اپنوں کو چھوڑ کے غیر جو ہیں دوسرے جو ہیں ان پر اعتماد کر لینا ان پر بھروسہ کرنا انہیں راز دار بنا لینا ان سے تقویت چاہنا کہا یہ ارتداد ہے اس سے تمہارا دین ہی باقی نہیں رہ جاتا۔اور اگلی چیز یہ تھی کہ اگر جماعتی حیثیت سے' قومی حیثیت سے' گروہ کی حیثیت سے کسی نے ایسا کیا تو پھر وہ یاد رکھے کہ خدا پھر ان کی جگہ دوسری قوم بھیج دے گا وہ ان جیسی قوم نہیں ہوگی۔تو میں نے عرض کیا تھا کہ قرآن کے حقائق تو ابدی ہیں لیکن بعض اوقات قوموں کی زندگی میں ایسے حوادث اور واقعات آجاتے ہیں کہ وہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعی ہمارے لیے کہے گئے تھے۔سابقہ دنوں ہم پہ جو قیامت گذری ہے معاشرستان بنگلہ میں اس سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ جب کوئی قوم' کوئی جماعت' کوئی گروہ اپنوں میں سے اپنوں کو چھوڑ کے دوسروں کے ہاں جاکے ان چیزوں کو تلاش کرتا ہے انہیں راز داں بناتا ہے سرپرست تصور کرتا ہے ان کی مدد کے بھروسے کے اوپر اپنے اندر خلفشار پیدا کرتا ہے اس کا نتیجہ یہ کچھ ہوا کرتا ہے۔ یہ کچھ قرآنِ کریم نے کہا۔تو پہلی چیز تو یہ کہی کہ جو غیر مسلم ہیں ان کے ساتھ یہ تعلقات تم نہ رکھو۔اور وہ اب ایک قدم اور آگے بڑھتا ہے۔(یـایھـا الـذین اٰمنوا لا تتخذوا الذین دینکم ھزوًا و لعبًا من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم و الکفار اولیآء) (5:57)

جو لوگ بھی تمہارے دین کو مذاق سمجھیں استہزاء کریں بلکہ اس کا صحیح تصور یہ ہے کہ جو اسے Lightly لیں Seriously نہ لیں دین کو اور اس کا اگلا حصہ جو ہوتا ہے جب کسی چیز کو Seriously نہ لیا جائے تو آہستہ آہستہ پھر اس Redetule کرنا شروع کر دیتا ہے استہزاء شروع ہو جاتی ہے اس سے، تمسخر شروع ہو جاتا ہے، مذاق شروع ہو جاتا ہے۔ کہا کہ جو تمہارے دین کے ساتھ اس قسم کا انداز اختیار کرے انہیں بھی اپنا دوست نہ بناؤ۔(واتقوا اللہ ان کنتم مؤمنین) (5:57) اس سے ڈرو نہیں کہ اس سے وہ دشمن ہو جائیں گے، تمہیں احتیاط برتنی چاہیے اس امر کی کہ قوانین خداوندی کی خلاف ورزی کسی طرح سے نہ ہونے پائے۔ اگر اس کے اوپر تم قائم رہے تو پھر تمہیں ڈرنے کی کوئی بات نہیں کوئی وجہ تمہارے لیے نہیں ہے اگر تم واقعی خدا کے قوانین پہ یقین رکھتے ہو اور بھروسہ رکھتے ہو ان کی نگہداشت کرتے تو پھر تمہیں گھبرانے کی بات نہیں ڈرنے کی بات نہیں۔ یہاں تو بات قرآن نے یہی کہی کہ تمہارے دین کو جو مذاق کرے اس سے استہزاء کرے اس کو Seriously نہ لے انہیں بھی دوست نہ بناؤ۔ لیکن عزیزانِ من! قرآن ایک قدم اور آگے جاتا ہے اور میں سمجھتا ہوں میری اپنی تو کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ جب اس قسم کے مقامات میرے سامنے آتے ہیں تو واقعی روح وجد میں آ جاتی ہے۔ اتنا حصہ میں سمجھتا ہوں کہ ہر اہل مذہب کہے گا کہ جو شخص بھی ان کے مذہب کو ان کا تمسخر اڑائے اس سے مذاق اڑے استہزا کرے وہ یقیناً کبھی بھی اس کو وہ دوست نہیں بنائیں گے ان کے ساتھ اس قسم کے تعلقات وابستہ نہیں کریں گے۔ بلکہ قرآن نے تو یہ کہا ہے کہ اگر کسی مجلس میں محفل میں بیٹھے ہوئے بھی ایسی گفتگو چھڑ جائے جس میں تمہارے دین کا استہزاء ہو رہا ہو اس کو Lightly لیا جا رہا ہو تم وہاں سے اٹھ کے چلے آؤ۔ میں کہہ یہ رہا تھا کہ اتنے حصے تک تو ہر اہل مذہب یہ کہے گا کہ جو بھی ان کے مذہب کی باتوں کا تمسخر اڑائے گا استہزاء کرے گا وہ ان کے ساتھ کبھی بھی دوستانہ تعلقات نہیں رکھیں گے۔ لیکن قرآن جیسا میں نے عرض کیا ہے آگے جاتا ہے۔(وذر الذین اتخذوا دینهم لعبا و لهوًا و غرتهم الحیٰوة الدنیا) (6:70) تمہارا ہی دین نہیں۔ اب اس آیہ جلیلہ کو سمجھنے کے لیے ایک تمہیدی تشریح کی ضرورت پڑے گی۔ یہاں کہا ہے غرتهم الحیٰوة الدنیا، میں اس کے پہلے معنی یا ترجمہ پیش کر دوں کہ جو لوگ خود اپنے مذہب کو بھی مذاق سمجھ لیں تم انہیں بھی چھوڑ دو ان سے بھی کنارہ کش ہو جاؤ۔ پہلی چیز تھی کہ جو لوگ تمہارے دین کا مذاق اڑائیں اسے Seriously نہ لیں انہیں چھوڑ دو ان سے دوستدارانہ تعلقات قائم نہ رکھو۔ تو میں نے کہا تھا کہ یہ چیز ہر مذہب والا کرے گا۔ یہاں یہ کہا ہے کہ جو لوگ خود اپنے مذہب کے متعلق بھی یہ رویہ اور یہ ذہنیت اختیار کر لیں وذر الذین ان کو چھوڑ دو ان سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ بات کیا ہوئی یہ؟ دنیا میں دو قسم کے تصور آئیں گے زندگی کے: ایک تصور حیات تو یہ ہے جسے Purily Materialistic یا سیکولر کہتے ہیں زندگی اسی طبعی زندگی کا نام ہے، طبعی Physical Laws کے مطابق زندگی چلتی رہتی ہے اسی کے مطابق ایک دن آتا ہے یہ مشینری بند ہو جاتی ہے چلنے سے، انسان مر جاتا ہے اس کا خاتمہ ہو جاتا

ہے انسان کا خاتمہ ہو جاتا ہے بات ختم ہو جاتی ہے۔ زندگی کا یہ تصور جو ہے اس میں Values کا کوئی مقام نہیں آتا۔ دیانت' امانت' صداقت' شرافت یہ چیزیں اس میں آتی نہیں ہیں۔ طبعی قوانین کی سطح پر زندگی حیوانی سطح ہے۔ حیوانی اور انسانی سطح زندگی میں فرق یہ ہے حیوان کی سطح پر Values کا تصور نہیں ہوتا اقدار کا تصور نہیں ہوتا اس میں صرف Utility Value ہوتی ہے میرے لیے کونسی چیز مفید ہے خواہ وہ کھانے کی ہو خواہ وہ معاملات کی دنیا میں ہو۔ میرا فائدہ کس چیز میں ہے جائز اور ناجائز کا تصور وہاں نہیں آتا جائز وہ کہ جس سے مجھے فائدہ پہنچے میرے خاندان کو فائدہ پہنچے میری قوم کو فائدہ پہنچے۔ سوال ہی نہیں کہ دوسروں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے ان کو اس سے کتنا نقصان پہنچ رہا ہے۔ حیوان کی زندگی جو ہے وہ طبعی ضروریات پوری کرنے کی زندگی ہے۔ ایک بیل کو اس سے غرض نہیں جب اسے بھوک لگے ایک طرف اس کے اپنے مالک کا کھیت ہو دوسری طرف دوسرے کا کھیت ہو وہ یہ نہیں تمیز کرے گا کہ مجھے اپنے مالک کے کھیت میں سے چرنا چاہیے دوسرے کے کھیت میں منہ نہیں مارنا چاہیے' وہ اپنے اور دوسرے کی تمیز نہیں کرسکتا۔ اسے ہی کہتے ہیں جائز اور ناجائز کی تمیز۔ مقصد بھوک کا پورا کرنا ہے جس طرح سے بھی ہو جائے۔ اور انسان تو ایک قدم آگے بڑھتا ہے وہ بیل تو شاید بھولے سے ہی اپنے ہی مالک کے ہاں کا کھیت چرے دوسرے کے ہاں منہ مارے' انسان تو ایسے وقت میں دیکھ لیتا ہے کہ دوسرے کی چیز اگر پڑی ہوئی ہے آسانی سے ہاتھ آتی ہے تو اپنی رکھ لیتا ہے ایک طرف سنبھال کے دوسرے کی جو ہے اس کو ہڑپ کر لیتا ہے۔ انسانی سطحِ زندگی پہ اقدار سامنے آتی ہیں کہ نہیں! مجھے یہ نہیں کرنا مجھے یہ کرنا چاہیے۔ یہ 'چاہیے' والا جو سوال ہے نا یا 'نہ کرنا چاہیے' والا سوال انسانی زندگی میں آتا ہے حیوانی زندگی میں نہیں آتا۔ انسانوں میں یہ جو سطحِ زندگی ہے جسے قرآن حیوانی سطحِ زندگی کہتا ہے جہاں اقدار نہیں سامنے آتیں محض Utility Value آتی ہے فائدہ صرف ہوتا ہے طبعی زندگی ہوتی ہے یہ جو Concept ہے وہ اسے مادی تصورِ حیات کہتا ہے۔ مادی تصورِ حیات میں آپ دیکھتے ہیں جیسا میں نے کہا اقدار نہیں ہوتی نا۔ دوسری طرف ایک Concept ہے جس میں یہ کہا جاتا ہے کہ نہیں! انسان ہے خدا بھی ہے انسان جو کچھ کام کرتا ہے اس کا نتیجہ اس کے سامنے آتا ہے بھلے کاموں کا اچھا نتیجہ' برے کاموں کا برا نتیجہ۔ انسان کی زندگی اسی دنیا کی زندگی نہیں ہے اس کے بعد کی بھی زندگی بھی ہے ایک یہ تصور آتا ہے۔ ایک اصول آتا ہے

؎ مندے کمی نا نکا جد کرمندا ہو

یہ ایک اصول اس نے بتایا کہ برا کام جب بھی کیا جائے جہاں بھی کیا جائے جو بھی کرے اس کا نتیجہ برائی ہوتا ہے۔ میں نے ایک عام فہم محاورے کے طور پہ یہ بات کہی کہ یہ ایک اصول ہوتا ہے۔ برے سے مراد ہوتا ہے وہ جو اقدار ہیں ان کے خلاف جو کچھ یا جائے۔ یہ تصورِ زندگی جو ہے اسے Religion کا تصور کہتے ہیں۔ اس تصور کے ماتحت ایک فرق ہوتا ہے کہ اصولاً یہ چیزیں سب مانتے ہیں بس آگے جا کے ان کی تشریح اور تفسیر میں

فرق پڑتا ہے۔ برائی کسے کہا جائے گا' بھلائی کیا ہوتی ہے' اس کے لیے طریقہ کیا ہے۔ مثلاً دین میں یہ تمام چیزیں ایک نظام کے تابع ہوتی ہیں اجتماعی زندگی ہوتی ہے اس میں غیر متبدل اصول ہوتے ہیں جو وحی کے ذریعے ملتے ہیں جنہیں کوئی تبدیل نہیں کرسکتا۔ وہی دین جب مذہب کی سطح پہ آتا ہے تو یہ اصول اس میں سارے باقی رہتے ہیں خدا کا ماننا' مکافات عمل کا ماننا' اس دنیا کے بعد زندگی کا آگے چلنا ان کے تصور میں فرق پڑ جاتا ہے۔ خدا کس قسم کا ہے اس کے تصور میں فرق پڑ جائے گا۔ انسانی اعمال کا جو نتیجہ آتا ہے سامنے وہ کس انداز سے آتا ہے اس تصور میں فرق پڑ جائے گا۔ مرنے کے بعد کی زندگی کے تصور میں فرق پڑ جائے گا کہیں وہ آواگون کا چکر آ جائے گا بار بار اسی دنیا کے اندر Transmigration of soul کے ذریعے سے آتا رہتا ہے۔ کہیں مرنے کے بعد اگلی زندگی آ گئی اس میں ایک خاص تصور ہوگا ایک میدان ہوگا اس میں لوگ جمع ہونگے وہاں پھر یہ تصور ہو جائے گا مکافاتِ عمل کا حضرت مسیحؑ کے کفارے پہ ایمان لایا جائے تو اس سے یوں گناہ دھل جاتے ہیں۔ یہودیت کا تصور آ جائے گا کہ بنی اسرائیل کے گھر میں پیدا ہونے سے نجات ہو سکتی ہے۔ ہندوؤں کا تصور آ جائے گا کہ پیدائش کے اعتبار سے مختلف گروہ یا ورن یا ذاتیں یہ متعین ہوتی ہیں۔ جنت اور دوزخ کا تصور جو ہے اس کی تشریح میں کچھ فرق پڑ جائے گا یا Concept میں کچھ فرق پڑ جائے گا۔ یہ فرق پڑ جائے گا دین میں اور مذہب میں۔ اصولاً بات تو باقی رہے گی کہ زندگی صرف اسی دنیا کی زندگی نہیں ہے۔ برے بھی کام ہوتے ہیں اچھے بھی کام ہوتے ہیں برے کا نتیجہ برا ملتا ہے اس زندگی میں ملتا ہے اگلی زندگی میں جا کے ملتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس برے نتیجے کے ازالے کے لیے کیا کیا شکلیں ہوتی ہیں۔ ان چیزوں میں فرق ہوگا اصولاً یہ چیز مانی جائے گی یہ دوسرا تصورِ زندگی ہے۔

اب قرآن نے یہ بتایا ہے کہ دین کا جو تصور ہے خدا کی طرف سے یہ تصورات جو ملے یہ اصول اور قوانین جو ملے وہ قرآنِ کریم کے اندر اپنی اصلی غیر متبدل شکل کے اندر ہیں۔ باقی مذاہب جو دنیا میں ہیں وہ دین اپنی اصلی شکل میں نہیں رہا وہ انسانوں کے خود ساختہ تشریحات جو ہیں انہوں نے خدا کی وحی کی جگہ لے لی۔ اس اعتبار سے وہ دعوت دیتا ہے تمام اہل مذاہب کو وہ بھی یہی دین اختیار کریں۔ لیکن آپ دیکھئے قرآن اس میں پھر فرق کرتا ہے ایک تو یہ ہے کہ یہ دین ہے اور باقی بگڑے ہوئے دین کی شکلیں ہیں جو مذاہب ہیں۔ لیکن میں نے کہا کہ ان مذاہب میں بھی قرآن کہتا ہے وہ تصور تو یہ ہے نا زندگی کا کہ برائی کا کچھ برا نتیجہ ملتا ہے بھلائی جو ہے وہ اچھا نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ کوئی اہل مذہب بھی یہ کچھ نہیں کہے گا کہ صاحب چوری کرنا بہت اچھا ہے جھوٹ بولنا بڑا اچھا ہے بد دیانتی کرنا بڑا اچھا ہے یہ تصور وہاں نہیں ہوگا۔ لیکن اگر اس تصور کو بھی چھوڑ کے وہ مادی تصور اختیار کیا جائے کہ یہ سب اگلے وقتوں کے لوگوں کی باتیں کہانیاں بنی ہوئی ہیں۔ جس زمانے میں انسانیت ابھی اپنے عہد طفولیت میں تھی تو جو اچھے لوگ تھے انہوں نے ان کو ڈرانے ورانے کے لیے اس قسم کے تصور پیدا کر دیے یہ ساری باتیں بکواس ہیں جناب۔ وہ زندگی یہ زندگی ہے جس

طرح سے فائدے کی بات ہو فائدے کی بات کیجیے دیانت امانت صداقت وغیرہ والی بات بالکل غلط ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ اس تصور میں آ کر ہوتا پھر یہ ہے اگلا قدم استہزاء کا جسے قرآن کہتا ہے آپ کے معاشرے میں کوئی شخص بھی اگر دیانتدارانہ زندگی بسر کرتا ہے اس کے ہمعصر جو ہیں چشمک پیدا ہو جاتی ہے انہیں' الگ ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ؟؟؟ پتہ لگ جائے گا بڑے نیک بنے پھرتے ہیں۔ دیکھتے ہیں مذاق۔ یعنی اس کو Appreciate نہیں کر رہے یہ نہیں ہو رہا کہ بہرحال ہم سے اچھا ہے کچھ اصول پرست تو ہے۔ وہ جب عام رشوت ہوئی آج تو خیر یہ بات بھی کوئی نہیں کرتا شروع شروع میں یہ چیز ابھی تھی۔ ایک دوست نے کہا کہ دفتر میں فلاں صاحب ہیں وہ بہت نیک آدمی ہے دیانتدار ہے فرائض شناس ہے کسی سے کچھ پیسہ نہیں لیتا۔ دوسرے صاحب بیٹھے ہوئے تھے کہنے لگے صاحب گردے کمزور ہونگے اس کے اس لیے یہ کچھ نہیں کرتا' یہ کچھ کرنے کے لیے ذرا دل گردے کی ضرورت ہے۔ یعنی دیانتدار جو ہے اس کے متعلق کہا گیا کہ کمزور آدمی ہے ناحوصلہ نہیں پڑتا' عصمت بی بی از بیچارگی' تمسخر آیا ہے ذہنیت میں' استہزاء آیا ہے اور آج تو یہ عام چیز ہوگئی۔ اول تو یہ جنس نایاب ملتی بہت کم ہے کہ کوئی دیانتدار امانت اور دیانت میں جائز اور ناجائز میں فرق کرنے والے ہوں۔ اور اگر کہیں ہوتے بھی ہیں تو آپ دیکھیئے گا ان کے متعلق انداز اسی قسم کا کچھ ہوتا ہے استہزاء سا ہی۔ کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ Beleive ہی نہیں کرتے کہ ہاں صاحب! بہت سے دیکھے بنے پھرتے ہیں' آخر میں معلوم ہو جاتا ہے کہ کیا کر رہے تھے۔ اور کچھ یہ کچھ کرتے ہیں کہ ہاں ٹھیک ہے جی! بدھو ہے بالکل۔ یعنی اس تصورِ زندگی میں وہ جو اقدار کا تصور تھا خود اس تصور کو استہزانا انداز سے دیکھا جاتا ہے اقدار کا مذاق اڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ جو قرآن نے کہا ہے کہ جو لوگ خود اپنے مذہب کو بھی وہ کسی قسم کا بھی کیوں نہ ہو۔ عجیب بات ہے صاحب قرآن کی یعنی پھر دہرادوں کہ جو پہلے کہا کہ جو تمہارے مذہب سے دین سے مذاق کرے اس سے الگ ہو جاؤ۔ یہ کہا اگلے درجے پہ کہ تمہارے ہی نہیں جو اپنے مذہب سے استہزاء کرتا ہے اسے Lightly لیتا ہے اس سے بھی قطع تعلق کر دو۔ یہ ذہنیت اگر یہ رہتی کہ ہاں صاحب! خدا ہے مکافاتِ عمل ہیں Law of retaliation ہے برے کام کا بدلا برا ملتا ہے اچھائی اچھائی ہے بہرحال دیانت صداقت امانت عمدہ چیزیں ہیں۔ ان کے تشریحات میں ان کے تصورات میں اگر کہیں کوئی غلطی بھی ہوگئی ہے باطل ہے تو اس کو تم صحیح کر سکتے ہو۔ اور جو سرے سے ہی ان چیزوں کا ہی منکر ہے اور منکر ہونے کے بعد ان کا مذاق اڑاتا ہے انہیں تم اپنی طرف بڑی مشکل سے لاؤ گے۔ آپ دیکھیئے گا ہمارے معاشرے میں ابھی عمر کے اعتبار سے وہ بزرگ ہیں موجود' اس مجلس میں بھی موجود ہیں جنہوں نے اپنی ابتدائی زندگی کے معاشرے میں ابھی دیکھا ہوگا کہ دیانت اور امانت اور صداقت کا مذاق نہیں اڑتا تھا۔ برے لوگ اس زمانے میں بھی تھے لیکن برے کو برا کہتے تھے۔ محلے میں یا شہر میں کسی کو کہنا کہ بدمعاش ہے ایک تو وہ ہوتا ہی ایسا تھا کہ کہیں کہیں وہ ہوتے تھے وہ' اور پھر یہ کہ کوئی شخص اس کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا تھا۔ راشی ہے وہ افسر فلاں' یہ ایسی چیز تھی جس

کے متعلق یہ کہہ دیا جاتا تھا معاشرہ اس کو مذمت کی نگاہ سے دیکھتا تھا نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اس میں ہندو بھی تھے مسلمان بھی تھے پُن اور پاپ کا تصور ذرا مختلف ہوجاتا تھا۔ یہ تصور تو ہندو کے ہاں ہوجاتا تھا کہ ٹھیک ہے مسلمان سے سود کی شکل میں جتنا جی چاہے لے لیجیے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ صبح اٹھئے آٹا لیجیے یہ کیڑے مکوڑے''اوہدے تے آٹا پاندے پھرو' لون دی ایہڈی وڈی لیکر لے کے تے رکھ لیندے سن اوگایاں آ کے اونوں چٹدیاں سن' سبیل لگادیندے ہیگے سن' وڈا سارا ہسپتال وی بنا دیندے سن''۔ یعنی ان کے ذہن میں یہ تھا کہ اُدھر جو کچھ وہ کرتے ہیں انسانوں کے ساتھ اگر وہ اس قسم کا معاملہ کر کے اسے جائز تصور کرتے تھے اس کے ازالے کے لیے بھی ذہن میں خیرات کی چیزیں کرنا جو تھا وہ ان کے ذہن میں ابھی تھی دین کی بگڑی ہوئی شکل تھی۔ دین تو ایسا نظام دیتا ہے نا جس میں کسی انسان کے خلاف کوئی چیز مضرت رساں آپ کر ہی نہیں سکتے۔ لیکن بہرحال یہاں تک تو چیز تھی برائی کو برائی سمجھتے تھے' فحش کاری ان کے ہاں بھی بری سمجھی جاتی تھی' جھوٹ کے متعلق تو میں نے اپنے کانوں سے اپنے بچپن میں اپنے محلے کے دوکاندار سے یہ کہتے ہوئے سنا۔ تیل بیچنے والا تھا وہ اور یہ تیلی باہر سے لاتے تھے تیل اور اس کے ہاں دیا کرتے تھے وہ تھوک فروش تھا ہندو۔ کوئی بات ہو رہی تھی یہ مجھے پتہ نہیں' چھوٹا سا تھا۔ ہم جو باہر نکلے تو ہندو میاں جی کہا کرتے تھے مسلمانوں کو۔ میں حالانکہ بچہ تھا اس نے مجھ سے یہ کہا کہ دیکھو جی میاں جی''اے مسلمان ہو کے جھوٹ بولدا اے پیا''۔ اللہ اکبر۔ میں نے اپنے بچپن میں یہ سنا ہے۔ اس ہندو کو یہ تعجب ہو رہا تھا کہ یہ مسلمان ہو کے جھوٹ بول رہا ہے۔ تو گویا جھوٹ بولنا اس کے ہاں بھی معیوب تھا۔ اور اگلی بات یہ تھی کہ بہرحال اور تو کوئی بول بھی لیا کرتے ہیں مسلمان تو جھوٹ نہیں بول سکتا۔ Values تھیں اقدار تھیں۔ اس کے بعد اب دور ہمارے ہاں یہ آیا ہے مغرب کا جو تصور آیا ہے زندگی کا حیوانی سطح کا Materialistic Concept کا اس میں کیفیت یہ ہوگئی کہ اب دیانت اور امانت اور صداقت جو ہے یہ مذاق کا موجب بن گئی ہیں۔ اب کسی سے آپ نے کبھی یہ نہیں سنا ہوگا کہ صاحب دیکھئے جھوٹ بولتا ہے۔ اسے پتہ ہے کہ میں خود صبح سے شام تک جھوٹ بولتا ہوں۔ وہ کہتا یہ ہے کہ جھوٹ بولے بغیر چارہ ہی نہیں ہے۔ یعنی یہ Concept جو آیا نا عزیزانِ من! قرآن کے ایک ایک لفظ پہ غور کیجیے کہتا ہے یہ Concept جو آتا ہے نا کہ نفس مذہب سے ہی تمسخر شروع ہوجاتا ہے۔ مذہب سے مراد پھر میں کہدوں نا اقدار' وہ کچھ بگڑی ہوئی شکل ہی سہی بہرحال اقدار تو کچھ Values تو ان کے ہاں ہوتی تھی نا۔ وہ کہتا ہے کہ اس کے بعد ایک ایسی شکل آتی ہے کہ اس میں خود اقدار ہی وجۂ تمسخر ہوجاتی ہیں۔ یہ کیوں ہوتی ہیں؟ عزیزانِ من! سنئے (غرتھم الحیٰوۃ الدنیا) (6:70) دنیاوی زندگی کو زندگی سمجھا اس نے انہیں دھوکا دیا اور اس دھوکے میں تصور پھر یہ ہوگیا کہ اقدار جتنی ہیں ان کا تمسخر اڑایا جا رہا ہے۔ (غرتھم الحیٰوۃ الدنیا) جسے ہم نے ترجمہ آج کیا ہے Materialistic Concept of Life یہ ترجمہ نہیں اس چیز کا؟ حیات الدنیا قرآن کی رو سے کوئی بری چیز نہیں ہے وہ تو مومن کو دعا سکھاتا ہے کہ اتینا فی

الدنیا حسنة آخرتِ حسنہ سے پہلے دنیا کے حسنات کی دعا سکھاتا ہے۔دنیاوی زندگی بری چیز نہیں ہے۔دنیاوی زندگی کے مفاد کے لیے غلط طریقے اختیار کرنا غرتھم الحیٰوۃ الدنیا ' فریب دے گئی ان کو یہ دنیاوی زندگی کے تصور' دھوکا دے گیا سمجھ لیا کہ زندگی اسی چیز کا نام ہے۔کہا یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے مذہب کو بھی تمسخر کی نگاہ سے پھر دیکھنے لگ جاتے ہیں۔آج وہ کیفیت ہوگئی عزیزانِ من! عیسائی اپنے مذہب سے تمسخر کر رہا ہے' ہندو اپنے مذہب کا استہزا اڑا رہا ہے' خود مسلمانوں کی کیفیت تو اگلی نسل جو ہمارے ہاں آرہی ہے اس کو آپ نے دیکھ لیا ہے۔یعنی وہ اب یہ نہیں فرق کرتے کہ صاحب! یہ ہندوؤں کا باطل سا عقیدہ ہے دیکھئے Transmigration کا کیا بکواس ہے' عیسائیوں کا عقیدہ کفارے کا دیکھئے اس میں کوئی Reason ہی نہیں ہے یا تمہارے ہاں بھی یہ کہیں کہ صاحب ملا کا فلاں عقیدہ جو ہے وہ دیکھئے کس قدر باطل ہے' یہ بات نہیں۔خود ان تصورات سے ہی کہ صاحب کوئی دیانت امانت مرنے کے بعد کی زندگی مکافاتِ عمل یہ بھی کوئی چیز ہے' بکواس ہے۔خود خدا کے متعلق ہی یہ تصور اب پیدا ہوگیا کہ عہد قدیم میں کچھ سیانے لوگ تھے انہوں نے دروغ مصلحت آمیز جسے کہا جاتا ہے مصلحتاً ایک جھوٹی سی بات وضع کی جیسے بچوں کو ڈرانے کے لیے نیکی آئی بھاؤ آیا یہ کرتے ہیں انہوں نے انسانوں کو ڈرانے کے لیے کہہ دیا ایک خدا ہے پھر اس کے بعد جنت ہے وہ جہنم ہے۔یعنی ان تصورات اور اقدار ہی سے وہ متنفر ہوگئے۔اس سے انکار کیا اگلا حصہ یہ ہے اس کا تمسخر اڑانے لگ گئے۔وزر الذین ۔وہاں کہا تھا جو تمہارے دین کا تمسخر اڑائے اس سے علیحدہ ہو جاؤ یہاں کہا ہے کہ جو خود دین کے تصور کا تمسخر اڑائے خواہ وہ اس کا باطل دین ہی کیوں نہ ہو اس کے ساتھ بھی تعلق نہ رکھو۔اب دیکھا آپ نے کہ دو گروہ کس طرح سے پیدا کر دیے قرآن نے۔اقدار کو بہرحال ماننے والے اس میں صحیح تصور اقدار کا باطل تصور اقدار کا ایک کیٹگری۔دوسری کیٹگری کہ سرے سے اقدار ہی کا تمسخر اڑانے والے۔خالص آج جو دنیا کے اندر یہ مغرب سے جو چلی چیز اور ساری دنیا میں آج پھیل گئی ہے وہ یہ ہے اقدار ہی کا تمسخر اڑانے والے۔کہا کہ وذر الـذیـن ان سے قطع تعلق کرلو کنارہ کش ہو جاؤ ان سے۔آگے سنئے عزیزانِ من! قرآن ہے۔کنارہ کش ہو جاؤ تو تباہ ہونے دو ان کو' ان سے کچھ نہ کہو؟ تو بات تو پھر وہی ہوگئی وہ جو ھدًی للمتقین کے متعلق غلط عقیدہ پھیل گیا کہ صاحب یہ متقیوں کے لیے ہدایت ہے۔تو وہ کہا جاتا ہے کہ صاحب! وہ متقی تو پہلے وہ ہے جو ہدایت یافتہ ہے تو اگر یہ انہیں کے لیے ہدایت ہے تو غلط راستے پہ چلنے والے جو ہیں کوئی بات بھی سمجھ میں آسکتی ہے کہ ہدایت ہے' متقی کے لیے ہدایت کیا۔بہرحال یہ چیزیں تو میں Explain کر چکا ہوں۔یہاں اگر کہا جائے کہ جو لوگ اس طرح سے تمسخر اڑا رہے ہیں ان سے قطع تعلق کر کے الگ ہو جاؤ تو سوال پیدا ہوگا کہ پھر یہ قرآن' قرآن کی ہدایت' ان کو اقدار پہ لانا' صحیح زندگی کا راستہ دکھانا یہ کن کے لیے ہوا پھر' سمجھاؤ کنہیں پھر جا کر؟ وہ جو اقدار پہ ایمان رکھتے ہیں؟ تو انہیں چھوڑ دو؟ وزر الـذین کے معنی یہ کہا کہ ان میں سے نہ ہو جاؤ ان سے تو کنارہ کش ہو جاؤ۔اور سنئے عزیزانِ من! (وذکر به) (6:70) لیکن قرآن کی

تلقین انہیں بھی کرتے رہو۔ کیوں کرتے رہو؟ (ان تبسل نفس بما کسبت) (6:70) ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص بھی صحیح راستہ سامنے نہ آنے کی وجہ سے اپنی غلط روش اختیار کیے ہوئے ہو اور اس کی وجہ سے تباہ ہو جائے۔ اس کی ذمہ داری تم پہ عائد ہو رہی ہے۔ آپ نے دیکھا کہ چھوڑنے میں اور رکھنے میں فرق کتنا ہو گیا۔ قطع تعلق اس بات سے ہے کہ انہیں بھی معلوم ہو جائے کہ یہ کچھ اور ذہنیت رکھنے والے لوگ ہیں۔ یہ بھی ایک طریقہ مؤثر ہوتا ہے دوسرے کو اس کی غلطی پر متنبہ کرنے کا۔ دوست ہو غلط ایک کام کر رہا ہے آپ اس کو پہلے سمجھایئے اور اس کے بعد یہ کہیے کہ اچھا بھئی! اگر تم باز نہیں آتے تو میں تم سے قطع تعلق کرتا ہوں یہ بھی ایک بڑی چیز ہوتی ہے۔ وذر الذین تو یہ ہے کہ ان سے کہہ دو کہ ہمیں بھلا اس سے واسطہ کیا جو تم سے نا آشنا رہے ہیں۔ لیکن قطع تعلق کے یہ معنی نہیں ہیں کہ پھر ان کو تباہ ہونے دو۔ قرآن کی بات ان تک بھی پہنچاتے جاؤ۔ عزیزانِ من! (ان تبسل نفس بما کسبت) (6:70) ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص بھی اپنی اس غلط نگہی غلط روش کی وجہ سے ہلاک ہو جائے اس بناء پر کہ اس تک حقیقت نہیں پہنچی۔ یہ تم کرتے چلے جاؤ۔ پھر میں وہیں آ جاؤں اپنی آیت پہ۔ اور یہاں پھر وہ آ گئے کہ وہ لوگ کہ جو تمہارے دین کا تمسخر اڑانے والے ہیں ان کو کبھی دوست نہ بناؤ۔ کہا کہ کیفیت ان کی یہ ہے (اذا نادیتم الی الصلوٰۃ اتخذوھا ھزوًا و لعبًا) (5:58)

کہا ذرا دیکھئے! صلوٰۃ کے اجتماع کے لیے جب تم آواز دیتے ہو اذان دیتے ہو یہ اس کا بھی مذاق اڑاتے ہیں۔ غور سے سنئے عزیزانِ من! آگے کہا کیا ہے۔ کہا (بانھم قوم لا یعقلون) (5:58) یہ ایسے لوگ ہیں جو عقل و فکر سے کام نہیں لیتے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ تمہاری اذان جو ہے صلوٰۃ کی طرف منادی آواز دینا اس کا یہ مذاق اڑاتے ہیں عقل و فکر سے کام نہیں لیتے۔ کیا چیز ہے جو یہاں کہہ دی گئی۔ یہ صلوٰۃ کا اجتماع پھر کیا ہوا عزیزانِ من! اگر یہ ہماری نماز ہی ہے تو ٹھیک ہے اس کے آواز دینے پہ اگر اپنے ہاں وہ اس چیز کو برا سمجھتے ہیں تو ہم یہ کہیں گے کہ یہ چیز خوشگواری تعلقات کے خلاف ہے ایک جگہ ایک ملک میں ایک شہر میں ایک محلے میں رہنا اور اس طرح سے دوسرے کے مذہب کے شعائر کا استہزاء کرنا بری بات ہے۔ یہ ہمارے ہاں کی اذان پہ یہ کرتے ہیں ہم ان کے ناقوس پہ یہ کریں گے' جھگڑا ہو گا فساد ہو گا۔ نہیں! بات کچھ اور ہوئی۔ یہ اجتماعات صلوٰۃ اور اس کے بعد سب سے بڑا اجتماع اجتماعِ حج۔ کونسی قوم ہے جس کے یہ اجتماعات ہیں' قوم ہے (و کذٰلک جعلنکم کنتم خیر امة اخرجت للناس) تم ایک بہترین قوم ہو جسے نوعِ انسانی کی بھلائی یا فائدے کے لیے ہم نے پیدا کیا ہے اس قوم کا مقصدِ زندگی انسانیت کی بہبود ہے۔ اسی لیے حج کے متعلق یہ کہا کہ پوری انسانیت کو آواز دو' وہاں اذان کا لفظ ہے' ساری دنیا میں اذان کہو حج کے اجتماعات کے لیے لوگوں کو دعوت دو بلاؤ' کاہے کے لیے؟ لیشھدوا منافع لھم تا کہ وہ اپنی آنکھوں سے آ کر دیکھیں کہ تم ان کی منفعت کی کیا کیا چیزیں کر رہے ہو ان کے فائدے کی کیا کیا باتیں کر رہے ہو وہ آ کے دیکھ لیں۔ آواز دے کے بلاؤ۔ یہ تو سب سے بڑا اجتماع ہے اسی کی چھوٹی چھوٹی شکلیں ہیں مقامی

اجتماعات جنہیں صلوٰۃ کے اجتماعات کہا جاتا ہے۔ صلوٰۃ کا اجتماع جو ہے قرآن نے کہا ہے کہ **اقیموا الصلوٰۃ و امرھم شوریٰ بینھم** یہ صلوٰۃ کا اجتماع قائم کرتے ہیں کیونکہ ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے ہونے ہیں۔ صلوٰۃ کے اجتماع تو اہم مسائل کے متعلق مشورے کے لیے تھے۔ مشورہ کاہے کے لیے؟ انسانیت کی تباہی کے لیے؟ ہیروشیما پہ بم کیسے مارا جائے گا' اس قوم کو ہڑپ کیسے کیا جائے گا' آ کاش وانی سے جھوٹ کا تانتا کس طرح شروع کیا جائے گا تاکہ تباہی آئے انسانیت میں' اس کے لیے مشورے ہونگے؟ مشورے وہاں ہونگے فلاح کے لیے بہبود کے لیے **حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح** صلوٰۃ تو ہے ہی فلاح انسانیت کے لیے۔ کہا ذرا سوچو تو سہی تم اس اجتماع کے لیے اس اجتماع کے لیے آواز دیتے ہو جو خود ان کی بھلائی کی باتیں سوچنے کے لیے اکٹھا کیا جا رہا ہے اور یہ اس کے راستے میں روڑے اٹکاتے ہیں ان جیسا بھی کوئی پاگل ہوسکتا ہے۔ (**بانھم قوم لا یعقلون**) (5:58) یہاں دین کی بات نہیں کی خالص عقل اور فکر کو یہاں دعوت دی ہے۔ یعنی شروع شروع میں یہ چیزیں تجربے میں آئیں یہ چیچک کا ٹیکا لگانے والے گاؤں میں جایا کرتے تھے گاؤں والے لٹھ لے کے پیچھے پڑ جایا کرتے تھے۔ اب اسے یہی کہا جائے گا نا کہ ان بیوقوفوں کو دیکھو وہ ان کی بھلائی کے لیے آتے ہیں کہ اس قسم کی متعدی مرض نہ پھیل جائے اور یہ ان کے پیچھے لٹھ لے کے پھرے جاتے ہیں۔ کسی گاؤں میں سکول کھولنے کے لیے جایا کرتے تھے سارے گاؤں والے پیچھے پڑ جایا کرتے تھے ان کے۔ یہ **بانھم قوم لا یعقلون** ہے نا۔ لمبے چوڑے Argument کی وہاں ضرورت ہی نہیں کہ صاحب دیکھو! کس قدر بیوقوف ہیں کہ وہ ان کی بھلائی کے لیے کچھ کرنے کے لیے جمع ہو رہے ہیں اور یہ انہی کے پیچھے لٹھ لے کے پڑے ہوئے ہیں **بانھم قوم لا یعقلون** ۔ کہ جب تم اجتماع صلوٰۃ کے لیے آواز دیتے ہو اذان دیتے ہو تو ان کی کیفیت یہ ہے کہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ پاگل ہیں' پاگل کسے کہتے ہیں؟ جسے اپنے نفع نقصان کا بھی ہوش نہ ہو۔ انہیں اپنے نفع نقصان کا بھی ہوش نہیں کہ یہ اجتماعات کاہے کے لیے ہو رہے ہیں' اس کا بھی یہ مذاق اڑا رہے ہیں۔ اور آگے یہ بات آئی کہ ان سے پوچھو (**قل یاھل الکتٰب ھل تنقمون منا الا ان اٰمنا باللہ و ما انزل الینا وما انزل من قبل و ان اکثر کم فٰسقون**) (5:59)

ان سے کہو کہ کیا تم ہمیں اس جرم کی سزا دیتے ہو کہ ہم خدا پہ ایمان کیوں لے آئے' اس جرم کی سزا کہ ہم یہ کیوں ایمان لے آئے کہ تمہارے نبی جو تھے سارے سچے تھے خدا کی طرف سے سچے رسول تھے' اس جرم کی بناء پہ جو ہم کہتے ہیں کہ کسی کے معبود کو گالی نہ دو' کیا یہ ہمارا جرم ہے کہ ہم تمہاری کتابوں پہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ اپنے اپنے وقت میں خدا کی طرف سے آئیں تھیں اور اسی سلسلہ کی یہ آخری کڑی ہمارے پاس ہے جس پہ ہم ایمان رکھتے ہیں' کیا یہ ہے وہ جرم جس کی سزائیں ہمیں دے رہے ہو۔ کہو تو سہی اس میں کونسی ایسی بات ہے جو ہمیں سزا کا مستوجب بنا رہے ہو۔ اس جرم کی سزا ہمیں دے رہے ہو۔ کوئی بات بھی اس میں ایسی ہے عزیزانِ من! جسے کہا جائے کہ واقعی یہ ایسی چیز ہے جس کی سزا دینی

چاہیے کسی کو۔تمہارے انبیاء پہ ایمان لا رہے ہیں' تمہاری کتابوں پہ ایمان لا رہے ہیں انہیں اپنے وقت میں سچا کہہ رہے ہیں' اسی خدا پہ ایمان لا رہے ہیں جس پہ ایمان لانے کے تم مدعی ہو۔تو کیا اتنا ہی جرم ہے کہ اس سلسلے میں ایک اور کا اضافہ ہم کررہے ہیں کہ اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کے لیے تم اتنی سزا ہمارے لیے تجویز کررہے ہو۔(و ان اکثر کم فٰسقون) (5:59) حالانکہ کیفیت یہ ہے کہ تم میں سے بھی اکثریت ان لوگوں کی ہے جو خود بدکردار ہیں۔یعنی تمہارے ہاں کے بدکردار بھی ہمیں گالیاں دے رہے ہیں' ارے سوچو سہی۔ یہ دوسرے مذہب کو گالیاں دینے والے جو ہیں ان کو ذرا دیکھو! یہی نہیں ہوتا کہ وہ نیکی اور تقوٰی کے معیار پہ حسن کردار کے معیار پہ پورے اترے ''نہاتے دھوتے ہوئے جنوں کیندے ہیگے نیں''۔ ان میں کوئی عیب اور برائی نہیں ہوتی وہ دوسرے کو کچھ کہے وہ کہتا ہے وہ تو کچھ بات بھی بنی کہ وہ دوسرے سے یہ کہے کہ تم غلطی پہ ہو۔تمہاری اپنی کیفیت یہ ہے کہ تم میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو خود بدکردار ہیں اور وہ ہمیں اس بناء پہ مستوجبِ سزا قرار دے رہے ہیں کہ ہم خدا پہ ایمان کیوں لائے' ان کے نبیوں پہ ایمان کیوں لائے' ان کی کتابوں پہ ایمان کیوں لائے۔سوچو تو سہی! یہ ایسی چیز ہے؟۔یہ الفاظ ایک جگہ اور آئے ہیں وہاں ایک بڑی حسین چیز سامنے آئی ہے۔ذہن میں بات آ گئی ہے اس لیے چھوڑ کے آگے بڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔سیاستِ فرعونی کو سب سے زیادہ دنیا میں مذموم قرار دیا جاتا ہے ضرب المثل ہے اس کی فرعونی سیاست۔لیکن ہم دیکھتے یہ ہیں کہ جو دورِ حاضرہ کی میکیاوَلی سیاست ہے جب ان دونوں کا ہم موازنہ کرتے ہیں تو اس کے مقابلے میں فرعون کی سیاست بھی کہیں اونچی نظر آتی ہے اس میں کوئی اصول نظر آتا ہے کچھ کریکٹر نظر آتا ہے۔اس دور کی سیاست آپ کے ہاں کی جو ہے آپ دیکھئے ایک چیز ہے جس کے لیے میں نے کہا کہ ذہن میں آئی ہے آگے نہیں بڑھنا چاہیے۔دربار فرعون میں ساحرین فرعون کا مقابلہ ہوا حضرت موسیٰؑ سے۔اور باتوں کو چھوڑیئے Prestige کے اعتبار سے بھی آپ دیکھئے کہ فرعون کی Prestige کتنی Abstake تھی۔اس نے یہ چیز کہی تھی موسیٰؑ سے کہ کوئی بات نہیں! آؤ مقابلہ کرلو میں بلاتا ہوں اپنے ہاں کے ان پروہتوں کو ان کے ساتھ تمہارا مناظرہ ہوجائے گا بات کرو۔اور پھر انہیں بلایا اور بڑے شان سے وہ ایک مناظرہ قائم ہوا بہرحال اتنی بڑی چیز۔وہاں اس پورے کے پورے اجتماع میں جو ملک بھر کے نمائندوں کا تھا جس میں خود Preside کررہا تھا فرعون' اتنا بڑا Abstake تھی اس کی Prestige بھی۔ایسے میں اس نے دیکھا کہ آپس میں مناظرہ کرتے ہوئے وہ ساحرین جو تھے انہوں نے اعلان کردیا کہ ہم موسیٰؑ اور ہارونؑ کے خدا پہ ایمان لاتے ہیں یہ واقعی سچے لوگ ہیں۔آپ سوچئے فرعون پہ کیا نہیں گذری ہوگی۔وہ گرجا صاحب شیر کی طرح دھاڑا بجلی کی طرح گرجا' ہیں! میرے ہوتے ہوئے میرے ملازم میرے ہاں کے ساحرین اور ان کی یہ کیفیت ہے کہ وہ اس طرح سے اعلان کررہے ہیں کہ میں بھی جھوٹا میرا دین بھی جھوٹا ساحرین بھی جھوٹے' یہ بھی سچے ان کے خدا بھی سچا۔تم دیکھو میں کیا کرتا ہوں' سولی پہ لٹکوا دونگا' ایک ایک عضو کاٹ کاٹ کے الگ کردونگا ٹکڑے ٹکڑے

کردونگا۔ یعنی انتہا جو ہوسکتی ہے استبداد کی یہ کردونگا۔ اس گرج اس دھاڑ کے جواب میں تو انہوں نے یہ کہا تھا کہ (فـخـذمـا ان تـكـاز) کسے ڈرا رہے ہو، جو فیصلہ کرنا چاہتے ہو کرلو۔ اگلے الفاظ ہیں قرآن کے، الفاظ میں التباس ہے انہوں نے کہا کہ تمہارا ہاتھ زیادہ سے زیادہ طبعی زندگی تک پہنچ سکتا ہے اس سے آگے نہیں پہنچ سکتا۔ اور جب صداقت کسی کے سامنے آجاتی ہے تو طبعی زندگی کی کوئی قیمت نہیں رہتی اس لیے تمہاری سزا سزا ہی نہیں ہے۔ آگے ہے وہ بات۔ کہا اس کے باوجود ہم شکر گذار ہیں اس بات کے اور اس کو Appreciate کرتے ہیں داد دیتے ہیں تمہارے کریکٹر کی کہ تم نے ہمارے خلاف جرم وہی عائد کیا ہے جس کا ہم اعتراف کرتے ہیں کہ ہم خدا پہ ایمان کیوں لے آئے ہیں۔ ورنہ یہ ہوسکتا تھا آج کی سیاست میں کہ بات کچھ اور ہوتی جرم کوئی اور عائد کیا جاتا۔ روز یہ ہوتا ہے عزیزانِ من! ۔ پھانسنا کسی اور مقصد کے لیے ہوتا ہے پھر اس کے لیے دفعہ تلاشی جاتی ہے۔ یہ Cases روز سامنے آتے ہیں کہ پہلے وہ دفعیں لگا کے چارج شیٹ فریم کیا جاتا ہے فرد جرم لگائی جاتی ہے تحقیقات کے بعد نظر آتا ہے کہ اس میں سے تو کوئی چیز بھی سچی نہیں ثابت ہی نہیں ہو رہی۔ تو اتنا ہی تقاضا کریکٹر کا تو ہو کہ بھئی ٹھیک ہے نہیں ہو رہی۔ پھر اس کے بعد کہا جاتا کہ اچھا! یہ نہیں ہے تو پھر کوئی دوسری چارج شیٹ فریم کرو۔ کہتے ہیں یہ جی یہ دفعہ تو نہیں لگتی "نئیں لگدی تے دوسری دفعہ لاؤ" دفعہ وہ لگاؤ جس میں ضمانت نہ ہوسکے۔ یعنی انتقام کی بھی یہ پستی کی سطح آگئی ہے کہ اس سیاست میں بھی یہ کیفیت ہے کہ مقصد کچھ اور ہوتا ہے جس کے لیے دوسرے کا مواخذہ کرنا ہوتا ہے طریقے کچھ اور تجویز کیے جاتے ہیں جرم کچھ اور عائد کیے جاتے ہیں روز یہ چیز ہے۔ عزیزانِ من! میں نے جب یہ چیز دیکھی تو نظر آیا کہ اس دور کی سیاستِ فرعونی اور اس دور کی سیاستِ میکیاوَلی میں بھی کتنا فرق آگیا ہے اُس میں پھر بھی کریکٹر تھا اس بات کا۔ اور قرآن نے اس ٹکڑے کو اپنے دامن میں محفوظ رکھ لیا یہ بتانے کے لیے کہ استبداد اور چیز ہوتی ہے بددیانتی اور کمینگی اور چیز ہوتی ہے۔ مستبد تھا فرعون، کمینہ نہیں تھا۔ عزیزانِ من! قرآن کی بیان کی ہوئی کہانیوں کو یوں سمجھ کے نہ آگے چلا جایا کیجیے، ایک ایک لفظ پہ غور کیجیے۔ اور پھر وہ ساحرین کی نگاہ جو ہے کیا بات ہے!! وہ یہ کہتا ہے کہ ٹکڑے ٹکڑے کردونگا پھانسی پہ چڑھادونگا۔ اس نے کہا کہ ٹھیک ہے تم یہ کرو ہم اس کے لیے نہ درخواست رحم کی کرتے ہیں نہ مکرتے ہیں۔ لیکن اس مقام پہ یہ کہنا کہ اس کے باوجود ہم اس بات کی تمہیں داد دیتے ہیں کہ تم نے جرم ہم پہ وہی عائد کیا ہے جو فی الواقعہ جس جرم کے ہم مرتکب ہیں اور ہم اعتراف کرتے ہیں، تم نے کوئی دوسرا جرم عائد نہیں کیا اس بات کی ہم داد دیتے ہیں تمہارے۔ اے کاش! اگر پھانسی پہ ہی چڑھنا تھا تو کسی فرعون کی فرد جرم کے ہاتھوں تو چڑھتا آدمی تو جرم تو وہ وہ عائد کرتا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کی نگاہ میں جو چیز وہ جرم کہتا تھا یہ جرم ہی نہیں ہے۔ لیکن جو جرم وہ سمجھتا تھا وہی جرم عائد کرتا تھا۔ اور اس پہ Appreciation ہو رہی ہے۔ اللہ اکبر۔ استبداد ایسی ستانے والی چیز نہیں، کمینگی ہے جو ستاتی ہے انسان کو۔ کچھ بھی تھا کسی نہ کسی معبود کو تو وہ مانتا تھا کسی شکل میں ہی سہی مرنے کی بعد کی زندگی تو کچھ مانتا ہی تھا خواہ وہ قبر میں ہی اپنے ساتھ کچھ سامان

رکھ لیتے تھے یہ تو تھا نا کہ قبر کے بعد کی کوئی زندگی ہے۔ اتنا سا تو تھا نا' اس کا نتیجہ یہ تھا کہ استبداد تو تھا کمینگی نہیں تھی۔ آج کا یہ جو آپ کے ہاں تصورِ زندگی آ گیا ہے Materialistic تصورِ زندگی اس میں تو عزیزانِ من! استبداد تو جو ہے کمینگی انتہا درجے کی ہے۔ جھوٹا تو خیر جھوٹ بولتا ہے' یہاں سچا بھی سچ نہیں بولتا۔ تو کہا یہ کہ یہ ہے ہمارا جرم جس بناء پہ تم ہم سے انتقام لینا چاہتے ہو۔ اور بات اتنی سی کہی کہ ٹھیک ہے بھئی! ہم تو اس کے مجرم ہیں ''ذرا اپنی پیڑی تھلے وی سوٹا پھیر کے دیکھیا جے' (واخذ کم ؟؟؟) حال کی اے تہاڈا''۔ لیکن یہ تو وہی کہہ سکتا ہے نا جو خود بد کردار نہ ہو۔ کہ عقائد کی بناء پہ ہم سے اختلاف کر کے تو جو کرتے ہو کردار کی بناء پہ تو ذرا آپس میں مقابلہ کر کے دیکھو تمہاری کیا سطح ہے ہماری کیا سطح ہے۔

دور وہ آ چکا ہوا تھا The woundring jude ساری دنیا میں دھتکاری ہوئی قوم' کہیں پناہ نہیں مل رہی' ہر جگہ ذلت و مسکنت جو تھی وہ چھائی ہوئی انکے اوپر' یہ کیفیت تھی اس قوم کی۔ اور پھر صدیوں کی خوئے غلامی میں عادی ہونے کے بعد جس قسم کی خصلتیں انسان میں پھر آتی ہیں وہ ساری ایک ایک کر کے ان کے اندر آ چکی ہوئی تھیں۔ حکمرانی کے استبداد اور سرکشی کے عیوب اور قسم کے ہوتے ہیں۔ غلامی اور ذلت اور مسکنت کے جو عیوب اور ذمائم آتے ہیں ان کی نوعیت اور ہوتی ہے۔ وہ سرسام ہوتا ہے یہ فالج ہوتا ہے۔ کہا ذرا غور تو کیجیے جو ہم کر رہے ہیں یہ کچھ زیادہ برائی کی بات ہے یا (**قل هل انبئكم بشرٍ من ذٰلك مثوبةً عند الله**) (5:60) آؤ تمہیں میں بتاؤں خدا کے میزان میں اس سے بھی زیادہ قابل مواخذہ کون لوگ ہیں۔ ہمارا جرم تو اتنا ہی ہے نا جو تم نے گنا دیا' اپنی حالت کو تم دیکھتے ہو۔ (**من لعنه الله و غضب عليه**) (5:60) جس قوم کی حالت یہ ہو جائے کہ زندگی کی ساری خوشگواریوں سے محروم ہو جائے۔ اب دیکھئے کیا کیا چیزیں گنائی جا رہی ہیں۔ (**و جعل منهم القردة و الخنازير**) (5:60) اور کیفیت یہ ہو کہ انسانی سطح نہیں حیوانی اور حیوان میں سے بھی جو ذلیل ترین حیوان گنے جاتے ہیں ان کی خصلتیں ان کے اندر پیدا ہو چکی ہوئی ہیں۔ بندر کی خصلت کہ نقل ہی صرف کرنا دوسرے کی' بدترین صفت ہے خنزیر کی صفت ہے۔ یہ یہاں قرآن یہ نہیں کرتا کہ ان چیزوں کا اناٹومی کر کے تمہیں بتاتا ہے تشریح الابدان سے کہ آؤ بتائیں سور میں کیا ہوتا ہے بندر میں کیا۔ عام قوموں کے اندر جو تصور ہوتا ہے نا کسی کا وہ اسی کو لے لیتا ہے۔ قرآن تو عربوں کی زبان میں آیا ہے نا' ہم بھی جب کسی کو یہ کہتے ہیں او سؤر کے بچے او بندر تو اسکے معنی یہ بالکل یہ نہیں کہ وہ بندر کی شکل ہو جاتی ہے وہ سؤر بن جاتا ہے اس کی خصلت ہوتی ہے۔ کہا کیفیت یہ زندگی خوشگواریوں سے محروم' ہر قسم کا عذاب جو ذلت کا ہے تمہارے پیچھے' خصائل تمہارے انسانیت کی سطح سے اتر کے نیچے حیوان کی سطح پہ۔ اور حیوانوں میں بھی یہ کہ کوئی جن حیوانوں کو بھی گنا جاتا ہے عزت والے شیر کی خصلت نہیں ہے گھوڑے کی خصلت نہیں ہے بدترین حیوانوں میں بندروں اور سؤروں کی خصلتیں وہ پیدا ہو گئیں۔ کیوں پیدا ہو گئیں عزیزانِ من! کیا بات ہے!!! قرآن ہے۔ یہ نہ کہیں ذہن میں یہاں آ جائے کہ واقعی سؤر اور بندر بن گئے جیسا کہ ہمارے ہاں پھر یہ بات پیدا

ہوگئی۔تو(عبد الطاغوت) (5:60)یعنی ہواتمہارا یہ سب سے بدترین چیز یہ ہوئی تم غلام بنے ان کے غلام بنے جن کے ہاں قانون کا کوئی احترام نہیں جوخود قانون سے سرکشی برتتے ہیں ان کی غلامی تمہارے حصے میں آئی۔عبد بنے طاغوت کے' جن کے ہاں قاعدہ قانون ہی کوئی نہیں ہے۔ دیکھتے ہیں عزیزانِ من!۔غلامی تو بہر حال غلامی ہے محکومی محکومی ہے شرف انسانیت سے محرومی ہے لیکن اسمیں بھی فرق ہے کس کی غلامی اور کس کی محرومی دونوں میں بڑا فرق قرآن نے کیا ہے۔جن کے اپنے ہاں کوئی احترام ہو قاعدے قانون کا ان کی غلامی کی نوعیت بھی کچھ مختلف ہوتی ہے ان سے جن کے ہاں قطعاً احترام ہی نہ ہو۔اسے کوئی تعریف کی بات نہ کہیئے' نوکری غلامی ملازمت محکومی' وہ تو بہر حال ہے ہی مذموم چیز۔لیکن جنہوں نے نوکریاں کی ہیں ان کو معلوم ہوگا کچھ عرصہ جنہوں نے انگریز کے دور کی بھی نوکری کی اور تقسیم سے کچھ عرصہ پہلے جب وہاں عبوری حکومت بن گئی اور ہندو کی نوکری آئی تھی۔جنہوں نے کی ہے ان کو اس کا احساس ہوگا دونوں میں فرق کتنا ہے۔وہ ایک حاکم قوم کی نوکری تھی یہ ایک کمینے کی ملازمت تھی۔مجھے اس کا تجربہ ہے۔ہندوستان میں مسلمان بستے تھے انگریز کے عہد حکومت میں بھی۔ٹھیک ہے ابتدائی دور میں غدر کے بعد بڑے مظالم ہوئے' اس کے بعد جو کیفیت تھی وہ بھی اور آج ہندوستان میں جو مسلمان بس رہا ہے وہ محکوم نہیں ہے وہ کہتے ہیں ہماری نیشن ہے یعنی ایک قوم بنی ہوئی ہے جمہوریت ہے سب کی مل کے حکومت بن رہی ہے۔اس مل کے حکومت بننے والوں میں جو حالت ہو رہی ہے وہاں مسلمان کی' دیکھا کیا ہے۔قوم وہ ہے جس کے اپنے ہاں قاعدے قانون ضابطے کی کوئی Value نہیں ہے طاغوت ہے جب جی چاہے کسی چیز کو توڑ دیا۔کہاں غلامی' غلامی پھر ایسوں کی غلامی۔یہ بات جو تھی حافظ نے یونہی نہیں کہی تھی کہ

بندۂ ؟؟ آں باش کہ آنِ دارد

کسی کا غلام بھی ہونا تو اس کا تو ہو جس کو کچھ آن آتی ہو' کوئی آن آلاتے ہووے' عزت کا احساس جس کو ہو شرف انسانیت کا پاس ہو۔غلامی کرنی ہے محکومی ہے بندۂ ؟؟ آں باش کہ آنِ دارد۔وہ جو میں سنایا کرتا ہوں کہ وہ پہلوان کا پٹھا' جیس ویلے پہلے دن گیا ہیگا اے پہلی کشتی لڑن واسطے تے اوہنے استاد نے اوہدے کن اچ کہیا سی کہ بیٹا دعا اک کر دا جائیں تے دعا اے منگیں کہ یا اللہ جے آج میں ڈھنا ہیگا اے تے کسے ایسے کولوں میں ڈھاجنیں پہلاں وی کسے نوں ڈھایا ہووے آ نہ ہووے پئی میں پہلا ای ہوواں'۔بڑی عجیب چیز تھی صاحب بڑی عجیب دعا تھی۔'اے ڈھن والے جاندے نیں کسے ایسے کولوں ڈھنا'۔معاف رکھئے گا بار بار سینے میں درد سوا اٹھتا ہے۔مشرقی بنگال میں جو کچھ ہوا ہے اس کی تفصیل جب سامنے آتی ہے ہلاکو اور چنگیز نے تو کچھ نہیں کیا' او اوسن جناں نے بڑیاں نو ڈھایا ہیگا سی ایس تو پیشتر' یہ وہ تھے' جناں نیں پہلی واری ڈھایا سی کسے نوں' یہاں استبداد نہیں تھا یہاں کمینگی تھی یہاں درندگی تھی یہاں بربریت تھی انسانیت کی سطح سے بہت نیچے گرے ہوئے تھے۔عبد الطاغوت۔

یقین مانئے جو کچھ ہو رہا تھا کچھ دن ایسے آئے تھے جس میں دل دہل رہا تھا کہ معلوم نہیں کہ انڈیا جو ہے اس میں اگر وہ کامیاب ہوگیا اِدھر آ گیا۔ آزادی چھننے کا تو بہرحال ایک کلک تھا لیکن جس چیز سے دل ڈوب رہا تھا وہ یہ کہ غلامی اور محکومی ہندو جیسے کی کرنی پڑے گی۔ وہ کہا کہ آؤ تمہیں بتائیں ہمیں الزام دیتے ہو کہ ہم یہ کیوں اعتقادات رکھتے ہیں آؤ تمہیں بتائیں کہ بدترین شکل میں خدا کا عذاب کس قوم پہ آتا ہے' تم پہ آیا ہوا ہے۔ یہود کی ہسٹری آپ پڑھ کے دیکھئے ایسے ایسے قوموں کی محکومی اور غلامی ان کو اختیار کرنی پڑی جن کے اپنے ہاں قاعدے قانون کا احترام کوئی نہیں تھا۔ پھر اس کے بعد جو ہوسکتا ہے ظاہر ہے **و عبد الطاغوت** ۔(**اولئک شر مکانًا**) (5:60) یہ ہے وہ لوگ کہ جن کو جگہ ملتی ہے سب سے بدتر جگہ ملتی ہے۔(**و اضل عن سوآء السبیل**) (5:60) زندگی کی ہموار راہوں سے بہت دور جا پڑے۔ کہتا ہے اس میں جو قوم اس قسم کے مزائن میں گھر جائے پہلی چیز اس میں یہ پیدا ہوتی ہے کہ منافق ہو جاتی ہے وہ۔ کفر میں جرآت ایک ہوتی ہے انکار کرتا ہے دھڑلے سے انکار کرتا ہے۔ منافقت کمینگی ہے۔ کہتا ہے ان کی کیفیت یہ ہوگئی ہے صدیوں کی اس قسم کی غلامی سے(**و اذا جآء وکم قالوا اٰمنا و قد دخلوا بالکفر و ھم قد خرجوا بہ واللہ اعلم بما کانوا یکتمون**) (5:61) کہتا ہے کیفیت یہ ہے کہ جب ان کے پاس آتے ہیں جماعتِ مؤمنین کے پاس جاتے ہیں کہتے ہیں ہم مؤمن ہیں تمہارے جیسے ہیں بالکل ٹھیک ہے صاحب۔ کہتا ہے حالانکہ جب یہ آئے تھے تو اس وقت بھی کفر لیے ہوئے آئے تھے جب گئے ہیں تو اس وقت بھی کفر ہی لیے ہوئے گئے ہیں۔ کیفیت یہ تھی۔

آرزوئے دیدِ جاناں بزم میں لائی ہمیں

بزم سے ہم آرزوئے دیدِ جاناں لے چلے

کفر یہ لے کے آئے تھے کفر ہی لے کے چلے ہیں کہہ یہ رہے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں ہم تم میں سے ہیں۔ ٹھیک ہے انسانوں سے تو یہ چھپا سکتے ہیں۔(**واللہ اعلم بما کانوا یکتمون**) (5:61) جو کچھ چھپاتے ہیں خدا سے نہیں چھپا سکتے۔ قانون مکافات عمل تو ایسی چیز ہے کہ وہ انسان کے اپنے نفس اور اس کی ضمیر پہ لکھتا چلا جاتا ہے کہ یہ کیا سوچ رہے ہیں یہ کیا کر رہے ہیں۔(**و تریٰ کثیرًا منھم یسارعون فی الاثم و العدوان و اکلھم السحت لبئس ما کانوا یعملون**) (5:62) اکثریت ان میں تم دیکھو گے بھاگے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ پھر وہ دو چیزیں قرآن نے یہاں بیان کردیں جو بڑی اہم اس کی اصطلاحات ہیں اثم اور عدوان ۔ میں نے کہا ہے نا کہ اس کا ترجمہ تو عام طور پہ ہمارے ہاں گناہ کیا جاتا ہے۔ میں نے کئی دفعہ کہا ہے کہ ان ترجموں سے نہیں بات سمجھ میں آتی قرآن کی۔ یہ اثیان اور عدوان اور سیئات سب کا ترجمہ ہمارے ہاں گناہ ہی کیا جاتا ہے۔ یہی ایک ترجمہ ہونا ہوتا تو یہ اتنے مختلف الفاظ کیوں عربی زبان میں آ جاتے۔ یہ ہے ہی نہیں بات۔ اثم اور عدوان

عجیب چیزیں قرآن کہہ گیا ہے۔ سمجھ میں بات آتی ہے جب اسلام کی بات پہلے ذہن میں آجائے کہ Concept کیا ہے۔ یہ ث ل م سے جو چیزیں بنتی ہیں میرے لغت میں آپ دیکھئے گا تسالم ایک چیز ہوتی ہے تو عرب تو ہر چیز کو اپنے ہاں کے اونٹوں گھوڑوں بکریوں خیموں کھجوروں چشموں ان کی رو سے سمجھاتے اور سمجھتے تھے نا وہ آسمان کی باتیں نہیں کرتے تھے زمین کی باتیں سامنے رکھ کے آسمان کی باتیں سمجھتے تھے۔ چار چار گھوڑے جوتے ہوئے ہوں یا چل رہے ہوں ویسے ہی' ان کے چلنے کا انداز یہ ہو کہ ایک جیسا قدم اٹھے ایک جیسا قدم رکھا جائے اور یوں وہ برابر برابر قدم کے ساتھ بڑھتے چلے جائیں۔ ان میں سے اگر ایک بھی ذرا آگے تیزی سے بڑھ جائے گا تو آپ دیکھیں گے کہ اس کو بھی وہ روکے گا؟؟ اگر کوئی اس میں سے ذرا پیچھے رہتا ہے تو اس کو ہانکے گا وہ تا کہ یہ تسالم جو ہے ان کا یہ قائم رہے۔ برابر قدم اٹھاتے ہوئے یکساں دوسروں کے ساتھ چلنا اس میں کسی قسم کا عدمِ اعتدال نہ آئے عدمِ توازن نہ آئے Proportion نہ بگڑنے پائے۔ اور ایسے اگر چلتے ہوئے کہیں گھوڑے ہوں تو آپ دیکھئے کتنے خوبصورت نظر آتے ہیں وہ۔ یہ جو انداز ہوتا ہے جماعت کے ساتھ اس طرح سے چلنا کہ سب کے قدم یکساں طور پہ اٹھیں یکساں طور پہ پڑیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ فوج کی بنیادی خصوصیت یہ ہوتی ہے۔ یہ ہے جسے زندگی میں اگر اجتماعی زندگی میں یہ نقشہ پیدا ہو جائے افراد کا تو اسے اسلامی زندگی کہتے ہیں بنیادی معنی کے اعتبار سے۔ اب اس میں دو شکلیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ ہے کہ کوئی پیچھے رہ جائے جماعت سے' عربی زبان میں ہر ایسا وہ کام جو انسانی توانائی کو مضمحل کر دے افسردہ کر دے کمزور کر دے دوسروں سے وہ پیچھے رہ جائے اُسے اثم کہتے ہیں۔ اور ہر ایسی تیزی کہ جو انسان کو آگے بڑھا دے یعنی آگے بڑھنا یہ نہیں مسابقت فی الخیرات میں Competetion میں نہ! اس طرح سے سرکشی اختیار کر کے اور دوسروں سے آگے قدم پہنچا دینا یہ جو تجاوز ہوتا ہے نا اس حد سے اسے کہتے ہیں عدوان ۔ پھر اس کے دوسرے معنی وہ لیتے تھے اثم ہر وہ برائی جس کا اثر انسان کی اپنی ذات تک رہے۔ افیون کھا کے اپنے کمرے کے اندر آدمی چپ کر کے پلنگ پہ لیٹا رہے اونگھتا رہے یہ اثم ہے۔ ''او جیہڑا شرابی ہو جاندا اے باہر چوراہے اچ'' یہ جو کیفیت ہوتی ہے نا یہ عدوان کی کیفیت ہوتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جماعتی زندگی میں دونوں چیزیں (اب میں لفظ گناہ لے آؤں تو معاف رکھئے گا) گناہ ہیں۔ ایسی صورتیں پیدا کرنا کہ تم پیچھے رہ جاؤ ضعف و کمزوری اور نامرادی یہ بھی گناہ ہے۔ اور یہ کیفیت کہ سرکشی اختیار کر لو ساتھیوں سے یہ بھی گناہ ہے۔ ایسی چیزیں جن کے متعلق سمجھو کہ صاحب! مجھ تک ہی ہے نا کوئی بات نہیں ہے میں نے یہ کر لی۔ دل کا ارادہ جس کو تم باہر آ کے عملاً نہ کرو یہ بھی ایک چیز ہے یا وہ ایسے اعمال کہ جن کا اثر دوسروں پہ بھی پڑتا ہو وہ بھی ایک گناہ ہے۔ قرآن اثم اور عدوان ان دونوں کے متعلق کہتا ہے۔ کہتا ہے کیفیت یہ ہے کہ ان میں سے تم اکثر کو دیکھو گے زندگی توازن بدوش نہیں جا رہی ان کی' یا اثم کی کیفیت ہے یا عدوان کی کیفیت ہے۔ یہی حالت ہو جاتی ہے نا عزیزانِ من! اعتدال کا راستہ چھوڑنے سے۔ میں سمجھتا ہوں کہ 99% قوم کے اثم میں اور جس کسی 1%

کے اندر توانائی آپ دیکھتے ہیں وہ سرکشی کے پیکر نظر آتے ہیں وہ ہنگامہ اور فساد خیزی ہے۔ یعنی آپ دیکھ رہے ہیں نا کہ کچھ قوم ایسی ہے جو بالکل ہی Different ہی ہو گئی ہے آپ کے ہاں ٹھیک ہے وہ اپنے اپنے ہاں الگ بیٹھی ہوئی ہے۔ جن میں توانائیاں ابھی ہیں کچھ وہ سرکش ہو گئے ہیں وہ ہنگاموں کے سوا عمل ہی نہیں کسی بات کو سمجھتے۔ روز آ کے ہم پہ اعتراض ہوتا ہے کہ صاحب یہ کیا چیز یہ فطری طور پہ یہ کرو' کوئی عمل بھی کر کے دکھاؤ'' کم وی تے کجھ کرو' کم دے معنی کتھے اگ لاؤ کتھے پتھر مارو متھا کسے دا توڑو''۔ قوم میں یہ ہو جاتا ہے یا اثم ہو ہے یا عدوان ہوتا ہے عزیزانِ من! یا قوم Indifferent ہو جاتی ہے اور یا ہنگامہ آرائیاں ہو جاتی ہیں۔ کہا قوم کی کیفیت کیا ہوتی ہے (و اکلهم السحت) (5:62) کاہے کے لیے یہ کچھ ہو رہا ہے؟ حلال خوری سے نہیں حرام خوری سے سب کچھ کیا جائے۔ حرام کھانے کے لیے یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے۔ ایک ہی لفظ ہے سحت' کسی بھی ناجائز طریقے سے کوئی چیز جو آپ حاصل کرتے ہیں وہ سحت ہو جاتا ہے۔ کاروبار کہتا ہے قوم کا ہوگا (لبئس ما کانوا یعملون) (5:62) کچھ تو وہ ہیں جو کچھ کرتے ہی نہیں جو کرتے بھی ہیں وہ بھی کتنی برائیاں کرتے ہیں۔ اور آگے بڑی عجیب چیز آ گئی۔ کہنے لگے قوم تو ایسی ہوئی تھی (لو لا ینهٰهم الربانیون و الاحبار عن قولهم الاثم و اکلهم السحت) (5:63)

کہا: قوم کو تو یہ ہو ہی گیا تھا ''ایناں دا تے بیڑہ غرق ہویا ای'' یہ جو ان کے ہاں بڑے بڑے جبہ و دستار والے یہ مشائخ اور پیرانِ کرام یہ علمائے عزام بنے پھرتے ہیں ''او ایناں دا کی بیڑہ غرق ہو گیا اے وی نئیں روکدے ایناں نوں''۔ آ ہا ہا ہا۔ دوسرے مقام پہ بھی قرآن نے کہا ہے کہ قومیں ڈوبتی اس وقت ہیں جب ان کو سنوارنے کے مدعی جو ہیں وہی ان کے ڈوبنے کا موجب بنتے ہیں وہ ان کو روکتے نہیں ہیں۔ انہیں کیا ہوا کہ یہ ان کو اس حرام خوری سے روکتے نہیں ہیں۔ الربانیون و الاحبار دونوں قرآن اسمیں لے آیا ہے یہ بڑے بڑے پیرانِ طریقت' بڑے بڑے علمائے کرام یہ بھی نہیں روکتے۔ روکنا کیا ان کے آستانوں پہ ان کے آستانوں پہ ان کے دارالعلوموں میں ان کے مکتبوں میں آپ دیکھئے کبھی اس کی تمیز ہی نہیں ہے کہ اس نے یہ دولت اور عزت حاصل کس طریق سے کی ہوئی ہے۔ ہر دولت مند وہاں جو جاتا ہے قابل تعظیم ہوتا ہے عزیزانِ من! خواہ وہ بڑے سے بڑے بزرگ کا مزار ہی کیوں نہ ہو وہاں بھی صبح سے شام تک ہزاروں جاتے ہیں دھکے کھا کے آ جاتے ہیں۔ کوئی ایک ایسا کہ جو ذرا سا معاشرے میں ممتاز ہو رہا ہے تو ممتاز آج معاشرے میں کون ہوتا ہے؟ جس کے پاس دولت بیشمار ہوتی ہے' جب وہ جاتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ کس طرح سے وہ سارے متولی اور مجاور اور سارے اوقاف والے بھی سر بستہ کھڑے ہوتے ہیں وہاں ہاتھ باندھے ہوئے قطاریں بندھی ہوئی ہیں۔ وہ وہاں جو خلافت کا وہ عمامہ ہوتا ہے وہ اس کے سر پہ لپیٹ دیتے ہیں یعنی حضرت صاحب کا وہ خلیفہ بنا دیتے ہیں اسے۔ کیوں؟ اکلهم السحت ' حرام خوری سے روپیہ جمع کیا ہوا تھا۔ کہتا ہے ان کی کیفیت یہ ہے کہ یہ بھی نہیں روکتے اور جو کچھ میں نے کہا ہے عزیزانِ من! میں خود

نہیں اس کی تشریح کر رہا ذرا توجہ سے اگلے دو لفظ سنئے ۔کہا روکتے کیوں نہیں ہیں' کہا یہ روکیں کیسے (لبئس ما کانوا یصنعون) (5:63) انہوں نے تو خود کاروبار بنا رکھا ہے مذہب کو اور جس کا یہ کاروبار ہو وہ ان کو کیسے روکے ان کو روکے گا تو خود کہاں سے کھائے گا ۔یصنعون یعنی عجیب ہے' کاروبار بھی نہیں انڈسٹری اس کا ترجمہ ہو سکتا ہے ۔صنعت آپ نے سنا ہو گا ناجی' یہ صنعت ہی اس کا ترجمہ ہے ۔کہا یہ عجیب قسم کی انڈسٹری ہے ان کی ''فیکٹریاں لایاں ہویاں سوری دیاں نیں'' ۔(ما کانوا یصنعون) ۔آ ہاہاہا ۔''رب وی ایہو جیا ای بچڑا اے پئی ایناں کوئی خوش؟؟ دے کم از کم ہووے نا'' ۔بڑا پیارا رب ہے قرآن والا صاحب ۔کہنے لگا بتائیے یہ Industrialist جتنے ہوتے ہیں صنعت کاران کا تو ایک گروپ ہوتا ہے وہ کس طرح سے ایک دوسرے کو ان حربوں سے روکیں وہ تو سارے یہ کچھ کر رہے ہوتے ہیں ۔اس لیے کہنے لگا ان کی جو صنعت ہے اس میں جو کچھ وہ کر رہے ہیں ملاوٹیں کر رہے ہیں حرام خوریاں کر رہے ہیں سب کچھ' یہ کیوں روکیں یہ بھی تو Industrialist ہیں یہ تو ایک ہی گروپ ہے ان سب کا ۔کہنے لگا ''اے دیکھو ایناں نے کی فیکٹری کھولی ہوئی ہیگی اے'' ۔(لا ینھٰھم الربانیون و الاحبار) (5:63)۔بات تو یہودیوں کی کہہ کے شروع کیا 'ارے دل یہ تو اپنی داستاں معلوم ہوتی ہے' ۔''دھی اے نی توں گل سن' نوہ اے نی توں کن کر' اے کردا اے قرآن' بات تو وہ لڑکی سے کہہ رہی ہوتی ہے حقیقت میں سنا رہی ہوتی ہے وہ بہو کو ۔یہ بنی اسرائیل کی داستان نہیں عزیزانِ من !۔اثم اور عدوان یا Majority قوم کی جو ہے وہ Indiffrent ہو جاتی ہے یہ اثم ہے' جن میں ابھی کوئی توانائی ہوتی ہے وہ سرکشی اختیار کر رہے ہیں ۔سارے معاشرے کے اندر حرام خوری پھیل جاتی ہے ۔اور قیامت یہ ہے کہ ان کے نہ یہ پیرانِ طریقت نہ علمائے کرام یہ روکتے ہی نہیں ان کو ۔کہا روکیں کس طرح سے' انہوں نے خود انڈسٹری کھول رکھی ہے اس قسم کی ۔قوم ساری کی ساری جو ہے یہ کیفیت ہو جاتی ہے ۔اپنے ہاں یہ صورت ہے ۔یہ جو نیا نظام ہے اب اس میں بات بات پہ مذاق ہو رہا ہے استہزاء ہو رہا ہے تمسخر ہو رہا ہے ۔(و قالت الیھود ید اللہ مغلولۃ) (5:64) کہا کہ ہمارے ہاں یہ نظام قائم ہوا پہلی چیز یہ تھی کہ مومن ایک معاہدہ کرتا ہے (ان اللہ اشترٰی من المؤمنین انفسھم و اموالم بان لھم الجنۃ) معاہدہ کرتا ہے اور اس میں یہ کہتا ہے مومن کہ میں اپنی جان اور مال سارا تمہارے حوالے کرتا ہوں ۔کہتا ہے یہ جب اس نظام کی بات ان کے سامنے آتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ لیجیے صاحب ''ایناں دا رب وی فقیر ہو گیا جے؟؟؟ منگن ڈیا ہویا کیندا الیا وپیسے'' خالی ہاتھ ہو گیا ہے دیوالہ نکل گیا ہے رہا ہی نہیں ان لوگوں سے مانگ رہا ہے ۔ٹھیک ہے اعتراض یہ ہو رہا ہے ۔(غلت ایدیھم و لعنوا بما قالوا) (5:64) کہا یہ بات نہیں ہے خدا کے ہاتھ نہیں رک گئے ہیں وہ کشادہ ہوتے ہیں' یہ تو ان کی اپنی کیفیت ہے کہ جو انسانیت کی فلاح کے کاموں میں دینا نہیں چاہتے ہاتھ اس کا رکا ہوا ہوتا ہے اتنا کچھ ہونے کے باوجود ۔اور اس لیے کہ یہ چیز جو ہے ان کو زندگی کی خوشگواریوں سے محروم رکھے ہوئے ہے ۔(بل یدٰہ مبسوطتٰن) (5:64) اس کے ہاتھ تو کھلے

ہوئے ہیں۔عزیزانِ من! غور سے سنئے کیا الفاظ آ جاتے ہیں۔اسکے ہاتھ تو کھلے ہوئے ہیں۔بات تو یہ کہدی دعویٰ تو یہ ہے دعوے کی دلیل کیا ہے' مانگ تو رہا ہے روز اس نظام میں' بار بار قرآن آپ دیکھئے انفاق کی بڑی تاکید آ رہی ہے قدم قدم کے اوپر کہا جا رہا ہے لاؤ' ضرورت سے زائد جتنا کچھ تمہارے پاس ہے لاؤ' پورے کا پورا نیچ کے آ ؤیہاں' وہ تو مانگ رہا ہے سارا کچھ۔یہی تو وہ کہہ رہے تھے کہ کیسا خدا ہے یہ ان کے لیے وہ خود نہیں دیتا بار بار مانگ رہا ہے۔کہاوہ محتاج نہیں ہوگیا' بات کچھ اور ہے۔سنئے عزیزانِ من! (ینفق کیف یشآء) (5:64) وہ دیتا ہے لیکن اس کے دینے کا طریق مختلف ہوتا ہے۔یہ چاہتے یہ ہیں کہ ان کے تصور کے مطابق وہ طریقہ اختیار کرے کہ آسمان سے وہ چھت پھاڑے اور وہاں سے روز تھیلیوں کی تھیلیاں اوپر سے اترتی چلی آئیں نوٹوں کے دستے کے دستے وہاں سے چلے آئیں اور وہ ان میں پھیلتے چلے جائیں تو پھر یہ سمجھئے کہ واقعی خدا دیتا ہے۔ینفق کیف یشآء یہ کیف عجیب چیز ہے' دیتا ہے وہ انفاق کرتا ہے وہ' اس کا طریق مختلف ہے کرنے کا۔اور یہ طریق قرآن نے ہر جگہ بیان کیا ہے۔سورۃ یٰسین میں آپ وہ آیت دیکھئے کہ جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم بھوکوں کی مدد کرو ان کو روٹی کا انتظام کرو محتاجوں کی ضروریات کو پورا کرو تو یہ کہتے ہیں کہ اگر خدا کو ایسا ہی کرنا مقصود تھا منظور ہوتا تو وہ ان کی ضروریات خود کیوں نہ پوری کرتا۔براہِ راست بھوکے کو روٹی دے' ننگے کو کپڑے دے وہ دے سکتا ہے وہ کیوں نہیں کرتا۔وہاں یہ کہا کہ یہ ان کی سمجھ کی بھول ہے' خدا اپنی ذمہ داریوں کو انسانوں کی دنیا میں اپنے ہاتھوں سے براہِ راست پورا نہیں کرتا وہ ایک جماعت پیدا کرتا ہے جو اس کی ذمہ داریوں کو پورا کرتی ہے۔اسی لیے اس جماعت کے جتنے اعمال اور افعال اور یہ حرکتیں ہوتی ہیں خدا اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔بدر کے میدان میں یہ تیر انداز سے یہ شمشیر زن تھے اور وہاں یہ قرآن کہتا ہے ان سے تم تیر نہیں چلا رہے تھے ہم چلا رہے تھے تمہارے ہاتھ تلواریں نہیں مار رہی تھیں ہم مار رہے تھے۔یہ وہی چیز ہے جو اس نے کہی ہے مدینے میں جب یہ لوگ آ گئے اور مکے میں مسلمان رہ گئے اور ان پہ اسی طرح کا ظلم ہوتا تھا جیسے ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں پہ ہو رہا ہے۔وہ خدا سے دعا کر رہے تھے (سورۃ نسآء کی اس آیت کو یاد رکھو)۔مدینے والوں کو یہ جو اسلامی مملکت تھی ان سے کہا کہ جماعتِ مؤمنین! تمہیں کیا ہوگیا ہے تم سنتے نہیں ہو کہ مکے کے مظلوم کس طرح سے گڑگڑا کر ہم سے دعا کر رہے ہیں کہ یا اللہ! ہماری مدد کر اس ظالموں کی بستی سے ہمیں نکال کسی طرح سے۔خدا کہتا ہے مدینے کی اسلامی مملکت سے تم سن نہیں رہے وہ ہمیں پکار رہے ہیں تم بیٹھے ہوئے ہو اٹھتے کیوں نہیں ہو۔''ساڈے ورگا ہوندا تے کیندا انا پئی واج تے تینوں مارن ڈئے ہیگے نیں تے گاں تو ساہنوں کرنا پیا ہیگا ایں' کھان پین نوں بھاگ بھری دھون بھنان نو جمعہ''۔انداز دیکھئے! تمہیں کیا ہوگیا ہے سنتے نہیں ہو کہ وہ ہمیں پکار رہے ہیں اور تم بیٹھے ہوئے ہو۔یہ ہے انداز عزیزانِ من! لو لا دفع الله الناس ببعضهم ببعض اگر ہم ایسا انتظام نہ کرتے کہ ظلم پہ بڑھنے والی جماعت یا قوم کا سدِ باب اسی قسم کی ایک انسانوں کی جماعت کے ہاتھوں سے نہ کراتے تو فساد ہی فساد مچ

جاتا۔ براہِ راست نہیں وہ یہ کچھ کیا کرتا' ایک جماعت پیدا کیا کرتا ہے۔اسی لیے یہ کہا(ینفق کیف یشآء) (5:64) ہمارے انداز مختلف ہیں۔ وہ انداز یہ ہیں کہ جن کو ہم آواز دے رہے ہیں وہ سارے کا سارالا کے ڈھیر کر رہے ہیں۔کہا یہ عجیب بات ہے۔(ولیزیدن کثیرًا منهم ما انزل الیک من ربک طغیانًا و کفرًا) (5:64) کہتا ہے نگاہ کا فرق ملاحظہ کیجیے زوایۂ نگاہ پہ کتنی بات مبنی ہے کہ ایک ہی چیز جو لوگ اس کو صحیح نگاہ سے دیکھتے ہیں اس سے ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور جو پہلے سے ہی یہ چیز سوچ دھر کے کہتے ہیں کہ ہمیں تو بہرحال ہر بات کی مخالفت کرنی ہے اس میں سے ہم نے اعتراض کی چیزیں پیدا کرنی ہیں الزامات ہی لگانے ہیں اسی بات سے وہ دیکھو کیا نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔زاویۂ نگاہ کے بدلنے کا نام کفر اور ایمان ہے عزیزانِ من!۔ بڑی بنیادی چیز ہے نگاہ کے زاویے کا بدل جانا۔ایک نگاہ کا زاویہ ہے Pasimistic آدھی بوتل ابھی رکھی ہے رورہا ہے آدھی رہ گئی' ایک دفعہ اور پی رہا ہے''ہور گھٹ گئی''۔ایک زاویۂ نگاہ Optimist کا ہے وہ کہتا ہے کہ ابھی آدھی پڑی ہوئی ہے غم کا ہے کا ہے۔

نوع دیگر میں جہاں دیگر شود

ایں زمین و آسماں دیگر شود

نگاہ کا زاویہ ہے Value ہے آپ کتنی Attach کرتے ہیں۔''او بچے داایناں کو جناں گھوڑا جناں ہونداہیگا اے اودوپیساں دالیا ہو یا یا اس کی گڑیا اس کا گڈا''، کبھی دیکھو سہی کہ اس گھوڑے کے اگر کان ٹوٹ جائیں تو وہ کس طرح سے رورہا ہوتا ہے' تم مذاق کر کے پاس سے گذر جاتے ہو۔ چیز تو ایک ہی ہے نگاہ کا زاویہ ہے اس کے نزدیک وہ متاعِ حیات تھی اس کی گڑیا اس بچی کی جو تھی تمہارے نزدیک ایک کھلونا تھا۔بات ایک ہی ہوتی ہے عزیزانِ من! سوال یہ ہے کہ تم اس کی قیمت کیا مقرر کرتے ہو اسی کا نام زاویۂ نگاہ ہے۔کہتا ہے تم دیکھ رہے ہو بات کتنی صاف کی جاتی ہے وہ ہے کہ اس میں سے ہر چیز اعتراض کی نکلتی چلی جارہی ہے' تم ہو کہ اس پہ ہر بات پہ ایمان بڑھتا چلا جارہا ہے۔(و القینا بینهم العداوة و البغضآء الٰی یوم القیٰمة) (5:64) کہنے لگا ایک بات ہم نے ابھی کہی ہے کہ انہوں نے بھی اپنی صنعت بنا رکھی ہوئی ہے پھر کیفیت یہ ہے کہ زاویۂ نگاہ یوں بدلا ہوا ہے۔نتیجہ اس کا یہ ہے کہ جب یہ اس سطح کے اوپر بات آجاتی ہے تو پھر مذہب کے اندر فرقے پیدا ہو جاتے ہیں اور فرقوں میں باہمی عداوت پیدا ہو جاتی ہے پھر۔ Competetion انڈسٹریلسٹ میں بھی تو ہوتا ہے دوکانداروں میں بھی تو ہوتا ہے۔کہتا ہے یہ کیفیت ان کی پھر پیدا ہوگئی اپنے اندران کے آپس کی عداوت آپس کا ایک دوسرے کے ساتھ نفرت جو ہے بڑھتی چلی جارہی ہے۔(کلما او قدوا نارًا للحرب اطفاها الله و یسعون فی الارض فسادًا و الله لا یحب المفسدین) (5:64) کہا ان کی کیفیت یہ ہے کہ ہر وقت سوچتے رہتے ہیں کہ کہاں فساد

کیا جائے کہاں ہنگامے برپا کیے جائیں۔غنیمت ہے کہ یہ فساد کی آگ بھڑکاتے ہیں خدا کسی دوسری جماعت کے ہاتھوں سے بجھا دیتا ہے امن عالم قائم رہتا ہے ورنہ یہ تو زمین میں فساد ہی فساد برپا کر دیں اس قسم کی ذہنیت والے جو لوگ پیدا ہو گئے ہیں۔سورۃ مائدۃ کی آیت 64 تک ہم آ گئے 65 سے انہی کے متعلق بات اور شروع ہوتی ہے لیکن وہ موضوع میں ذرا فرق آ گیا ہے اسے ہم آئندہ لیں گے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

بارھواں باب: سورۃ المآئدۃ (آیات 65 تا 69)

عزیزانِ من ! آج مئی 1971ء کی 30 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ المآئدۃ کی 65 ویں آیت سے ہوتا ہے:(5:65)۔

بات چلی آ رہی ہے اہلِ کتاب کی۔ بالخصوص یہودیوں کے متعلق سلسلۂ کلام چلا آ رہا ہے کہ قوانینِ خداوندی سے سرکشی برتنے سے ان کی حالت کیا ہوچکی تھی۔ ذلت اور مسکنت کی مار ان پہ ماری گئی تھی' عذابِ خداوندی میں مبتلا ہو گئے' The Woundring Jew دنیا میں کہیں ٹھکانہ ان کا نہ رہا۔ جتنے بھی کمینگی والے عیوب ہوتے ہیں وہ سارے کے سارے ان میں بھر گئے۔ اور اس کے بعد کہا کہ و لو ان اھل الکتٰب اٰمنوا و اتقوا لکفرنا عنھم سیاٰتھم و لادخلنٰھم جنٰت النعیم (5:65) اور یہ آتی ہے یہاں قرآن کی خصوصیت کہ وہ کسی قوم کو بلکہ کسی فرد کو بھی ابدی طور پر زندگی کی خوشگواریوں سے محروم نہیں قرار دیتا۔ وہ کہتا ہے لغزشیں انسانوں سے ہوجاتی ہیں ان کے نتیجے میں وہ زندگی کی نعمتوں سے محروم بھی ہوجاتے ہیں۔ لیکن برکات کے دروازے ان پر ابدی طور پہ بند نہیں ہوجاتے وہ جب اور جہاں بھی پھر رخ کریں ان کی طرف جسے خدا کی طرف لوٹنا کہتے ہیں انا الیہ راجعون جسے کہا جاتا ہے جب بھی وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ یہ اگر تائب ہوتے ہیں ایک قدم اس کی طرف بڑھتے ہیں تو وہ تواب ہوتا ہے وہ دو قدم بڑھ کے ان کی طرف آ جاتا ہے۔ اور اس کے بعد پھر ان کی اس صحیح روش کے نتیجے میں غلط روش کے نقصانات کا ازالہ بھی ہوجاتا ہے۔ یہ تو منفی Aspect ہے۔ اور اس کے بعد پھر زندگی کی خوشگواریوں سے بھی وہ متمتع ہوجاتے ہیں۔ کہا کہ یہ بنی اسرائیل کی قوم بھی کہ جن کا عقیدہ یہ ہے کہ نعمائے خداوندی مختص ہو گئی ہیں Minoply ہے بنی اسرائیل کی نسلی طور پر۔ یہودیوں کے گھر میں پیدا ہونے والا اس سے متمتع ہوسکتا ہے اس نسل سے باہر کے انسانوں پہ اس کے دروازے بند ہیں۔ قرآن یہ کہتا ہے کہ یہ قوم جن کا یہ عقیدہ ہے ان سے بھی یہ چیز تم کہہ دو کہ یہ غلط ہے۔ کسے باشد کوئی بھی ہوحتیٰ کہ یہ بنی اسرائیل بھی اگر پھر خدا کے صحیح قوانین پر ایمان لے آئیں ان کی نگہداشت کریں تو ان کی ناہمواریاں دور ہوسکتی ہیں اور پھر یہ جنٰت النعیم (5:65) زندگی کی جن خوشگواریوں سے محروم

ہو چکے ہیں ان کے دروازے پھر ان پر کھل سکتے ہیں۔ ہمارا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا ابدی طور پر کسی قوم پر۔ اور اس کے بعد پھر دہرایا ایک چیز کو۔ اور یہ آیت بڑی اہم ہے' آج کے Context میں خاص طور پر۔ **و لو انھم اقاموا التورٰۃ و الانجیل و ما انزل الیھم من ربھم لاکلوا من فوقھم و من تحت ارجلھم** (5:66) اگر یہ اپنے اپنے وقتوں میں جب تورات ان پر آتی رہی' حضرتِ عیسٰیؑ سے پہلے جتنے انبیائے بنی اسرائیل گزرے ہیں ان کی طرف جو کتابیں آئیں ان کے مجموعے کو تورات کہا جاتا ہے جسے اب یہ Old Testiment یا عہدِ عتیق کہتے ہیں۔ کہا کہ اپنے اپنے وقت میں جو صحیح خدا کی تعلیم ان تک آتی رہی اگر اس پر یہ قائم رہتے' اگر عیسائی اس تعلیم تک قائم رہتے جو انجیل کی شکل میں خدا کی طرف سے ان کے نبی کو ملی تھی اور اگر ان پہ بھی قائم نہیں رہے آج جو خدا کی طرف سے وہی تعلیم قرآن کی شکل میں آئی ہے اس پہ قائم ہو جائیں۔ میں نے کہا تھا کہ یہ آیت آج کے Context میں بڑی اہم ہے اور وہ بات اب آتی ہے۔ تو کہا کہ یہ انہیں پاؤں کے نیچے سے بھی سب کچھ کھانے کے لیے اور اوپر سے بھی ان کو ملے گا۔ یہ کیا بات ہوئی۔ یہاں تو **من فوقھم و من تحت ارجلھم** کہا ہے۔ اس کی تشریح دوسرے مقام (7:96) پر ان الفاظ میں کر دی۔ یہ اہم آیات ہیں ان کے حوالے ضرور نقل کیجیے گا۔ **و لو ان اھل القریٰ اٰمنوا و اتقوا** (7:96) یہ وہی الفاظ ہیں جو سورۃ مائدۃ میں آئے ہیں۔ اگر بستیوں والے کسی ملک کے ہوں کہیں کے ہوں اگر یہ لوگ خدا کے قوانین کی صداقتوں پر ایمان لے آئیں اور پھر ان کی نگہداشت کریں تو اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ **لفتحنا علیھم برکٰت من السمآء و الارض** (7:96) تو ان پر سما اور ارض کی برکات کے دروازے کھل جائیں گے۔ یہ جو میں نے کہا تھا اہم چیز ہے اس میں یہ چیز ہے سما کی برکات اور ارض کی برکات کے دروازے کھل جائیں گے۔ عزیزانِ من! یہ ہے خصوصیت اسلام کی۔ یہ کیا چیز ہے؟ یہ ارض کی برکات تو ہم سمجھ سکتے ہیں آسانی سے' انسان کی معاشی حالت' اقتصادی زندگی' روٹی کا مسئلہ' یہ ارض کی برکات ہیں۔ آج ہمارے اس دور میں یہ جو ایک نئی ازم آئی ہے جسے کمیونزم یا اس کی عبوری شکل جو ہے جسے سوشل ازم کہتے ہیں ان کے نزدیک زندگی کا سارا مسئلہ صرف روٹی کا مسئلہ ہے اس سے آگے وہ کچھ مانتے ہی نہیں ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر انسانوں کا معاش کا مسئلہ حل ہو جائے تو اس کے بعد پھر کوئی اور پرابلم انسان کی رہتی نہیں ہے اس کے سارے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ اور یہ اس لیے کہ ان کے نزدیک انسان کی زندگی یہ صرف Physical Life یا طبعی زندگی ہے۔ زندگی کو اگر یہ طبعی مان لیا جائے جیسے ہر حیوان کی زندگی تو یہ ٹھیک ہے ہر حیوان کا مسئلہ پیٹ بھرنے سے حل ہو جاتا ہے پھر کوئی اور مسئلہ ان کا رہتا ہی نہیں ہے۔

(طبعی زندگی، طبعی ضروریات) Physical Life , Physical Wants یہ پوری ہوجائیں تو مسائل حل ہوجاتے ہیں۔ پھر سمجھا دوں۔ حیوانات کا مسئلہ بالکل Physical مسئلہ ہے، اگر ان کی طبعی ضروریات پوری ہوجائیں، کھانے پینے کو مل جائے، سردی گرمی کا بھی انتظام ہوجائے، اس کے بعد ان کی کوئی پرابلم باقی ہی نہیں رہتی۔ انہوں نے چونکہ انسانی زندگی کو طبعی زندگی ہی سمجھا اس سے آگے اور نہیں، اس لیے ان کے نزدیک مسئلہ ہی طبعی ضروریات کا ہے۔ طبعی ضروریات کے حل کے لیے انہوں نے اپنے ہاں ایک نظام بنایا جسے وہ Socialistic یا Communistic کہتے ہیں، انتہائی شکل Communistic ہوتی ہے ابتدائی شکل اس کی Socialistic ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر روٹی کے مسئلے کو اس طرح سے حل کرلیا جائے تو انسان کا مسئلہ یا انسانیت کے تقاضے پورے ہوجاتے ہیں پھر کوئی اور مسئلہ رہتا ہی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اس کے بعد ان کے ہاں اخلاقیات کا بھی سوال نہیں پیدا ہوتا، وہ کہتے ہیں سارے جھگڑے روٹی کے ہیں یہ حل ہوجائے اخلاقیات بھی صحیح ہوجاتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اخلاقیات تک ہی وہ جاسکتے ہیں کیونکہ تمدنی زندگی کے اندر انسانوں نے مل جل کر رہنا اس کے لیے اخلاقیات تک وہ جاتے تھے۔ اس کے آگے وہ جاتے ہی نہیں، کوئی مسئلہ ہی نہیں ان کے نزدیک۔ اس کے بالکل Extreme میں دوسری طرف مذہب آتا ہے جس کی ابتدائی شکل مذہب یا شریعت ہوتی ہے اور اسی طرح جیسے اُدھر کمیونزم ہوتی ہے اِدھر اس کی انتہائی شکل تصوف ہوتا ہے جسے رہبانیت کہتے ہیں۔ اِن کے نزدیک روٹی کے متعلق سوچنا ہی انتہائی درجے کا گناہ اور جرم ہے۔ وہ کہتے ہیں بڑی پستی ہے، روٹی سوال ہی نہیں ہے۔ جتنا زیادہ اس دنیا سے انسان دور ہٹتا چلا جائے اتنا ہی روحانیت کے اندر بڑھتا چلا جاتا ہے اور مسئلہ سارا روحانیت کا ہے۔ اس لیے دنیا اور اس کے تعلقات، اس کے معاملات جتنے بھی ہیں یہ سارے قابلِ نفرت ہیں، دنیا داروں کے جھگڑے ہیں۔ روحانیت کا تقاضا اس سے اونچا شروع ہوتا ہے اس لیے یہ مسئلہ مسئلہ ہی نہیں ہے۔ اُن کے نزدیک انسان کا سارا مسئلہ ہی روٹی ہے اِن کے نزدیک روٹی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ دونوں Extreme کے اوپر چلا آرہا ہے انسان۔ دنیا کا کوئی مذہب آپ اٹھا کے دیکھیے ان کے نزدیک مادہ اور دنیا قابلِ نفرت ہے، کسی نہ کسی رنگ میں قابلِ نفرت ہے۔ اور اس سے الگ ہٹ کے جب دنیا داروں کی طرف آیئے، اب وہ دنیا دار مجھے کوٹڈ کہنا پڑتا ہے ان کی اصطلاح میں، ان کے نزدیک مسئلہ ہی روٹی کا ہے، یہ حل ہوگیا تو مسائل سارے حل ہوگئے۔ اسی میں چلے آرہے ہیں۔ یعنی اُن کے نزدیک یہ ارضی برکات ہی ساری زندگی کا منتہا اور محاصل ہیں، اِن کے نزدیک صرف سماوی برکات جو ہیں وہی محاصل ہیں۔ قرآنِ کریم نے آ کے یہ کہا۔ پھر دہرا

دوں یہ الفاظ کہ و لو ان اھل القریٰ اٰمنوا و اتقوا لفتحنا علیھم برکٰت من السمآء و الارض (7:96) زندگی یہ ہے ایمان و تقویٰ کا نتیجہ یہ ہے کہ ارض کی برکات بھی ملتی ہیں سماوی برکات بھی ملتی ہیں۔ یہ نظام انسان کی جسمانی زندگی کے تقاضوں کو بھی پورا کرتا ہے اور اس کے علاوہ جو انسانیت کے تقاضے ہیں ان کو بھی یہ پورا کرتا ہے۔ سماوی برکات' ان اقدارِ سماوی کی روسے' ان Permenant Values کی رو سے حاصل ہوتی ہیں جو وحی کے ذریعے ملتی ہیں اور جن کا تعلق انسان کی انسانی زندگی سے ہے۔ یاد رکھیے! یہ دو اصطلاحیں میں نے خود اختیار کر رکھی ہیں بات سمجھانے کے لیے تا کہ وہ روحانیت کی گڑبڑ درمیان میں نہ آ جائے۔ میں اس کا بڑا ڈسا ہوا ہوں۔ وہ تو آپ جانتے ہیں کہ سانپ کا ڈسا ہوا رسی سے بھی ڈرتا ہے۔ میں یہ الفاظ بھی استعمال نہیں کرتا۔ میں ہمیشہ یہ طبعی زندگی کو حیوانی سطحِ زندگی کہا کرتا ہوں اور اونچی جو سطحِ زندگی ہے وہ انسانیت کی زندگی ہے جس کا تعلق انسان کی ذات سے ہے۔ قرآنِ کریم انسان کو ان دونوں زندگیوں کا مجموعہ قرار دیتا ہے۔ اور اس کا نظام یہ ہے کہ طبعی زندگی' اس کے تقاضے اور اس کی ضروریات کا پورا ہونا نہایت ضروری ہے۔ اس لیے کہ یہی وہ Basement ہے جس کے اوپر یہ Super Structure جو ہے' انسانی زندگی کا' یہ استوار ہوتا ہے۔ وہ کمزور نہیں رہنا چاہیے لیکن بنیاد ہی تو مقصود بالذات عمارت کا نہیں ہوتا۔ آپ کتنی محکم بنیادیں بنا لیجیے اس کے اوپر کی عمارت وہ بھی تو ایک شے ہے۔ یا قرآن کے الفاظ میں کہ ان بستیوں کو دیکھو کہ ان کے ستون تو کھڑے ہیں ان کے اوپر چھتیں ہیں نہیں۔ یہ ارضی زندگی کی معاشیات کی جتنی چیزیں ہیں وہ یوں سمجھ لیجیے جیسے روما کے کھنڈرات میں ستون کھڑے ہیں چھت ہے نہیں۔ اور آپ نے دیکھا کہ یہی تصور آپ کے ہاں جب ارکانِ اسلام کہا جاتا ہے' ارکان ستون کو کہتے ہیں' ان کے ہاں بھی ستون ہی ستون ہوتے ہیں چھت نہیں ہوتی۔ قرآن کے ہاں برکاتِ ارضی اور برکاتِ سماوی دو چیزیں اس نے کہی ہیں کہ ایمان و تقویٰ کا نتیجہ یہ دونوں برکات حاصل ہوتے ہیں۔ انسان کی طبعی یا حیوانی زندگی کے تقاضے اور ضروریات پوری ہوتی ہیں اور اس کے ساتھ ہی اقدارِ سماوی جسے کہتے ہیں Permanent Values جنہیں کہتے ہیں جن کا تعلق انسان کی انسانی زندگی سے ہے اس کی ذات سے ہے اس کی نشوونما سے ہے یہ روٹی سے نہیں ہو سکتا روٹی سے آگے مسائل بھی جنہیں شروع ہوتے ہیں۔ کیونکہ موضوع یہ نہیں میرا کہ میں آپ کو یہ سمجھاؤں کہ روٹی کے آگے بھی مسائل کیسے ہوتے ہیں' وہ تو ان کی اپنی زندگیاں بتا دیتی ہیں۔ یہ جتنے بھی جن کے پیٹ بھر جاتے ہیں آپ کیا سمجھتے ہیں ان کے مسائل ختم ہو جاتے ہیں۔ اقوام کو بھی لے لیجیے جن کے ہاں اس قسم کی زندگی ہے کہ ان کو احتیاج نہیں ہے' کیا ان کے زندگی کے مسائل

ختم ہو جاتے ہیں؟ ارے! مسائل تو زیادہ زور سے ابھرتے ہیں وہاں جہاں پیٹ بھر جاتا ہے۔ بھوکے کا تو مسئلہ ہی پہلے چھوٹا سا ہوتا ہے یعنی روٹی۔ یہ جو سیر شکم ہوتا ہے اس کا تو مسئلہ نہیں ہوتا اس کے تو مسائل شروع ہوتے ہیں۔ بڑی سمٹی ہوئی سی چیز ہے' محاورہ ہے' چونکہ بچپن پنجابیوں کے ہاں گزرا ہے اللہ کا شکر ہے والدہ بھی زندہ ہیں یہ محاورے ان لوگوں کے ہیں۔ ہمارے ہاں محاورہ ہے ''رج ہاڑ کُٹ ہاڑ'' یعنی کوٹتا تو وہ ہے جو رجا ہوا ہو ''اے رجن دے بعد کٹن جیہڑا ہے اینوں صرف روک سکدی ہیگی اے اقدارِ سماوی'' (یہ جو پیٹ بھر جانے کے بعد' مارنا ہے' اسے صرف اقدارِ سماوی روک سکتی ہے)۔ قرآن کی تعلیم کی طرف آیئے۔ پہلی چیز تو اس نے واضح الفاظ میں یہ کہہ دی کہ یاد رکھیے! بھوک خدا کا عذاب ہے (16:112)' متعدد مقامات میں قرآن نے یہ کہا ہے کہ معاشی بدحالی خدا کا عذاب ہے۔ **ضرب اللہ مثلاً قریۃً کانت اٰمنۃً مطمئنۃً یاتیھا رزقھا رغدًا من کل مکان فکفرت بانعم اللہ فاذاقھا اللہ لباس الجوع و الخوف بما کانوا یصنعون** (16:112) ایک بستی تھی بڑی خوشحال' چاروں طرف سے رزق' سامانِ زیست فراوانیوں سے اس کی طرف چلا آ رہا تھا۔ ایک جرم ہے۔ اب دیکھیے کہ قرآنِ کریم بنیادی جرم کیا قرار دیتا ہے ان بستی والوں کا۔ جن چیزوں کو ہم عام طور پہ تمدنی خرابیاں' اخلاقی برائیاں کہتے ہیں وہ نہیں اس نے گنایا۔ اس نے کہا ہے کہ خدا کی دی ہوئی خوشگواریوں کو انہوں نے ڈھانپ چھپا کر رکھ لیا۔ یہ جرم ہے ان کا۔ معاشی نظام اس قسم کا انہوں نے بنایا کہ جو جس کے قبضے میں آیا اس نے ڈھانپ چھپا کے رکھ لیا اسے کھلا نہیں رکھا ہے دستر خوان نہیں اس نے اس کو بنایا۔ جسے ہم عام ترجمہ کفرانِ نعمت کہتے ہیں جس کا کچھ مفہوم ہمارے ذہن میں نہیں ہوتا۔ **کفر** کے تو معنی ہی چھپا دینا ہے۔ انہوں نے یہ نظام قائم کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے انہیں خوف اور بھوک کے عذاب میں مبتلا کر دیا۔ میں بات یہ کہہ رہا تھا اس Context میں کہ بھوک خدا کا عذاب ہے۔ اور یہ نتیجہ تھا ان کے اس نظام کا' **بما کانوا یصنعون** (16:112) اس مصنوعی نظام کا جو انہوں نے اپنے ہاں قائم کیا۔ بڑی کاری گری دکھائی اس کے اندر' اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بھوک اور خوف کا عذاب ان کے اوپر مسلط ہو گیا۔ یہاں تو یہ چیز کفرانِ نعمت گنا دی ہے' دوسری جگہ اس کو خدا کے قانون سے اعراض کہا ہے۔ **و من اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃً ضنکًا** (20:124) کہ جو ہمارے قوانین سے اعراض برتتا ہے جو قوم ان سے پہلوتہی کرتی ہے روگردانی کرتی ہے اس کی معیشت تنگ ہو جاتی ہے معاشی حالت بدتر ہو جاتی ہے۔ قوانینِ خداوندی سے اعراض برتنے کا نتیجہ معیشت کی تنگی ہے۔ اور قوانینِ خداوندی سے اعراض برتا تو ایک نتیجہ تو یہ معیشت کی تنگی ہے اور اگلا نتیجہ یہ ہے **و نحشرہ یوم القیٰمۃ**

اعمٰی (20:124) اور یہ پھر قیامت کے دن بھی اندھا اٹھتا ہے۔ یہاں معاش کی تنگی' قیامت کے دن اندھا اٹھتا ہے۔ دنیا بھی اس کی تباہ عاقبت بھی اس کی تباہ۔ تو گویا دنیاوی رزق کی تنگی خدا کا عذاب ہے اور یہ خدا کے قوانین سے اعراض برتنے کا فطری نتیجہ ہے' اور اس کے بعد جس کی یہ حالت یہاں ہو جائے اس کی عاقبت بھی ختم۔ یہاں تک میں نے یہ کہا ہے کہ قرآن کی رو سے رزق کی تنگی عذاب ہے' بھوک عذاب ہے' خدا کے قوانین سے اعراض برتنے کا فطری نتیجہ ہے۔ تو یہاں تک تو آپ آ گئے ان کے ساتھ کہ جو یہ کہتے ہیں کہ بھوک قوموں کے اوپر عذاب ہے' معاشی مسائل کا حل ہونا ہی حقیقت ہے۔ قرآن یہاں تک ساتھ چلتا ہے۔ قرآن آگے جب بڑھتا ہے تو یہ کہتے ہیں یہ منتہا ہے قرآن کہتا ہے یہ غلط ہے۔ یہ تو صرف سواری ہے یہ تمہیں تنومند توانا گھوڑا ملا ہے جس پر بیٹھ کے تم نے سفر طے کرنا ہے۔ روٹی کا مسئلہ' طبعی زندگی' مقصود بالذات نہیں ہے۔ یہ انسانیت کی زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے کا ذریعہ ہے۔ یہ تو ریلوے کا ٹکٹ ہے جو تمہیں مل گیا ہے' ٹکٹ خرید کے گھر میں بیٹھے رہیے اطمینان سے کہ مسئلہ تو ہمارا حل ہو گیا۔ گھوڑا پال کے گھر میں بیٹھ جایئے سفر نہ کیجیے۔ وہ کہتا ہے یہ تو ذریعہ ہے اسی کو انتہا نہ سمجھ لیجیے۔

فرنگ سے بہت آگے ہے منزلِ مومن
قدم اٹھا یہ مقام انتہائے راہ نہیں

آگے بات چلتی ہے۔ اور وہاں وہ یہ کہتا ہے کہ آؤ تمہیں بتائیں جو تم نے کہا کہ روٹی کا مسئلہ حل ہو جائے تو مسائل سارے حل ہو جاتے ہیں۔ بات غلط کہتے ہو۔ بلکہ اگر رزق فراوانی سے ملے اور وہ نظام اقدارِ سماوی کے کنٹرول کے اندر نہ رہے تو اس کا نتیجہ اس سے بدتر تباہی ہوتی ہے۔ دو ایک مثالیں لے لیجیے۔ عزیزانِ من! قرآن نے متعدد مقامات میں جہاں مترفین کا ذکر کیا ہے' خوشحال لوگوں کا ذکر کیا ہے' آپ دیکھیے گا وہاں کس طرح کہتا ہے کہ تباہی کا موجب یہ ہوتے ہیں۔ بھوک خدا کا عذاب' یہ ایک تباہی۔ فراوانی رزق اگر اقدارِ سماوی کے کنٹرول کے تابع نہ رہے تو **و کم اھلکنا من قریۃٍ بطرت معیشتھا** (28:58) کہتا ہے جاؤ تاریخ کے اوراق سے پوچھو' دنیا میں چلو پھرو' اقوامِ سابقہ کی سرگزشتیں پڑھو۔ وہاں تمہیں ایک چیز نمایاں نظر آئے گی۔ ایسی قومیں جنہیں رزق کی بڑی فراوانیاں حاصل تھیں لیکن انہوں نے اپنے آپ کو اقدارِ سماوی کے تابع نہیں رکھا ہوا تھا۔ کیا ہوا؟ درمیان کی کڑیاں وہ چھوڑتا ہے' قرآن کا تو انداز ہی یہی ہے۔ پھر سنیے! **و کم اھلکنا من قریۃٍ بطرت معیشتھا** (28:58) کتنی ہی بستیاں ایسی' اقوام ایسی تھیں کہ جن کو رزق کی بڑی فراوانیاں حاصل تھیں' کس طرح تباہی ہوئی؟ **فتلک مسٰکنھم** (28:58) یہ دیکھو تو سہی یہ ان کی بستیوں کے کھنڈرات تمہارے سامنے ہیں۔ عزیزانِ من! قرآن

کتنا Graphic نقشہ پیش کرتا ہے۔ Abstract بات نہیں کی کہ ذہنی طور پہ یا تدریجی طور سمجھایا۔ کہتا ہے کہ یہ ہیں ان کے کھنڈرات بکھرے ہوئے۔ **لم تسکن من بعدھم الا قلیلًا** (28:58) وہ کھنڈرات جن میں ان کے بعد کوئی بسا ہی نہیں ہے سوائے اس کے کہ تھوڑے وقت کے لیے کوئی آ گیا ہوا ہو۔ کہتا ہے یہ تباہ شدہ کھنڈرات ان قوموں کے ہیں جن پر بھوک کا عذاب نہیں تھا' فراوانی رزق جو اقدارِ سماوی کے تابع نہ رہیں اس کا نتیجہ یہ ہے۔ تو قرآن نے دونوں چیزیں سامنے رکھ دیں: بھوک' وہ بھی خدا کا عذاب۔ اور اگر رزق کی فراوانی ہے اور Permanent Higher Values اس کے ساتھ نہیں ہیں اس کا نتیجہ بھی تباہی ہے۔ اب یہ جو ہمارے ہاں کا سوال آ رہا ہے کہ معاشی مسئلہ اگر یہ حل کرلیا جائے تو سارے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ بڑی بھول ہے۔ قرآن تو یہ بتا رہا ہے کہ وہ قومیں جنہوں نے معاشی مسائل حل کیے اور اس افراط سے ان کے ہاں رزق تھا یہ دیکھو تو سہی کس طرح سے وہ قومیں ہلاک ہوئیں۔ بھوک سے ہلاک ہونے والی بھی قومیں ہیں۔ ہلاک کیا بھوک سے تو یوں تڑپ کے مرجاتا ہے۔ کھنڈرات جن بستیوں کے ہیں وہ انہی کے ہو سکتے ہیں جنہیں رزق کی فراوانی حاصل تھی۔ بھوکے کے پاس تو بیچارے کے پاس جھونپڑہ بھی نہیں ہوتا۔ یہ جو ہمارے ہاں مسئلہ ہے میں نے کہا تھا کہ آج کے Context میں یہ آیتیں بڑی اہم ہوگئی ہیں کہ دنیا میں یہ ایک رو چلا دی گئی ہے اور چلا دی گئی اس لیے کہ اس سے پہلے جو **بطرت معیشت** والا نظام تھا جسے نظامِ سرمایہ داری آپ کہتے ہیں اس کے نتائج اس قدر تپ دق پیدا کر دینے والے تھے' اقوامِ عالم کے لیے' کمزور قوموں کے لیے کہ اس کے خلاف ری ایکشن بڑا ضروری تھا۔ ری ایکشن اٹھا ہے تو اسی طرح سے اس افراط کی طرف چلا گیا کہ مسئلہ ہے ہی روٹی کا مسئلہ۔ یہ حل ہو جائے تو سارے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک چیز اٹھی اور ساری دنیا پر چھا گئی۔ اس لیے کہ دنیا میں شاید اسی نوے فیصد وہ تھے جو بھوکے تھے۔ بھوکوں کو یہ بات پسند آئی۔ بھوکا تو زندگی کا نہ فلسفہ سمجھتا ہے نہ اقدار کے معنی جانتا ہے' پہلا مسئلہ ہی اس کے ہاں روٹی کا ہوتا ہے۔ روٹی کی بات کان میں پڑی نوے فیصد آبادی دنیا کی اٹھ بیٹھی۔ سمجھ لیا گیا کہ حقیقت یہی ہے صداقت یہی ہے مسئلہ یہی ہے اس کا حل یہی ہے۔ یہ ہے جسے سوشل ازم کہا جاتا ہے۔ ساری دنیا میں پھیل گیا۔ جھکڑ چلتا ہے تو کونسی جگہ محفوظ رہ سکتی ہے۔ یہاں بھی یہ آیا جھکڑ' ساری دنیا میں یہ آیا۔ یہاں بھی یہ صورت آئی لیکن اس مملکت کی نسبت چونکہ ابھی اسلام کے ساتھ ہے اس لیے یہ چیز یوں تو نہیں ہو سکتی کہ یہاں کھلے بندوں یہ بات سامنے آ جائے کہ مسئلہ اس سے آگے کوئی ہے نہیں انسان کا۔ اس لیے یہاں اسے اسلامی سوشل ازم کہا گیا ہے۔ میں نے اس پہ بھی اعتراض کیا تھا۔ تو جب آپ آگے آ جائیں

گے اصطلاح سے ہٹ کے حقائق میں تو وہاں صرف سوشل ازم رہ جائے گی۔ اسلام کے معنی چند عقیدے کے ہو جائیں گے' خدا پر ایمان' کتابوں پر ایمان' رسول پر ایمان' لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ وہ جیسے ہم سارے مسلمان ہیں۔ اسلام تو ہوگا اس قسم کا جیسے ہم ہیں۔ یہاں اسلام ہے ہی نہیں۔ اور معاشی نظام چونکہ زندگی کے ٹھوس حقائق سے تعلق رکھتا ہے' نظام یہ چھا جائے گا۔ اسلام ذہنی طور پہ چند عقائد کا نام نہیں ہے۔ سیدھی سی بات ہے ہم جتنے یہاں بیٹھے ہیں یا دنیا کے ستر کروڑ' لفظی طور پر عقائد کے طور پر ذہنی طور پر سارے اسلام کو مانتے ہیں اور سارے روتے ہیں کہ اسلام ہے نہیں۔ یہ ہے ٹھیک بات کہ اسلام نہیں ہے۔ اسلام اس کا ہی نام نہیں ہے۔ اسلام تو یہ جو آپ کے ہاں کی طبعی زندگی ہے ان کے مسائل کو اقدارِ سماوی کے تابع رکھنے کا نام اسلام ہے۔ عام سمجھنے کے لیے کہ یہاں تو حلال وطیب بکرا جو ہے اس کو بھی بسم اللہ اللہ اکبر کے نام پر چھری پھیرے گا تو حلال ہوگا۔ میں صرف سمجھنے کے لیے بات کہہ رہا ہوں۔ خنزیر نہیں' وہ تو مطلق حرام ہوا اس کو تکبیر سے بھی ذبح کر لیجیے تو حلال نہیں ہوتا۔ حلال جو ہے اس کو بھی طیب ہونا چاہیے۔ یہ کیا ہے اللہ اکبر جسے کہتے ہیں' اس مقام کے اوپر اس کی اکبریت کا ذکر کیوں آ رہا ہے ؟ وہ اس لیے آ رہا ہے کہ یہ ٹھیک ہے ایک جان ہے دوسرے کے ہاتھ میں چھری ہے' میرے ہاتھ میں قوت ہے بکرے کے مقابلے میں' میں اس کی رگِ جان کاٹ سکتا ہوں۔ بڑائی ایسے مقام پہ آتی ہے کہ جب انسان کے اندر ایک انا بیدار ہوتی ہے کہ میں دوسرے کی رگِ جان کو کاٹ سکتا ہوں' کہا کہو! نہیں میں بڑا نہیں ہوں بڑی اقدارِ سماوی ہے اللہ اکبر ہے میں بڑا نہیں ہوں۔ اسے اس کی قدر کے مطابق میں یہ کر رہا ہوں جو کچھ ہو رہا ہے۔ عزیزانِ من! یہ جو پانچ وقت آپ کے مینار سے اللہ اکبر کی آواز آتی ہے سمجھو کہ یہ کیا کہہ جاتا ہے۔ قدم قدم پہ یہ کہتا ہوا چلا جاتا ہے کہ جتنی تمہیں قوتیں حاصل ہیں اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ فائنل قوت تمہارے ہاتھ میں آ گئی' اقتدارِ اعلیٰ تمہارے ہاتھ میں آ گیا' قطعاً نہیں۔ تمہارے اوپر ایک اقتدارِ اعلیٰ والا ہے' تمہاری ہر قوت کو' تمہاری ہر قدر کو' اس کی اقدار کے تابع رہنا چاہیے۔ یہ چیزیں جمع ہونگی اور وہ یہ جمع دو والی بات نہیں کہ ایک طرف سے یہ ایک طرف سے وہ۔ وہ تو اس قسم کا نظام ہے کہ جیسے جان انسان کے جسم کے اندر ہے آپ کہہ ہی نہیں سکتے کہ یہاں جان ہے یہاں جان نہیں ہے۔ ہے تو سارے جسم کے اندر ہے نہیں ہے تو جسم کے کسی حصے میں بھی نہیں ہے۔ اقدارِ سماوی کی کیفیت ہماری طبعی نظامِ زندگی میں اس قسم کی ہے یا وہ ہے یا وہ نہیں ہے۔ یہ کوئی ???? Particular نہیں ہے جس کے اندر آپ نے یہ رکھ لیا کہ صاحب! اگر ہم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ کے سوشل ازم کا نظام لے آتے ہیں تو یہ اسلامی ہو جاتا ہے۔ یہ کہہ کے نہیں' اس پورے معاشی نظام کو اس کے

اقدار کے تابع لائیے۔اور قرآن اس کے لیے پھر تفصیل دیتا ہے کہ وہ نظام ان اقدار کے تابع کیسے آتا ہے۔ یہ چیز کہیے تو اس نظام کو جی میں آئے آپ کہہ لیجیے پھر وہ تو قرآنی نظام ہوگا۔اسی لیے میں محض سمجھانے کے لیے قرآن کا معاشی نظام کہا کرتا ہوں۔تو ذہن کبھی اس طرف آئے ہی نہیں کہ مسئلہ روٹی کا ہے' اصل مسئلہ انسان کا ہے۔انسان کی طبعی زندگی رزق کے تابع ہے اس لیے یہ بھی اس کی ایک ضرورت ہے۔اصل میں مسئلہ اس کی انسانی زندگی کا ہے' اس کی نشوونما کیسے ہوتی ہے' وہ ارتقا کی منزلیں طے کر کے کیسے آگے جا سکتا ہے' اس گھوڑے پہ سوار ہو کے کہ جسے آپ روٹی یا معیشت کہتے ہیں۔عزیزانِ من! یہ ہے وہ چیز جسے قرآن نے برکاتِ سماوی اور برکاتِ ارضی کی اصطلاحات سے تعبیر کیا ہے۔ کتنی جامع اصطلاحات قرآن لاتا ہے۔اگر ایمان لاؤ اور ان قوانین کی نگہداشت کرو تو تمہیں برکاتِ سماوی اور برکاتِ ارضی دونوں حاصل ہو جائیں گی۔یہ ہے صحیح نظام اسلامی۔یہ کہیے کہ ہمارے ہاں ہر مسئلہ قرآن کے دیے ہوئے احکام' اصول' ضوابط' اقدار' کے تابع رہے گا تو ہر مسئلہ اسلامی ہو جائے گا۔اس میں معاش کا مسئلہ بھی آئے گا انہی اقدار کے تابع۔یہ نہیں کہ اسے آپ Independently اپنے طور پہ تجویز کر کے رکھ لیں کہ یہ تو ہے یہ اور پھر اس کے بعد صاحب! اس میں اسلامی بھی ملا یئے اور اسلامی یہ کہ اس کے ساتھ نام اسلامی رکھ لیجیے۔عزیزانِ من! نام رکھنے کی بات نہیں ہے۔یہاں تو یہ چیز سمجھنے کی اور واضح طور پہ اس چیز کو عملاً نافذ کرنے کی بات ہے کہ ہمارا معاشی نظام قرآن کی اقدار کے تابع رہے گا۔پھر آیئے قرآن کی طرف اور دیکھیے کہ وہ یہ کیا دیتا ہے جب وہ جو کچھ دیتا ہے اس کو نافذ کیجیے سیدھی سی بات ہے۔اس میں بنیادی کمزوری یہ رہ جاتی ہے جب ہم کسی نظام کو کسی اور اصطلاح سے تعبیر کرتے ہیں تو وہ سارے بنا بنایا جتنا بھی ہے وہ ذہن میں آ جاتا ہے کہ وہ تو یوں ہے۔باقی رہا قرآن تو پھر وہ ٹھیک ہے جس طرح مردے کے گلے میں اشرفی کے اوپر اشھد واان لا الہ الا اللہ لکھ دیا جاتا ہے۔نہ عزیزانِ من ! برکاتِ سماوی اور برکاتِ ارضی دونوں کے مجموعے کو' مجموعہ کہنا بھی غلط ہے' اس میں دو الگ الگ چیزوں کو اکٹھے کرنے کے معنی ہو جاتے ہیں یہ تو کچھ حلول کیے ہوئے ہیں ایک دوسرے کے اندر۔جیسے آپ یہ کہہ نہیں سکتے کہ جانور کو تکبیر کے ساتھ ذبح نہ کیا جائے تو اس میں کیا فرق پڑ جاتا ہے۔ Analysis کرنے سے اس کا گوشت اور دوسرے کا گوشت یکساں ہوتا ہے۔یہ ہے وہ چیز جو قرآن کہتا ہے۔**و لو انھم اقاموا التورٰۃ و الانجیل و ما انزل الیھم من ربھم لاکلوا من فوقھم و من تحت ارجلھم** (5:66) یہاں یہ کہا اوپر سے اور نیچے سے' وہاں سما اور ارض کہہ کے بات صاف کر دی۔کہتا ہے ان کی کیفیت یہ ہے **منھم امۃ مقتصدۃ** (5:66) کچھ لوگ ان میں ایسے ہیں جو بین

بین کے راستے پہ چل رہے ہیں' اعتدال کی راہ جسے کہتے ہیں۔ یہ بھی عجیب فریب انگیز سی ایک اصطلاح ہے۔ صاحب! انسان کو اعتدال کی راہ پہ چلنا چاہیئے' بین بین چلنا چاہیے۔ یعنی ایک طرف جھوٹ ہو اور ایک طرف سچ ہو نہ سچ بولنا چاہیے نہ جھوٹ بولنا چاہیے بین بین چلنا چاہیے۔ ایک طرف حرام ہو ایک طرف حلال ہو نہ حلال لینا چاہیے نہ حرام لینا چاہیے بین بین چلنا چاہیے اعتدال کی راہ چلنا چاہیے۔ یعنی ہم کبھی سوچتے ہی نہیں کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ اسلام اعتدال کا راستہ ہے۔ ٹھیک ہے صاحب! ایک طرف توحید ہے ایک طرف شرک ہے' چلیے بین بین۔ ''گل وی ٹھیک ہے اے چلدے ای ایویں ہیگے نیں'۔ بات غلط ہے۔ وہ جہاں تک تو طبعی قوانین کا تعلق ہے وہ تو ٹھیک ہے **کلوا اشربوا ولا تقربوا** کھاؤ پیؤ لیکن ایسا تو نہ کہ پیٹ ہی پھٹ جائے۔ وہاں تو آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسان کو اعتدال پہ رہنا چاہیے لیکن اقدار کے معاملے میں اعتدال؟ اعتدال پہ رہنا ہوتو وہ لا الہ کبھی نہ کہتا کچھ تو درمیان میں اعتدال کے راستے چھوڑ دیتا۔ اس نے تو ہر الہ کے گلے پہ چھری پھیر دی۔ لایئے اعتدال کا راستہ۔ ہم نے نکال لیے اعتدال کے راستے۔ کتنے الہ ہم نے قائم کر رکھے ہیں اپنے ہاں۔ اور اس اعتدال کے معنی ہوتا تو پھر اللہ تک تو پہنچتا ہی کوئی نہیں' گھوسالہ ہی معبود ہو جاتا۔ عزیزانِ من! اعتدال کی راہ نہیں۔ یہ تو جسے آپ کہہ لیجیے Extreme پہ جانے کی راہ۔ کفر اور ایمان کے درمیان اعتدال کی راہ نہیں ہے۔ کیا بات کہہ گیا محمد علی جوہر۔ اس کی زندگی ہی ایسی تھی' مجھے ذاتی تجربہ ہے۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے تھا

یہاں تو دو عالم سے خفا ہونا پڑتا ہے۔ لا الہ کے تو معنی یہ ہیں۔ بین بین کی راہ نہیں۔

پھر آ جایئے اسی موضوع کی طرف۔ بات یہ چلی آ رہی تھی پھر میں نے عرض کیا تھا پچھلے دو تین درس اسی پہ چلے آ رہے تھے اور آج کے ہمارے حالات اور حوادث اور مشرقی پاکستان کے سلسلے میں جو ہوا ہے اس ضمن میں بڑی اہم چیزیں تھی۔ جس میں اس نے کہا تھا کہ جماعت مومنین یاد رکھو! اپنوں کے علاوہ کسی کو اپنا دوست مت سمجھو' کسی کو راز دار مت بنا دینا' کسی کو سرپرست نہ تصور کر لینا' کسی کی سازش میں نہ آ جانا۔ یاد رکھو! تمہیں وہ تباہ کر کے رکھ دیں گے۔ اور معلوم ہے اس کے بعد اس نے کیا کہا تھا؟ یہ کہہ کے کہ ان لوگوں کو اپنا دوست دار نہ بنانا ان پہ بھروسہ نہ کر لینا ان کی سازش میں نہ آ جانا اپنوں کے خلاف غداری نہ کر لینا۔ اور وہاں یہ کہا تھا کہ **من یرتد منکم عن دینہ** جو یہ کرنے سے اپنے دین سے مرتد ہو جائے گا اس کی جگہ ہم دوسری قوم لے آئیں گے۔ قرآن اسے ارتداد کہتا ہے۔ یہ مناظرے کا سوال نہیں ہے کہ وہاں

بات کی جائے کہ تمہارا عقیدہ اسلام کے خلاف ہے یا منافی ہے۔ وہاں ہوتا یہ ہے کہ جس فرقے کے مطابق آپ کا عقیدہ نہیں ہے ان کے نزدیک آپ مرتد ہیں۔ قرآن یہاں کہتا ہے آگے کہ یہ ہے ارتداد۔ اور واقعی اس ارتداد کی سزا موت ہونی چاہیے بلکہ موت سے بھی بدتر کوئی سزا۔ یہاں مذہب کی آزادی کا سوال نہیں ہے۔ مذہباً تو آپ جونسا جی چاہے مذہب اختیار کیجیے۔ لیکن ایک اسلامی مملکت میں رہتے ہوئے اس مملکت کی بنیادوں کے خلاف کوئی چیز کہنا اور جو اس کو نہیں ماننے والے ان کے ساتھ ساز باز رکھنا ارتداد ہے۔ اس اعتبار سے تو اسلامی مملکت کے اندر صرف مسلمان ہی مرتد نہیں ہوگا غیر مسلم بھی یہ کچھ کرے گا وہ بھی مرتد ہوگا۔ ہنسیں گے تو آپ ضرور کہ غیر مسلم مرتد ہے۔ وہ کہتا ہے یہاں تو سوال یہ ہے۔ یہ یہاں مملکت مملکت نہیں ہوتی وہ اسلام کی آماجگاہ ہوتی ہے۔ جس فیلڈ کے اندر اسلام نے ایک عملی شکل اختیار کرنی ہے اسے کہتے ہیں۔ اس کی بنیادوں کے خلاف کوئی چیز کرنا اور جو لوگ اس سے متفق نہیں ان سے ساز باز رکھنا ارتداد ہے جو قرآن کہہ رہا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ اس ضمن میں قرآن آگے گیا تھا۔ یہی نہیں کہ وہ لوگ کہ جنہیں ہم کافر کہتے ہیں ان کے متعلق یہ کہا۔ اس نے کہا تھا کہ یاد رکھو! وہ لوگ جو تمہارے دین کا تمسخر اڑائیں، مذاق سمجھیں، Lightly لیں، ان کا بھی ساتھ چھوڑ دو۔ عزیزانِ من! دین جسے قرآن کہتا ہے یہ تو انسانی جسم کے خونِ زندگی ہے۔ یہ کوئی مذاق کی چیز نہیں ہے۔ اس نے کہا وہ ان چیزوں کو Lightly لیتے ہیں۔ اور آپ کو یاد ہوگا میں نے کہا تھا کہ وہ تو آگے بڑھتا ہے۔ کہتا ہے تمہارے دین کا تمسخر اڑانے والوں کے خلاف تو تمہارے دل میں کچھ حمیت کے جذبے ابھر آئیں گے، یہ نہیں بلکہ جو اپنے دین کو بھی مذاق سمجھتا ہے خواہ وہ باطل کا کیوں نہ ہو کہنے لگا وہ Materialist کے مقابلے میں بہرحال غلط چیز ہی سہی غلط چیزوں کو تو مانتا تھا۔ اگر یہ مذاق انہوں نے شروع کر دیا ہے تو یاد رکھو یہ روبڑی بری ہے۔ **وذر الذین اتخذوا دینھم لاعبًا ؟؟؟؟ ھم الحیٰوۃ الدنیا** عزیزانِ من! قرآن ہے، پوچھیے نہیں کہاں جاتا ہے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ وہ دو قسم کی Mentality یہاں بیان کرتا ہے۔ ایک Mentality یہ ہے کہ صاحب! بس زندگی یہ زندگی ہے جس طریقے سے جو ہاتھ میں آئے لو، جائز اور ناجائز کا سوال کیا ہے۔ دوسری Mentality یہ ہے کہ نہیں صاحب! ؟؟؟ کوئی چیز ہوتی ہے۔ اب اس کی تفصیل میں فرق آ جائے گا اس کی تشریح میں فرق آ جائے گا لیکن ایک اصولی چیز تو وہ مانتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جو ذہنیت یہ ہو جائے کہ اسی کا مذاق اڑانا شروع کر دے جیسا کہ آپ کے ہاں جتنا تصور Materialistic Life کا آرہا ہے اس میں ان بنیادی چیزوں کے اوپر مذاق اڑایا جاتا ہے۔ ہیں ہیں! God، عہدِ جاہلیت میں انسانوں کو ڈرانے کے لیے ایک ہوا بنایا گیا

تھا' یہ Definition ہے خدا کی۔ انسان کی آخرت کی زندگی' انسانوں کی بے بسی میں ان کو ڈھارس بندھانے کے لیے یہ ایک وضع کیا گیا کہ کوئی نہیں! یہاں ان کو یہ جو کچھ ہوتا ہے تو رہنے دو اس کے بہر حال خدا کے ہاں جائیں گے وہاں جا کے پکڑے جائیں گے۔ ان کو کچھ امید باقی رہتی ہے' ان کے خلاف اٹھتے نہیں ہیں۔ یعنی یہ چیزیں ہیں جو کہی جاتی ہیں۔ اس کا نام ہے مذاق اڑانا۔ کہتا ہے ان کو بھی یہ کچھ کرو۔ بات جو میں کہہ رہا تھا وہ آگے ہے **وذر الذین** ان سے قطع تعلق کر لو۔ تو کیا ان کو پھر اس کے بعد چھوڑ دو کہ جس تباہی میں جاتے ہیں جائیں۔ عزیزانِ من! میں نے کہا تھا ان مقامات میں نظر آتا ہے کہ قرآن واقعی قرآن ہے۔ کہا قطع تعلق تو ان سے کر لو لیکن **و ذکر به ان تبسل نفس بما کسبت** بات ان تک قرآن کی پہنچاتے چلے جاؤ یہ نہ ہو کہ صحیح بات نہ پہنچنے کی وجہ سے یہ تباہ ہو جائیں۔ چھوڑ دو **و ذر الذین** قطع تعلق ہے تمدنی زندگی میں' معاشرتی زندگی میں لیکن انسانیت کی ذمہ داری جو عائد ہو رہی ہے کہ بچاؤ جس کو بچا سکتے ہو۔ ایسے وقت میں مجھے ایسے دماغی مریض یاد آتے ہیں۔ ڈاکٹر کو گالیاں دے رہے ہیں تھپڑ مار رہے ہیں یہ سب کچھ ہو رہا ہے' ڈاکٹر کا فریضہ یہ ہے کہ وہ سب کچھ سنے اور ان کا علاج کرتا چلا جائے۔ یہ تھا یہ مشفق طبیب جسے رسول کہتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ ارے تُو تو اپنی جان گھلا لے اس غم میں کہ یہ صحیح راستے پہ کیوں نہیں آ رہے۔ **فذکر به** ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص بھی **بما کسبت** کہا ہے کہ تباہ تو اس نے اپنے ہی کرتوتوں کے ہاتھوں ہونا ہے لیکن یہ نہ ہو کہ بات صحیح معلوم نہ ہونے کی وجہ سے وہ تباہ ہو جائے۔ پہنچائے چلے جاؤ۔ وہاں یہ کہا ہے اور یہاں 67 ویں آیت میں سب کچھ کہنے کے بعد اس نے کہا کہ **یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک** (5:67) وہی بات جو کہی تھی اے رسول! یہ سب ٹھیک ہے ان کے ساتھ قطع آلائش کرو' کوئی تعلق نہیں تمہارا ان کے ساتھ' لیکن انسانیت کا تعلق باقی ہے۔ جو کچھ تمہیں خدا کی طرف سے دیا جا رہا ہے اسے پہنچائے چلے جاؤ۔ یہ اس لیے نہیں دیا کہ تمہیں دیا اور تم اپنے پاس سمیٹ کے رکھ لو۔ پہنچانے کے لیے دیا ہے' پہنچاتے چلے جاؤ۔ **و ان لم تفعل فما بلغت رسٰلته** (5:67) اگر ایسا تم نہ کرو گے تو جو فریضہ تمہارے سپرد کیا گیا ہے اس فریضے کی ادائیگی میں کوتاہی کرو گے اور یہ بہت بڑا جرم ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اس میں شبہ نہیں کہ جہاں تک احترام کا تعلق ہے' رسول کا مقام بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر' بہت بڑا مقام ہے۔ جہاں تک ذمہ داری کا تعلق ہے **ووضعنا عنک وذرک الذی عنک ظھرک** قرآن کہتا ہے کہ ہم نے بالآخر اس بوجھ کو تمہارے اوپر سے اٹھا لیا جس بوجھ نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی۔ عزیزانِ من! ذمہ داری کوئی چھوٹی چیز نہیں ہے کمر توڑ دینے والی ہے بشرطیکہ اس کا احساس ہو۔ کہا اگر تم

نے یہ نہ کیا یعنی اگر باہر کے حالات کتنے ہی نامساعد کیوں نہ ہوں' گالیاں پڑ رہی ہوں' پتھر پڑ رہے ہوں' گھر سے بے گھر کر دیا جائے' میدانِ جنگ میں مقابل میں وہ شمشیر زن بھی آ جائیں یہ سب کچھ ہو لیکن تم پہنچائے جاؤ یہ بات۔ نہیں اگر پہنچائی تو تم اپنے فریضے کی ادائیگی میں کوتاہی کرو گے۔ پہنچائے چلے جاؤ' پہنچائے چلے جاؤ۔ **ما انزل الیک** جو کچھ بھی تمہیں دیا جاتا ہے پہنچائے چلے جاؤ۔ بات ظاہر ہے کہ ایک حرف بھی ایسا نہیں ہو سکتا اس کے بعد کہ خدا کی طرف سے رسول کو ملے اور رسول آگے اس کو عام نہ کرے۔

باطنی طریقے سے آ رہا ہے۔ اور کہاں سے بات شروع کی' جہاں سے یہ سازشی بات شروع کرتے ہیں۔ جھٹ سے گئے حدیث پہ روایت پہ' کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے اور روایتیں جتنی ہیں اکثریت ابو ہریرہؓ سے آتی ہیں' تمام صحابہؓ سے زیادہ۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے قریباً پونے تین سال پہلے ایمان لائے تھے۔ اتنے عرصے میں یہ جتنے باقی صحابہؓ تھے جو ایمان لانے سے پہلے بھی ساتھی تھے پہلے دن سے ساتھی آخری دم تک ساتھی مرنے کے بعد تک کے ساتھی۔ اُنؓ کی طرف بھی کسی کی طرف بیس کسی کی طرف پچیس کسی کی طرف تیس حدیثیں منسوب ہیں۔ ہزار ہا جو منسوب ہیں وہ ابو ہریرہؓ وغیرہ کی طرف منسوب ہیں۔ ان کی طرف ایک حدیث ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دو برتن دیے تھے دین کے علم کے۔ ان میں سے ایک برتن پہ تو کپڑا اٹھا کے عام کر دیا ہے اور دوسرا برتن جو ہے اس پہ سے اگر میں کپڑا اٹھاؤں تو میرا گلا کٹ جائے اس لیے اس کو ایسے ہی رہنا دیا۔ یہ وہ ہے برتن جو سینہ بہ سینہ چلا آ رہا ہے' علمِ باطن' علم نجوم۔ **ما انزل الیک** کا یہ اتنا بڑا حصہ' Quantitavely تو خیر برتن ہی کہا ہے اب یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ایک برتن گڑوی ہو ایک برتن پتیلا ہو۔ لیکن خیر! ہم مان لیتے ہیں ''اودوویں کُجے ای سن'' لیکن Qualitatively اس کی کیفیت یہ ہے کہ یہ جو ایک دیا گیا ہے چھلکے ہیں ہڈیاں ہیں' اصل مغزِ دین جو ہے وہ اس دوسرے کے اندر ہے وہ عام نہیں کیا جا سکتا۔ وہ سینہ بہ سینہ باطنی علم آپ کے ہاں چلا آتا ہے۔ اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ جس قدر آپ کے ہاں یہ تعظیم' قدر و منزلت بلکہ خدائی صفات کے حامل وہ سارے وہ ہیں جو اس باطنی علم کے حامل قرار دیے جاتے ہیں۔ کسی عالم کی قبر کے اوپر کبھی آپ نے کسی کو جاتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا' زندگی میں بھی اس کے ہاں کبھی کوئی آتا ہے تو وہ فتویٰ پوچھنے کے لیے آتا ہے کہ جب قانون جو ہے ہمارے خلاف جاتا ہو شریعت کا فتویٰ لے آتے ہیں تاکہ ہمارے حق میں چلا جائے۔ بہرحال علم کی دنیا کی طرف تو یہی ہے صرف لیکن وہ جو دوسرا برتن تھا وہ باطنی علم جو چلا آ رہا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ Rule کر رہا ہے آپ کے ہاں۔ آپ کے قلوب اور

اذہان کے اوپر کسی کا اقتدار چھایا ہوا ہے تو وہ اس علم کا ہے جس کو آپ باطنی علم کہتے ہیں جسے یوں چھپا کے رکھا۔ نہ ان چھپانے والوں نے بات کہی نہ اس کے بعد کوئی آج بھی بات کہتا ہے۔ کہا کیا جائے۔ قرآن کے متعلق تو یہ کہہ دیا کہ ہم نے مغز اس میں سے لے لیا ہے یہ ہڈیاں ہیں جو تم کو دیدی ہیں۔ یہ چھپانے کی بات جو تھی اگر قرآن سے پوچھ لی جاتی' یہ **مـا انـزل الیک** کی بات قرآن نے کہی ہے کہ پہنچاؤ اور **مـا انزل الیک** کے متعلق کہا ہے کہ وہ کس پوچھتا ہے کہ وہ چھپا کے رکھ لیا ہے اور وہ چھپایا ہوا چلا جا رہا ہے۔ قرآن کہتا ہے **ان الـذین یکتمون ما انزلنا البینٰت و الھدیٰ من بعد ما بینہٗ للناس فی الکتٰب** (2:159) وہ تعلیم کہ جسے خدا نے کتاب کے اندر واضح طور پر رکھ دیا ہے کھول کے بیان کر دیا ہے جو لوگ اس کو چھپا کر رکھتے ہیں اس کو چھپانے کے مدعی ہیں' معلوم ہے اس کے بعد کیا کہا ہے؟ جگر پہ ہاتھ رکھیے گا! **اولـئک یـلعنھم اللہ و یلعنھم اللّٰعنون** (2:159) ان پر خدا کی لعنت ہر لعنت والے کی لعنت۔ **ما انزلنا** کے متعلق اتمام! ' چھپا کر رکھنا! کوئی نہیں پوچھتا۔ عزیزانِ من! رسولِ خاتم النبیینﷺ کہ جس کے بعد کوئی اور آنا ہی نہیں خدا کی بات کہنے والا بتانے والا' جو کچھ اسے بتایا گیا اس کے متعلق خدا نے یہ کہہ دیا کہ ہم نے اس کو مکمل بھی کر دیا **تـمـت کلمت صدقًا و عدلًا** مکمل کر دیا' **لا مبـدل لکلمتہ** کوئی بدل بھی نہیں سکتا اس کو۔ اور اس کا یہ جو بنیادی اور حقیقی اور مغز کا حصہ ہے اس کو چھپا کر رکھنا انسانیت سے۔ قرآن نے تو رسول اللہﷺ کے متعلق کہا تھا کہ تم الناس کی طرف رسول ہو' صرف خواص کی طرف تو نہیں کہا تھا۔ لہٰذا رسالت کا کوئی ذرا سا شمہ بھی جو الناس سے چھپایا جاتا ہے اتمامِ حقیقت ہے' قطعاً غلط ہے۔ یہ سب سازشیں ہوئی ہیں تمہارے ساتھ۔ باطنی علم کا تصور غیر قرآنی ہے دوسروں کے ہاں سے مستعار لیا ہوا ہے۔ یہاں کوئی Mystery نہیں ہے' Mystery نہیں ہے تو Mysticism کہاں سے آئے گا وہ تو Mystery کا نام ہوتا ہے۔ کوئی Mystery نہیں ہے اس کے اندر' کوئی پوشیدہ وعظ نہیں ہے۔ جسے خدا کہتا ہے کہ ہم نے کھول کے بیان کر دیا اسے کہنا اس میں باطن کی چیز ہے دوسری خدائی پیدا کرنے والی بات ہے۔ بیان کیے جاؤ۔ **و اللہ یعصمک من الناس** (5:67) ترجمہ اس کا یہ ہے کہ خدا تمہاری لوگوں سے حفاظت کرے گا۔ عام طور پہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے مراد حضورﷺ کی جسمانی حفاظت ہے۔ مجھے بھی اس پہ کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا تھا لیکن قرآن کی آیات جب سامنے آتی ہیں تو اس کے پیش نظر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ جسمانی حفاظت کا ذکر نہیں ہو سکتا۔ انبیائے کرامؑ کی جسمانی حفاظت کی ذمہ داری خدا نے کہیں نہیں لی۔ اس کے برعکس قرآن میں یہ موجود ہے اقوامِ سابقہ کو خاص طور پہ یہودیوں کو؟؟؟ دیا گیا ہے

کہ تمہاری کیفیت یہ تھی کہ جس نبی کی بات تمہیں ناپسند ہوتی تھی تم اسے قتل کر دیتے تھے۔ نبی نہیں دوسرے مقام پہ رسول بھی قرآن نے کہہ دیا تا کہ اس میں بھی کوئی فرق نہ کریں کیونکہ یہودیوں کے ہاں نبی جو تھا وہ ہیکل کا ایک منصب بھی ہوتا تھا وہ ایک پیشین گوئیاں کرنے والا ہوتا تھا۔ اس لیے قرآن نے دوسرے مقام پہ رسول بھی کہہ دیا ہے۔ یہ سورۃ الِ عمران کی آیات ہیں (3:180,182)۔ قتلِ انبیاء قتلِ رسل۔ تو گویا قرآن نے یہ کہہ دیا ہے کہ یہ ہوتا رہا ہے۔ لہٰذا اگر یہ جسمانی حفاظت کی ذمہ داری والی بات تھی تو یہ تو سوال نہیں تھا۔ وہ تو پھر زخم بھی نہیں پہنچا سکتے تھے یعنی اگر خدا کسی کو اپنی حفاظت میں رکھے تو سوال ہی نہیں ہے کہ اس کے جسم کو کوئی زخم تک بھی لگ جائے۔ یہ تو ان کے متعلق ہے خود نبی اکرم ﷺ کے متعلق اسی سورۃ الِ عمران کی مشہور آیت ہے جس کے اندر خدا نے یہ کہا **افئن موتھا قتل ان تلقتم ؟؟؟ ما محمد الا رسول الا قد خلت من قبله رسل** محمد بھی تو ایک رسول ہے اس سے پہلے بھی تو رسول گزر گئے اگر کل کو یہ مر جائے یا قتل کر دیا جائے تو کیا تم پھر اپنے پچھلے پاؤں پہ لوٹ جاؤ گے۔ تو گویا قرآن نے یہاں امکان بتا دیا۔ لہٰذا یہ ایک جسمانی حفاظت کا سوال نہیں ہے۔ اور جہاں تک رسول کے اس جسم کا تعلق ہے وہ تو قرآن نے یہ کہا ہے کہ اعلان کرتے جاؤ **انا بشر مثلکم**' **انا بشر مثلکم** بلکہ جہاں یہ عیسائی حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کے متعلق الوہیت کے مدعی تھے قرآن نے تو اس کی تردید ایک لفظ کہہ کے کی ہے کہ ان کو خدا بناتے ہو تم دیکھتے نہیں ہو کہ یہ تمہاری طرح کھاتے پیتے ہیں۔ کیا بات ہے! اس لیے جہاں تک طبعی جسم کا تعلق ہے وہ نبی کا جسم بھی انسانی جسم ہوتا ہے' طبعی قوانین کے تابع ہوتا ہے' وہ بیمار بھی ہوتا ہے دوائیوں سے تندرست بھی ہوتا ہے۔ اور پھر یہ چیزیں تو ہمارے ہاں کی تاریخ میں ہیں اور یہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو یہودی عورت نے زہر دیا تھا تو اگرچہ آپ ﷺ نے وہ جو بوٹی تھی اس کو نگلا نہیں تھا لیکن زہر ایسا تیز تھا کہ وہ منہ میں ہی کچھ اثر کر گیا تھا۔ اور حضور ﷺ نے جب وفات پائی ہے تو آپ ﷺ نے یہ کہا تھا کہ یہ جو اس شدت کا بخار مجھے نظر آتا ہے یہ اس زہر کا اثر ہے جو اس یہودیہ نے مجھے دیا تھا' اندر ہی اندر یہ Slow Poisoning طریقے پہ کام کر گیا ہے۔ اور طائف میں جب حضور ﷺ گئے ہیں تو وہاں تو پھر آپ کو معلوم ہے کہ انہوں نے پتھر مارے اور آپ ﷺ زخمی ہوئے۔ اور جنگِ احد میں تو یہ بتایا جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو جب تیر لگا ہے تو حضور ﷺ کا رخسارِ مبارک زخمی ہو گیا اور بہت خون بہا اور حضرت فاطمہؓ نے آ کے اس پہ مرہم پٹی کی۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حفاظت سے مراد یہ نہیں ہے کہ خدا اس کے جسم کی حفاظت کرتا ہے بلکہ یہ اس کے پیش کردہ مشن کی اس کی تعلیم کی اس کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ وہ چیز ہے جسے کہا گیا ہے کہ لوگ

کوشش کریں گے کہ تیرے جلائے ہوئے دئے کو پھونکوں سے بجھا دیں یہ نہیں بجھا سکیں گے۔ یہ ہے جس کی حفاظت کا ذمہ لیا گیا ہے۔ نہیں بجھا سکیں گے۔ تو یہ حضورﷺ کے پیش کردہ دین کے متعلق ہے کیونکہ آپﷺ تبلیغ بھی تو دین کی کر رہے تھے اس کی حفاظت کا ذمہ کہا ہے۔ اور اس لیے کہ **ان اللہ لا یھدی القوم الکٰفرین** (5:67) یہاں کہا ہے جو اسے شروع سے طے کر چکے ہوں کہ ہم نے ماننا ہی نہیں' انکار کیے چلے جانا ہے ان کو ہدایت بھی نہیں دی جا سکتی۔ پھر یہ اور چیز بھی آ گئی ہے۔ قرآنِ کریم میں یہ ہے رسول اللہﷺ کے متعلق کہ تیرا کام پہنچائے چلے جانا ہے تیرے ذمے یہ نہیں ہے کہ لوگ اسے اختیار کر کے اس راستے پہ چل بھی پڑیں۔ بلکہ وہ یہ چیز ہے کہ یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ جس کو تو بہت زیادہ عزیز رکھتا ہے اس کو بھی اس طریقے کے اوپر چلا ہی دے۔ تیرا ذمہ یہ نہیں ہے تیرا ذمہ صرف پہنچانا ہے۔ قرآنِ کریم تو انسانی Freedom اور آزادی کی بڑی قدر کرتا ہے۔ وہ کوئی ایسا طریق تجویز نہیں کرتا کہ جس سے کسی کو مجبور کر کے صحیح راستے کے اوپر چلایا جائے۔ یعنی جبراً غلط راستے پہ چلانا تو اور بات رہی جبراً صحیح راستے کے اوپر چلانے کی بھی اجازت نہیں۔ اس لیے کہ اصل منشا تو انسان کی آزادی کا برقرار رکھنا ہے۔ اس لیے رسول کے ذمے بھی یہ چیز نہیں ہے کہ وہ کسی طرح سے مجبوراً دوسروں کو یہ چلائیں۔ اور یہ وجہ ہے جو قرآن نے قدم قدم پہ یہ کہا ہے کہ یہ لوگ تم سے معجزے مانگتے ہیں تاکہ اسے دیکھ کے تو یہ پھر ایمان لائیں۔ تو کہا اس کے تو معنی ہوئے کہ عقل و فکر کو ماؤف کر دیا جائے اور صحیح طریقے پہ چلایا جائے تو پھر وہ صحیح طریقہ کیا رہا جس میں عقل و فکر ہی ماؤف ہو گئی۔ قرآن عجیب چیز ہے۔ **قل یاھل الکتٰب لستم علٰی شیءٍ حتّٰی تقیموا التورٰۃ و الانجیل و ما انزل الیکم من ربکم** (5:68) ان سے کہہ دو کہ جتنی جی چاہے باتیں کرو' تمہارے مذہبی پیشواؤں کی بنائی ہوئی شریعتیں اور قوانین کوئی شے نہیں ہیں۔ تم اگر مدعی اس چیز کے ہو کہ ہم ان کی پیروی کر رہے ہیں ان کے مطابق زندگی بسر کر رہے ہیں شریعتِ حقہ کے مطابق چل رہے ہیں اگر وہ خدا کا دیا ہوا دین نہیں ہے تو کوئی شے نہیں ہے یہ تمہارے لیے کچھ نہیں ہے **لستم علٰی** ترازو میزان میں اس کا کوئی وزن نہیں ہو سکتا۔ تورات وہی تھی جو خدا کی طرف سے دی گئی تھی اور جو تمہارے پاس نہیں ہے' انجیل وہی تھی جو خدا کی طرف سے دی گئی تھی حضرتِ عیسیٰؑ کو دی تھی اور تمہارے پاس نہیں ہے۔ عزیزانِ من! قرآن کا یہ جو دعویٰ ہے کہ دنیا میں کوئی اہلِ مذہب بھی ایسا نہیں جس کے پاس ان کی وہ کتاب جو ان کے رسول کو دی گئی تھی۔ خواہ وہ اسے بانیٔ مذہب ہی کیوں نہ کہیں' رسول بانیٔ مذہب نہیں ہوتا۔ کسی اہلِ مذہب کی کتاب بھی وہ کتاب اپنی اصلی شکل میں نہیں ہے۔ اور آج یہ چیز قرآن کا دعویٰ حقیقت بن کے سامنے آتا ہے کوئی دنیا کا اہلِ مذہب نہیں

ہے جو اس کا مدعی ہو کہ ہمارے پاس وہ کتاب اصلی شکل میں موجود ہے۔ کیا بات ہے صاحب! خدا کی کہی ہوئی باتیں ہیں۔ ضمناً اس چیز کو دیکھنا ہو تو وہ میری ایک کتاب ''آسمانی کتابیں'' ہے۔ میں نے دنیا کی مبینہ آسمانی کتابوں کی تاریخ اس میں دی ہے اور ان اہلِ مذاہب کے اپنے الفاظ میں دی ہے تائید میں ان کے اقوال ہیں جن میں وہ اقرار کرتے ہیں کہ ہمارے پاس وہ کتاب اپنی اصلی شکل میں نہیں ہے۔ تو قرآن نے تو کوئی نیا دعویٰ ہی نہیں کیا۔ اس نے کہا کہ وہی چیز جو تھی اور اب نہیں ہے' یہی ہے جواب ہے قرآن کے اندر۔ اسی لیے وہ کہتا ہے کہ اگر اپنے وقت میں تورات پہ یا انجیل پہ عمل کرتے **وما انزل الیکم من ربکم** (5:68) وہی جواب اس طرح سے خدا کی طرف سے نازل کیا گیا ہے **ولیزیدن کثیرًا منھم ما انزل الیک من ربک طغیانًا و کفرًا** (5:68) لیکن مشکل یہ ہے کہ وہی چیز جو ان کے ہاں تھی اور اب نہیں' وہی چیز جواب پیش کی جاتی ہے تو اس کے خلاف ان کے ہاں سرکشی' طغیان اور بغاوت اور یہ چیزیں ان کے دل میں ابھرتی ہیں۔ عجیب چیز ہے یہ۔ **فلا تاس علی القوم الکٰفرین** (5:68) کیا لفظ ہے! اے رسول! ان کے اوپر غمگین نہ ہو۔ کتنا طبیب مشفق ہے یہ کہ ان چیزوں کے اوپر بھی وہ غم کھا رہا ہے۔ ان کے اوپر غم نہ کھا البتہ ایک چیز ہے جس کا اعلان کر دے۔ اس سے پہلے مذہب جتنا بھی دنیا میں تھا عام طور پر یا نسلی ہوتا تھا یا قومی ہوتا تھا یا مقامی ہوتا تھا۔ خود یہودی بھی کسی ایسے شخص کو جو بنی اسرائیل کی نسل میں سے نہ ہو وہ یہودی نہیں ہو سکتا۔ کوئی غیر بنی اسرائیلی یہودی نہیں ہو سکتا اور غیر بنی اسرائیل جنت میں نہیں جا سکتا۔ یہ چیزیں چلی آ رہی تھیں اور ہندوؤں کے ہاں تو پوچھیے نہیں صاحب! یعنی خود ہندوؤں کے ہاں کا غیر برہمن برہمن نہیں ہو سکتا۔ دین تو بڑی چیز ہے' غیرِ برہمن کے کان میں وید کا شلوک اگر پڑ جائے تو سیسہ گلا کے اس کے کان میں ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ وید کا حکم ہے شاستر کا حکم ہے۔ ان سے کہا کہ یہ بات نہیں کہ تمہارے پاس وہ چیزیں رہی نہیں' جو ہم دے رہے ہیں وہ مختص ہے اس قوم کے لیے جسے ہم مسلمان کہتے ہیں تو وہ کہیں گے کہ صاحب! پھر ہمارا کیا بنا' ہمارا کیا قصور تھا کہ ہمارے پاس نہیں رہی ہمارے بڑے تھے انہوں نے ضائع کر دیا۔ ادھر تم آنے نہیں دیتے دروازے پہ پہرے دار بٹھا دیے۔ کہا ان سے اعلان کر دو۔ اور یہ آیت قرآنِ کریم میں کم از کم تین مقامات میں انہی الفاظ میں آئی ہے۔ ان سے کہہ دو **ان الذین اٰمنوا و الذین ھادوا و الصابئون و النصٰرٰی من اٰمن باللہ و الیوم الاٰخر و عمل صالحًا فلا خوف علیھم و لا ھم یحزنون** (5:69) ان سے کہہ دو کہ یہ اس جنت کے دروازے کھلے ہیں۔ جو بھی اس وحی کی صداقتوں کے اوپر ایمان لے آئے اور پھر اس کے بتائے ہوئے پروگرام کے مطابق ایسے کام کرے

جو انسان کی صلاحیتیں بیدار کر دیتا ہے' جو قوم جو فرد بھی یہ کرے گا اس کو تسلیم کرلے گا اس کے لیے جنت کے دروازے کھلیں ہونگے کوئی خوف اور حزن اس کے اوپر نہیں ہوگا۔ یہ ہے وہ عظیم آیت کہ جس کا غلط مفہوم پھر کہیں کا نہیں رہنے دیتا۔ غلط مفہوم کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ آپ کہیں گے کہ بڑی جلدی سے تم نے یہ اتنا بڑا الزام عائد کر دیا۔ جلدی سے نہیں کیا بہت غور و فکر کے بعد کیا ہے۔ میرا خیال ہے 25ء ' 32ء کی بات ہے جب سے میں نے ابوالکلام مرحوم سے لڑائی لی' ذاتی طور پہ ان کے ساتھ بیٹھ کے لی اور ان کی تفسیر پہ سب سے پہلی تنقید جو ہندوستان میں لکھی گئی اللہ کا احسان ہے وہ میرے ہی قلم سے تھی۔ یہ مولانا ابوالکلام آزاد نے یہ فلسفہ پیش کیا تھا اور یہی آیات تھیں جن کا سہارا لیا تھا۔ ہندو ہو پارسی ہو یہودی ہو عیسائی ہو کسے باشد اپنے اپنے مذہب پہ اگر وہ قائم ہو جائے تو اسلام کہتا ہے کہ میرا کام ہو گیا۔ عالمگیر سچائیاں دنیا کے ہر مذہب میں پائی جاتی ہیں۔ وہ کہتا یہ ہے کہ لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا اگر وہ اپنے اپنے مذہب کے اوپر کاربند ہو جائیں تو میرا کام ہو گیا۔ معاملہ ختم ہو گیا۔ بات تو لمبی ہے اور آپ کو معلوم ہے شاید میں نے پانچ چھ درس اس کے اوپر دیے تھے' ضرورت بھی تھی۔ بات تو یہیں اتنی واضح ہے کہ یہ جو وہ کہتا ہے کہ **من اٰمن باللہ و الیوم الاٰخر** (5:69) اگر تو یہ چیز Athiest سے وہ کہتا جو خدا کو نہیں مانتے آخرت کو نہیں مانتے دہریے جنہیں کہتے ہیں تو وہ تو ٹھیک ہے کہ جو ان چیزوں کے اوپر ایمان لے آئے بخشا گیا۔ یہودیوں اور نصاروں کو خاص طور پہ لے لیجیے یہودی بھی خدا پہ ایمان رکھتے ہیں نصاریٰ بھی خدا پہ ایمان رکھتے ہیں یہودی بھی آخرت پہ ایمان رکھتے ہیں نصاریٰ بھی آخرت پہ ایمان رکھتے ہیں۔ وہ کہیں گے کہ ہم تو ایمان رکھتے ہیں۔ یہ ان سے جو کہا گیا ہے کہ تم اگر ایمان لے آؤ تو پھر **لا خوف علیھم** والی بات ہو جائے گی۔ تو اس کے معنی ہی کیا ہوئے؟ ابوالکلام آزاد کی تفسیر کی رو سے تو وہ مان رہے ہیں اس چیز کو' وہ خدا پہ ایمان رکھتے ہیں۔ عزیزانِ من ! آگے چلیے یہاں تو بات شروع کی ہے **ان الذین اٰمنوا** یہ **اٰمنوا** تو ہے ہی ان کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں **من اٰمن** ۔ یہ ملحدوں سے نہیں کہا جا رہا دہریوں سے نہیں کہا جا رہا ان سے کہا جا رہا ہے جو پہلے ہی مدعی ہیں اس چیز کے کہ ہم ایمان رکھتے ہیں۔ کہا یہ جا رہا ہے کہ سوال اس کا نہیں ہے کہ تم کس قسم کے خدا پہ ایمان رکھ لو اور کسی انداز سے آخرت پہ ایمان رکھ لو' اسے ایمان نہیں کہا جاتا۔ دنیا میں چند دہریوں کے سوا ہر شخص خدا پہ ایمان رکھتا ہے۔ ہر مذہب والا خدا پہ ایمان رکھتا ہے لیکن کسی کا خدا دوسرے کے خدا سے ملتا نہیں ہے۔ متضاد ہیں ایک دوسرے کے۔ یہودی خدا کا ایک غضب ناک شریعت کا دینے والا ہے' گرج' غصہ انتقام۔ عیسائیت کا خدا رحم' بخشش' ترحم' اعلان کرنے والا کہ نجات اعمال

سے نہیں ہوسکتی ہمارے رحم سے ہوسکتی ہے۔سوچیے تو سہی۔کسی کا خدا اوتاروں کی شکل میں دنیا میں آنے والا' کسی کا خدا مسیح کی الوہیت کی شکل میں آنے والا' کسی کا خدا عذیر کی شکل میں آنے والا' کسی کا خدا کائنات سے الگ کہیں بٹھایا ہوا' کسی کا خدا رام بھی وہی رحیم بھی وہی' ہر خانے میں وہی بس رہا ہے ''توں وی خدا تے میں وی خدا''۔آگے اگر میں بڑھوں اور آپ کو بتاؤں کہ آپ کے تصوف کا خدا کیا ہے تو آپ چیخ کے اٹھ جاؤ۔؟؟؟ کے امام سب سے بڑی ابنِ عربی جن سے یہ بلا چلی اور آج تک حلول کیے ہوئے چلی آ رہی ہے۔ان کے ہاں وحدتِ وجود جسے کہتے ہیں یہ ان کا مسلک ہے زبان پہ نہیں لاسکتا۔وہاں تک تو شاید کہہ سکوں جو انہوں نے کہا ہے کہ فرعون کو بھی برا نہ کہو وہ بھی خدا ہی کی شکل ہے۔اور اگر یہ کہوں کہ انہوں نے یہ کہا (جرآت نہیں پڑتی) کسی نے یہ کہہ دیا کہ ابلیس ومحمد است یک دم۔یہ بھی خدا کو ماننے والے ہیں۔ سوال یہ نہیں ہے کہ آپ یہ کہتے ہیں میں خدا کو مانتا ہوں میں آخرت کو مانتا ہوں۔خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے متعلق بتایا کہ ہم کیا ہیں اس کے متعلق مانا جائے گا تو پھر خدا پہ ایمان ہوگا۔**فان اٰمنوا بمثل ما اٰمنتم به فقد اهتدوا** اگر یہ اس خدا پہ ایمان لائیں جو ہم نے قرآن میں بتایا ہے کہ خدا یہ ہے اسے کہو خدا کو ماننے والا۔اور اسی طرح آخرت کی زندگی کا تعلق جو ہے وہ تو Meta Physics سے ہے آنکھوں سے دیکھی ہوئی بات نہیں ہے۔انسان اپنے ذہن سے اس کے متعلق جس قسم کا تصور قائم کرلے وہ کوئی تصور قابلِ قبول نہیں ہے۔آخرت کے تصورات: یہودی کا تصور کہ تین دن کے لیے جہنم کے اندر جائیں گے اور اس کے بعد نکال کے جنت میں بھیج دیے جائیں گے۔نصاریٰ کا تصور کہ جو مسیحؑ کے کفارے پہ ایمان لے آئے گا وہ آخرت میں جنت میں جائے گا باقی سب جہنم میں چلے جائیں گے۔یہاں تک تو تصور بہرحال دوزخ اور جنت کا تھا۔ہندو کا تصور کہ مرنے کے بعد ایک آواگون کا چکر ہے جس کے اندر چلتی رہ رہی ہے کبھی انسان کبھی جانور کبھی چوہا کبھی بلا اور اس چکر کے اندر وہ پھنسے ہوئے ہیں۔یہ تصور ان کے ہاں ہے۔اور آپ کے ہاں کا تصور' تصوف کا تصور کہ جس کی ابتدا بدھ مت نے کی' ہندوؤں کے شنکر اچاریہ میں پروان چڑھا' ایران کے آتش کدوں میں اس کے اوپر کچھ پختگی آئی' آپ نے لیا مستعار۔آخرت کا تصور یہ کہ انسان جب Annihilation ہوجائے اس کی انا اور ذات ختم ہوجائے

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہوجانا

اس کا نام بھی ایمان بالآخرت ہے۔

یہ بھی ایمان بالآخرت ہے اور اس کے بعد کی زندگی میں حیاتِ جاویداں حاصل کرلینا۔یہ تصور کہ

بخود محکم گزار اندر حضورش

نشو ناپید اندر بحرِ نورش

(خدا کے حضور بھی جا تو اپنی ذات کو اسی طرح سے برقرار رکھ کہ حیاتِ جاوداں تیرے لیے بھی ہے)

یہ بھی آخرت کا تصور ہے اور وہ بھی آخرت کا تصور ہے۔ تو یہ کہنا کہ صاحب! اپنے اپنے مذہب والے اپنے اپنے طریق پہ جیسے بھی خدا اور آخرت کو مان لیں قرآن کہتا ہے اسلام کہتا ہے میرا کام چل گیا۔ تو آپ سوچیے تو سہی کہ پھر باطل کس کو قرآن کہتا ہے۔ یہود اور نصاریٰ کو کیوں دعوت دے رہا ہے۔ اور آگے چلیے بھائی صاحب! ان الذین اٰمنوا مجھے اور آپ کو دعوت دے رہا ہے۔ ایک چیز میں قرآن کی رو سے عرض کر دوں غور سے یہ چیز سننے کی ہے۔ قرآن میں یایھا الذین اٰمنوا ، ان الذین اٰمنوا بیشمار مقامات پہ آیا ہے، اکثر تو ایسے مقام ہیں جن میں معیاری طور کے اوپر جو مومن ہیں ان کے لیے صرف آیا ہے۔ قرآن کے معیار کے اوپر پورے اترنے والے، ان کے لیے بھی یہی آیا ہے۔ ٹھیک ہے۔ اور ایسے مقامات بھی ہیں جن میں یہ ان معنوں میں ہے جن معنوں میں آج کل ہم مسلمان کہتے ہیں ''او مسلمانو! تہاڈا بیڑہ غرق، کی ہو گیا تہانوں'' (او مسلمانو! تمہارا بیڑہ غرق، تمہیں کیا ہو گیا ہے)۔ قرآن میں مسلمان کا لفظ تو نہیں آیا۔ جن معنوں میں آج ہم رونا روتے ہیں کہ مسلمانوں نے بھی دین کو چھوڑ دیا، او مسلمانو! یہ نہ کرو، او مسلمانو! یہ کیا ہو گیا۔ جس انداز میں یہ چیز آئی ہے ان معنی کے اندر بھی قرآن میں یہ لفظ آیا ہے۔ یہ جو ہم آپ مسلمان ہیں یہ بھی اصطلاحی طور پہ ان الذین اٰمنوا میں آتے ہیں۔ جب بھی کہیں لکھنے کی ضرورت پڑے گی خواہ مردم شماری کے رجسٹر میں، عدالت میں، ہم مسلمان لکھیں گے۔ تو مسلمان کا لفظ چونکہ قرآن میں نہیں آیا تو ان الذین اٰمنوا کہا جائے گا۔ یہ جو کہا ہے ان الذین اٰمنوا یہ ہم ہیں کہ یہ جو دعویدار ہیں محض پیدائش کے اعتبار سے مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہو کے مسلمان بننے والے، یہ ہوں، عیسائی ہوں، یہودی ہوں، صابئین ہوں، ستارہ پرست ہوں، کسے باشد۔ ان میں سے جو بھی قرآن کے دیے ہوئے تصور کے مطابق ایمان لے آئے گا وہ مومن سمجھا جائے گا اس کے لیے یہ ہو گا **لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** (5:69)۔ عزیزانِ من! اس لیے پیدائشی طور پہ کوئی شخص نہ مومن ہوتا ہے نہ کافر ہوتا ہے۔ کفر بھی اختیار کرنا پڑتا ہے ایمان بھی اختیار کرنا پڑتا ہے۔ پیدائشی طور پہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے ''اوتے بندے دا پتر وی نئیں ہوندا'' (وہ تو بندے کا پتر بھی نہیں ہوتا)۔ اس کے لیے اس نے کہا اقبالؒ نے کہ

بہ آدمِ نہ رسیدی خدا چہ مے گوئی

''او بندے دا پتر دے بن فیر رب نوں لبھدا پھریں'' پہلے آدمی کے درجے کے اوپر تو آ پھر آگے ڈھونڈ نا خدا کا درجہ جو ہے۔

پیدائش کے اعتبار سے کوئی بھی نہ مومن پیدا ہوتا ہے نہ کافر۔ جنہیں ہم کہتے ہیں مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہونے سے ٹھیک ہے ہم مسلمان ہوتے ہیں' ایک قوم کے اعتبار سے یہ ہے۔ Constitutionally قرآن کے معیار کے اعتبار سے ان میں سے بھی ہر ایک کو ایمان لانا پڑتا ہے۔ لانا پڑتا کیا ہے! قلب و دماغ کی کامل رضامندی سے اطمینان کے بعد کچھ صداقتیں ہیں ان کو صحیح تسلیم کر لینا یہ ہے ایمان۔ تو کبھی پیدائش سے بھی یہ کچھ ہوتا ہے؟ پیدائش میں تو جس گھرانے میں بچہ پیدا ہوتا ہے وہ وہی کچھ ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں تو ان الذین اٰمنوا صرف کہا ہے۔ ایک مقام پہ قرآنِ کریم نے کہا ہے۔ بہر حال میں یہ عرض کر دوں کہ کوشش میری یہ ہوتی ہے کہ کوئی بات بھی اپنے طور پہ نہ کہی جائے یہ تو میرے نزدیک شرک ہے کہ اپنی بات ہو اور خدا کی طرف منسوب کر کے کہی جائے۔ ابھی جو میں نے کہا ہے کہ وہ ان کو جنہیں یایھا الذین اٰمنوا کہتا ہے ان سے بھی تقاضا کرتا ہے ایمان لانے کا تو یہ قیاسی بات نہیں تھی۔ یایھا الذین اٰمنوا (4:136) آ گئے وہی الفاظ جس کا ترجمہ ہے عام ترجمہ کہ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ ذرا دیکھنا اس ترجمے کی رو سے بات کیا بنتی ہے۔ یایھا الذین اٰمنوا (4:136) وہ لوگو جو ایمان جائے ہو اٰمنوا باللہ و رسولہ و الکتٰب الذی نزل علٰی رسولہ (4:136) ایمان لاؤ اللہ پہ اس کے رسول پہ اس کتاب پہ جو اس نے نازل کی ہے۔ و الکتٰب الذی انزل من قبل (4:136) جو پہلے کتابیں نازل کیں ان کے اوپر۔ یایھا الذین اٰمنوا اٰمنوا (4:136) ۔ ترجمہ ہر ایک جگہ آپ کو یہی ملے گا اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ایمان لاؤ۔ یہ ہمارا دعویٰ نہیں کہ صاحب! ہم تو لائے ہوئے ہیں ''آپ کہندا پیا ایں'' یایھا الذین اٰمنوا (4:136) ''اچھا جی! دسو کی کریے؟'' اٰمنوا باللہ و رسولہ (4:136)۔ میرا مطلب کہنے کا یہ تھا کہ یہ ٹھیٹھ وہ انداز ہے جس میں ہم یہ کہیں گے کہ اے مسلمانو! قرآن کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ایمان لاؤ۔ یہ جو کچھ زن و تخمین سے تم نے اپنے ہاں اختیار کر رکھا ہے ان کو ایک کسوٹی پہ پرکھو اور پھر جس طرح سے یہ کہتا ہے اس کے مطابق ایمان لاؤ۔ اب یہ دیکھا آپ نے یوں بات واضح ہو گئی۔ اور ہم یہ بات روز کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں ایمان نہیں رہا' مسلمانوں میں اسلام نہیں رہا۔ یہ ہے وہ چیز جو یایھا الذین اٰمنوا کہہ کے وہ کہتا ہے۔ اسی اعتبار سے جب آپ دیکھیں گے اس آیت کو تو بات صاف ہو جائے گی۔ ان الذین اٰمنوا و الذین ھادوا و الصابئون و النصٰرٰی من اٰمن باللہ و الیوم الاٰخر (5:69) اب یہاں اٰمن اس معنوں میں آیا۔ مسلمانوں کے گھر

میں پیدا ہو جاؤ' یہودیوں کے ہو جاؤ' نصاریٰ کے گھر میں' صابئین کے گھر کے اندر' کہیں بھی کوئی بچہ پیدا ہو جائے یہاں سب کے لیے دروازے کھلے ہوئے ہیں کسی کے لیے دروازہ بند نہیں ہے۔ان میں سے ہر ایک کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ خود فیصلہ کر کے کفر اور ایمان میں سے اسے اختیار کرے' اللہ اور آخرت پر ایمان لائے۔ یہاں قرآن نے پانچوں اجزا جو ایمان کے ہیں ان میں سے تین دہرائے ہیں۔اور بیشمار مقامات میں ایسا کیا ہے' کہیں وہ پانچ میں سے چار ذکر کرتا ہے کہیں تین ہیں کہیں دو ہیں کہیں ایک کا ہی ذکر کرتا ہے کہیں سب کا ذکر کرتا ہے۔ اس کے اجمال میں ہمیشہ تخصیص ہوتی ہے۔اور کبھی دوسرے درس میں میں یہ عرض کروں گا کہ بنیادی طور پر اللہ اور آخرت جو ہے اس کا ایمان جو ہے اس کے اندر وہ چیزیں حقیقت میں آ جاتی ہیں۔اللہ پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ انسانی زندگی کی راہنمائی کے لیے صرف انسانی فکر اور عقل کافی نہیں ہے خدا کی طرف سے ملی ہوئی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ یہ ہے خدا پر ایمان۔یاد رکھیے! اس کے ساتھ ہمارا تعلق اس کی وحی سے ہے۔یہ ایمان جو ہے آپ دیکھیں گے جسے آپ Athiest کہتے ہیں وہ یہ مانتا ہے کہ اسے انسانی علم اور فکر کے علاوہ کسی اور رہنمائی کی ضرورت نہیں ہے۔یہ معنی ہیں خدا کو ماننے یا نہ ماننے کے۔ورنہ یہ جو ہے کہ اس کائنات کو خدا نے پیدا کیا دوسرا کہتا ہے نہیں صاحب! اس نے نہیں پیدا کیا خود وجود میں آ گئی' اس سے فرق کیا پڑتا ہے۔فرق یہاں آ کے پڑتا ہے کہ انسانی زندگی کے مسائل کا حل تنہا عقلِ انسانی سے نہیں ہوتا وحی کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔اسے کہتے ہیں خدا کو ماننا۔تو یہ جب مانا جائے تو وحی کسی انسان کے ذریعے ملتی ہے اسے رسول کہتے ہیں۔جو کچھ وہ خدا کی وحی دیتا ہے اسے کتاب کہتے ہیں۔لانے والا ایک میڈیم جو درمیان میں ہے اس کو جبرائیل کہتے ہیں۔یہی ہیں تین۔کاہے کے لیے یہ وحی مانی جاتی ہے؟ اس مقصد کے لیے کہ اس کے مطابق کام کرنے سے انسان زندگی کی اگلی ارتقائی منازل بھی طے کر سکتا ہے۔اس کے خلاف جانے سے تباہی آ جاتی ہے۔ یہ ایمان بالآخرت ہو گیا۔تو آپ دیکھتے ہیں کہ خدا کی طرف سے دی ہوئی رہنمائی کا نچوڑ' اس کا نتیجہ مکافاتِ عمل کی شکل میں ہی ہے اصل میں۔اس لیے وہ ہمیشہ زور اللہ اور آخرت پر ایمان پر دیتا ہے۔**فلا خوف علیھم و لا ھم یحزنون** (5:69)

عزیزانِ من! ہم سورۃ المآئدۃ کی آیت 69 تک آ گئے آیت 70 سے ہم آئندہ لیں گے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المآئدۃ۔ تیرہواں باب (آیات 70 تا 86)

عزیزانِ من!

آج جون 1971ء کی 6 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ المآئدۃ کی آیت 70 سے ہوتا ہے۔ سابقہ آیات میں کہا یہ گیا تھا کہ خدا کی طرف سے عطا کردہ دین نہ قومی ہے نہ نسلی ہے نہ وطنی ہے بلکہ یہ عالمگیر انسانیت کے لیے دین دیا گیا ہے۔ لہٰذا کسے باشد کہیں بھی وہ ہو کسی گھرانے میں بھی اس نے جنم لیا ہو جو بھی اس دین کی صداقتوں پر دل اور دماغ کی رضامندی سے ایمان لے آئے گا اور اس کے بعد اس کے بتائے ہوئے پروگرام کے مطابق عمل کرے گا تو (**لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون**) ان پہ خوف اور حزن نہیں ہوگا۔ گویا پہلی چیز تو اس میں یہ کہی گئی کہ مذہب جو اپنے آپ کو چھوٹے چھوٹے دائروں میں کھینچ لیتا ہے سمٹا لیتا ہے اور اس کے باہر کی دنیا کے خلاف اس کے لیے نفرت کے جذبات کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

یہودیوں کے ہاں تو دین تھا ہی نسل پرستی' بنی اسرائیل کے گھرانے میں پیدا ہو جانا جنت کے لیے کافی اور جو بنی اسرائیل کی نسل میں پیدا نہیں ہوا ہے اسکے لیے کوئی راستہ ہی کھلا ہوا نہیں تھا۔ آپ سوچئے تو سہی کہ خدا جو اپنے آپ کو رب العالمین کہہ رہا ہے اس کی طرف سے عطا کردہ دین اور صورت اس کی یہ ہو کہ پیدائش میں جس میں کسی بچے کو اختیار ہی کوئی نہیں ہوتا کہ وہ کس کے گھر میں پیدا ہو گیا۔ ایسی بے اختیاری چیز اور دین کو محدود و مخصوص کر دیا جائے اس طرح سے اس نسل کے اندر تو اسکے باہر کی دنیا جو ہے ان سے سوائے اس کے کہ ہر انسان چلتا ہوا یہ ذہن میں آئے کہ یہ بھی جہنم کا کندہ یہ بھی جہنم میں جانے کے قابل' آپ دیکھتے ہیں یہ نفرت کتنی پھیلتی ہے۔ یہ یہودیوں کے جو ساری دنیا کے خلاف ان کو نفرت ہے اس کی بنیاد یہ ہے کہ انہوں نے اپنے مذہب کو نسلی مذہب بنا لیا تھا۔ یعنی قوم ہی نسل پر مشتمل تھی اور مذہب کو انہوں نے قومی بنا رکھا تھا۔ عیسائیوں کی بھی ابتداً یہی صورت تھی۔ ان کی موجودہ انجیل میں بھی جو یقیناً خدا کی طرف سے عطا کردہ نہیں ہے اس میں بھی یہی چیز ہے حضرتِ مسیحؑ کے متعلق کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف آیا ہوں۔ حتیٰ کہ یہاں تک بھی کہہ دیا گیا کہ تم نے ان لوگوں کے ہاں جانا لیکن بیٹوں کی روٹی کتوں کے آگے نہ ڈالنا۔ غیر بنی اسرائیل گھرانوں کی طرف وہ مبلغ ہی نہیں بھیجتے تھے۔ موجودہ انجیل کی رو سے کہہ رہا ہوں خدا کی طرف سے عطا کردہ دین کی رو سے نہیں۔ انہوں نے بھی دین کو یہی بنا رکھا تھا۔ یہ تو بہت بعد کی چیز ہے کہ انہوں نے سیاسی اغراض کے لیے اس کو تبلیغی دین بنا لیا تھا ورنہ یہ بھی بنی اسرائیل ہی کی نسل میں محدود دین رہنے والا تھا۔ اور ہندوؤں کے ہاں تو پوچھو ہی نہیں یہاں تو خود ہندوؤں کے گھرانوں میں پیدا ہونے والوں میں

سے بھی جو برہمن کے گھر میں پیدا ہوگیا اس کو تو کوئی دین سے تعلق ہوسکتا ہے یا دین کے دروازے اس کے لیے تو کھلے رہ سکتے ہیں غیر برہمن کے لیے تو وہاں مذہب کے دروازے ہی بند تھے۔ گویا اس قدر انہوں نے دین کو مذہب میں ڈھال کر اتنی تنگ ناؤں کے اندر محصور کر رکھا تھا کہ اس کے باہر کی دنیا اس سے محروم رہتی تھی۔

قرآن نے یہ اعلان کر کے کہ کسے باشد کسی گھرانے میں کوئی پیدا ہواس کے ماں باپ کا مذہب کچھ بھی کیوں نہ ہو نسل قوم وطن کچھ بھی کیوں نہ ہو۔ یہ تو صداقتیں یہ Truths ہیں Universal Laws ہیں جو بھی ان پہ قلب و دماغ کے اطمینان سے ان کی صداقت کو صحیح مانتا ہے اس کے لیے نجات وسعادت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ یہ اعلان قرآن نے کیا۔ اس میں جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا پھر دہرادوں کہ (ان الذین امنوا) (5:69) یہاں بات شروع ہوتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے سے بھی انسان صاحب ایمان نہیں ہوتا ایمان ایک چیز ایسی ہے جسے اختیار کرنا پڑتا ہے۔ جس طرح غیرِ مسلم کے گھر میں پیدا ہونے سے ہی کفر لازم نہیں آتا کفر ایک ذہنیت کا نام ہے ایک روشِ زندگی کا نام ہے ایک تصورِ حیات کا نام ہے اسے اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اسی لیے وہاں بھی Verb کے صیغے میں عام طور پہ یہ چیز کہی گئی (ان الذین کفروا) جنہوں نے یہ روش اختیار کی (ان الذین امنوا) یہ وہ لوگ ہیں۔ جس طرح سے آگے (والذین ھادوا و الصابؤن و النصٰرٰی) (5:69) میں یہ کہا کہ ان کے ماں باپ ان مذاہب میں سے کسی پہ بھی ہوں جو بچہ بھی ان کے گھروں میں پیدا ہوگا خواہ مسلمانوں کے گھر میں بھی کیوں نہ پیدا۔ اور یہ بڑی چیز ہے۔ اور میں نے پچھلی دفعہ یہ کہا تھا کہ قرآنِ کریم نے یہ چیز کہی ہے (یایھا الذین امنوا امنوا باللہ) خاص طور پہ یہ کہا تھا کہ محض مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہونے سے یہ ذہن میں نہ سمجھ لینا کہ ہم مؤمنوں کی جماعت میں شامل ہوگئے صاحب ایمان ہوگئے۔ اس کے بعد تو ایمان لانا پڑے گا اختیار کرنا پڑے گا۔ یہ ہم جو پیدائشی اس طرح سے مسلمان ہیں قوم کے اعتبار سے ہم مسلمان ہیں ٹھیک ہیں' ملی اعتبار سے ہم مسلمان ہیں' امت محمد ﷺ کے اندر اس اعتبار سے تو داخل صرف ہوسکتے ہیں۔ لیکن قرآن کی رو سے جسے ایمان کہا جاتا ہے وہ مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے والے بچے کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ مسلمان ہواس کے بعد' یوں کہیے۔ اور کہا کہ یہ بات کوئی نئی نہیں ہے۔ ہاں اگلی بات میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ واقعی وہ ایمان لے آیا ہے صحیح معنی میں اور اس جماعت میں داخل ہوگیا ہے یا نہیں۔ پہچان اس کی کوئی اعتقادی نہیں ہے نظری نہیں ہے تجریدی نہیں ہے اس کی بڑی ٹھوس پہچان ہے۔ اور پہچان یہ ہے کہ (لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون) خوف بیرونی خطرات کو کہتے ہیں حزن دل کے اضمحلال کو کہتے ہیں دل کی گھٹن۔ ایمان کا نتیجہ اس نے یہ کہا ہے کہ نہ تو باہر کا خوف ہوگا نہ دل کا اضمحلال ہوگا' یہ ہے اس کی پہچان۔ لیکن یہ چیز انفرادی نہیں کہی گئی (لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون) یہ اجتماعی چیز ہے۔ اور یہی فرق

ہے مذہب اور دین میں۔

مذہب Individualization سکھاتا ہے وہ انفرادیت سکھاتا ہے ایک فرد اپنی نجات کی فکر میں ہوتا ہے۔ وہ سعدیؒ کی مثال نہایت عمدہ ہے بات اس نے مذہب اور دین کہہ کے تو نہیں کہی۔ فرق اس نے بتایا یہ ہے کہ تم زیادہ سے زیادہ یہ چاہتے ہو کہ خود دریا پار کرلو‘ خدا کا بندہ یہ چاہتا ہے کہ ڈوبنے والوں کو بچا کے ساتھ لے جائے۔ بڑی عجیب چیز ہے۔ مذہب ایک فرد کو یہ سکھاتا ہے زیادہ سے زیادہ‘ یعنی غلط ہے یا صحیح اس کی تو بعد میں بات آئے گی‘ اس کی بنیاد ہی یہ سکھانا ہے کہ تم کس طرح سے اس دریا کے پار جاسکتے ہو‘ تمہاری فرد کی نجات کیسے ہوسکتی ہے۔ مذہب میں فرد کی نجات کا سوال ہوتا ہے۔ اور اس سے جو آگے بڑھی ہوئی شکل ہے جسے آپ تصوف کہتے ہیں وہ تو یکسر انفرادیت اور انفرادیت بھی اس قسم کی کہ جس کا نام نجات ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ تیری انفرادیت بھی باقی نہ رہے۔ یعنی منتہا یہ ہے کہ مذہب میں تو پھر بھی ایک فرد سے کہا گیا کہ انفرادی چیز ہے تو اپنی نجات کی فکر کر‘ اس کا بھی آگے جسے مغزِ دین کہا گیا ہمارے ہاں تصوف کو اس کی کیفیت یہ ہے کہ بات تو اس میں بھی انفرادیت کی ہے۔ ہر فرد اپنے لیے وہ کچھ کررہا ہوتا ہے اور منتہا اس کا یہ ہے کہ پھر انفرادیت بھی باقی نہ رہے۔

دین اس کے مقابلے میں اجتماعیت سکھاتا ہے وہ ایک جماعت پیدا کرتا ہے ایک معاشرے کی تشکیل کرتا ہے ایک نظامِ زندگی ایک مملکت ایک حکومت عطا کرتا ہے یاد رکھئے۔ اور اسی لیے سارے قرآن میں آپ دیکھیں گے اجتماعی صیغے ہیں جمع کے صیغے ہیں جماعت سے خطاب ہے۔ فرد سے کہا گیا ہے (**فادخلوا فی عبادی وادخلی جنة**) میرے بندوں کے ساتھ شامل ہوجا پھر جنت میں جا۔ (10:00) آواز صحیح نہیں ہے)۔ ہر فرد ایک انداز سے سوچتا ہے۔ کبھی آپ نے سوچا بھی یہ اسلامی جمہوریت جسے کہہ دیا جاتا ہے یہ ہے کیا۔ مسلمان نام لکھانے والوں کی مغربی انداز کی Democratical Machinery۔ مشینری صرف‘ اس طرح سے Constituencies بنیں گی اس طرح سے ان کے ہاں رائے دہندگان کی Qualification ہوگی یوں انتخابات ہونگے اس طرح سے انتخاب کے ذریعے سے ایک جماعت اکثریت لے کر آئے گی اور پھر وہ وہاں آکے جو بیٹھیں پارلیمان کے اندر مقنّنہ کے اندر‘ ایک حزب مخالف ہوگی ایک موافق ہوگی۔ یہ مشینری ہے جمہوریت کی‘ اسے جمہوریت کہا گیا۔ اور پھر چونکہ یہ مسلمان ہے یہ نام رکھا رہے ہیں اس لیے یہ اسلامی جمہوریت۔ بالکل اسی مشینری کے مطابق ساتھ ہی سرحد کے پار کی جمہوریت وہ کافرانہ جمہوریت۔ اس جمہوریت کی مشینری میں فرق کیا ہے جی! جس نے کفر اور اسلام میں تمیز پیدا کردی‘ سوال نہیں ہے۔ اسلام کی جمہوریت یا اس کی مشاورتِ نظام کے معنی یہ ہیں وہ جماعت جس میں سے ہر فرد ایک ہی سوچ والا ہو۔ ایمان یہ ہوتا ہے۔ ایک نصب العینِ حیات‘ ایک سوچ ہر فرد کی۔ اب اس کے بعد زیادہ سے زیادہ اس نصب العین حیات تک پہنچنے کا جو طریق کار تجویز کیا جائے گا وہ باہمی مشورے سے طے کرلیا جائے گا۔

وہاں یہ نہیں ہوگا کہ نصب العینِ حیات جو ہے وہ الگ الگ ایک ایک فرد اپنے طور پہ سوچے یا افراد کی اکثریت یہ چیز سوچے۔ یہ ہے نظام۔ اگلے ہی دنوں میں اپنے ایک دوست سے کہہ رہا تھا جیسے میں کہا کرتا ہوں کہ ہمارے ہاں غنیمت ہے کہ Organization تنظیم یا جماعت کی مثال ابھی فوج کے اندر ہمارے ہاں ملتی ہے۔ اگر یہ چیز کہیں فوج کے ہاں رائج کردی جائے آپ کی جمہوریت' تعداد کے اعتبار سے وہاں اکثریت سپاہیوں کو حاصل ہوتی ہے۔ دس ہزار کی تعداد کے اوپر کہیں ایک جنرل شاید ہوتا ہے یا بیس ہزار تعداد پہ بھی بلکہ اس سے بھی زیادہ وہ تو کوئی ڈویژن ہوتے ہیں۔ جمہوریت ہوتی ہے نیچے ان کی۔ اگر کثرتِ رائے سے فیصلہ کرنا ہو میدانِ جنگ میں' آپ سوچئے تو سہی نقشہ وہاں کیا ہوگا۔ آراء میں تو یہ سپاہیوں کی رائے سب سے زیادہ ہوگی اور پھر اس میں بھی اب معلوم نہیں کس وقت ان کی کیا رائے ہو۔ کیجیے نفاذ۔ اور جسے آپ فرد کی آزادی کہتے ہیں اور وہاں ایک ایک فرد کو آزادی دیدی جائے سپاہیوں میں سے کہ تم جو کچھ بہتر کرو ویسے کرو میدان جنگ میں تو اب دیکھئے کہ ان کی گولیوں کے رخ کدھر کدھر بکھرتے جاتے ہیں۔ وہاں ایک نقشہ صحیح ایک جماعت کا ہوتا ہے۔ کیا چیز ان میں مشترک ہوتی ہے؟ نصب العین مشترک ہوتا ہے۔ نصب العین یہ ہے کہ اس ملک کی حفاظت کرنی ہے جو اس کی طرف بڑھ کے آنا ہے اس کو ہم نے تلف کرنا ہے۔ اس نصب العین کی وحدت سے ایک نظام ایک جماعت وجود میں آتی ہے۔ ان کے اندر اگر ایک شخص بھی ایسا ہے جس کا یہ نصب العین نہیں ہے تو وہ مرتد ہے وہ اس میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر ان میں کوئی ایسے ہیں کہ جو ان لوگوں سے کچھ دوستانہ مراسم رکھتے ہیں جن کا نصب العین ان کے خلاف ہے یعنی وہ فریق مخالف' وہ تو وہیں گولی مار دینے کے قابل ہو جائیں گے۔ یہ تھی بات تو چلی آ رہی ہے گذشتہ چند آیات میں بلکہ ایک دو رکوعوں میں۔ جہاں یہ کہا گیا ہے کہ اپنوں کے سوا کسی اور کو اپنا دوستدار راز دار نہ بناؤ۔ اپنوں سے مراد ہیں وہ لوگ کہ جن کا نصب العین یہ ہے جو تمہارا نصب العین ہے جن کی سوچ یہ ہے۔ وہی پھر اقبالؒ کی Definition کے اعتبار سے' بڑی جامع بات کرتا ہے

؟؟ ملت اے کہ گوئی لا الہ

ملت امت قوم کسے کہتے ہیں؟ لا الہ کہنے والے سن میں بتاتا ہوں تجھے' کہتے ہیں

با ہزاراں چشم بودن یک نگاہ

ہزاروں آنکھیں بے شک ہوں یک نگہ ہونا چاہیے یک نگہی جو ہے ایک نصب العین۔ جو کہا گیا ہے کہ دنیا میں تم کہیں بھی ہو تمہارا نصب العین کعبہ ہونا چاہیے اس کے معنی یہ ہیں یک نگہی پیدا ہونا چاہیے تمہارے اندر۔ یہ ہے جو دین سکھاتا ہے عزیزانِ من! یہاں ایک فرد کی اپنی نجات کا جماعت سے الگ ہٹ کر تصور ہی نہیں ہے۔ خلاف اسلام ہے خلاف قرآن ہے یہ چیز مذہب یہ سکھاتا ہے' تصوف یہ سکھاتا ہے قرآن اس تصور کو مٹانے کے لیے

آ تا ہے۔اور یہ تصور عجیب ہے بظاہر Individual یا فرد اس میں یوں نظر آ تا ہے جیسے کچھ نہیں رہتا اور یہ سب کچھ اس انفرادیت کی تعمیر کے لیے ہو رہا ہے۔ یہ ہے وہ چیز جو کہی گئی کہ خواہ کسی مسلمان کے گھر میں پیدا ہو یا کسی اہل مذہب کے گھر میں پیدا ہو جو بھی ان میں سے ان صداقتوں پر ایمان لے آئے گا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس جماعت کو اس نظام کی کیفیت یہ ہوگی انہیں نہ کوئی خطرہ ہوگا نہ حزن ہوگا ان کے ہاں کوئی۔اور سوچئے عزیزانِ من ! جس معاشرے کی کیفیت یہ ہو جائے نہ خطرہ ہو نہ حزن ہو وہ تو اسی دنیا میں جنتی معاشرہ ہو جاتا ہے۔کہا کہ یہ چیز ہم نے پہلی بار ہی نہیں کہی۔(**لقد اخذنا میثاق بنی اسرآئیل و ارسلنا الیھم رسلًا** (5:70)ان سے بھی یہی عہد لیا گیا تھا ان کی طرف بھی یہی پیغام دے کر پیغامبر بھیجے گئے تھے۔لیکن ان کی کیفیت یہ تھی (**کلما جآء ھم رسول بما لا تھوآی انفسھم فریقًا کذبوا و فریقًا یقتلون** (5:70)

کیفیت ان کی یہ تھی کہ کوئی رسول بھی آ تا وہ جو کچھ ایسی باتیں کہتا جو پہلے سے یہ سمجھتے کہ ہاں ہمارے مفید مطلب ہیں وہاں تک وہ ٹھیک تھا خدا کا رسول بھی اس کا Message یا اس کی رسالت یا پیغام بھی صحیح جونہی کوئی ایسا آ تا جو ایسی باتیں کہتا جسے یہ ناپسند کرتے اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے۔ پہلی چیز تو یہ کہ تکذیب کرتے اور اگلی چیز یہ کہ ان کو قتل کر ڈالتے کہ ایسی بات کیوں کہتا ہے جو ہمیں ناپسند ہے۔گویا رسول خدا کی طرف سے یا خدا کا دین وہ آ نا چاہیے جو انہیں پسند ہو۔ میں جو کئی دفعہ یہ کہا کرتا ہوں ہم بھی اسی مقام پہ ہیں عزیزانِ من ! ہم اپنا اپنا دین????؟ وہ دل میں پیوست کر کے بیٹھے ہوتے ہیں۔جب وہ اس کے مطابق بات کرتا ہے کرنے والا خواہ قرآن ہی کیوں نہ پیش کر رہا ہو' سبحان اللہ صاحب کیا بات ہے وہاں جو کچھ کہی گئی بہت ٹھیک ہے صاحب لطف آ جاتا ہے اس کے بعد۔اور جہاں ان کا کہیں اپنا معبود جو ہے اس کو آ کے ضرب پڑی اسی وقت ہی صاحب ! کہیں کہیں بہک جاتے ہیں یہ بات اصل میں یہ ہے' وہاں بہک جاتا ہے وہ۔اس کی مخالفت شروع ہو جاتی ہے۔ ہر شخص اپنا اپنا معبود۔ بین ہی یہی کیفیت قرآن کی یہاں کہی گئی ہے بنی اسرائیل کے متعلق کہ جہاں کہیں کوئی ایسا رسول آیا کہ جسے ان کا دل ناپسند کرتا تھا جذباتی طور پہ (**لا تھوٰی انفسھم**) یہ ھوٰی کی بات عجیب ہے جذباتی طور پہ جن کے کوئی پیغام ناپسند کرتے تھے کہ یہ ان کے مفید مطلب نہیں تھا ان کی تکذیب کی اور آ گے بڑھے انکو قتل کر دیا۔ میں نے پچھلی دفعہ یہ کہا تھا کہ قرآنِ کریم نے نبیوں کے متعلق بھی یہ کہا ہے کہ ان کو قتل کر دیا جاتا ہے رسولوں کے متعلق بھی یہ کہا ہے۔لہٰذا یہ چیز کہ نبی یا رسول جو خدا کا آ تا ہے اس کے جسم کی حفاظت کا ذمہ خدا لیے ہوئے ہوتا ہے یہ بات غلط ہے۔یعنی قرآن نے جب خود کہہ دیا کہ ان کو قتل کر دیتے تھے' جسم کی حفاظت کہاں سے آ تی۔وہ جو واللہ **یعصمک علی الناس** ہے اس کے معنی ان کے مشن کا ہے ان کے دین کے متعلق ہے یہ طبعی جسم نہیں ہے۔وہ انہیں قتل بھی کر دیتے تھے یہاں تک بڑھ جاتے تھے۔(**و حسبوا الا تکون فتنۃ** (5:71)اور پھر اس کے بعد مطمئن اتنے تھے کہ وہ کہتے تھے کہ اس سے کچھ نہیں بگڑے گا ہمارا۔یعنی مذہب کی پیشوائیت کی قوت اتنی بڑی تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ اس

کے باوجود ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا حالانکہ یہ بات غلط ہے۔(فعموا و صموا) (5:71) نتیجہ یہ تھا یہ سمجھ لینے کا کہ ہمارا کچھ نہیں بگڑے کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا اسے کہتے ہیں قوت کے نشے میں بدمستی۔اور قرآن نے ہے کہ پھران کی کیفیت یہ تھی کہ اندھے ہو جاتے تھے بہرے ہو جاتے تھے نہ کوئی بات سن پاتے تھے نہ کوئی چیز ان کو نظر آتی تھی۔(ثم تاب الله علیهم) (5:71) پھران کی کیفیت یہ تھی کہ وہ کچھ واپس لوٹتے تھے احساس کرتے تھے اپنی غلطی کا۔تو قرآن کا دروازہ تو ہمیشہ ان کے لیے کھلا ہے کہ جو اپنی غلطی کا احساس کریں۔وہ احساس کرتے تھے تو ان سے یہ تباہیاں دور ہٹ جاتی تھیں۔(ثم عموا و صموا) (5:71) لیکن پھر اسی روش کے اوپر آ جاتے تھے۔وہ یہ توبہ ہماری طرح کی توبہ ہے نارات کو تھوڑی سی پی صبح کو توبہ کر لی

؎ رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

جب ہر بار توبہ نے یہ منظور ہو جانا ہے تو وہ ٹھیک ہے۔اس سے بھی زیادہ حسین انداز میں ریاض

جامِ مے توبہ شکن توبہ میری جام شکن
سامنے ڈھیر ہے ٹوٹے ہوئے پیمانوں کا

آپ دیکھ رہے ہیں کہ ٹوٹے ہوئے پیمانے نہیں ٹوٹی توبائیں ہیں ہماری۔روز یہی کچھ ہم کرتے ہیں۔چھوٹی سے چھوٹی عادت جسے آپ کہتے ہیں اسے چھوڑنے کے لیے کتنی بار ہم عزمِ راسخ کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد کتنی جلدی اسے توڑتے ہیں۔اور پھر ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ نہیں صاحب! مجھے اس پہ کنٹرول ہے میں اسے جب چاہوں چھوڑ سکتا ہوں۔وہ جو سگریٹ پینے والے سے کہا گیا تھا کہ سگریٹ چھوڑنا جو ہے کہنے لگے یہ بڑی مشکل ہے اس عادت کا چھوڑنا۔اس نے کہا کہ نہیں مشکل کچھ نہیں ہے' کہنے لگا کیسے' کہنے لگا میں نے بیسیوں مرتبہ چھوڑا ہے اسے۔یہ ہے وہ توبہ۔(فعموا و صموا ثم تاب الله علیهم ثم عموا و صموا کثیرًا منهم والله بصیر بما یعملون) (5:71) وہ دیکھ رہا ہوتا ہے کہ کر کیا رہے ہیں یہ مذاق کیا ہو رہا ہے استہزاء کیا ہو رہا ہے دین کے ساتھ' دین کے ساتھ کیا اپنی ذات کے ساتھ ہو رہا ہے۔ذات کی پختگی کی پہلی علامت عزم ہے عزیمت ہے ارادے کی پختگی پہلا مظاہرہ یہ ہے۔اس کے بعد یہ ہے کہ وہ ارادہ اس کا استعمال کیسے ہوتا ہے یہ اگلی چیز ہے جو وحی کی راہنمائی میں آتی ہے۔پہلی چیز خود ارادے کی پختگی ہے۔(ان الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزلوا علیهم الملئکة) یہ کہنے والے کہ ہمارا رب اللہ پھر اس پر جم کے کھڑے ہو جانے والے' شرط یہ ہے اس کے ساتھ' ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔یہ نہیں ہے(فعموا و صموا ثم عموا و صموا)۔یہودیوں کی یہ کیفیت کہ یہودی ہی بعد میں حضرتِ مسیحؑ پر ایمان لائے یہی بنی اسرائیل تھے جو سب سے پہلے ادھر آئے۔وہ دوسری طرف

غلو میں نکل گئے۔ انہیں یہودیوں نے پہلے جب حضرت مسیحؑ نے آ کر اپنا دعویٰ پیش کیا ہے تو انہوں نے ان کی اتنی مخالفت کی تکذیب ہی نہیں بلکہ آ گے ان کے قول کے مطابق اُنہوں نے انہیں صلیب پر بھی لٹکا دیا۔ اور بڑا فخر اس پہ کرتے ہیں۔ دشمنی کی یہ انتہا ہے۔ ان کی والدہ ماجدہ کے خلاف اس قدر بہتان تراشیاں کہ معاذ اللہ۔

انہی یہودیوں نے انہی بنی اسرائیل نے پہلے وہ بنی اسرائیل میں سے پیغمبر تھے پہلے تو یہ کچھ کیا پھر اس کے بعد انہی میں سینٹ پال وہ بڑا کٹر یہودی تھا۔ مجھے حق حاصل نہیں ہے کسی کی نیت پہ شبہ کروں لیکن تاریخ یہ بتا رہی ہے کہ جو کچھ ہمارے ساتھ ہوا وہاں سے ہی بات شروع ہوئی۔ وہ خود عیسائی ہوا اور ایسا مقدس عیسائی ہوا کہ سینٹ بن گیا۔ اور سینٹ بننے کے بعد اس نے ایک دینِ یا مذہبِ عیسائیت ایجاد کیا۔ یہ موجودہ عیسائیت جو ہے یہ سینٹ پال کی ایجاد کردہ ہے۔ اُدھر اس تفریط میں کہ حضرتِ مسیحؑ کے متعلق یہ کیفیت کہ ہم نے صلیب پہ چڑھا کر بقول ان کے (معاذ اللہ) لعنتیوں کی موت مارا اور ان کی والدہ کے متعلق یہ کچھ کہا۔ اِدھر آئے ہیں اس بھیس میں تو یہاں آنے کے بعد عیسائیت وہ پیش کی جس میں خدا کے اس رسول کو خود خدا بنا دیا۔ عیسائیوں کے ہاں ایک بڑا فرقہ تو سب سے بڑا وہی ہے جو خود مسیحؑ کو خدا مانتا ہے انکارنیشن کے طریق کے اوپر کہ خدا حلول کر گیا ہے انکے اندر اور یہ خود خدا ہیں۔ (لقد كفر الذين قالوا ان الله هو المسيح ابن مريم) (5:72)

ان میں سے انہوں نے یہ عقیدہ اختیار کیا اور یہ کفر ہے صریح کہ مسیح ہی اللہ ہے۔ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے یہ عقیدہ اختیار کیا۔ اسے عام اصطلاح میں حلول کا عقیدہ بھی کہتے ہیں کہ خدا حلول کر جاتا ہے ایک انسان کے اندر اور وہ انسان ہی خدا ہو جاتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں اوتار کا عقیدہ تھا عیسائیوں کے ہاں اسی کا ترجمہ انکارنیشن جسے کہتے ہیں یہ عقیدہ ہے۔ اور سب سے زیادہ یہ عقیدہ شدت کے ساتھ جو رونما ہوا تو آپ کے ہاں تصوف میں جا کے رونما ہوا۔ ان میں سے عام عقیدہ یہ ہوا کہ ہر فرد خدا ہے ہر شے یہاں کی خدا ہے وحدت وجود جسے کہتے ہیں وہی ہے۔ آپ اٹھا کے دیکھئے ان کے ہاں کتابیں کیا کیا نہیں نظر آئے گا اس کے اندر کہ فرعون بھی وہی ہے موسیٰؑ بھی ہے۔ اور جیسا میں نے پچھلی دفعہ کہا تھا اور اسے نہیں دہرا سکتا کہاں تک یہ پہنچے ہوئے ہیں' یہاں تک ہوا۔ ایک اور گروہ آگے بڑھا تو انہوں نے کہا کہ یہ بات تو نہیں ہے لیکن کم از کم رسول اللہ ﷺ جو ہیں وہ تو ضرور خدا ہیں۔ وہی جو میں کہا کرتا ہوں

وہی جو مستویٔ عرش ہے خدا ہو کر
اتر پڑا وہ مدینے میں مصطفیٰ ﷺ ہو کر

عزیزانِ من! اِس میں اور اُس میں فرق کیا ہے۔ یہ جو انہوں نے کہا (ان الله هو المسيح ابن مريم) (5:72) یہ آپ کے ہاں عقائد ہیں اور

یہ مغزِ دین کہہ کے پیش کیے جاتے ہیں۔ عام مسلمانوں کے نزدیک بھی یہ جو صوفیائے کرام کہلاتے ہیں یہ عام علماء یا مذہبی پیشوائیت سے کہیں زیادہ واجب العزت کہلاتے ہیں دین کی لم تک پہنچے ہوئے ان کو کہا جاتا ہے۔ان کا عقیدہ یہ ہے جسے قرآن کہتا ہے(لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم) (5:72)۔(و قال المسیح یبنی اسرآئیل اعبدوا اللہ ربی و ربکم) (5:72) حالانکہ اس مسیحؑ نے جسے یہ خدا بنا رہے ہیں اس نے یہ آ کے ان سے کہا تھا اے بنی اسرائیل! خدا کی عبودیت اختیار کرو وہ تمہارا بھی رب ہے میرا بھی رب ہے۔رسول آ کر تو یہ کہتا ہے' وہ پہلا اعلان یہ کرتا ہے کہ میں عبداللہ ہوں(و اشھدوا انا محمد عبدہ و رسولہ) بس یہ حیثیت ہے۔اس غلو میں انہوں نے یہ کہا۔ قرآن کہتا ہے(انہ من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ و ماوٰہ النار) (5:72) یہ شرک ہے اور جو بھی شرک کرتا ہے جنت اس پر حرام ہو جاتی ہے جہنم اس کا ٹھکانہ ہو جاتا ہے۔مسلمان یہ سب کچھ مانتا ہے اور اس کے باوجود ڈاڑھی پہ ہاتھ پھیر کے کہتا ہے الحمدللہ! ہم مشرک نہیں ہیں مشرک یہ بت پرست ہیں۔یہ کس مقام پہ قرآن لایا ہے یہ شرک؟ کسی رسول کو خدا بنا لینا' انسان کو خدا سمجھ لینا۔اور پھر قرآن نے تو جو شرک کی مختلف تفصیلات دی ہیں ان کی رو سے تو آپ سوچئے تو سہی کوئی بچتا بھی ہے ہم میں سے۔وہی سورۃ روم کی آیت ہی اگر آپ سامنے لے آئیں(ولا تکونوا من المشرکین من الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعًا) مشرک وہ ہیں ان میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے شرک اختیار کیا یعنی جنہوں نے اپنے دین میں فرقے پیدا کر لیے اور خود بھی ایک گروہ بن کے بیٹھ گئے۔پھر ان کی کیفیت یہ ہوگی کہ(کل حزب بما لدیھم فرحون) جس کو پوچھئے وہ کہتا ہے میں نہیں ہوں ایسا' یہ باقی سارے ایسے ہیں۔اسی لیے ان میں انہوں نے خود ہی وہ ایک راستہ نکال لیا جنت میں جانے کا کہ یہ جتنے بھی بہتر ہیں ان میں سے غالبًا اکہتر جہنم کے اور ایک جنت میں جانے والا۔یہ جو ایک Exception ہے نا اس نے تباہ کیا سب بہتروں کو۔اگر یہ ہوتا نا قرآن کی رو سے کہ کل حزب بما لدیھم فرحون تو گنجائش ہی باقی نہ رہتی۔یہاں ہر شخص اس گنجائش سے فائدہ اٹھا کے دل میں مطمئن' مطمئن نہیں فریب نفس میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ میں اس ایک میں سے ہوں جو جنت میں جانے والے ہیں باقی سارے جہنم میں جانے والے ہیں۔اور جب ہر فرقے کا ہر فرد یہی کہتا ہے تو سارے تو جنت میں جانے والے ہوئے۔کہے رہے خدا جو کچھ اس نے کہنا ہے"اسی کندٹپ کے چلے جاں گے" ۔اور پھر پاکستانیوں کو تو آتا ہے جانا' نوے فیصد بلا ٹکٹ سفر کرتے ہیں ان میں سے۔اور وہ آپ نے تو سنا ہی تھا نا وہ پیر صاحب کی وہ کملی کے ساتھ جو چمٹ کے گئے تھے اندر وہ بھی موجود ہیں۔ایک ایک تاگے کے ساتھ لاکھ لاکھ مریدوں کی روحیں' کملی اوڑھے ہوئے"سادھو بنے ہوئے ترے جاندے نیں اندر"۔یہ ان کے ملفوظات کے اندر چیزیں ہیں عزیزانِ من! افسانے نہیں ہیں ان کے اپنے ملفوظات ہیں۔وہ جانے لگے تو رضوان نے دیکھ لیا کہ چار کپڑے اور کچھ بھی نہیں وہ جانے دیا۔اندر جا کر دیکھا تو وہاں لاکھوں کی تعداد کے اندر وہ پھر رہے ہیں کہ جن کے لیے جہنم مخصوص

ہوگئی ہے۔وہ پوچھا گیا ان سے کہ تم نے یہ کیا کیا' انہوں نے کہا کہ میں نے تو کسی ایک کو بھی بلاٹکٹ اندر نہیں جانے دیا صاحب! میری کیا مجال ہے' انہوں نے کہا یہ اندر تو پھر رہے ہیں۔اب وہ بھی بیچارہ حیران ہے کہ یہ ہو کیا گیا پھر کیسے رہے ہیں۔تو جب انہوں نے دیکھا پیر صاحب نے کہ بیچارا مفت میں عذاب میں آ رہا ہے ابھی Explaination ہے پتہ نہیں سمری ٹرائل ہو جائے ابھی شام تک کیا حلیہ بگڑ جائے گا' وہ مسکرائے انہوں نے کہا کوئی بات فکر کی نہیں ہے۔انہوں نے کہا یہ جو کملی میری تھی اس کملی کے ایک ایک تاگے کے ساتھ میرے مریدوں کی روحیں چمٹی ہوئی تھیں میں اس طرح سے لے آیا۔یہ اس طرح لے جانے والے بھی اعلیٰ حضرت یہ جانے والے بھی سارے مقرب' سمجھ لیا نا۔کیا بتایا جائے کہ کہاں پہنچی ہوئی ہے قوم۔کیا ان سے نہیں کہا جائے گا کہ ایمان لاؤ۔(من یشرک باللہ) (5:72) یاد رکھئے دین میں فرقے پیدا ہوئے شرک ہو گیا۔قرآن کہتا ہے میں تو نہیں کہتا۔اور اس سے آگے (لا یشرک فی حکمه احدًا) اگر قانون خدا کے علاوہ کسی اور کا چل رہا ہے یا ملا دیا خدا کے قانون کے ساتھ کسی اور کا قانون' شرک ہے۔ٹھیک ہے۔اپنے لیے کہیں اور جنت بنائی ہو ہم نے تو وہ الگ بات ہے وہ خدا والی جنت جو ہے اس کے اندر جانے کا کوئی سرے نہیں۔(فقد حرم الله علیه الجنة وماوٰه النار) (5:72) اور یہ وہ ہیں عزیزانِ من! جن کے لیے اس نے کھلے بندوں کہہ دیا تھا کہ (وما یؤمن اکثرھم باللہ الا و ھم مشرکون) (12:106) تم دیکھو گے کہ بہت سے ایسے ملیں گے کہ اپنے آپ کو ایمان والا کہلاتے ہونگے اور وہ مشرک ہونگے۔یہ ایمان والوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ مشرک ہونگے۔ورنہ دو متضاد Terms ہیں عزیزانِ من! ایمان والا مشرک کہاں۔قرآن کہہ رہا ہے۔(وما للظلمین من انصار) (5:72)۔

چلئے صاحب! ایک تو وہ یہ ہو گیا کہ جنہوں نے خود اکیلے مسیحؑ ہی کے متعلق کہہ دیا کہ وہی خدا ہے خدا کی شکل میں یہاں دنیا کے اندر Informated آ گیا ہے۔کہا دوسرے ہیں وہ کہتے ہیں کہ نہیں صاحب! ہم یہ تو نہیں مانتے' ہم تو خدا کو الگ مانتے ہیں۔مانتے کیسے ہیں؟ (قالوا ان اللہ ثالث ثلثه) (5:72) تثلیث کے قائل ہیں تین میں ایک' ایک میں تین یہ ہم مانتے ہیں صاحب۔ٹھیک ہے خدا کو مانتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ اس کے حصے میں سوا پانچ آنے ہی آتے ہیں روپے میں سے' تیسرے حصے کا مالک ہے نا۔ Father , Son and Holy Ghost وہ کہتے ہیں ہم اسے مانتے ہیں۔یہ خدا کا ماننا جس میں خدا کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جاتا ہے ہم اس پہ بھی کہتے ہیں کہ ہم تو اس قسم کی کوئی بات نہیں کرتے۔لیکن آپ سوچئے تو سہی کہ یہ خدا کو یوں مان لینا ایک نہیں تین نہیں ہیں اور یہ چیز کہ صرف خدا ہی کا حکم حکم نہیں ہے اس کے ساتھ اوروں کے احکام بھی ملائے جائیں گے تو جب وہ مکمل دین ہوگا کیا یہ شرک نہیں۔وہ تو تثلیث تھی ہم تو پتہ نہیں خدا کو اس میں سوواں حصہ بھی نہیں دیتے۔بڑے دھڑلے سے یہاں فخر سے کہا گیا تھا کہ دین جسے کہتے ہیں اس کا تو صرف 1/10 حصہ قرآن میں ہے 9/10 حصہ اس سے باہر ہے۔وہ تو تہائی میں

شریک مانتے تھے یہ دسویں حصے میں کہہ رہے ہیں' وہ مشرک ہم واحد۔(لا یشرک فی حکمه احدًا) وہ یہ کہتا ہے اپنے حکم میں کسی اور کو شریک نہیں کرتا۔ خدا کے ماننے کے معنی عزیزانِ من! عملاً یہ ہیں کہ اس کے حکم کے متعلق مانا جائے وہاں توحید ہے۔(ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئک هم الکفرون) سیدھی سی بات ہے۔ جو اس کے مطابق فیصلے نہیں کرتا کافر ہے جو اس فیصلے میں کسی اور فیصلے کو شریک کرتا ہے وہ مشرک ہے۔ یہاں ثالث ثلثه کہہ کے کہا(وما من الله الا الله واحد) (5:73) الٰہ تو ایک ہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم نے الٰہ صرف اس معنی میں مان لیا کہ بت نہیں ہم بناتے۔ الٰہ تو ہر صاحب اقتدار کو کہتے ہیں' کسی اور کو صاحب اقتدار کو مان لینا اسے خدا کی الوہیت میں شریک کر دینا کہا یہ ہیں ان کے عقائد۔(و ان لم ینتهوا عما یقولون لیمسن الذین کفروا منهم عذاب الیم) (5:73) ان چیزوں سے باز نہ آئے تو تم دیکھو گے کہ کس قدر دردناک عذاب میں یہ لوگ مبتلا رہتے ہیں۔

عزیزانِ من! عیسائیت کی تاریخ دیکھئے آپ یوں تو دنیا میں ہر مذہب کی تاریخ یہ بتا رہی ہے(دین کی نہیں مذہب کی کہہ رہا ہوں) جو قوم بھی مذہب کے ساتھ چپٹی رہی ہے وہ ذلیل وخوار ہوئی ہے دنیا کے اندر۔ اور عیسائیت جب تک عیسائیت اپنے اس مذہب کے ان عقیدوں کے اوپر رہے جمے ہوئے آپ ان کی تاریخ اٹھا کے دیکھئے کس قدر ان کے ہاں باہمی تفرقہ خوں ریزیاں فساد انگیزیاں ذلت اور خواریاں غربت افلاس سب قسم کی مار ماری گئی۔ یہ تو انیسویں صدی میں جب انہوں نے آ کر یہ Scientific Knowledge کچھ آگے بڑھا ہے اور اس کے بعد انہوں نے مذہب کو الگ کیا ہے اپنی زندگی سے اور انہیں گرجے کے اندر محسور کر کے رکھ دیا ہے اس زمانے سے ان کو ہوش آیا ہے۔ یعنی مذہب کو چھوڑنے کے بعد ان کی یہ کیفیت ہوئی۔ مذہب تو مل سٹون ہوتا ہے انسان کے گلے میں پڑا ہوا یہ ابھرنے ہی نہیں دیتا لے ڈوبتا ہے۔ یہ ان کی سیکولرازم ہے جس کی وجہ سے کم از کم یہ دنیاوی شان وشوکت اور جلال وسطوت ان کے حصے میں آ رہی ہے Scientific Knowledge کا یہ اثر ہے کہ فطرت کی قوتوں کو انہوں نے مسخر کر رکھا ہے۔ ورنہ اگر عیسائیت کے عقیدے کے اوپر آج بھی وہ آ جائیں تو پھر وہی کا وہی سادھو کے سادھو وہ رہیں گے۔ اور دنیا کی تاریخ یہ ہے یہ جو آپ کے ہاں ستر کروڑ کی اتنی مرکزی آبادی ہونے کے باوجود ایسی آبادی کہ مراکش سے لے کے انڈونیشیا تک ایک بحرِ ذخار ہے اور دنیا کے درمیان میں یہ بیلٹ جا رہی ہے عزیزانِ من! ساری دنیا کپکپا اٹھے۔ اور ساری دنیا کی نگاہوں میں ہم ذلیل ہیں۔ یہ ہوا کیا ہے؟ مذہب پرستی ہے۔ اور اس کے بعد یا تو یورپ کی تقلید میں سیکولرازم ہوتا چلا جا رہا ہے یا اس کے مقابلے میں پیشوائیت زور لگا رہی ہے کہ یہ مذہب پرست ہی رہیں یہ ہے کشمکش۔ دین کی آواز تو کہیں نہیں اٹھ رہی۔ سب سے زیادہ بڑی مخالفت سیکولرازم کی بھی ایسی نہیں ہوتی جتنی دین کی طرف آواز دینے والے کی ہوتی ہے قرآن کی طرف دعوت دینے والے کی ہوتی ہے۔ بہرحال قرآن کہتا ہے(منهم عذاب الیم) (5:73) ان کے

اندر یہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔اور تاریخ بتا رہی ہے ساری دنیا کے مذہب کی۔(افلا یتوبون الی الله و یستغفرونه والله غفور رحیم) (5:74)

اب بھی وقت ہے۔نزول قرآن کے زمانے کی باتیں ہو رہی ہیں۔اب بھی اگر خدا کی طرف یہ آ جائیں ان کی حفاظت کا سامان ہوسکتا ہے۔وہ آنا کیسے ہوگا؟ قرآن پہ ایمان لائیں رسول اللہ ﷺ پہ ایمان لائیں۔وہی جوان کے پیغمبر حقیقی دین پیش کرتے تھے وہی دین قرآن کے اندر ہے اس کی طرف آ جائیں۔یہی تورات کی طرف آنا ہوگا یہی انجیل کی طرف آنا ہوگا۔یہ کچھ کریں پھر بھی ان کی حفاظت کا سامان ہوسکتا ہے۔اور ذریعہ ہی ایک ہے۔مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے والا ہو عیسائی ہو یہودی ہو جب بھی خدا کے دین کی طرف آئے گا اسی وقت؟؟ وسعادت کے دروازے اس پہ کھلیں گے اس کے علاوہ نہیں کھل سکتے۔کہا یہ کہتے ہیں کہ یا مسیحؑ خدا ہے یا تثلیث میں سے ایک ہے۔(ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبله الرسل) (5:75) مسیح ابن مریم ہے ان کی پوزیشن اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ خدا کے ایک پیغامبر تھے ان سے پہلے بھی کئی اس قسم کے پیغامبر گذرے۔عزیزانِ من! یہ الفاظ قرآن نے، میں کوٹ کہہ رہا ہوں، دوسروں کے رسول کے متعلق ہی نہیں کہے خود اپنا رسول جو ہے نبی اکرم ﷺ کے متعلق بھی بعینہ یہی لفظ ہیں(وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل) اس سے پہلے بھی رسول گذر چکے، وہ رسول ہے اس سے بیشتر زیادہ کچھ نہیں۔مسیحؑ بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں رسول ہے جیسے پہلے رسول تھے ویسا ہی یہ رسول ہے۔جو کیفیات سرگذشت ان رسولوں کی تھی وہی مسیحؑ کی ہے۔اس سے زیادہ جو کسی قسم کی چیزیں جو دوسرے رسولوں کے ساتھ تھیں ان کے علاوہ کچھ Attatch کرنے کی بات جو ہے رسالت سے آگے بڑھانے والی چیز ہے، غلط ہے۔رسول ہی تھے ان سے پیشتر بھی بہت سے رسول گذر گئے۔اور بڑی چیز ایک تو عیسائیوں کا عقیدہ جو تھا اس غلو کا اس افراط کا اس کی تردید کی۔اور یہودیوں نے جو بہتان لگا رہے تھے حضرت مریمؑ پر(و امه صدیقة) (5:75) اس کی بھی ساتھ ہی تردید کی، غلط ہے!

اس کی ماں ایک پاکباز سچی عورت تھی۔آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن کس مقام پہ پہنچ رہا ہے۔اور میں نے جیسا کہا تھا کہ یہ تو صرف حضرت مریمؑ کے متعلق ہی ہے۔موجودہ انجیلوں میں حضرتِ مسیحؑ کے حواریوں کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ بارہ ہی وہ تھے سارے۔پہلے تو چیز ہی یہ کہ ساری عمر کا ماحصل بارہ۔ان میں سے ایک نے تو تیس روپے لے کے انہیں بیچ دیا اور باقی گیارہ جب انہیںؑ گرفتار کیا گیا ہے مقدمہ چلا ہے تو ان میں سے ایک بھی ساتھ نہیں تھا۔ان کی انجیل ان حواریوں کے متعلق جنہیں وہ سینٹس کہتے ہیں یہ کردار پیش کر رہی ہے۔قرآن آ کے یہ چیز کہتا ہے کہ مسیحؑ وہ تو خدا کے رسول اور ان کے ساتھی اللہ اکبر۔حضرتِ مسیحؑ نے آواز دی کہ کون ہے وہ جو دین کے معاملے میں میری مدد کرتا ہے یا خدا کی مدد کرتا ہے۔حواریوں

نے بیک زبان کہا(**نحن انصار الله**) ہم مدد کرنے والے ہیں تمہاری۔کیا بات ہے اس قرآن کی عزیزانِ من! یہ کردار پیش کرتا ہے۔یہاں یہ کہا (**و امہ صدیقۃ**) (5:75)اس کی ماں صدیقہ تھی۔اب یہ بات کہ وہ ان میں الوہیت کی کوئی بات تھی وہ ایسے تھے کہ جن کو خدا مانا جائے؟۔قرآن کا تو انداز بڑا عجیب ہے عزیزانِ من! یہ جو گفتگو کرتا ہے تو عام سطح کے اوپر بھی ایک دلیل دیتا ہے اور وہ ایسے دلائل ہوتے ہیں کہ اونچے سے اونچے فکری سطح پہ بھی اس کا تجزیہ کیا جائے وہاں بھی وہ دلیل پوری اترتی ہے۔کہنے کی بات یہ تھی کہ وہ عام انسان تھے خدا نہیں ہوسکتے۔دلیل کیا دی ہے؟ (**کانا یاکلٰن الطعام**) (5:75)

تمہی بتاؤ! کھانا کھایا کرتے تھے یا نہیں؟۔خود انجیل بتا رہی ہے ان کا آخری سفر جو ہے وہ تو بڑے جلی حروف میں ان کے ہاں لکھا ہے تو گویا کھانا کھانے کا ثبوت تو ان کے اپنے ہاں موجود ہے۔کہا یہ بتاؤ! کھانا کھایا کرتے تھے یا نہیں؟۔جو کھانے کا محتاج ہے اس کی زندگی طبعی ہوگئی عزیزانِ من! Physical Life ہوگئی۔جس کی زندگی Physical Life کی ہے وہ خدا نہیں ہوسکتا۔یہاں اگر وہ محتاج ہے خدا کہ وہ زمین کے اوپر تم لے آئے ہو کہ یہاں وہ کھانے پینے کا محتاج ہے سونے کا محتاج ہے سب کچھ ہے' وہی خدا ہے نا جسے پھر تم کہتے ہو کہ عرش پہ ہے''او تھے اوہنوں کون روٹیاں پکا کے دیندا پیا اے''۔یعنی آپ دیکھتے ہیں کہ یہ عام سطح پہ بھی کس طرح چپکنے والی بات ہے کہ یہ ٹھیک ہے صاحب! جو روٹی کا محتاج ہے وہ خدا کیسے ہوسکتا ہے۔اتنی سی دلیل سے بات کردی۔(**انظر کیف نبین لھم الاٰیٰت**) (5:75) کہتا ہے غور کرو! کہ ان کے لیے ہم کیسے سیدھے سادے سلیس سے الفاظ میں بات کس طرح ابھار کے سامنے لے آتے ہیں۔نہایت سادے سے انداز میں کس طرح سے بات لے آتے ہیں۔کہا ہمارا انداز یہ دیکھئے کس طرح بات کو صاف کردیتے ہیں۔(**ثم انظر انٰی یؤفکون**) (5:75) پھر ان کی طرف دیکھو کہ اس کے باوجود پھر اسی روش پہ ادھر ہی دوڑے چلے جارہے ہیں۔اس دلیل کا تو جواب ہی کوئی نہیں دے سکتا۔کہتا ہے ادھر یہ کیفیت ادھر ان کی روش یہ کہ پھر وہیں چلے جارہے ہیں' بالکل ہماری طرح۔قرآن کی آیتوں پہ آیتیں پیش کرتے چلے جایئے دیتے چلے جایئے' جب بھی اٹھیں گے وہ پلہ انہوں نے جھاڑ اوہ آیتیں تو رہیں وہیں''فیر ایناں نوں دیکھو تو سائیں لطفی شاہ دے مزار دے'' **انٰی یؤفکون** ۔(**قل اتعبدون من دون الله ما لا یملک لکم ضرًا و لا نفعًا**) (5:76)

خدا کو چھوڑ کر ان لوگوں کی محکومیت اور عبودیت اختیار کرتے ہو جو ذاتی طور پر تمہیں کسی نفع اور نقصان پہنچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔دو ہی جذبے ہوسکتے ہیں نا کسی کے سامنے جھکنے سے یا جلب منفعت کچھ فائدہ اس سے ملتا ہو یا دفعِ مضرت نقصان اس سے ٹلتا ہو۔اور جن میں ذاتی طور پر ان میں سے کوئی اختیار بھی ان کو حاصل نہ ہو ان کو معبود بنالینا ان کو خدا بنالینا جہالت ہے۔یہ ٹھیک ہے آپ کو بڑی سخت تکلیف ہوتی ہے ڈاکٹر کے

ہاں جاتے ہیں وہ انجیکشن دیتا ہے دوائی دیتا ہے مرہم لگاتا ہے تکلیف رفع ہوجاتی ہے۔ ڈاکٹر اپنی ذات میں یہ چیز نہیں کر رہا خدا کا ایک بتایا ہوا قانون ہے جس کا اس نے علم حاصل کیا ہوا ہے وہی قانون آپ علم کے ذریعے حاصل کر سکتے ہیں آپ خود کرلیں گے۔ یہ احتیاج جو ہے یہ تعاون ہے ۔آپ ڈاکٹر صاحب کے ہاں یہ کچھ کرنے کے لیے جاتے ہیں۔ وہ اگر کسی مقدمے میں الجھ جاتے ہیں تو وہ وکیل کے پاس آتے ہیں۔ ذاتی طور پہ نفع ونقصان کا کسی بھی اختیار وحق حاصل نہیں ہے۔ جب ہم ان روحانیت والوں کی طرف جاتے ہیں تو وہاں اس طرح نہیں جاتے جیسے ڈاکٹر کے ہاں جاتے ہیں۔ وہاں یہ ہوتا ہے کہ حضرت صاحب کی نگاہ ہوجائے گی تو سارے دلدر دور ہوجائیں گے۔ یہ نہیں ہے کہ ڈاکٹر صحیح نسخہ دے گا تو یہ ہوجائے گا دوائی فائدہ کرے گی۔ وہاں ان کی نگاہ اور اگر انہوں نے نگاہ پھیر لی تو دنیا میں پھر کوئی کچھ نہیں کر سکے گا۔ وہاں تو یہاں تک پڑھایا جاتا ہے عزیزانِ من! جو چیزیں ہمیں حفظ کرائی جاتی تھیں کہ

؎ ہر بگڑے گر بنائے گر بنائے کون

خدا ناراض ہوجائے تو پھر پیر منوا سکتا ہے اس کو' پیر ناراض ہوجائے تو اسے کون منائے گا پھر۔ اندازہ لگایئے۔

ان کی ذات میں نفع نقصان کے اثرات جو ہیں ہم مانتے ہیں یعنی ان کی ہر وہ بات قابل قبول ہوتی ہے جس میں قانون اور قاعدہ توڑا جاتا ہے۔ اگر وہ بھی آپ کو انجیکشن ہی دیں تو آپ وہ کہیں گے نہیں صاحب! یہ وہی بات ہے جو ڈاکٹر کرتا ہے۔ ان کی روحانیت پہ آپ ایمان اس وقت لاتے ہیں جب وہ خلاف فطرت کچھ کریں قاعدے اور قانون کو توڑ کے کریں۔ اس کے یہ معنی ہیں نا کہ وہ اپنی ذات میں یہ قوتیں رکھتے ہیں۔ قانون کو توڑ کے یہ کچھ کرنا وہ چیز ہے جسے خدا نے کہا ہے کہ ہم کر سکنے کے باوجود نہیں کر سکتے۔ وہ کہتے ہیں اسی لیے تو ہم اس کی طرف جاتے ہیں کہ تم نے کہہ دیا ہم نہیں کر سکتے' اگر آپ بھی کرتے تو ہم آپ کی طرف آتے' آپ کو چھوڑ کے ان کی طرف تو آتے اسی لیے ہیں ''تسی تے کر نئیں سکدے'' ہمیں اس سے فائدہ کیا ہے کہ آپ کر سکتے ہیں کرتے نہیں ہیں' کروڑ روپیہ آپ کے پاس ہے آپ دیتے نہیں ہیں کسی کو۔ ہم ان کی طرف جاتے ہیں صاحب! فطرت کو توڑ کے سب کچھ کر سکتے ہیں۔ اسے کہتے ہیں اس کی ذات میں نفع اور نقصان پہنچانے کا اختیار اسے حاصل ہے جو قوانین کو توڑ کے از خود کچھ کر سکتا ہو۔ کہا یہ چیز کسی کو حاصل نہیں ہے کسی رسول کو حاصل نہیں کسی نبی کو حاصل نہیں۔ رسول تک تو حاصل نہیں نبی تک کو حاصل نہیں تو ان کے متبعین میں سے کسے یہ چیز حاصل ہوسکتی ہے عزیزانِ من!۔ اور یہ سمجھنا کہ کسی کو یہ اختیار حاصل ہے سب سے بڑا شرک ہے یاد رکھئے۔ یہ تو صرف خدا کو حاصل تھا کہ جب اس نے قانون نہیں بنائے تھے تو اس وقت بھی اس کی ذات میں یہ چیز تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ اس نے ایک قاعدہ اس قسم کا بنا دیا اور کہہ دیا کہ (ولن تجد لسنة الله تبديلًا) ہم اس میں تبدیلی نہیں کرتے۔ لیکن حاصل صرف اسے تھا حق۔ یہاں ان کے متعلق یہ سب کچھ ہے

وہ جیتے جاگتے حضرت صاحب کوتو ایک طرف رہا صاحب' وہ مٹی میں جس میں دبے ہوئے ہیں اسکے متعلق یہ چیز کہ انہیں بھی یہ چیزیں حاصل ہیں یہ شرک نہیں تو اور کیا ہے۔(قل یٰاھل الکتٰب) (5:77) عزیزانِ من! یہ وہی آیت آ گئی جو اس سے پہلے آئی تھی اور میں نے یہ عرض کیا تھا کہ ضرورت ہے اگر مسلمان نے توحید پہ ایمان لانا ہے تو ضرورت یہ ہے کہ ایک ایک جگہ جلی حروف میں یہ لکھی ہوئی بات ہو کہ (**یاھل الکتٰب لا تغلوا فی دینکم غیر الحق**) (5:77)

اپنے دین میں غلو مت کرو' کسی کو اس کے مقام سے آگے مت بڑھاؤ۔ اس پہ پورا درس میں نے صرف کیا تھا جو عرض کیا تھا کہ کوئی اہل مذہب بھی کوئی عقیدت مند بھی جس کے متعلق وہ عقیدت رکھتا ہے اسے اس کے مقام سے نیچے نہیں لاتا۔ یعنی یہ نہیں کہ وہ اس کا احترام نہیں کرتا اس کو اس کے مقام سے نیچے لے آتا ہے یہ کوئی نہیں کرتا۔ کوئی دوسرا ان کی شان میں کچھ کہہ دیتا ہے تو اس کے سینے میں چھرا گھونپ دیتے ہیں۔ کرتے کیا ہیں؟ غلوًا ان کو ان کے مقام سے آگے لے جاتے ہیں۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ نجف نجف ہے مدینہ مدینہ ہے کعبہ کعبہ ہے وہ یہ بھی نہیں کہتے کہ صاحب! ہم نجف مدینے اور کعبے کو کیا سمجھتے ہیں جیسے یہ قصور ہے لاہور ہے پاکپتن ہے اسی طرح سے وہ شہر ہیں اس میں رکھا کیا ہے' یہ تو تنقیص ہو گئی نا نیچے لانا ہو گیا نا۔ کہتا ہے وہ یہ نہیں کرتے' وہ کہتے یہ ہیں کہ 'نجف میرا مدینہ ہے مدینہ میرا کعبہ ہے' کیا نا ایک سیڑھی اونچا 'میں بندہ اور کا ہوں' بنایا نا خدا 'امت شاہ ولایت ہوں' بنایا نا ان کو رسول۔ دیکھا! آپ نے غلو کسے کہتے ہیں ایک درجہ اونچا چڑھانا۔

؎ اور جو سمجھوں اور کچھ خاک عرب میں سونے والے کو

'اور کچھ' ان کو اس رسول یا بشر کی حیثیت سے نیچے تو کوئی نہیں لائے گا' 'اور کچھ' سمجھنا کیا ہے؟ وہی جو کہا تھا 'میں بندہ اور کا ہوں جو سمجھوں اور کچھ خاک عرب میں سونے والے کو۔

؎ مجھے معذور رکھ میں مستِ صہبائے محبت ہوں

ارے جنہوں نے مسیحؑ کو خدا کہا تھا انہوں نے دشمنی سے کہا تھا خدا؟ دشمنی کرنے والوں نے تو صلیب پہ کہتے ہیں چڑھایا تھا۔ یہ محبت والے تھے نا جنہوں نے ان کو خدا بنایا تھا۔ اور جن بزرگانِ عزام کو بھی آپ ان مقامات پہ چڑھاتے ہیں احترام و تعظیم کی وجہ سے چڑھاتے ہیں آپ صہبائے محبت کے مست ہوتے ہیں۔ یہ عذر کیا پیش کیا جناب؟ ہر مشرک یہی کہتا ہے

؎ مجھے معذور رکھ میں مستِ صہبائے محبت ہوں

میری آنکھوں سے دیکھو کہ آپ کیا ہیں۔ وہ خود کئی دفعہ حضرت صاحب کہتے ہیں کہ بابا! یہ نہ کرو مجھے سجدہ' میں یہ مقام نہیں یہ کچھ نہیں۔ باہر آ کے

کہتے ہیں کہ یہ کثر النفسی فرماتے ہیں آپ اصل میں۔کوئی تو یہ کہتے ہیں کہ صاحب! انہیں بھی اپنے مقام کا پتہ نہیں ہے۔شاعری ہورہی ہے۔

ہماری آنکھ سے دیکھو جو تم کو دکھلائیں

ادا تمہاری جو تم بھی کہو کہ ہاں کچھ ہے

وہ انہیں کہتے ہیں تمہیں تمہارے اپنے مقام کا پتہ کیا ہے۔

(قل یٰاھل الکتٰب لا تغلوا فی دینکم غیر الحق ولا تتبعوا اھوآء قوم قد ضلوا من قبل) (5:77)اھوآء : کہا یہ ساری چیز جذبات پہ منحصر ہوتی ہے ان لوگوں کے جذبات کا اتباع نہ کرنا جو اس سے پیشتر گمراہ ہوگئے۔نعل بہ نعل اور قدم بہ قدم چلے جارہے ہیں ہم ان کے اوپر' جن سے کہا تھا کہ ان کے جذبات کا اتباع نہ کرنا۔(ضلوا من قبل و اضلوا کثیرًا) (5:77) خود گمراہ ہوئے اور بہت سوں کو گمراہ کیا انہوں نے صاحب۔آپ ہی گمراہ نہیں ہوتے دوسروں کو بھی تو ساتھ گمراہ کرتے ہیں۔کیا کیا انہوں نے؟ افراط اور تفریط دونوں چیزیں قرآن نے لا کے کہا کہ یہ جو ایک ہموار صراط مستقیم تھا راستہ سیدھا جانے والا اس سے وہ بھٹک گئے۔اس کے بعد کاہ کہ یہ چیزیں جو ہم کہہ رہے ہیں بنی اسرائیل کے؟؟ میں' ہم پہلی بار یہ بات نہیں کہہ رہے خدا کے سچے رسول جو آئے تھے انہوں نے بھی ان کے متعلق یہی کچھ کہا تھا وہ انہی کے رسول تھے۔(لعن الذین کفروا بنی اسرآئیل علیٰ لسان داود و عیسی ابن مریم) (5:78) حضرتِ داؤدؑ نے جو بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے حضرت عیسیٰؑ نے وہ بھی بنی اسرائیل میں سے تھے۔کہا انہوں نے ان سے یہ چیز کہی تھی۔جسے لعنت کہتے ہیں میں کہہ چکا ہوں نا کہا تھا کہ تم زندگی کی خوشگواریوں سے محروم ہوجاؤ گے یادرکھو۔اور آخری مرتبہ تو حضرت عیسیٰؑ نے انجیل کے بیان کے مطابق ان سے کہہ دیا تھا کہ اب یہ چیز جو ہے ان سے چھن گئی بنی اسرائیل سے اور ان کے بھائیوں کے حصے میں چلی گئی بنی اسماعیلؑ کی طرف آ گئی۔اسے کہتے ہیں لعنت عزیزانِ من!۔یہ ہمارے والی جو جسے ہم لعنت کرتے ہیں یہ وہ معنی نہیں ہوتے جس میں گالی کا سا ایک مطلب پایا جاتا ہے وہ بات نہیں ہوتی۔اس کے معنی ہوتا ہے کہ زندگی کی خوشگواریوں سے محروم ہوگئے دور ہوگئے یہ' یہ چیز ان سے کہہ دی گئی تھی۔کہا یہی چیز ہم کہتے ہیں اس لیے یہ نہ کہیں کہ صاحب یہ دیکھئے ہمیں یہ کچھ کہتے ہیں ان کے اپنے نبیوں نے یہ کچھ کہا ہوا ہے۔اور تورات اٹھا کے دیکھئے انجیل اٹھا کے دیکھئے پوچھئے نہیں کیا کچھ کہا ہوا ہے ان کے متعلق۔(ذٰلک بما عصوا و کانوا یعتدون) (5:78) یہ اس لیے کہ یہ تجاوز کر جاتے تھے حدود شکنی کر جاتے تھے سرکشی اختیار کر لیتے تھے اس کی وجہ سے یہ چیز ہوئی کہ ان کے اپنے نبیوں نے بھی یہ چیز کہی ہم بھی یہی کچھ کہتے ہیں۔اور سب سے بڑا جرم ان کا یہ تھا' سنئے عزیزانِ من! یہ جرم (کانوا لا یتناھون عن منکر فعلوہ) (5:79)

جو برائیاں معاشرے میں ان کے ہاں عام ہو جاتی تھیں پھر وہ ایک دوسرے کو ان سے روکتے نہیں تھے ٹوکتے نہیں تھے۔ بڑا اہم فریضہ ہے یہ۔ مذہب میں تو یہ پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وہ جو کوٹڈ ہوتا ہے اس کا فریضہ صرف مولوی صاحب کے پاس آ جاتا ہے نا واعظ کے ہاں' یہ اسی کا فریضہ رہ جاتا ہے۔ دین میں تو یہ چیز نہیں ہوتی دین میں وتواسع بالحق وتواسع بالصبر ہر فرد دوسرے فرد کو حق پر رہنے کی جم کر رہنے کی تلقین کرتا ہے ایک دوسرے کو۔ اس لیے کہ ان میں اس زنجیر میں سے ہر کڑی کو پتہ ہوتا ہے کہ جو کڑی اس میں کمزور رہ گئی ساری زنجیر کی کمزوری کا باعث وہ بن جائے گی میں بھی زنجیر کی کڑی نہیں رہونگا اگر وہ کڑی کمزور ہوگئی۔ ہر کڑی کوشش کرتی ہے کمزور کڑی کو طاقتور بنانے کی۔ جماعتی زندگی میں یہ عزیزانِ من! چیز ہوتی ہے تواسع بالحق تواسع بالصبر ایک دوسرے کو روکتے ہیں۔ آپ دیکھئے اس معاشرے کے اندر جو قرآن نے کہا تھا کہ یہ اس لیے تباہ ہوئے زندگی کی خوشگواریوں سے محروم ہوئے کہ ایک دوسرے کو روکتے ٹوکتے نہیں تھے۔ وہی آ گیا ہے نا وقت ہم پہ بھی کوئی روکتا ٹوکتا نہیں پھر اس کے بعد۔ کہیں تو وہ یہ کہا تھا کہ ان کے ہاں کے احبار و رہبان انہیں نہیں روکتے یہاں یہ کہا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو نہیں روکتے اور معاشرہ تباہ ہی اس وقت ہوتا ہے صاحب۔ یاد رکھئے! یہ جسے ہم کہتے ہیں کہ وہ حکومت کا قانون اس کا یہ ایک ڈنڈا وہ تو ہنگامی چیز ہوتی ہے جیسے آگ لگنے پہ آگ بجھانے والا انجن آ جاتا ہے۔ لیکن گھر کی حفاظت آگ بجھانے والا انجن تو مسلسل نہیں کرتا رہتا یہ تو نہیں کہ باہر انہوں نے اپنے اور یجن گاڑ دیے ہوئے ہوتے ہیں بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں صاحب؟ وہ تو آپ کو خود حفاظت کرنی ہوتی ہے۔ گھر میں سے ہر فرد دوسرے سے یہ کہتا ہے نا کہ دیکھنا وہ چولہا بجھ گیا ہے کوئی چنگاری اِدھر اُدھر تو نہیں رہ گئی۔ یہ نہیں ہوتا ہے کہ جہاں آگ جلتی ہے جلنے دو چنگاریاں ہوتی رہیں فائر انجن آئے گا بجھا دے گا۔ نہیں عزیزانِ من! یہ قانون' قانون کی رو سے یہ ساری چیزیں صرف ہنگامی ضرورتوں کو پوری کرتی ہیں۔ یہ جسے آپ اصلاح کہتے ہیں معاشرے کی اور وہ اصلاح اندرونی اصلاح ہوتی ہے قانون کی رو سے انسان کے اندر اصلاح نہیں ہوتی۔ وہ اسی طرح سے ہوتی ہے کہ ہر ایک ایک دوسرے کو ٹوکنے اور روکنے کی فکر کرے۔ ایک دوسرے کو۔ یہی نہیں کہ ان میں سے کوئی ایک تو ایسا داروغہ بنا لیا جائے کہ ہاتھ میں اس نے لٹھ پکڑی ہوئی ہے اور سب کو وہ یہ کچھ کہتا چلا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں واعظ یہ کرتا ہے ہمارے ہاں کو توال یہ کرتا ہے اپنے متعلق نہیں دوسرے کے متعلق۔ وعظ آپ سنئے نا وہ ساری چیز تم کہہ کے اور اس کے بعد ان کو کیڑے ڈالتا چلا جائے گا ڈالتا چلا جائے گا گویا یہ ساری خرابیاں انہی میں ہی ہیں قوم میں ہیں معاشرے میں ہیں افراد میں ہیں تم میں ہیں ان میں ہیں یہ سب کچھ ہے۔ کیا بات یاد آ گئی۔ بشین میں بنی تمیم میں سے ایک صاحب تھے وہ مسلمان ہوئے وہ ایسا گروہ تھا کہ جو عام طور پہ پہلے وعظ کیا کرتے تھے خطاب لوگوں سے کیا کرتے تھے۔ وہ ادھر آئے تو انہوں نے آ کے دیکھا کہ یہاں کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ لیکن جی بہت چاہتا تھا عمر بھر کے عادی بھی تھے چلی بھی آتی تھی بات۔ انہوں نے ایک دن یہ کہا حضرت عمرؓ سے

کہ اگر آپؐ یہ کہیں تو جمعہ کے اجتماع میں جب ابھی آپؐ نہیں آئے ہوئے ہوتے تو میں ان سے کچھ وعظ و نصیحت کی بات کیا کروں۔ فقرہ ملاحظہ فرمایئے اس شخصؐ کا' انسانی نفسیات پہ جس کی نگاہ تھی۔ اُسؐ نے کہا کہ کیوں اپنے آپ کو جہنم کے لیے تیار کرتا ہے۔ جب تم اٹھے اور تم نے اس کے کہا کہ تم یہ کہتے ہو اور ہم یہ کہتے ہیں بس گئے جہنم میں۔ آ ہاہاہا۔ اٹھنے والا مخاطب کو تم ہی کہتا ہے بڑی حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اپنے متعلق اس کے ذہن کے اندر ایک بڑی نفرت آئی ہوئی ہوتی ہے وہ ہم کہتا ہے۔ دو لفظ تھے' تم اٹھے اور تم نے ان کو تم کہا اور اپنے آپ کو ہم کہا اور گئے جہنم میں'۔ (**لا یتناھون**) (5:79) ایک سطح کے اوپر سب کو رکھ دیا ہے۔ یہ باب یہ بتا رہا ہے اس چیز کا' ایک دوسرے کو یہ چیز کرتے ہیں کوئی اپنے آپ کو اس میں مقدس نہیں بناتا۔ اور قرآن نے تو یہ کہا؟؟؟؟ اپنے آپ کو مقدس نہ سمجھ لیا کرو یاد رکھو! خدا جانتا ہے کون تم میں سے مقدس ہے۔ اپنے آپ کو دوسروں کی سطح پہ رکھو اور ایک دوسرے کو برائی سے روکو ٹوکو۔ (**لبئس ما کانوا یفعلون**) (5:79) یہ روشِ زندگی جو اختیار کی کہ کوئی روکتا ٹوکتا ہی نہیں ہے کہتا ہے اس کا نتیجہ ہے یہ جو جہنم آ جاتی ہے۔ (**تریٰ کثیرًا منھم یتولون الذین کفروا**) (5:80)

پھر وہی بات کہ اس کا ٹیسٹ یہ ہے کہ تم دیکھو گے کہ جماعتِ مؤمنین یا یہ لوگ اگر دعوی ہے ایمان کا تو ان کو تو ضرورت نہیں کہ جو اس سے انکار کرتے ہیں ان چیزوں سے ان کو اپنا دوست بنائیں' تم دیکھو گے کہ یہ انہیں اپنا دوست بنا رہے ہونگے۔ پھر وہی ٹیسٹ جو پیچھے سے چلا آ رہا تھا جو قرآن نے یہ کہا ہے کہ اپنوں کے لیے علاوہ کسی کو ہمراز اور دوست اور دم ساز اور چارہ ساز نہ بناؤ۔ کہا ان کی کیفیت یہ ہے ٹیسٹ ہے یہ ایمان کا۔ (**لبئس ما قدمت لھم انفسھم ان سخط اللہ علیھم و فی العذاب ھم خٰلدون**) (5:80) جو کچھ یہ اپنے لیے آگے بھیج رہے ہیں۔ بڑی عجیب اصطلاح ہے قرآن کی عزیزانِ من! آگے بھیج رہے ہیں۔ خود ہی انسان کا عمل جو ہے وہ پہلے سرزد ہوتا ہے اس کا نتیجہ بعد میں نکلتا ہے۔ مسافر سفر کرنے والا اگر پہلے سے ہی ایک ڈاکو کو متعین کر کے بھیج دے اور آگے چل کے دو تین میل کے فاصلے پہ جھاڑیوں میں چھپے رہنا میں آ رہا ہوں تو آپ سوچ لیجیے۔ (**ما قدمت لھم انفسھم**) خود ہی اپنی راہزنی اور قزاقی کے لیے یہ کیا کچھ بھیج دیتے ہیں اس مسافری میں' کس قدر برا ہے ان کے لیے۔ اور وہ یہ کہ خدا کی ناخوشگواریاں اس کے قانون کی خلاف ورزی سے جو نتائج نکلتے ہیں یاد رکھئے اسے اللہ کا غضب یا اس کا قہر یا طاقت کہا جاتا ہے اس کا نتیجہ عذاب ہے تباہی ہے۔ اب بھی دروازہ بند نہیں ہوا' یہ رسول آ گیا جو کافۃ للناس کے لیے ہے۔ (**ولو کانوا یؤمنون باللہ والنبی وما انزل الیہ**) (5:81) اگر یہ واقعی قرآن پر ایمان لاتے اس نبی پہ ایمان لاتے۔ کہا کہ دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے کہا اس کا ٹیسٹ یہ ہے۔ پھر عزیزانِ من! سن لیجیے وہ ٹیسٹ کیا ہے۔ (**ما اتخذوھم اولیآء**) (5:81) تو یہ پھر اپنوں کے علاوہ دوسروں کو اپنا دوست نہ بناتے۔ یہی ٹیسٹ بار بار دہرایا ہے۔ اور جو میں نے کہا تھا اتفاق ہے کہ پچھلے دو تین مہینوں سے ہمارے ہاں یہ جو محاشرستان کے حوادث

رونما ہوئے ہیں مشرقی پاکستان وغیرہ میں اس کی لم یہی ہے نا کہ غیروں کو راز داں بنایا دوست داں بنایا ان کے ہاں عزت کی تلاش کی ہم نے اور یہ اس کا نتیجہ نکلا عذاب الیم جسے قرآن نے کہا ہے۔(**ولٰکن کثیرًا منهم فٰسقون**) **(5:81)** مصیبت یہ ہے کہ ان میں سے اکثریت ان کی ہے۔کیا عجیب قرآن لایا ہے یہ فاسق کا لفظ!!۔آپ کو یاد ہوگا یہ جو مادہ ہے اس کے معنی ہوتے ہیں یہ ہر پھر اس کے اوپر جو ایک خول ہوتا ہے اس کے اندر اگر رہتا ہے تو وہ پک جاتا ہے پختہ ہو جاتا ہے اپنی تکمیل تک پہنچ جاتا ہے۔اور ایسے پھل بھی ہوتے ہیں اب آم کے موسم میں آپ دیکھیں گے پکنے سے پہلے ہی اوپر کے اپنے پیٹرن کو یا اس چھلکے کو پھاڑ کے دوسری طرف یوں نکل جاتے ہیں سڑ جاتا ہے یہ پھل پختگی تک نہیں پہنچتا۔یہ جو اپنے پیٹرن کو توڑ کے دوسری طرف نکل جانے والی بات ہے اسے فسق کہتے ہیں عربی زبان میں۔قرآن جماعت کے رنگ ایک آپ کو قالب دیتا ہے ایک پیٹرن دیتا ہے جس کے اندر رہتے ہوئے ہر فرد نے تکمیل تک پہنچنا ہے۔جونہی آپ اس میں سے ہٹ کے دوسری طرف گئے اور یہ ہے جسے کہا ہے دوسروں کی دوست داری۔نکل کے اُدھر گئے اپنے پیٹرن سے آپ الگ ہوئے فسق ہے پھر آپ کی پختگی نہیں ہوسکتی پھٹ جائیں گے کیڑے پڑ جائیں گے گل جائیں گے آپ۔ایک اور اہم آیت آ گئی۔زمانۂ نزولِ قرآن کے وقت جو سامنے مخاطب قوم تھی ان میں عرب کے مشرکین بھی تھے وہی مثلاً سب سے پہلے قریش یا اسی قسم کے اور قبیلے عرب کے ان میں یہودی بھی تھے ان میں عیسائی بھی تھے۔تاریخ ہمیں بتاتی ہے اور قرآن بھی شاہد ہے کہ ان مسلمانوں کی سب سے زیادہ سخت ترین مخالفت جو کی مشرکین عرب نے کی وہی مکے کے جو تھے اور پھر یہودیوں نے کی جب یہ مدینے میں آئے تھے۔عیسائی بھی وہاں بستے تھے لیکن اس دور میں ابھی عیسائیت میں سیاست نہیں آئی تھی ان کے ہاں ابھی عیسائی یہ فقیر منش جیسے ہمارے ہاں ہوتے ہیں نا ان کی یہی کیفیت تھی۔راہب ہوتے تھے یا تو اپنے لکھنے پڑھنے میں رہتے تھے یا وہی اپنے ہاں کی ریاضتیں تصوف کی یہ کچھ کیا کرتے تھے۔ قرآن نے ان کے متعلق کہا ہے(**لتجدن اشد الناس عداوۃً للذین اٰمنوا الیهود و الذین اشرکوا ولتجدن اقربهم مودۃً للذین اٰمنوا الذین قالوا انا نصٰرٰی**) **(5:82)**

کہا کہ تم دیکھو گے کہ یہ مشرک اور یہود تمہاری مخالفت میں سب سے آگے بڑھ چڑھ کر آتے ہیں۔اور یہ جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں عیسائی کہتے ہیں ان کی کیفیت یہ ہے کہ وہ ایسے متشدد نہیں تمہارے خلاف جانے میں، وہ تم سے اچھے معاملات رکھتے ہیں ان کی کیفیت یہ نہیں ہے۔ اور(**ذٰلک بان منهم قسیسین و رهبانًا و انهم لا یتسکبرون**) **(5:82)** یہ اس لیے ہے کہ وہ کچھ درویش منش سے لوگ ہیں ان میں نخوت اور تکبر نہیں ہے سیاست نہیں ہے یہ چیزیں نہیں جو یہودیوں کے اندر ہیں۔اس لیے وہ اس طرح اس عداوت اور مخالفت میں ایسے متشدد نہیں ہوئے جیسے یہودی اور مشرک ہوئے ہیں۔یہ اس زمانے میں یہ جو بسنے والے تھے ان کے متعلق یہ بات بتائی ہے۔میں نے کہا کہ یہ اہم ہے اس

لیے۔ یہ جو اسرائیل کی حکومت جس زمانے میں بنی اور انہوں نے مسلمانوں کے خلاف یہ کچھ کیا ہے تو اس زمانے میں بھی ہمارے سوڈا واٹر کی بوتل میں بڑا ابال آیا تھا یہودیوں کے خلاف عام رو چلی تھی بڑی مخالفت ان کی ہو رہی تھی اور یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ عین اسی زمانے میں یہ آیت پیش کی جاتی تھی یورپ کے عیسائیوں کے ہم نواؤں کی طرف سے پیش کرتے مسلمان ہی کہ دیکھئے صاحب یہودیوں کے متعلق قرآن نے یہ کہا ہے کہ یہ بڑے سخت ہیں عداوت میں' عیسائیوں کے متعلق نہیں کہا' وہ کہا ہے کہ یہ بڑے نرم دل سے لوگ ہوا کرتے ہیں۔ اس لیے یہ جو تم مخالفت کرتے ہو اس لیے اس میں عیسائیوں کو ساتھ نہ لپیٹ لیجیے گا۔ لیجیے صاحب اس آیت کی بناء پہ یہ فتویٰ صادر کیا جاتا تھا۔ حالانکہ یہ ہزار سالہ تاریخ اپنی تو چھوڑ دیجیے جس میں تین سو سال کے کروسیڈ ہی کم بخت آتے ہیں صلیبی جنگیں ہی۔ آج کے دور میں جن یہودیوں کو آپ کہہ رہے تھے کہ وہ سب سے زیادہ مخالف ہیں وہ تو آلۂ کار تھے یہ سارا کچھ یورپ کی عیسائی سلطنتیں کر رہی تھیں اور کر رہی ہیں۔ آج بھی انڈیا کا مشرک اور کافر جو ہے وہ خود یہ کچھ نہیں کر رہا جو اسکے پیچھے عیسائی جو ہیں وہ کرا رہے ہیں۔ سوال یہ نہیں ہے کہ قرآن نے اس آیت میں یہ کہا ہے کہ صاحب! ابدی طور پر یاد رکھو یہ عیسائی تو بڑے محبت والے ہیں ان کو گلے سے لگا کے رکھنا۔ یاد رکھئے! قرآن نے تو اسی سورۃ میں چند ہی آیات پہلے 5:51 میں یہود اور نصاریٰ دونوں کے متعلق یہ بات کہی تھی نا (یاایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الیھود و النصٰرٰی اولیآء بعضھم اولیآء بعض) (5:51) یاد رکھو یہ دونوں ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے ہیں اپنوں کو چھوڑ کر انہیں اپنا دوست دار یا ان کو حمایتی نہ تصور کر لینا بالکل نہیں۔ وہ تو کہا یہ ہے قرآن نے کہ ان میں سے یہ جو ہیں ان کی کیفیت یہ ہے (ھم لا یستکبرون) (5:82) کہا کیوں ہے آگے بات آتی ہے۔ تاریخ ہماری یہ بتاتی ہے یہودیوں میں سے تو ایک آدھ نام آتا ہے ہمارے ہاں پہلے کہ جو وہ یہودی مسلمان ہوا تھا اسلام لایا تھا ورنہ یہ عیسائی جو تھے ان کی بڑی تعداد تھی جو اسلام لے آئی۔ اور قرآن نے کہا ہے کہ چونکہ ان کے دل میں تکبر نہیں ہے یہ اس بناء پہ ہی یہ نفرت اسلام سے نہیں رکھ رہے کہ بنی اسماعیل کے ہاں نبی کیوں آ گیا جو یہودی کہتے تھے اس لیے ان لوگوں کی نفسیاتی کیفیت ان سے مختلف ہے۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ (و اذا سمعوا ما انزل الی الرسول ترٰی اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق) (5:83) ان کے سامنے جب قرآن آتا ہے تو چونکہ دل میں تکبر اور نفرت ہیں ہے اس لیے یہ پہچان لیتے ہیں کہ بات حق کی ہے جو یہ کہی جا رہی ہے۔ (یقولون ربنا اٰمنا) (5:83) یہ ایمان لے آتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ اے اللہ ہم ایمان لائے۔ (فاکتبنا مع الشٰھدین) (5:83) ہمیں بھی انہی میں شمار کر لے یہ جو تم نے امت قائم کی ہے جس کا فریضہ دنیا کے اعمال کی نگرانی کرنا ہے ہمیں بھی ان میں شامل کر لے۔ یعنی کہا یہ ہے کہ یہ لوگ اسلام کی طرف آ سکتے ہیں اور آ رہے ہیں۔ یہودی نہیں یہ آ رہے ان کے دل میں نفرت ہے بغض ہے عداوت ہے۔ ان کے دلوں میں نفرت اور بغض نہیں اس لیے یہ اس طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں (وما لنا لا نؤمن باللہ وما جآء

نـا مـن الحق) (5:84) وہ کہتا ہے کہ جب ہمارے سامنے ایک حق آ گیا ہے تو پھر کونسی بات ہے جو ہمیں اس سے مانع رکھے کہ ہم حق کی طرف نہ آ ئیں۔ دیکھا نا کہ یہ لوگ جو نفرت اور بغض اور انتقام کے جذبات سے الگ ہٹ کے قرآن کو سوچتے تھے وہ اس کی طرف آ جاتے تھے۔ (و نـطـمع ان یدخلنا ربنا مع القوم الصٰلحین) (5:84) وہی آ گیا کہ ہم طمع یہ رکھتے ہیں اس بات کی کہ خدا ہمیں اس قوم میں شامل کر لے جو صالحین کی قوم ہے۔ پھر وہی قوم میں شامل ہونے کی بات ہے۔ عیسائیت انفرادی چیز تھی ان کے ہاں یہ تصور نہیں تھا اور اس وقت تو بالکل سیاسی طور پہ بھی یہ تصور نہیں تھا۔ اس قوم میں داخل ہونے کے لیے کہا اور کہا کہ ہم نے چونکہ یہ کہہ دیا تھا کہ دروازے ہر ایک کے لیے کھلے ہیں اس لیے (فـاثابهم الله بـما قـالـوا جنٰت تجری من تحتها الانهٰر خٰلدین فیها و ذٰلک جز آء المحسنین) (5:85) تو ان کے اس ایمان اور اعمالِ صالح کا بدلا خدا کے ہاں سے ملا۔ اس لیے نہیں روک دیے گئے ان کے دروازے ان پہ بند کر دیے گئے کہ یہ بنی اسرائیل کی نسل میں سے تھے انہوں نے دین عیسائیت قبول کر رکھا تھا' نہیں صاحب! ۔ وہی آیت جو کہی ہے کہ جو بھی ایمان لے آئے گا اس کے اوپر نجات وسعادت کے دروازے کھل جائیں گے۔ (ذٰلک جـز آء الـمـحـسـنـیـن) (5:85) انہی کی بات نہیں ہے جو بھی حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرتا ہے اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے۔ (والـذیـن کفروا و کذبوا باٰیٰتنا اولئک اصحب الجحیم) (5:86) اور جو ان ہمارے قوانین سے انکار کرتا ہے سرکشی برتتا ہے تکذیب کرتا ہے ان کی۔ میں نے ایک دفعہ بتایا تھا اور آ گے بھی بتاؤں گا انکار تو یہ ہے کہ کھلے بندوں آپ کہیں کہ میں مسلمان نہیں ہوں' تکذیب یہ ہے کہ آپ یہ کہتے رہیں کہ ہم ان چیزوں پہ ایمان رکھتے ہیں عملاً اس کو جھٹلائیں کہ بات یہ نہیں بات وہی ٹھیک ہے جو میں کر رہا ہوں اسے تکذیب کہتے ہیں۔ قرآن نے یہ کہا تھا کہ آؤ ہم تمہیں بتائیں کہ یہ نمازی جو ہیں یہ دین کی تکذیب کرتے ہیں' نمازی دین کی تکذیب (ارء یت الـذی یکذب بالدین) کیسے یہ دین کی تکذیب کرتے ہیں انکار نہیں کرتے (فـذٰلک الذی یدع الیتیم و لا یحض علٰی طعام المسکین) ان کی کیفیت یہ ہے کہ جو معاشرے میں تنہا رہ جاتا ہے ان میں سے ہر ایک اسے دھکے دیتا ہے جو بھوکا رہ جاتا ہے اس کی روٹی کا فکر کوئی نہیں کرتا۔ دین کی تکذیب کر رہے ہیں۔ (فـویـل لـلمصلین الذین هم عن صلاتهم ساهون) یہ نمازی دیکھتے ہو ان کی کیفیت یہ ہے دیکھئے تکذیب کرنے والے۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ اپنی صلوٰۃ کی غرض وغایت سے ہی بالکل غافل ہیں (هم یر آء ون) یہ جو کچھ ظاہرہ طور پہ نظر آتا ہے نا یہ کچھ تو یہ کر لیتے ہیں الحمدللہ نماز ٹھیک ہوئی' اوٹھیک نہیں ہوئی تیری نماز' کیوں جی' تیرے ہاتھ نیچے ذرا ہو گئے تھے۔ اندازہ لگایئے۔ ٹھیک ہے ان چیزوں کی بھی ضرورت ہے پی ٹی میں پیٹی جگہ پہ بندھی ہونی چاہیے۔ لیکن اسی سے تو سپاہی کا فریضہ ادا نہیں ہو جاتا۔ نماز کے مفہوم سے غایت سے غرض سے غافل ہیں' کیا ہے وہ؟ (و یـمـنـعـون الماعون) وہ رزق کہ جسے بہتے چشموں کی طرح ہر ایک کے دروازے کے سامنے سے گذرنا چاہیے اس پہ بند لگا کے بیٹھ جاتے

ہیں۔ **ارء یت الذی یکذب بالدین** انہیں بھی دیکھا ہے جو دعویٰ ایمان کا کرنے کے باوجود تکذیب کرتے ہیں دین کی۔(**والذین کفروا**) (5:86) ایک گروہ یہ ہے سرے سے انکار ہی کیا۔(**و کذبوا بایٰتنا**) (5:86) انکار نہیں کیا تکذیب کی ہمارے دین کی آیات کی۔(**اولئک اصحٰب الجحیم**) (5:86) یہ وہ لوگ ہیں جو جحیم میں رہتے ہیں۔ آپ کو پتہ ہے جحیم کے کیا معنی ہیں جن کی ترقیاں رک جائیں جن کے آگے رکاوٹیں آ جائیں۔ ہوا نا آپ کے ساتھ یہ پیدا ہوئی ہوئی نار کاوٹیں۔ اتنی بڑی عظیم آزاد مملکت جس میں ذخائر ممکنات کی یہ کیفیت ہے کہ دنیا رشک کرتی ہے اس کے باوجود ترقی کی راہیں مسدود ہوئی ہوئی ہیں آپ پہ کہ تکذیب کرتے ہیں آپ قوانینِ خداوندی کی۔ وقت تو پانچ منٹ باقی ہے لیکن مضمون آگے دوسرا آ جاتا ہے ہم اسے آئندہ لیں گے۔ سورۃ مآئدۃ کی آیت 86 تک ہم آ گئے برادرانِ عزیز! 87 سے آئندہ لیں گے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المآ ئدۃ۔ چودھواں باب۔(آیات 87 تا 90)

عزیزانِ من!

آج جون 1971ء کی 13 تاریخ ہےاوردرسِ قرآنِ کریم کا آغازسورۃ المآ ئدۃ کی آیت 87 سے ہو رہا ہے (5:87)۔

اس آیۂ جلیلہ سے ایک بڑی ہی اصولی بحث کا آغاز ہوتا ہےاوروہ ایسی چیز ہے کہ جس کی طرف بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔مذہب کی دنیا میں یہ تو ہرجگہ آپ سنتے ہونگے کہ فلاں چیز خدانے حرام قراردیدی فلاں چیز ناجائز ہےحرام اورناجائز کےقریب تک بھی نہ پھٹکو۔یہ قدرِمشترک ہے دنیاکے ہرمذہب میں۔قرآنِ کریم نے بھی چند چیزوں کے کھانے کوحرام قرار دیا زوراس پہ دیا کہ ان چیزوں کےقریب بھی نہ پھٹکو۔بات بھی ٹھیک ہےتعلیم اتنی ہونی چاہیے کہ جن چیزوں کوناجائزقراردیا گیا ہےان سے اجتناب لازم ہےان سے پرہیز کرنا چاہیے۔ٹھیک ہے۔اتنا کہہ دینے سے مذہب کافریضہ پورا ہوجاتا ہےاسی کی تاکید ہونی چاہیے۔دنیامیں جہاں آپ کسی کے خلاف کوئی اعتراض سنیں گے وہ یہی ہوگا کہ یہ حرام خور ہےحرام کی کمائی کھاتا ہے۔یعنی جہاں کوئی حرام یاناجائزکمائی کھاتا ہےان چیزوں کااستعمال کرتا ہےاسے قابلِ اعتراض قراردیا جاتا ہے۔اورپھردہرادوں کہ مذہب تاکیدبھی اسی کی کرتا ہےقدم قدم پہ کہ یہ چیز ناجائز ہےاس کےقریب نہ جایئے۔قرآنِ کریم کی عظمت نکھر کرسامنے آتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایک اورچیز کہتا ہے۔حرام سے اجتناب سے متعلق تواس نے باربارکہااوریہ آیات ہمارے سامنےکئی بارآگئیں اسی سورۃ المآ ئدۃ کی ابتداءمیں بھی یہ چیزیں ہمارے سامنے آئیں اورمقامات میں بھی آئیں۔لیکن یہ چیز جواب ہمارے سامنے آتی ہے یہ قرآن ہی کی خصوصیت ہوسکتی تھی۔اہمیت اس کی کتنی تھی میں نے عرض کیا ہےاس پہ عام طورپہ غورنہیں کیا جاتا اوراس کی بڑی اہمیت ہے۔سنئے کہ یہ آیت کیا ہےجس کے متعلق میں نےتمہیداًاتنی خصوصیت سے کہا کہ یہ قرآن کی خصوصیت ہے دوسری جگہ نہیں ملے گی یہ چیز۔کہا یہ ہے یہ چیز تو ہرایک کہتا ہےاورقرآن نے بھی کہا ہے کہ حرام کےقریب نہ جاؤ۔اس نے کہا ہے(یایھا الذین امنوا لا تحرموا طیبٰت ما احل اللہ لکم و لا تعتدوا) (5:87) جوچیزیں حرام نہیں قراردی گئیں اوروہ ان چند چیزوں کے علاوہ سب چیزیں حلال وطیب ہیں انہیں اپنے اوپرحرام مت قراردو۔اسے غورسے سنئے گا جو کچھ میں کہہ رہا ہوں۔حرام کےقریب نہ پھٹکو ہرایک شخص کہے گا ہرایک شخص سمجھے گا۔کہا یہ گیا ہے کہ حلال چیزیں جو ہیں انہیں اپنے اوپرحرام مت قراردو۔آپ نے دیکھا اس کی کوئی اہمیت سمجھ میں نہیں آتی ہمیں۔اوردین کے خلاف جوسازش ہے سازشیں تو بہت متعددقسم کی ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جو بنیادی سازش دین کے خلاف ہے یہ اس سازش کی جڑ کاٹ رہی ہے۔دین کے خلاف سازش کیا تھی؟ دین تھا دنیاکے کاروبارکوخداکے قوانین و

احکام کے مطابق سرانجام دینا۔قرآن کے متعلق جو اقبالؒ نے دو لفظوں میں بات کہہ دی ہے نچوڑ ہے ساری تعلیم کا' اس نے کہا یہ ہے کہ

از کلید دیں درِ دنیا کشاد

یہ دین کی چابی سے دنیا کے دروازے کھولتا ہے۔مقصود دنیا کے دروازے کھولنے کا ہے۔اب دنیا کے دروازے کھولنے میں تو سب سے بڑی چیز آپ کے ہاں مملکت آتی ہے حکومت آتی ہے ریاست آتی ہے اقتدار آتا ہے قوانین آتے ہیں اسے ہی معاشرہ کہا جاتا ہے۔اور یہی وہ میدان ہے جہاں من مانی کرنے والے من مانیاں کرتے تھے۔حکومت' اقتدار' مملکت' بادشاہت' ملوکیت یہ نام ہیں اس کی لم یہی ہے کہ دنیا کے مفاد کو اپنے اغراض کے لیے حاصل کرنا اپنی مرضی کے مطابق صرف کرنا۔اور دین یہ ہے کہ دنیاوی مفاد کو خدا کی اقدار کے تابع رکھنا۔اب ان دونوں میں ٹکراؤ ہوتا تھا۔ فرعون اور موسیٰؑ کا ٹکراؤ یہی تھا' نوحؑ اور ان کی قوم کا ٹکراؤ یہی تھا' صالحؑ اور قومِ عاد کا ٹکراؤ یہی تھا' ھودؑ اور قومِ ثمود کا ٹکراؤ یہی تھا' شعیبؑ اور اہل مدین کا ٹکراؤ یہی تھا' حضرتِ عیسیٰؑ بنی اسرائیل اور رومن کا ٹکراؤ یہی تھا' ذاتِ رسالت مآب ﷺ اور دنیا بھر کے مفاد پرستوں کا ٹکراؤ یہی تھا۔یہ دنیا کو اقدارِ خداوندی کے تابع رکھنا چاہتے تھے۔وہ دنیاوی اقتدار اور مفادات کو اپنے اختیار کے تابع رکھنا چاہتے تھے۔اگر یہ ٹکراؤ ہوتا تھا تو اس میں ان لوگوں کو شکست ہو جاتی تھی۔لوگ دیکھتے تھے کہ اگر ان مفادات کو اقدارِ خداوندی کو رکھا جائے تو کس قدر انسانیت ساز خوشگوار نتائج سامنے آتے ہیں۔اور اس کے برعکس ان کے استبداد کے تابع آجائے تو وہ انسانیت کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔اب یہ جو صاحبِ استبداد تھے ان کے لیے یہ دشواری تھی۔اس دشواری کا حل انہوں نے سوچا اور بہت عجیب وغریب حل سوچا۔

حل یہ تھا کہ لوگوں کے دلوں میں یہ خیال راسخ کر دیا جائے کہ دنیا اور دنیا کی متاع' اس کیا یہاں کی زیب وزینت کی چیزیں' اس کے مفادات یہ سارے کے سارے قابل نفرت ہیں۔مقصدِ حیات روحانیت کا فروغ ہے مادہ اور میٹریل چیزیں دلدل ہیں کیچڑ ہیں متعفن لاشیں ہیں خدا پرست ان کے قریب نہیں جاسکتا دور دور ان سے رہیے قابل نفرت جانیے ہاتھ نہ لگائے اس کو۔یہ تصور جاگزیں کیا لوگوں کے دلوں کے اندر ان کے دماغوں کے اندر۔بڑی گہری سازش دین کے خلاف یہ تھی' دنیا قابل نفرت ہے۔سیدھی سی بات ہے کہ اگر اس قسم کا پروپیگنڈہ شروع کر دیا جائے تو جب یہ دنیا قابلِ نفرت ہے اس کے قریب نہیں جانا تو جنہوں نے اسے سنبھالا ہوا ہے ان سے چھیننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔یہاں اگر کوئی لاش مردار آپ کے ہاں کوئی جانور مر جاتا ہے تو آپ تو دہائی دیتے ہیں اٹھوانے والوں کے لیے' بلا بلا کے ان کو بھیجتے ہیں کہ بابا! اس کو اٹھا کے لے جاؤ آپ اس کے قریب نہیں جاتے۔وہ تو آپ کا زندہ کوئی مویشی پکڑ لے تو آپ دہائی دیتے ہیں اس سے چھینتے بھی ہیں تھانے میں بھی جاتے ہیں رپٹ بھی لکھواتے ہیں اسکی بازیابی کی کوششیں کرتے ہیں۔مردار کو تو جلدی سے جلدی دوسرے کے حوالے کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں

دور لے جاؤ اس کو' تعفن اٹھ رہا ہے اس سے۔ دنیا مردار ہے' لاش ہے' متعفن ہے' گندگی ہے' نجاست ہے دور رہو اس سے۔ سیدھی سی بات ہے تم اس سے دور رہو ہم سے چھینو نہیں۔ آپ نے غور کیا استبداد کی قوتوں نے کیا کیا۔ یہ خیال راسخ کیا۔

پھر اس کو اور زیادہ قابل قبول بنانے کے لیے جنہوں نے اس دنیا سے اجتناب کیا پرہیز کیا الگ ہٹ گئے انہیں صاحب روحانیت قرار دیا گیا۔ ان کی قدر و منزلت لوگوں کی نگاہوں میں زیادہ سے زیادہ بڑھانے کے لیے بڑے فخر سے یہ کہا جاتا ہے کہ صاحب فلاں شہنشاہ وہ فلاں داتا صاحب تھے نا ان کے حضور جایا کرتے تھے ان کی جوتیاں سیدھی کیا کرتے تھے۔ فلاں بادشاہ ان صاحب کے ہاں گئے ان سے جا کے کہا کہ صاحب وہ بادشاہ آیا ہے وہ بیٹھے ہوئے ہیں قلندر اپنی موج میں بیٹھے ہوئے ہیں' کھڑے ہیں صاحب یہ دست بستہ ان کے حضور میں۔ آنکھ اٹھائی تو انہوں نے یہ کہا کہ حضور! میں کوئی خدمت کر سکتا ہوں آپ کی' انہوں نے کہا کہ ہاں! ایک بات ہے جو میں چاہتا ہوں' انہوں نے کہا کہ کیا' کہا کہ میرے سامنے سے ہٹ جاؤ سورج کی دھوپ مجھ پہ آنے دو۔ بادشاہ چل کے آ رہے ہیں ان کے پاس۔ آپ نے غور فرمایا گہری سازشیں کتنی ہیں۔ یعنی ان کے مقامات کو اتنا اونچا بلند کیا گیا کہ صاحب! بادشاہِ وقت ان کے حضور آ رہا ہے کھڑا ہے دست بستہ اور یہ ڈانٹ رہے ہیں چلے جاؤ یہاں سے' دور ہو جاؤ میری نگاہوں سے۔ اس کے بعد جب اس نے ذرا سی گستاخی کی انہوں نے کہا تختہ الٹ دو اس کا' چلئے صاحب! سلطنت بدلی اور وہ گئی اور اس کی جگہ وہ آ گئے' حضرت صاحب کی ایک خشمگیں نگاہ نے یہ کچھ کر دیا۔ یہ ساری سازش تھی کہ جنہوں نے دنیا کو چھوڑ رکھا ہے ان کے مقامات کو اتنا بلند کر کے دکھایا جائے کہ دنیا والے بڑے بڑے سے ان کے حضور جا کر دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں وہ ڈانٹتے ہیں گالیاں دیتے ہیں حتیٰ کہ تیمور کو تو انہوں نے لٹھ بھی مار دیا تھا۔ اور وہ جو کہتے ہیں نا لنگڑا ہو گیا تھا وہ سات انہوں نے ڈنڈے مارے تھے وہ ایک ٹانگ سے لنگڑا ہو کے بھاگ گیا تو انہوں نے کہا کہ بدقسمت ہے سات پشتوں تک بادشاہت رہے گی اگر سات اور کھا لیتا تو چودہ پشتوں تک ہوتی۔ ''او تھے ای مر جاتا' پشتاں ای نہ ہوندیاں تے گل کیہڑی ہوندی''۔ یعنی یہ آپ نے سنا ہوگا روز' روز ان کی محفلوں میں یہ چیز ہوتی ہے۔ ان کے مقامات کو لوگوں کی نگاہوں میں بلند تر دکھانے کے لیے یہ خیال اتنے پروپیگنڈے سے راسخ کیا گیا کہ جتنا کوئی دنیا سے دور بھاگنے والا ہے اتنا ہی خدا پرست ہو جاتا ہے۔ یعنی روزمرہ کی ہماری گفتگو میں یہ چیز آ گئی غیر شعوری طور پہ' وہ بڑا دنیا دار ہے صاحب' اب بھئی! دنیا کے دھندوں میں جی کھپاتے ہیں صاحب۔ آخری وقت آ گیا ہے باقی سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہم نے کہا کچھ عاقبت کے لیے بھی کر لیں۔ یعنی دو چیزیں اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔ دنیا سے نفرت' دنیا داری قابل نفرت' دنیا قابل نفرت۔ تو سیدھی سی بات ہے کہ جب مقربین کی یہ کیفیت ہو اور عوام سارے کا رخ ان کی طرف کر دیا جائے تو وہ جو جی میں آئے پھر کریں ہر قسم کی من مانی کرتے رہیں۔ ان کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہی آئے گا نا قیامت میں جائیں گے جہنم میں جلیں گے

ٹھیک ہے یہاں تو کوئی نہیں چھینے گا ان سے۔آپ نے غور کیا کتنی بڑی سازش تھی اہل استبداد نے اپنے آپ کو محفوظ و مامون رکھنے کے لیے انہوں نے یہ ایک چیز عالم انسانیت میں پھیلائی۔کب سے پتہ نہیں یہ چیز چلی جسے ثنویت یا Dualism کہا جاتا ہے مادہ اور روح الگ الگ' Matter & Spirit الگ الگ۔مادہ قابل نفرت' اصل مقصدِ حیات روحانیت۔حاصل ہوتی ہے جتنا دنیا سے دور بھاگے اس سے حاصل ہوتی ہے۔یہ دنیا ان کتوں کے لیے چھوڑ دی جائے اور یہ مقربین جو ہیں یہ روحانیت لے کے بیٹھے ہوئے ہیں امن سے محفوظ ہو کر۔یہ ایک خیال راسخ کیا گیا۔یہ کیا چیز تھی؟ اب توجہ سے سنئے گا قرآن کیا کہہ گیا ہے۔یہ جو کچھ کیا ہے یہ سازش کیا تھی۔حلال وطیب کو اپنے لیے حرام قرار دے لینا' یہ ہے نا ساری چیز۔آج کی اصطلاح میں اس کا نام تصوف ہے مغزِ دین۔آج بھی اہل اللہ جو ہیں آج بھی جو روحانیت والے ہیں دیکھئے ان کا مقام کتنا اونچا ہے دنیا والوں کی نسبت۔آج بھی کہا جاتا ہے کہ صاحب! شہنشاہوں کے مقبروں کو کوئی پوچھتا تک نہیں ہے۔ایک فقیر ہے وہاں لیٹا ہوا ہے صاحب! ساری دنیا چلی آ رہی ہے۔یہ جن کو کوئی پوچھتا نہیں ان کے پروپیگنڈے کا اثر ہے کہ انہوں نے رخ ادھر کر دیا ہے ساری دنیا کا۔ہمیں اپنی سی کرنے دو' جہاں سے مرادیں ملیں گی تمہیں ہماری طرف نہ آؤ ہمیں نہ ستاؤ۔ہماری شکایت ان سے کرو' ان کے پتھروں سے کرو' ان کے مقبروں سے کرو۔ یہ ہے عزیزانِ من! جسے تصوف کہا جاتا ہے جسے مغزِ دین کہا جاتا ہے۔آج بھی ہماری یہ کیفیت ہے اور میں سمجھتا ہوں خواہ یہ قرآن سنتے ہوئے قرآن سناتے ہوئے اتنا عرصہ ہوا دلوں میں یہ چیز آ گئی۔ایمانداری سے سوچئے گا سینے پہ ہاتھ رکھ کے آج بھی خالی الذہن ہو کے آپ سوچیں گے تو یہ جو اہل اللہ ہیں ان کا ہی مرتبہ آپ کی نگاہوں میں بلند ہوگا۔جونہی اورنگزیب اور میاں میر کا تقابل ہوگا آپ کے نزدیک حضرت میاں میر کا مرتبہ بلند ہوگا۔باقاعدہ جمعراتیں' عرس' انکے ہاں کے مراقبے' ان کے ہاں کے روزمرہ کے تعویذ' ان کے ہاں کی دعائیں۔مرکز ہے مرجع خلائق بنا دیا گیا ہے ان لوگوں کو مسلسل پروپیگنڈے سے تاکہ دنیا والوں کو دنیا کے مفادات سمیٹنے کے لیے سب کچھ کرنے کے لیے راستے ہموار ہو جائیں۔جتنے ٹکراؤ اور لڑائیاں ہوئی ہیں تاریخ میں' دنیا داروں کی دنیا داروں سے ہوئی ہیں۔یہ جو طبقہ تھا یہ بالکل الگ ہٹ گیا اور ہٹ اس طرح سے گیا کہ عوام میں سے یعنی اس سے زیادہ نہیں تو کم از کم ننانوے فیصد تو وہ ہیں کہ جن کے دلوں کے اندر ان کی عظمت ان کا احترام چھایا ہوا ہے۔بنیاد کیا ہے تصوف کی؟ جو خدا نے حلال قرار دیا ہے اسے اپنے اوپر حرام قرار دینا۔یہ اسلام کے خلاف سازش دوسری صدی میں شروع ہو گئی کچھ تو عیسائی راہب وہ آئے مسلمان ہو کر اور ایران کے آتش کدوں کے لوگ جو تھے مجوسیت جسے آپ کہتے ہیں سیلاب کی طرح یہ امڈے۔جسے اب یہ عراق کا ایک حصہ کہا جاتا ہے نا آج تو ایران سے وہ الگ چیز ہے یہ ایران ہی کا حصہ تھا سب سے پہلی خانقاہیں آپ کے ہاں اس حصے کے اندر بنیں۔تصوف اسلام میں' غور فرمایئے! جو دین آیا ہی دنیا کے معاملات سنوارنے کے لیے تھا اس دین میں یہ خیال کہ دنیا قابل نفرت ہے اس سے دور بھاگ جاؤ۔

جس دین کی کیفیت یہ تھی کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب ایک مجاہد سپاہی سے غیر مسلم عیسائی نے یہ پوچھا تھا کہ دنیا میں کوئی قوم جو اپنا کلمہ لے کے اٹھتی ہے۔کلمہ کے معنی آئیڈیالوجی ہوتے ہیں یاد رکھئے عزیزانِ من! یہ نظریۂ پاکستان جسے آپ کہتے ہیں یہ کلمہ ہے۔تو دنیا میں جو تحریک اٹھتی ہے جو نظام اٹھتا ہے اس کا ایک کلمہ ہوتا ہے اور اس کلمے کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔حقیقت کے معنی ہوتا ہے ٹھوس ثبوت۔تو تمہارا جو کلمہ ہے اس کی حقیقت کیا ہے یہ پوچھا تھا ایک عیسائی نے' ایک سپاہی مسلمان سے۔اس نے کہا تھا کہ یہ چالیس ہزار شہر اور قلعے ہم نے فتح کیے ہیں اگر یہ ہمارے کلمہ کی حقیقت نہیں ہے تو اور کیا پوچھنا چاہتے ہو ہم سے' کوئی اور ثبوت بھی چاہیے اس کلمے کے برسرِ حق ہونے کا۔یہ حقیقت تھی کلمے کی۔اس کے بعد یہ شہر اور قلعے اور قلعے والے جتنے تھے سارے کے سارے جہنم رسید' ساری دنیا ہی متعفن لاش۔دنیا ایک لاش ہے اس کے چاہنے والے کتے ہیں' حدیث بیان کر دی گئی' جو جی میں آیا پھر گھڑا۔میں عرض کر رہا تھا کہ یہ پہلی خانقاہیں آپ کے ہاں کی تصوف کی دوسری صدی کے اندر یہ آئیں۔حضرتِ فضیل ابن ایاز بڑے ممتاز صوفی' وہ جنہوں نے ابتداً ان چیزوں کا آغاز کیا۔دوسری صدی کے آخر میں غالباً ایک سو اسی یا ایک سو ستاسی ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔ان کی ساری تعلیم ان حضرات کی پیش کرنا چاہوں تو پھر وہ درس پر درس ہی اس کے متعلق دیے چلا جاؤں۔جیسا کہ میں نے عرض کیا ہوا ہے برادرانِ عزیز! میری تو آدھی عمر اسی میں گذری ہوئی ہے سارا لٹریچر ان کا میرے سامنے ہے۔حضرت فضیل ابن ایاز کا یہ قول ملاحظہ فرمایئے انہوں نے کہا کہ اگر دنیا اس کی تمام جاذبیتوں کے ساتھ مجھے دیدی جائے میرے سامنے پیش کر دی جائے اور اس پر کسی قسم کے محاسبے کا اندیشہ بھی نہ ہو۔کیا بڑی بات ہے ساری دنیا پیش کر دی جائے تمام جاذبیتوں کے ساتھ اور محاسبے کا اندیشہ بھی نہ ہو کہ اس کا مجھے کسی کو حساب کتاب بھی دینا ہے۔سنئے۔تو بھی میں اسے ایسا ہی ناپاک سمجھونگا جیسے تم مردار کو ناپاک سمجھتے ہو۔دیکھ رہے ہیں آپ! یہاں سے بات چلی۔آپ کہتے ہیں صاحب! ہمارے ہاں ملوکیت آ گئی بادشاہوں نے استبداد کیا شہنشاہیت نے یہ کچھ کیا۔آپ سوچتے نہیں ہیں اس کی لم میں کیا ہے کیا کیسے۔یہ اتنی دنیا کروڑوں کی تعداد میں آپ کے ہاں کی امت یہ سارا کچھ یہ بیٹھی ہوئی دیکھتی کیوں رہی کیا ہو گیا تھا اس امت کو۔یہ بیٹھے ہوئے دیکھ نہیں سکتی تھی۔سو سال تک پہلے یہ تعلیم تھی جو عام کی گئی اسلام کو جڑ بنیاد سے اکھیڑنے کے لیے۔تو جب یہ دنیا جو ہے یہ لاش ہو گئی ناپاک ہو گئی ان لوگوں نے سنبھال لیا جسے آپ ملوکیت والے کہتے ہیں استبداد والے کہتے ہیں ان کے کاروبار میں دخل ہی نہیں دیا پھر کسی نے۔ذرا سی ماتھے پہ تیوری ڈالی ناک بھوں چڑھایا جیسے ہم متعفن لاش کے پاس سے یوں گذر جاتے ہیں یہ دنیا کے پاس سے یوں گذر گئے۔زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس طرف انہوں نے رجوع کیا' خود اس سازش میں حصے لیے وقف جائیدادیں ان کے ناموں پر' ان کا لنگر جاری ہوا۔ان کے ہاں سے تو ٹیکس لیتے تھے نا عوام سے اور اُن کے ہاں جائیدادیں وقف کر دیتے تھے حضرت صاحب کا لنگر ایسا صبح سے شام تک جو آئے کھاتا چلا جائے۔انہوں نے کہا کہ

صاحب دیکھئے نا یہ ہیں نا اللہ والے۔ جاگیریں بخشی ہوئیں ان کے نام پہ۔ یہ اوقاف ڈیپارٹمنٹ سے پوچھئے ایک ایک خانقاہ وہ جو اتنی اتنی مٹی کی ڈھیری ہے اس کے نام پہ کتنی کتنی بڑی جائیدادیں وقف ہیں۔ کس نے جائیدادیں وقف کی تھیں یہ؟ انہوں نے ہی کہ جن کے پاس یہ سارا کچھ تھا وہ جو عوام کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیتے تھے اس میں سے سازش سے یہ جائیدادیں ان کے نام پہ وقف کر دیتے تھے کہ عوام کا رخ ان کی طرف رہے پھر جو جی میں آئے یہ کرتے چلے گئے۔ آج بھی آپ دیکھئے یہ بڑے بڑے آپ کے ہاں کے اولیائے کرام کے عرسوں کے دن آتے ہیں اس پہ آپ کے اخبارات کے خاص نمبر نکلتے ہیں۔ کونسے اخبارات کے؟ جن کے متعلق مشہور یہ ہے کہ یہ لوگ کمیونسٹ ہیں یہ لوگ سوشلسٹ ہیں یعنی خدا تک کے منکر۔

اخبار کو اٹھا کے دیکھئے۔ پچھلے دن ہی حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا عرس پانچ محرم کا جو یہاں ہوتا ہے اس پہ یہ نمبر اٹھا کے دیکھئے۔ حضرت بابا صاحب ریاضت کرنے کے لیے گئے بارہ سال تک لکڑی ایک روٹی رکھی ہوئی تھی (یہ مضمون چھپے ہوئے ہیں آپ کے ہاں) لکڑی ایک روٹی رکھی ہوئی تھی جب بھوک لگتی تھی اس کو منہ مار لیتے تھے۔ بارہ سال کے بعد قطب بن کے آ گئے' والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے' پوچھا کہ بیٹا! کس طرح سے یہ بارہ سال گذارے بھوک لگتی تھی کیا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ لکڑی کی ایک روٹی رکھی ہوئی تھی اس پہ منہ مارتا تھا۔ کہا کہ بیٹا! اب بھی توکل کچا ہے جاؤ یہ روٹی بھی پھینک دو بارہ سال جا کے یہ کچھ کرو۔ اللہ اکبر۔ اس کے بعد پوچھئے نہیں پھر جھومتے ہیں جس طرح سے یہ سارا کچھ۔ اور یہ کچھ کیا اور اس کے بعد مولانا روم کی مثنوی کے چار شعر وہ یوں پڑھ دیے جاتے ہیں جیسے ابھی ابھی اوپر سے وحی نازل ہو رہی ہے۔ اور یہ وحی نازل ہو رہی ہے والی بات جو میں نے کہی ہے یہ مبالغہ نہیں کیا ان کا دعویٰ یہ ہے کہ ان پہ روز وحی نازل ہوتی ہے۔ معاف رکھئے گا بات دوسری طرف نکل جائے گی۔ یہ آپ کے ہاں جتنی چیزیں یہ وحی نازل ہونے کی رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کے ہاں آ رہی ہیں نا جن کے نام اور رکھے گئے ہیں قطب ہیں' غوث ہیں' مجدد ہیں' نبی بنتے ہیں' مسیح موعود کا نام رکھتے ہیں۔ یہ جو خدا کی طرف سے وحی ملنے والی بات ہے یہ ساری اس تصوف کی سازش کا نتیجہ ہے۔ چار شعر مولانا روم کے یوں ان کو تعظیماً لیا جاتا ہے جیسے خدا کی وحی آئی ہوئی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ کس نے سارا بیڑہ غرق کیا۔ معاف رکھئے گا مجھے آج سینے میں میرے درد سوا ہوتا ہے۔ مجھے معلوم ہے عزیزانِ من! مسلمانوں کی تاریخ میں اس تصوف نے کیا کچھ کیا ہوا ہے۔ ساری تباہیاں اس کی لائی ہوئی ہیں۔ جن کے ناموں کے ساتھ آپ اس طرح سے رحمتہ اللہ اور یہ کچھ لا رہے ہیں۔ مجھے اس سے غرض نہیں ہے کہ یہ حضرات جو تھے انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ میں اس Institution کے متعلق بات کہہ رہا ہوں میں افراد کے متعلق گفتگو نہیں کیا کرتا۔ ان کا نام میں لونگا تو میں ان کا نام بھی تعظیم سے لونگا۔ لیکن اس Institution کے متعلق میں بات کر رہا ہوں۔ کتنی بڑی سازش تھی جو آپ کے ساتھ یہ کی گئی ان کے مقام

بلند کرنے کے لیے۔ آپ کے ہاں یہ محی الدین شیخ اکبر جنہیں کہتے ہیں ابن عربی پیدا ہو گئے۔ کوئی شخص جو ہو ذہین جینئس بلا کا اور گردن ہو اس کی ٹیڑھی' نگاہ کا رخ جو ہے وہ دوسری طرف چلا گیا ہوا ہو وہ بڑا خطرناک ہوتا ہے دنیا میں۔ بیچارے کسی بدھو بیوقوف نے کیا کسی دوسرے کو جھل دینا ہے جھل تو یہ جینئس دیتے ہیں۔ عقل بڑی چیز ہے خدا کی رحمت ہے بشرطیکہ یہ خدا کی راہنمائی کے اندر چلے یہ' ورنہ عقل بیباک تو ابلیس ہے۔ یہ اس انداز کے تھے۔ میں عرض کر رہا ہوں برادرانِ عزیز! یہ سارا لٹریچر نہایت عقیدت مندانہ طور پہ پڑھا ہوا ہے سیکھا ہوا ہے ایمان کے ساتھ ان کو پڑھا ہوا ہے۔ بہہ جاتا ہے ان کے دلائل کے ساتھ آدمی' اتنے زور کا وہ طوفان آتا ہے بڑے بڑوں کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں۔ جینئس تھا۔ اس کے بعد آپ دیکھیں گے یہ جتنے آپ کے ہاں مدعی ہوئے ہیں نا خدا کے ہاں سے علم پانے کے سب نے مستعار اور ادھار لی ہوئی ہے اصطلاحات تک ابن عربی سے۔ اس کے لٹریچر میں آپ دیکھئے اس شخص نے یہ ساری چیزیں کہیں۔ کہیں حلول کرتا ہے' کہیں بروزی آتے ہیں' کہیں ظلی چلے آتے ہیں' کہیں کہیں وہ محدث کی حیثیت سے چلے آ رہے ہیں' براہِ راست خدا کے ہاں سے علم پاتے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ وہ سارا طوفان برپا کیا ہوا ہے۔ اور اس کے ساتھ دنیا جو ہے ناپاک ہے' کاٹھ کی لکڑی ہے۔ یعنی ان کے ہاں کی تو اپنی الگ بات رہی غالباً دو سال ہوئے ایک اسی قسم کا واقعہ چلا آ رہا تھا مولانا غلام رسول کا حالانکہ وہ کوئی بڑے صوفی نہیں نظر آتے۔ کہ وہ گھر سے چلے جایا کرتے تھے چھ چھ مہینے تک باہر رہا کرتے تھے اور گھر کا کوئی انتظام نہیں کیا کرتے تھے۔ بیوی بچے موجود ہیں آپ چلے گئے' گھر کا کوئی انتظام نہیں۔ ایک دفعہ آئے اور آ کے دیکھا کہ بیوی بچے سارے خوشحال ہیں زندہ بھی ہیں تندرست بھی ہیں حیرت تو ہوئی ہوگی۔ بیوی سے پوچھا کہ کیا بات ہے کیسے گذارہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ آپ تو چلے جاتے ہیں کوئی انتظام کر کے نہیں جاتے ایک بھینس جو تھی چھوٹی سی کٹی وہ بڑی ہو گئی تھی وہ میں نے پالی اس کی پرورش کی تو ہم اس کا دودھ بیچتے تھے اس سے گذارہ کرتے تھے۔ اس کے بعد تھا کہ اس کے بعد پھر جب وہ جانے لگے اسی طرح اپنے سفر پہ تو اس بھینس کو ذبح کر دیا کہ خدا کے توکل میں راستے میں ابھی یہ ابلیسیت کھڑی ہے۔ اور اس کے بعد صاحب ان کے نام کے اوپر جو درود وصلوٰۃ بنتے ہیں۔ افراد کا نام نہیں لیتا میں نے عرض کیا ہے Institution ہے۔ تصور جب یہ ہے کہ دنیا اور دنیا کی ہر متاع جو ہے یہ قابل نفرت ہے روحانیت کا فروغ اس سے ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ انہیں اس طرف لگا دیا اور استبداد کی لگامیں بے باک چھوڑ دیں کہ جو جی میں آئے کرتے رہیں یہ۔ یہ ہے سازش جو آپ کے ہاں ہوئی۔ اہل شریعت جو ہیں ان میں Inferiority Complex پیدا ہوا۔ یعنی یہ تو یہی جو آپ کے ہاں کے احکام شریعت ہیں یہی دے رہے تھے نا۔ ان سے نہ کوئی کرامتیں سرزد ہوتی تھیں نہ روحانیت کے یہ مدعی تھے۔ تو انہوں نے دیکھا کہ دنیا اُدھر جا رہی ہے پتہ لیا کیوں جا رہی ہے۔ انہوں نے کہا انہوں نے یہ دنیا کی زینت کی چیزیں آسائش اور رہائش اور زیبائش یہ ساری کی ساری جتنی یہ کہتے ہیں قابل نفرت ہیں یہ حرام ہیں۔ اُنہوں نے بھی اپنے ہاں

اس قسم کی حدیثیں وضع کیں: دنیا ایک جیل خانہ ہے مومن اس سے دور بھاگتا ہے' دنیا ایک لاش ہے اس کے چاہنے والے کتے ہیں۔ جو جی میں آئے؟؟ کرتے پھریئے۔ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن کریم میں چار ہی چیزوں کو حرام قرار دیا تھا نا۔ ان لوگوں نے اپنے ہاں پھر فہرستیں بنانی شروع کیں یہ بھی حرام یہ بھی حرام۔ یہ پتہ ہے یہ کیا چیز ہوئی کیوں اتنی لمبی چوڑی فہرستیں بنیں؟ یہ ریس لگی تھی ان کے ساتھ۔ انہوں نے سمجھا کہ وہ جو لوگ مرجع انعام بن رہے ہیں نا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں' انہوں نے بھی شروع کر دیا۔ معلوم نہیں کہ اس کے ساتھ وہ اور ایک دعویٰ کرتے ہیں جو تمہارے پاس ہے نہیں۔ اِن کا یہ دعویٰ نہیں تھا کہ ہم خدا سے براہِ راست علم حاصل کر کے آ جاتے ہیں۔ لیکن بہرحال وجہ اس کی کوئی بھی ہو آپ کے ہاں بھی فہرستیں بننی شروع ہو گئیں۔ اس کے اندر بھی لم یہی ہے آپ دیکھئے گا۔ آپ کو معلوم ہے کہ اب متقی کا ترجمہ کیا ہوتا ہے؟ پرہیزگار۔ وہی اجتناب' کن چیزوں سے؟ حرام چیزوں سے پرہیز کرنے والا۔ وہ تو ہر مسلمان کرے گا۔ یہ متقی جو ہے آپ کو معلوم ہے نا کہا جاتا ہے فلاں بڑا متقی پرہیزگار ہے ان چیزوں سے پرہیز کرنے والا۔ یا اللہ۔ پہلے تو ستیاناس تھا سوا ستیاناس۔ یعنی انہوں نے یہ کچھ کیا کہ ان تمام چیزوں کو قابل نفرت قرار دے کے ان سے پرہیز کا نام روحانیت رکھا۔ لوگوں نے شریعت کے اندر پناہ ڈھونڈنی چاہی شریعت میں بھی ان چیزوں کے پرہیز کا نام تقویٰ رکھا' متقی وہ جو ان چیزوں سے پرہیز کرے ترجمہ ہی پرہیزگار ہو گیا۔ غور فرمایا آپ نے عزیزانِ من! کیا ہوا آپ کے ساتھ۔ متقی اور پرہیزگار یہ ہو گئے۔ انہوں نے بھی یہ کم نہ کیا۔ یہ جو چیزیں تھیں زینت کی چیزیں یعنی عام ضروریات کی چیزیں انہوں نے حرام قرار دیدیں روٹی نہیں کھانی کاٹھ کی لکڑی پہ منہ مارنا ہے تو زینت کی چیزوں کو کون حلال قرار دے گا۔ ہر زینت کی چیز حرام' ہر وہ شے جس میں ذرا سی خوبصورتی کوئی حسن کا پہلو ہو وہ حرام ہے۔ یہ جتنی چیزیں یہاں حرام بتاتے ہیں ریشم حرام' سونا حرام' یہ آسائش وزیبائش کے برتن حرام۔ قرآنِ کریم اٹھا کے دیکھئے وہ جنت میں جتنی نعمتیں بتاتا ہے ساری یہ بتاتا ہے حریر واطلس کے پردے بتاتا ہے لباس تو ایک طرف رہا۔ سونے کا زیور تو ایک طرف رہا زیور کا تو الگ اس میں ہے کہ اعلیٰ درجے کے موتیوں کے زیور' سونے چاندی کے برتن بتاتا ہے وہ' اعلیٰ درجے کے صوفے اور قالین بتاتا ہے وہ۔ بلندترین زندگی جو مومن کی جس کو اس نے مثالی طور پہ پیش کیا ہے وہ جنت کی زندگی ہے نا۔ وہ اس جنت کی زندگی میں یہ چیزیں بالتصریح بیان کرتا ہے۔ یہاں ان میں سے وہ اربابِ روحانیت کو چھوڑ دیجیے ان کے ہاں تو جیسا میں نے عرض کیا ہے کہ روٹی تک بھی جو ہے انہوں نے حرام قرار دی آرائش وزیبائش کہاں رہی۔ اربابِ شریعت نے بھی ان چیزوں کو حرام قرار دیا ہوا ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جو ہر صبح یہ تلاوت کرتے ہیں کہ **قل من حرم زينة الله التى اخرج لعباده و طيبٰت من الرزق** اے رسول ان سے پوچھو کون ہے وہ زینت کی جن چیزوں کو خدا نے حلال قرار دیا ہے اس کو حرام قرار دے' کون ہے وہ۔ یہ چھاتی پہ ہاتھ رکھ کے کہتے ہیں ہم ہیں ''کرلے کی کرنا ایں توں''۔ عزیزانِ من! سوچئے تو سہی کہاں

پہنچ گئے ہم۔ جن کے ہاں یہ موجود ہو قل من حرم زینة اللہ ارے اٹھو'' کون ہے ایہو جیا مائی دالال'' کہے کون ہے جسے خدا نے حلال قرار دیا ہے اسے حرام قرار دے۔ زینة اللہ و طیبٰت من الرزق دونوں چیزیں ہیں۔ سامانِ زیست میں سے کھانے پینے میں سے جن چیزوں کو خدا نے حلال وطیب قرار دیا ہے انہیں حرام قرار دینے والا' زینت کی چیزوں کو جنہیں خدا نے حلال قرار دیا ہے انہیں حرام قرار دینے والا۔ پوچھو ان سے کون ہے وہ۔ تصریح کر دی اس نے۔ (قل هی للذین اٰمنوا فی الحیٰوة الدنیا) ان سے کہو کہ ایمان والے وہ ہیں اس دنیا کی زندگی میں بھی ان کے لیے یہ چیز ہے اور خالصتاًیوم القیٰمة اُس زندگی میں تو انہی کے لیے ہیں کفار کے لیے نہیں ہیں۔ یہاں تو ان کو بھی مل سکتی ہیں۔ یعنی پہلی یہ دنیاوی زندگی کہہ دی کیونکہ انہوں نے تو یہ کہنا تھا کہ صاحب! ٹھیک ہے بالکل حلال ہیں وہ جنت میں جا کے حلال ہونگی یہاں تو نہیں۔ یہاں اس نے کہدیا ایمان والوں کے لیے اس دنیا کی زندگی میں بھی یہ۔ لیکن اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ دوسرے جو ہیں وہ نہیں لے سکتے' طبعی چیزیں ہیں جس کا جی چاہے خرید لے۔ لیکن اخروی زندگی کے اندر انہی کے لیے خصوصیت۔ اندازہ لگایئے یہ چیزیں۔ اور یہ سب چیزیں آپ کے ہاں حرام قرار دی جاتی ہیں۔ یہ پروپیگنڈہ کیجیے یہ سبق پڑھایئے اور اس کے بعد پھر اربابِ استبداد آرام کی نیند سوئیں۔ جیسا میں نے عرض کیا ہے ان خانقاہوں کے ساتھ اوقاف کی زمینیں لگایئے جاگیریں لگایئے ان کے ہاں روز یئے مقرر کر یے ننگے پاؤں ان کے حضور جایئے یہ سب اس لیے ہوتا تھا کہ لوگوں کے دلوں میں ان کی عظمت ہو۔ ان کے ہاں جایئے ان کے آستانوں پہ جایئے ان کی قبروں پہ جایئے۔ تو سیدھی سی بات ہے کہ جہاں بادشاہ جو ہے وقت کا شہنشاہ ننگے پاؤں جا رہا ہے عوام تو سر کے بل جائیں گے وہاں۔ کیا سیکھنے کے لیے؟ دنیا حرام ہے۔ عزیزانِ من! نسخے سامنے ہیں تو پھر نکالیے اب سمجھئے اس آیت میں قرآن کہہ کیا گیا ہے کیا ضرورت پیش آئی اس کو یہ کہنے کی۔ انسانیت کا گلا گھونٹ کے رکھ دیا ہوا تھا اس تصور نے جسے تصوف اب کہا جاتا ہے۔ دین چیلنج تھا ان چیزوں کی طرف۔ دین نے اتنا ہی نہیں کیا کہ یہ کہا کہ یہ چار چیزیں حرام ہیں ان سے اجتناب برتو۔ اس نے اس کی جڑ کاٹنی تھی کہ جو اس کے خلاف سازش ہونی تھی۔ (یایها الذین اٰمنوا لا تحرموا طیبٰت ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا) (5:87)

یہ حدود شکنی ہے۔ یعنی حدود شکنی ہم سمجھتے ہیں حرام چیز کو کھانے کا نام ہے۔ وہ کہتا ہے حلال چیز کو اپنے لیے حرام قرار دینا یہ حدود شکنی ہے۔ افوہ۔ میں نے عرض کیا تھا کہ قرآن نے حلال کے ساتھ طیب ہمیشہ کہا ہے یعنی ان میں سے جو حلال قرار دی ہوئی ہیں جو خوشگوار چیزیں ہیں انہیں کھاؤ پیؤ ٹھیک ہے۔ یعنی ضروری نہیں کہ ہر شے ہر شخص کھائے بعض چیزیں طبعاً ناگوار گذرتی ہیں پسند نہیں ہوتیں کسی کو' وہ نہیں کھاتے۔ نہ یہ فریضہ ہی ہے کہ ہر چیز جو دنیا میں اللہ نے پیدا کی ہے بجز ان چار چیزوں کے فرض ہے ہر مومن پہ کہ کچھ نہ کچھ اس میں سے کھائے خواہ وہ ٹمبکٹو جانا پڑے وہاں کا بھیڑ کھانے کے لیے۔ یعنی یہ معنی نہیں ہیں۔ وہ ذہنیت ہے انہیں حرام قرار نہ دو یہ طیب ہیں یہ حلال ہیں خوشگوار ہیں ان سے استفادہ کیا جائے گا تمتع

کیا جائے گا ان سے۔اور جہاں ذرا شائبہ ہوا اس چیز کا کہ ذاتی طور پہ ہی سہی رسول ﷺ کی زندگی کا ہر عمل تو ایک اسوہ بن جاتا ہے نا امت کے لیے۔ کوئی شے تھی جسے نبی اکرم ﷺ نے یہ چیز کہدی کہ میں نہیں اسے کھاتا۔عام مومن کے لیے یہ اجازت ہے حلال کو جو طیب سمجھے وہ کھائے آپ ﷺ نے ایسا کیا ہوگا۔لیکن چونکہ خطرہ تھا اس سے کہ یہ تصوف والی بات کہیں نہ آجائے کہ حلال چیزیں جو ہیں ان کو بھی حرام قرار دیا جاتا ہے تو پھر یہ روحانیت بلند ہوتی ہے۔رسول سے بلند روحانیت کس کی ہوسکتی ہے۔چونکہ اس کا خطرہ تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ کی اس Description کے اوپر بھی پابندی کی۔(یٰایھا النبی لما تحرم ما احل اللہ لک) (66:1) اے رسول! جس چیز کو خدا نے حلال قرار دیا ہے تم نے کیوں اپنے لے اس کو حرام قرار دیدیا ہے۔دیکھا آپ نے کہ وہیں سے ابتداً ہی جڑ کاٹ دی تصوف کی۔حالانکہ میں نے عرض کیا ہے یہ کوئی فریضہ نہیں ہے کہ ہر حلال چیز کھائی جائے بالضرور۔اس کی بھی اجازت قرآن نے دی ہے کہ طیب چیزیں ہیں ان کو کھایا جائے۔کہیں حالات ایسے ہوتے ہیں جن میں ہم ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق بھی طیب چیزوں کو چھوڑتے ہیں۔ہفتے میں دو دفعہ تو گوشت یہ حلال بکرے کا بھی ہم چھوڑ رہے ہیں معاشرتی ضرورت کے تابع۔لیکن نبی ﷺ کا یہ فعل آنے والوں کے لیے ایک بہت بڑی غلط فہمی پیدا کرنے کا موجب ہوسکتا تھا۔اور قرآن نے بتایا کہ ہوا اس سے پیشتر۔حضرتِ یعقوبؑ نے اپنی کسی وجہ سے اونٹ کا گوشت کھانا چھوڑ دیا' بنی اسرائیل نے اونٹ کو حرام قراردیدیا تھا۔یہ چیز تھی قرآن کے سامنے۔ اس نے کہا کہ ایک عام آدمی کی بات اور ہوتی ہے نبی کا عمل یا اس کا فیصلہ جو ہے بڑے دوررس نتائج کا حامل ہوتا ہے۔قرآن کو یہ کہنا پڑا (لما تحرم ما احل اللہ لک) تو نے کیوں حرام قرار دیا۔کوئی ایک شے تھی۔اور اس کے بعد اس رسول کے امتی' امتی نہیں پہنچے ہوئے سب سے بڑے مقامات کے حامل مقربینِ بارگاہِ الٰہی وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر ساری دنیا اس تمام جاذبیتوں کے باوجود مجھے دیدی جائے اور مجھے محاسبے کا بھی کوئی ڈر نہ ہو تو میں اسے ایسا ہی ناپاک سمجھوں گا جیسے تم مردار کو ناپاک سمجھتے ہو۔اور یہ سب سے برگزیدہ ہیں رسول اللہ ﷺ کی امت میں سے' فرد نہیں یہ Institution یہ ذہنیت' یہ مسلک یہ مشرب۔شعوری اور غیر شعوری طور پر ہر مسلمان کے دل میں یہ چیز ہے کہ یہ زیب وزینت کی چیزیں جتنی بھی ہیں یہ دنیاداروں کی ہیں۔جھینپتا ہے آدمی یہ کہتا ہوا کہ میں صاحب! دنیا کے دھندوں میں اب جی کھپا رہا ہوں' کیا کیا جائے گذارہ نہیں ہوتا۔یعنی کچھ ندامت سے' معروضی طور پہ Apologatic ہے۔یعنی جو نہیں ہے ہم میں اربابِ تصوف ان کی بھی یہ کیفیت ہے۔اتنا گہرا اثر ہے کہ یہ ہمارے ہاں جنہیں آپ وہابی کہتے ہیں یہ ایک موومنٹ تھی تصوف کے خلاف۔ان کے خلاف یہ موومنٹ اور یہ ساری آرائش وزیبائش کی چیزوں کو سب سے پہلے وہ حرام قرار دیتے ہیں۔بات سمجھے ہی نہیں کہ اس موومنٹ کی لم کیا ہے تہ میں اس کے کیا ہے۔تہ میں اس کے یہ ہے۔پوچھا جانا تھا نا کہ صاحب! قرآن یہ کہتا ہے کہ اس کے خلاف تم ان چیزوں کو حرام کیوں قرار دیتے ہو۔بہت بڑا سوال تھا جو کیا جاتا تھا۔اُنہوں نے کہا کہ قرآن

کے معنی ہم خدا سے براہِ راست پوچھ کے آتے ہیں۔ وہ جو میں نے عرض کیا تھا کہ وہ ابن عربی نے ایک تصور دیا وہ اس لیے دیا تھا اس شخص نے کہ قرآن سے تو سند مل نہیں سکتی کہاں سے سند آئے گی۔ کہتا ہے ہم براہِ راست پوچھ کے آتے ہیں خدا سے۔ اسے علم لدنی یا علمِ باطنی کہا جاتا ہے۔ وہ جو میں نے عرض کیا تھا کہ جتنے مدعی اس کے بعد آپ کو ملیں گے خواہ انہوں نے اپنے نام کچھ بھی اصطلاحی رکھے ہوں سارے خوشہ چیں ہیں ابن عربی کے۔ اس نے یہ تصور آپ کے ہاں دیا کہ سند اس کی یہ ہے کہ ہم براہِ راست پوچھ کے آتے ہیں رات کو وہاں سے۔ یہ مغزِ قرآن ہے جو ہمارے پاس ہے خدا سے براہِ راست لاتے ہیں۔ غور فرمالیا آپ نے! یوں سند مل گئی اس چیز کی۔ قرآن نے رسول ﷺ کے ایک فعل پہ یہ بات کہی تھی کیوں حرام قرار دیتے ہو۔ عزیزانِ من! یہ بڑی ہی اہم چیز ہے جسے میں عرض کر رہا ہوں۔ میں نے عرض کیا ہے نا کہ میرے اگر فرصت ہوتی پتہ نہیں کتنے درس اس کے اوپر میں آپ کو دیتا۔ یہ بنیادی پرابلم ہے۔ جس قرآن نے آ کے آدم سے یہ کہا تھا صرف آدمی سے (**سخر لکم ما فی السمٰوٰت و ما فی الارض جمیعًا منہ**) **ما فی الارض** ہی نہیں زمین میں ہی نہیں آسمانی کروں کے اندر بھی جو کچھ ہے تمہارے لیے ہم نے تابع تسخیر کر دیا ہے۔ اس تعلیم دینے والے قرآن کی حامل امت وہ یہ کہے کہ یہ سب چیزیں حرام ہیں ہمارے لیے۔ اس کے بعد آپ سوچتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ہو کیا رہا ہے ساری دنیا کی جوتیاں کیوں کھا رہے ہیں ہم۔ ٹھیک ہے۔ ہم میں سے جو بھی کچھ بیچارہ کاروبار کرتا ہے کوئی ملازمت کرتا ہے بال بچوں کا پیٹ پالتا ہے وہ دنیادار کہلاتا ہے کچھ قابل نفرت سا۔ آج بھی احترام اور تعظیم ان لوگوں کا ہی ہے کہ جو اس کو چھوڑ کے توکل علی اللہ پہ بیٹھے ہوئے ہیں صاحب' استغنٰی پہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ دنیا اور اس کے اندر جو کچھ ہے ان کے نزدیک ناپاک' متعفن لاش کی طرح ناپاک۔ ان سے پوچھئے کہ حضور یہ جو سانس آپ لے رہے ہیں یہ اس دنیا کا ہے یا عالمِ بالا سے براہِ راست نلکیاں لگی ہوئی ہیں آپ کے نتھنوں میں۔ ''دیندے او نا آکسیجن بوتل اچوں پوچھوایناں نوں'' یہ ہوا جو لی جارہی ہے یہ کرۂ ارض کی ہے اسی ناپاک متعفن لاش کی ہے یا اوپر سے آرہی ہے۔ وہ تو کہہ دیں گے یہ تو انفاس جسے کہتے ہیں' آپ کے ہاں معلوم ہے ایک چلہ کشی دم کشی بھی ہوتی ہے سانس روک لیتے ہیں۔ ریاضت ہے ایک' سادھوؤں کے ہاں بہت زیادہ ہوتی ہے ہم نے ان سے سیکھی تھی سانس روک لیتے ہیں۔ پتہ ہے کا ہے کے لیے روک لیتے ہیں۔ اپنی لکھی یا کہی ہوئی نہیں کہہ رہا۔ یہاں آپ کے ہاں میں نے عرض کیا نا اخباروں میں یہ شائع ہوتے ہیں مضامین ان کے متعلق۔ وہ لکھا تھا کہ حضرت صاحب نے پاس انفاس سیکھا ہوا تھا وہ چالیس دن میں ایک سانس لیا کرتے تھے۔ ''اواک وی کیوں لیندے سی''۔ بہر حال ایک سانس لیا کرتے تھے۔ پوچھا گیا کہ حضرت صاحب! اور باتیں تو ہماری سمجھ میں آ گئیں یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ ؟؟؟؟؟ سانس کی رو سے مقرر کی' تو ہمارے جتنے سانس اس نے مقرر کیے نا ہم چالیس دن میں ایک سانس لیتے ہیں ''کرلے کی کرنا اے پیاں' اوساہ تو اوہنے ای نیں جنے تو مقرر کرتے ہوئے نیں' تو ڈاڈھا ہیگا ایں قادر مطلق بندۂ بشرایھدی کی جاہ

اے اوہدے اندر دخل دے سکے او تے اسی نئیں گھٹا ودھا سکدے‘‘

؎ تجھ پہ قابو نہیں دل پہ تو ہے قابو اپنا

’’اسی چالیاں دناں اچ اک ساہ لیندے آں گندا رہو بیٹھا‘ او Mathimatic والے کوئی فرشتے لونے پئے ہونے نیں کوئی‘‘۔اندازہ لگایئے عزیزانِ من! دین کے ساتھ مذاق ہو رہا ہے خدا کے ساتھ ہنسی ہو رہی ہے۔اور انہیں آپ ان کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ اور پتہ نہیں کیا کیا کچھ لگاتے ہیں آپ۔بڑے فخر سے چوکھٹوں میں آپ کے ہاں یہ دیا جاتا ہے زہر پلایا جاتا ہے آپ کو‘ بار بار پلایا جاتا ہے آپ کو یہ زہر‘ آج بھی پلایا جاتا ہے۔سانس تک حرام قرار دینا۔خدا نے رسول ﷺ سے کہا تھا کسی ایک شے کے متعلق کہ (لما تحرم ما احل الله لک) جسے خدا نے حلال قرار دیا ہے کیوں اسے حرام قرار دیتے ہو اپنے اوپر۔(من حرم زينة الله التى) پوچھو ان سے کون ہے کسے جرآت ہے یہ ہمارے مقابلے میں کہ جسے ہم حلال قرار دیں اسے وہ حرام قرار دیں پوچھو ان سے کون ہے وہ۔یہ سارے مقربین جتنے بھی ہیں سب ان کے نزدیک سب حرام قرار دیتے ہیں۔اربابِ شریعت نے فہرستیں بنائی ہوئی ہیں حرام اور حلال کی۔عزیزانِ من! آپ نے غور فرمایا جو میں نے کہا تھا کہ یہ آیۂ جلیلہ ایک بہت بڑی عظیم حقیقت کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔کسی مذہب نے یہ بات نہیں کہی ہوگی کہ مذہب تو ہوتا ہی تصوف ہے۔دین یہ بات آ کے کہے گا۔خصوصیت ہے قرآن کی تعلیم کی یہ بات کہ جو کہیں نہیں ملے گی وہاں ملے گی اور نظر آئے گا کہ کیوں کہی گئی۔

قرآن جتنے بھی انسانیت کش تصورات اور مسالک اور مشارب چلے آ رہے تھے ایک ایک کی جڑ کاٹنے کے لیے آیا ہوا تھا۔ان کی بھی جنہیں سطح بیں نگاہیں پہچان بھی نہیں سکتی تھیں کہ یہ بھی کوئی چیز دین کے خلاف ہے۔میں نے کہا ہے نا کہ پرہیزگار تو آپ کے ہاں ترجمہ ہو گیا ہوا ہے متقی کا۔اہل اللہ جتنے بھی ہیں ان کے متعلق یہی ہے کہ ساری دنیا انہوں نے چھوڑ دی ہوئی ہے صاحب۔(ولا تعتدوا (5:87) کہاں کہا ہے ولا تعتدوا حدود شکنی‘ تجاوز حدود شکنی بھی نہیں۔یہ تجاوز اندازہ لگایئے کہاں کہا ہے۔(ان اللہ لا یحب المعتدین) (5:87) یہاں کہا لا تحرموا اور اس کے بعد اگلی چیز جو ہے پھر Definite مثبت یہ کہی (وکلوا مما رزقکم الله حلٰلا طيبًا) (5:88) اللہ تعالیٰ نے جو حلال قرار دیا ہے وہ خوشگوار ہے طیب ہے ضرور اس کو استعمال میں لاؤ کھاؤ پیؤ اس کو۔یہ اس تصور کو کاٹنے کے لیے ہے وہ مسلک جو چلا آ رہا تھا انسانیت کش اتنی بڑی جو سازش چلی آ رہی تھی انسانیت کے خلاف مستبد قوتوں کی بنائی ہوئی اس کے خلاف یہ چیز کلوا مما رزقکم الله حلٰلا طيبًا۔اور اس کے بعد آپ کو پتہ ہے کیا ہے‘ وہ تقویٰ جس کے معنی پرہیزگار ہیں۔یہاں تو ہے نا جو حلال وطیب ہے ضرور کھاؤ اس کو‘ پرہیز اس سے نہیں‘ آگے ہے (واتقوا الله) (5:88) یہ ہے تقویٰ۔جی! کیجیے ترجمے اس کے پرہیزگار۔واتقوا الله یہاں آیا ہے۔یہ ہے ذاتِ علیم‘ انسان کے دلوں

میں گذرنے والے خیالات سے واقف ذات کی طرف سے وحی اس خدا کی طرف جسے پتہ تھا کہ انہوں نے تقویٰ کا ترجمہ کیا کر لینا ہے۔(واتقوا اللہ الذی انتم بہٖ مؤمنون) (5:88) جس خدا پر ایمان لا رہے ہو اس خدا کے قوانین کی نگہداشت کرو۔ اور قانون یہ ہے کہ جو حرام قرار دیا ہے اس سے اجتناب اور باقی جتنا کچھ ہے اس سے اگر تصور بھی آ گیا اجتناب کا تو یہ یاد رکھو قانون شکنی ہے خدا کے مقابلے میں دوسرے کو خدا بنا لینا ہے۔ دیکھا! ایمان کے ساتھ یہ کیا کہا (الذی انتم بہ مؤمنون) دعویٰ کرتے ہو خدا پہ ایمان رکھنے کا اور ان چیزوں کو ناپاک' سڑی ہوئی متعفن لاش' اجتناب کے قابل اندازہ لگائیے عزیزانِ من! خدا کے متعلق کیا تصور پیدا ہوگا۔ اس دنیا میں انسان کو بھیجے' جس حکومت کی یہ کیفیت ہو کہ کہیں سے Slumps دور نہ کرے جس کارپوریشن کی یہ حالت ہو کہ سڑکوں کی صفائی نہ کرے غلاظت کے ڈھیر جمع رہیں روز ان کے خلاف ہم Protest کرتے ہیں احتجاجات بلند کرتے ہیں کہ صاحب دیکھئے! غلاظت چاروں طرف پھینکی ہوئی۔ معاف رکھئے جس خدا کی کیفیت یہ ہو انسان کو اس دنیا میں وہ بھیج دے اور ساری دنیا جتنی بھی ہے متعفن لاش ہو' ناپاک ہو' غلاظت ہو اور اس نے بھیجا ہوا ہو اس خدا کے متعلق آپ کیا کہیں گے صاحب۔ (انتم بہ مؤمنون) (5:88) اس خدا پہ ایمان تم رکھتے ہو جس کے شایانِ شان نہیں اس قسم کی کیفیت پیدا کرنا کہ یہ کہنا کہ ساری دنیا متعفن لاش ہے' سڑی ہوئی ہے' ناپاک ہے' غلاظت ہے دور رہنا چاہیے اس سے۔ دنیا کے متعلق تم کیا کہو گے خدا کے متعلق سوچو کیا کہہ رہے ہو کہ اس کی پیدا کی ہوئی چیزیں یہ جو احسن الخالقین اپنے آپ کو کہہ رہا ہے۔ اب یہ چیز آ گئی وہ جو ہم یہ کہا کرتے ہیں صاحب! میں یہ چیز نہیں کھاؤنگا۔' کہا کرتے ہیں' والی بات نہیں ہے اور آگے چلئے۔ آپ کو معلوم ہے ہم آپ جو نہ ماننے والے ہیں اس تصوف کے وہ بھی کیسے شریک ہوتے ہیں تصوف میں۔ یہاں تو معلوم نہیں شہروں میں اور اب تو؟؟؟ عام ہو گئی ہے عام طور پہ گاؤں میں اب بھی جہالت میں بہت سے پیر فقیر دم کرتے ہیں مثلاً یہ جوری کی درد ہوتی ہے اس کے لیے خاص طور پہ ایک لوہے کے چمٹے سے دم کیا جاتا ہے اور بھی اس قسم کے امراض ہیں جن کا اس زمانے میں ابھی علاج عام نہیں ہوا تھا تو بہرحال وہ دم کرتے تھے۔ یہ جو تلی بڑھ جاتی ہے" پنجابی اس پلھ کیندے نیں اونوں" وہ تلی بڑھی ہوئی کاٹنے کے لیے تو آپ میں سے بہتوں کو معلوم ہوگا کہ وہ یہاں رکھ کے ایک چیز اس کو کاٹ دیتے ہیں تو کہتے ہیں تلی خشک ہو جاتی ہے۔ اسے ابھی چھوڑیئے کہ وہ ہوتا کیا ہے وہ تو اب مجھے معلوم ہے نا کہ ہوتا کیا ہے جو کرتا رہا۔ یہ چیزیں کرنے کے لیے آپ کو معلوم ہے ایک شرط ہوتی ہے کہ ہاں صاحب! آپ کی میں وہ تلی کاٹ دونگا بتاؤ ایک چیز آپ کو چھوڑنی پڑے گی۔ روزمرہ کی جو چیزیں آپ کھاتے پیتے ہیں نا ان میں سے ایک چیز ساری عمر کے لیے اپنے اوپر حرام قرار دینی پڑے گی آپ کو یہ شرط ہوتی ہے۔ وہ بیمار بیچارہ درد کا مارا وہ تو مانتا ہے کہ ہاں صاحب! میں چھوڑتا ہوں۔ پھر اسے سوچنا پڑتا ہے کہ میں کیا چیز چھوڑوں۔ تو وہ ایک چیز چھڑاتے ہیں اس سے' حلال چیز کو کہتے ہیں کہو حرام آئندہ کے لیے میرے لیے۔ دیکھا آپ نے کہ اس چیز میں وہ کس طرح

سے لاتے ہیں لوگوں کو۔ اور پھر وہ اتنا ڈرتا ہے اس چیز سے کہ ساری عمر چھوتا نہیں ہے کہ صاحب میں نے یہ کیا اور مجھے وہ درد شروع ہو جائے گا۔ یہاں تک گرفت ہے ان کے جال کی۔ اب اس قسم کی چیزیں جو ہیں یہ کر بیٹھے کہ ہاں صاحب میں فلاں چیز نہیں کھاؤں گا کسی کے کہنے سے۔ خود ہی انسان بعض اوقات بیہودہ بکتے ہوئے یہ کہتا ہے "میں سؤر کھاواں جے اے کھاواں تے" بک دیا۔ قرآن نے یہ حکم دیا کہ ذہنیت بالکل خلافِ قرآن ہے قطعاً نہیں ہونی چاہیے۔ اب وہ لوگ سامنے آئے کہ جنہوں نے اس قسم کی یونہی لغویت سی بات کر دی ہوئی تھی لغو بات کر دی ہوئی تھی کہ یہ چیز نہیں کھاؤں گا۔ کہا (**لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم**) (5:89) اس قسم کی لغو اور بیہودہ باتیں جو ہیں یہ کوئی قسم ہی نہیں ہے یہ کوئی عہد و پیمان ہی نہیں ہے قطعاً اس کا خیال نہ کرو۔ اس کا عزیزانِ من! صرف نفسیاتی اثر ہوتا ہے اور کچھ نہیں ہوتا۔ نفسیاتی اثر تو پیدا کیا ہوا تھا اپنا یا وہ کسی گدڑی والے کا۔ تو جب **انتم بہ مؤمنون** جب کہا کہ اب تم تو خدا پہ ایمان لائے ہو خدا تمہیں یہ کہتا ہے کہ لغو ہے وہ بات جو تم کر گئے ہو کچھ اثر نہیں اس کا ہوگا چھوڑ و اس کو' جاؤ کھاؤ پیؤ جو کچھ وہ تھا۔ دیکھا! کتنا بڑا بوجھ اٹھا دیا۔ (**لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم**) (5:89) یونہی لغو طور پہ قسم کھالی کسی چیز کے نہ کھانے کی۔ کوئی بات نہیں ہے۔ پھر یہ چیز کہ میں نے تو قسم کھائی ہے وہ کہتا ہے یہ قسم ہی نہیں ہوتی بیہودہ بات ہے۔ اب یہ نہ سمجھ لیجیے کہ قرآن اس کی اجازت دیتا ہے کہ یونہی لغو قسمیں کھاتے رہا کرو ابھی قسم کھائی ابھی وہ توڑ دی پھر وہ قسم کھائی پھر وہ توڑ دی۔ مومن کے متعلق وہ کہتا ہے نا (**و باللغو ھم معرضون**) مومن لغو سے پرہیز کرتا ہے کوئی بیہودہ بات بھی نہیں کرتا۔ اس لیے اس قسم کی چیزیں جو ہیں ان سے تو رکنا مومن کا شعار ہے۔ یہاں کہا یہ ہے کہ جو لوگ جہالت کی وجہ سے ایسی باتیں کر چکے ہیں یوں کہہ چکے ہیں کہ میں یہ نہیں کھاؤں گا قسم کھالی ہے اب وہ ڈرتے ہیں کہ میں نے قسم توڑی تو اس کا کیا بنے گا۔ قسم توڑنے سے بہت ڈرتے تھے۔ اب تو خیر چھوڑ دیجیے اب تو قرآن بھی اٹھانے سے نہیں کوئی ڈرتا۔ تو اس کے لیے کہا کہ نہیں! کوئی اپنے اوپر یہ Complex جو Psychological ہے وہ نہ اپنے ذہن میں پیدا کرو کچھ نہیں ہوتا اس سے' ہم اجازت دیتے ہیں ان چیزوں کو۔ (**ولکن یؤاخذکم بما عقدتم الایمان**) (5:89) قسم تو وہ قسم ہوتی ہے جس میں دل کا ارادہ شامل ہو۔ وہ پہلے بھی آ چکا ہے 2:236 میں **بما کسبت قلوبکم** اس نے یہ کہا ہے۔ بات اور طرف نکل جائے گی بڑی اہم بات ہے کہ قابل گرفت وہی عمل یا فعل ہوتا ہے جس میں ارادہ شامل ہو کسی کا۔ اس لیے کہا کہ وہ قسمیں جن میں تمہارا ارادہ بھی شامل تھا وہ قابل گرفت ہوتی ہیں۔ لیکن جہالت میں اس قِسم کی قَسم بھی کھائی جا سکتی ہے کہ میں نے تو صاحب سوچ سمجھ کے دل کے ارادے سے یہ قسم کھائی تھی۔

کہا اگر اس قسم کی قَسم کھائی ہے (**فکفارتہ اطعام عشرۃ مسٰکین**) (5:89) اس کا کفارہ ادا کر دو۔ (**اطعام عشرۃ مسٰکین من اوسط ما تطعمون اھلیکم**) (5:89) دس مسکینوں کا کھانا۔ یہ اس دور کی باتیں ہیں جب مسکین ابھی ہوتے تھے' ابتداء تھی اس نظام کی۔

قرآن کے نظام میں تو کوئی بھی محتاج مسکین اور بھوکا ننگا رہ ہی نہیں سکتا۔ تو یہ کردو (او کسوتھم) (5:89) کپڑے بنادوان کو (او تحریر رقبۃ) (5:89) ابھی غلام موجود ہیں تمہارے معاشرے میں تم غلام آزاد کردو۔ یعنی یہ چیز جو تھی وہ جو Psychological Complex یا Inhidition پیدا ہوتی تھی نا یہ اس کے لیے کفارہ ہے۔ اس کو ڈھانپ دینا کہتے ہیں کفر کے معنی یہ ہوتا ہے۔ تو یہ کرو تم۔ (فمن لم یجد فصیام ثلٰثۃ ایام ذٰلک کفارۃ ایمانکم اذا حلفتم) (5:89) یہ کفارہ ہو جائے گا تمہاری اس قسم کی قَسم کا جو تم نے یونہی بیہودہ سی بات اگرچہ سوچ سمجھ کے تم کہتے ہو ہم نے کی ہے صاحب! میں نے تو دل کے ارادے سے یہ کچھ تھا۔ لیکن بات تو لغو تھی بیہودہ تھی یونہی یہ چیز تھی فلاں چیز میں نہیں کھاؤنگا۔ سوال یہ ہے کہ جسے خدا نے حلال قرار دیا ہے تم اس کے اوپر ابدی طور پہ حرام نہیں قرار دے سکتے۔ چھوڑو! یہ قسم تمہاری جو ہے دل کے ارادے بھی کھائی تھی تو یہ کفارہ اس کا دیدو۔ اب رہیں وہ قسمیں یا عہدو پیمان۔ قسم تو سوال ہی نہیں ہے عہدو پیمان کہ جو فی الواقعہ جائز چیزوں کے لیے معاہدے کے طور پہ کیا جائے۔ اب یہاں تک تو یہ چیز تھی نا کہ وہ قسم کھائی ہے یہ کفارہ دیدیجیے معاملہ ختم ہو گیا۔ لیکن جو عہدو پیمان دوسروں سے کہا ہے (واحفظوا ایمانکم) (5:89) ان کی حفاظت بڑی ضروری ہے۔ کیا بات ہے اس قرآن کی عزیزانِ من! ایک آیت میں کتنی کیٹگریز کو Cover کرتا چلا جاتا ہے۔ یونہی بیہودہ لغو بات کردی' اس نے کہا کوئی بات نہیں ہے ایسا نہ آئندہ کرنا۔ کہا جی میں نے تو سمجھ سوچ کے یہ کیا تھا' کہا کفارہ ادا کردو۔ اب اس سے راستہ کھل گیا۔ کسی کے ساتھ عہدو پیمان بھی کیا قسم بھی اٹھائی اور اس کے بعد اسے توڑا کفارہ ادا کردیا۔ اب یہ چیز یونہی نظری یا Theroatical نہیں میں بیان کر رہا۔ یادداشت پہ زور ڈالیے پچھلے انتخابات کا سامنے لائیے۔ آپ کو معلوم ہے بعض لوگوں نے آپ کے ہاں کے یہ جو اجارہ دار ہیں اسلام کے ان سے پوچھا کہ جی! ہم سے دوسرے فریق نے ووٹ لینے کے لیے قسمیں ہم نے اٹھائیں قرآن اٹھایا اور ہم نے ان سے عہد کیا کہ ہم تمہیں ووٹ دیں گے۔ آپ کو یاد ہوگا انہوں نے اپنے ہاں یہ اخبار میں شائع کیا کہ فتویٰ یہ ہے قرآن کا کہ قسم کے لیے دس مسکینوں کو کھانا کھلا دیا جائے تو قسم قسم ہی نہیں رہتی اس لیے تم دس مسکینوں کو کھانا کھلاؤ تمہارے پاس نہیں ہے" ساڈیاں دیگاں پکیاں ہویاں نیں روز چڑھدیاں پیاں نیں"۔ یہ فتویٰ آپ کے ہاں جاری ہوا تھا اخبار کے اندر۔ پھر آپ پوچھتے ہیں آپ ذلیل کیوں ہیں۔ سمجھ لیا۔ قرآن کہتا ہے یہ لوگ مذاق کرتے ہیں خدا سے اور خدا کے احکامات سے۔ یہ مذاق نہیں تو اور کیا ہے۔ ان کے ووٹ حاصل کرنے کے لیے یہ کہا تھا شریعت حقہ کا یہ فتویٰ ہے اسی شریعت حقہ کا جس کا ایک فتویٰ پہلے شائع ہوا تھا کہ زندگی کی اہم مصلحتوں کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہی نہیں واجب ہو جاتا ہے۔ فتویٰ یہ شائع ہوا تھا کہ اس قسم کے جو تم عہدو پیمان کر آئے ہو کوئی بات ہی نہیں! کفارہ دیدو۔ کسی نے ان سے اس قسم کا پیمان کیا ہوتا اور وہاں کفارہ دیتا پھر دیکھتے کیا فتویٰ آتا وہاں سے۔ تو قرآن نے ساری کیٹگریز Cover کر لیں۔ (واحفظوا ایمانکم) (5:89) جائز عہدو پیمان جن چیزوں

میں تم نے کیا ہوا ہے وہ یہ نہیں ہے کہ لغو سمجھا تو یونہی توڑ دیا زیادہ سے زیادہ دس مسکینوں کو کھانا کھلا دیا چل بری الذمہ۔ ان کی حفاظت کرو۔ (**کذٰلک یبین اللہ لکم اٰیٰتہ لعلکم تشکرون**) (5:89) اس طرح سے خدا اپنے احکام کو واضح کرتا ہے تمہارے لیے تاکہ تمہاری محنتیں بھرپور نتائج پیدا کریں۔ پہلی چیز تو یہ ہوئی اُدھر کی۔ تصوف کا گلا کاٹ کے رکھ دیا اور اس کی بنیادوں پہ اٹھی ہوئی ساری عمارتیں جو خدا سے براہِ راست تعلق پیدا کرنے کی اور وہاں سے علم حاصل کرنے کی عمارتیں تھیں بنیاد سے اکھیڑ کے رکھ دیں۔ ختمِ نبوتﷺ کے بعد کوئی تصور اس قسم کا نہیں مل رہا۔ تصوف ہی ختم کر دیا اس نے تو۔ اب یہ دوسری طرف والے لوگ آ گئے' دنیاداروں میں سے بھی۔ اُدھر تو یہ تھا کہ جو حلال قرار دی ہیں ان کو حرام قرار نہ دیا جائے۔ اب یہ جو ناجائز قرار دی ہیں ان کو بھی جائز قرار کہیں نہ دے لو۔ (**یٰایھا الذین اٰمنوا انما الخمر و المیسر و الانصاب و الازلام رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون**) (5:90) آ دَاب۔ حرام چیزیں تو وہ قرار دی دی تھیں اس نے چار۔ کہا یہ چیزیں اس قسم کی ہیں خرابیاں پیدا کرتی ہیں تباہیاں پیدا کرتی ہیں ان سے اجتناب کرو ان سے بچو۔ کیا چیزیں' پہلے بھی یہ آ چکیں: خمر' میسر' انصاب' ازلام۔ اس زمانے کی یہ مروجہ اصطلاحات ہیں۔ خمر: بنیادی معنی کے اعتبار سے ہر وہ شے جو انسانی عقل کو ڈھانپ دے۔ یہ خمار ان کے ہاں یہ سر پہ جو دوپٹہ لیا جاتا ہے یا چادر لی جاتی ہے یا اوڑھنی لی جاتی ہے جو سر کے ڈھانپنے کے کام آتا ہے اسے ان کے ہاں خمار کہتے تھے ڈھانپنے والا۔ دوپٹے کا منصب یہ ہے۔ آج کل کا دوپٹہ تو سر کو ڈھانپنے کے لیے نہیں ہوتا نا جی' دوپٹہ تو ہے ابھی' سر کو نہیں ڈھانپتا وہ۔ ورنہ بنیادی معنی کے اعتبار سے وہ خمار ان کو کہتے تھے جو سر کو ڈھانپنے والا ہوتا تھا۔ تو خمر کے بنیادی معنی تو یہ ہیں ہر وہ شے جو عقل کو ماؤف کر دے۔ نشہ کسی قسم کا ہو۔ قرآن متعین نہیں کرتا ہے ان چیزوں کو' اصول دیدیتا ہے' اسلامی حکومت خود متعین کرے گی اس چیز کو۔ آج جو چیز ہے کہ صاحب شراب حرام ہے' شراب کی Definition کہیں دینی چاہیے نا۔ عربی روٹ کے اعتبار سے تو ہر پینے والی چیز کو شراب کہیں گے شربت وہیں سے تو ہے مشروبات جسے آپ کہتے ہیں وہی تو ہے۔ تو اس کو متعین کرنا ہوگا۔ جب یہ چیز Law بنے گی قانون بنے گی تو اسے متعین کیا جائے گا کہ یہ شے جو ہے اسے شراب کہا جاتا ہے۔ تو آپ کے ہاں یہ بحثیں چلی ہوئی ہیں نا کہ صاحب وہ Beer جو ہے وہ شراب میں نہیں آتی۔ کیونکہ دین نہیں ہے اسلامی مملکت نہیں ہے اس لیے ہر شخص اپنی اپنی Definition لیے ہوئے ہے۔ پہلے بھی آپ کے ساتھ ہوتا رہا اس زمانے میں اپنی اپنی Definition نہیں تھی Definition دینے والے رکھے ہوتے تھے انہوں نے پینے والوں نے کہ جی شراب حرام ہے نبیل حرام نہیں ہے۔ یعنی بوتل پہ لیبل دوسرا چپکا دیا۔ میں نے عرض کیا ہے کہ یہ چیزیں انفرادی ہیں نہیں' میرے آپ کے طے کرنے کے بھی نہیں ہیں' کسی قاضی مفتی کے طے کرنے کی بھی نہیں ہیں۔ قانون کی شے ہے قانون نافذ کرنے والی جو Institution جو آپ کے ہاں ہے حکومت اس کی یہ ہے۔ اپنی حکومت کے بغیر تو اسلام ہی نہیں ہوسکتا۔ وہاں تو ہر ایک اپنی اپنی

Definition ہے نا۔میسر: عام اصطلاح میں صرف جوا۔ بنیادی معنی کے اعتبار سے یسر کے معنی بایاں ہوتا ہے۔ یہ تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے' ہر وہ کمائی جو یوں آ جائے۔ پھر آسانی اس کے معنی ہو گئے' بائیں ہاتھ کا کھیل جسے کہتے ہیں یسر ہوتا ہے نا آسانی کے معنی میں آتا ہے' یسار بائیں ہاتھ کے معنوں میں آتا ہے یمین کے مقابلے میں۔ وہ تو کہتا ہے کہ **لیس للانسان الا ما سعی** انسان جائز طور پر صرف اس کا حق دار ہے جس کے لیے وہ محنت کرے گا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ جب میں نے کہا ہے تو بائیں ہاتھ سے یہ کچھ کرنا پڑا ہے۔ محنت کرے گا۔ اور یہ جتنی کمائی آپ کی ایسی آتی ہے جس میں خود محنت نہیں کرتا وہ یسر ہے وہ میسر ہے۔ لیکن اس اصطلاح کے معنی بھی اسلامی حکومت متعین کرے گی میں نہیں کرونگا۔ میں نے تو صرف لغت کے اعتبار سے یہ کہا ہے نا۔ اور یہ چیز قرآن کی دوسرے مقامات سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ ایسی کمائی کہ جو دوسرے کی محنت ہو اور کوئی دوسرا اس کو لے جائے قرآن کی رو سے قطعاً حلال نہیں ہے۔ بہر حال میں نے عرض کیا ہے کہ اس کے لیے قوانین آپ کی اسلامی حکومت بنائے گی۔ میسر: عام معنی اس کے جوا ہوتے ہیں یہ پانسے پھینکتے ہیں یہ جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ عام Definition کا ہی فرق ہے نا آپ کے ہاں' جیسے وہاں آپ کے ہاں وائن اور بیئر کا فرق ہے اسی طرح سے آپ کے ہاں جوے اور برج کا فرق ہے۔ وہ جو جوا کھیلنے والے ہیں نا''او جتی مو ہدی مار کے کوڈیاں سٹن والے او ہناں نوں تے روز جوتیاں پیندیاں'' اعلیٰ درجے کے ہوٹلوں میں میز پہ صوفوں پہ بیٹھے ہوئے پتوں سے کہتے ہیں کہ وہی ہوتا ہے وہاں یہ نہیں کچھ ہوتا۔ اسلامی حکومت کو بتانا پڑے گا میسر۔ انصاب: پہلی چیز قرعہ ڈالنا۔ قرعہ بازی سے کوئی چیز تقسیم کرنا۔ ازلام: فالیں لینا' استخارے کرنا۔ کبھی آپ نے غور کیا کہ یہ چار چیزیں جو قرآن نے کہی ہیں ان میں قدرِ مشترک کیا ہے جس کی وجہ سے ان کو ناجائز قرار دیا جا رہا ہے۔ کیٹگریز تو بڑی الگ الگ ہیں خمر کچھ پینے کی چیز ہے میسرہ کمائی کا طریقہ ہے انصاب وازلام تقسیم کا یا یہ چیزوں کے فیصلے کرنے کا طریقہ ہے چاروں کو اکٹھا قرار دیا۔ یہ چاروں کو ایک جگہ کیوں لایا ہے قرآن' کیا چیز ہے اس میں۔ بڑی غور طلب چیز ہے خود ہی بتادی اس نے۔(رجس) (5:90) آہاہاہا۔ ہمارے والوں نے دیا جھل' ترجمہ کیا ناپاک۔ سیدھی بات ہے ناپاک ہیں جی۔ بات کیا کہی ہے قرآن نے قرآن سے پوچھو لغت سے پوچھو۔ ان چاروں چیزوں میں قدرِ مشترک یہ ہے۔ قرآن زور دیتا ہے وحی کی راہنمائی اور عقل وفکر سے کام لو اس کے بعد' بڑا زور دیتا ہے عقل وفکر سے کام لینے کے لیے۔ ان چار چیزوں کے اندر عزیزانِ من! عقل اور فکر کو ماؤف کیا جاتا ہے۔ خمر: کوئی چیز جو نشہ آور ہے عقل کو ماؤف کرتی ہے۔ پانسے پھینک کے جو جوا آپ کھیلتے ہیں عقل کی زور کے اوپر وہاں نہیں آپ کچھ کر رہے ہوتے بائی چانس گیم آف چانس آپ کہتے ہیں اس کو' ترجمہ اسکا گیم آف چانس۔ چانس کے معنی ہوتا ہے جہاں آپ کے فکر کو تدبر کو تدبیر کو اس کو کوئی دخل نہ ہو بس ایسے ہی ہو گیا' وہ مارا بادشاہ' یعنی اس کی کاریگری نہیں ہے''پے گیا''۔ گیم آف چانس عقل کو دخل نہیں۔ یہ قرعہ' عقل کی رو سے تو آپ فیصلہ نہیں کرتے کہ کس کو یہ دینا چاہیے کس کو نہیں دینا

چاہیے' بائی چانس۔ فال میں کونسی عقل ہوتی ہے صاحب۔ یہ جو فال ہے یعنی انتہائی بے عقلی چیز ہے۔ یہ سکھ چلے گئے سکھیت چھوڑ گئے یہاں۔ ان کے ہاں جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو نام رکھنا ان کے لیے وہ بڑا مقدس ہونا چاہیے وہ کیسے رکھتے ہیں۔؟؟ نے تو یہ طریقہ اختیار کرنا ہی تھا عقل وفکر تو تھی نہیں۔ وہ جاتے ہیں گردوارے' وہ جو گیانی ہوتا ہے اس سے کہتے ہیں کہ صاحب! وہ کھولیے آپ گروگرنتھ سنگھ۔ گرنتھ کو وہ جو بھی ان کا طریقہ ہے پڑھ پڑھا کے کچھ وہ یوں کھولتا ہے' دائیں ہاتھ کے صفحہ پہ پہلی سطر کا پہلا حرف جو ہوتا ہے اس سے نام رکھنا پڑتا ہے۔ وہ گھگھا اگر آ گیا ہے''اودھدھا اوہنوں کیندے نیں' دھدھا آ گیا اے تے او فیر دھرتی دھکیل سنگھ ناں رکھ لیندے نیں اوہدا' اے فیر بدلیا نئیں جاسکدا کیوں کہ گرواں دا رکھیا ہویا اے''۔ آپ کو معلوم ہے کہ حافظ تو شاعر کا نام ہے لیکن ان کا نام ہی دیوان حافظ پڑ گیا ہے۔ جس طرح حالی کے پوتے کا تعارف کرایا تھا انہوں نے کہ آپ سے ملئے یہ مسدس حالی کے پوتے ہیں۔ دیوان حافظ کو لوں۔ وہ اس سے جا کے فالیں لیتے ہیں تسبیح پہ فالیں' یہ ایک ایک دانہ یا دو دو دانے وہ ؟؟ ہیں آخر میں ایک رہ جائے تو کرلو ایک نہ رہے تو نہ کرو۔ میں کہہ یہ رہا تھا کہ یہ چیزیں جو چار گنائی ہیں ان میں قدر مشترک کیا ہے؟ صرف ایک قدر مشترک ہے کہ ان میں عقل وفکر سے کام نہیں لیا جاتا۔ ہر وہ کام جس میں عقل وفکر سے کام نہ لیا جائے ماؤف کیا جائے قرآن کی رو سے **رجس من عمل الشیطٰن** ہے۔ اور آپ کو پتہ ہے رجس کے معنی کیا ہیں؟ رجس کے معنی ہوتے ہیں معاملے کا گندلا ہوجانا''پانی اچ چکڑ دامل جانا'' التباس پیدا ہوجانا معاملے کا صاف نہ رہنا۔ کہا اس سے معاملہ صاف نہیں ہوسکتا' **رجس** اور یہ کام کس کا ہے؟ **من عمل الشیطٰن** ۔شیطان کیا چیز ہے؟ جذبات' صرف جذباتی چیز اسمیں ہوتی ہے۔ آپ دیکھیں گے عقل وفکر کے آدمی یہ کچھ نہیں کرتے پھرتے۔ جتنے لوگ Santimental ہوتے ہیں وہ یہ چیزیں کرتے ہیں۔ آپ دیکھ لیجیے گا فالیں لینے والے قرعے نکلوانے والے ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے بے حد جذباتی ہوتے ہیں مریض ہوتے ہیں مینٹل کیسز ہوتے ہیں **رجس من عمل الشیطٰن** ۔(**فاجتنبوہ**) (5:90) عقل وفکر ماؤف کر کے دنیا کے معاملات کے فیصلے لینے' تم تو مومن ہو یہ تو آدم کا بھی کام نہیں ہے یہ تو شیطان کا کام ہے اجتناب کرو اس سے۔ وہ حرام ہیں ان کے متعلق اجتناب کرو' کاہے کے لیے (**لعلکم تفلحون**) (5:90) تاکہ تم اپنے مقاصد میں کامیاب ہوجاؤ۔ مقاصد میں کامیابی' خدا کی راہنمائی میں عقلِ انسانی سے کام لینے سے حاصل ہوتی ہے عزیزانِ من!۔ نہ کسی کے ہاں سے فال لینے سے ہوتی ہے' نہ استخارے نکالنے سے ہوتی ہے' نہ میسرہ سے ہوتی ہے نہ خمر سے ہوتی ہے۔ جو یہ کچھ نہیں بھی کرتے ان کی بھی کیفیت یہ ہے کہ معاملہ کوئی آ کے پڑتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ صاحب! فلاں حضرت صاحب سے جا کے پوچھ لیجیے۔ حضرت صاحب وہ ہوتے ہیں کہ صرف عقیدت مندوں کے گروہ نے ان کو بچایا ہوا ہوتا ہے ورنہ ان کا مقام مینٹل ہاسپٹل ہوتا ہے۔ جسے آپ مجذوب کہتے ہیں آپ کو معلوم ہے وہ راوی روڈ پہ بیٹھے ہوئے۔ یعنی خود وہ عقل وفکر سے ماؤف بالکل' مجذوب

کہتے ہیں اس کو دیوانہ۔ وہاں جا کے ان سے سٹے کا نمبر پوچھتے ہیں۔ یہ عقل وفکر سے کام لے کے نہیں یہ کرتے کہ مجھے کس چیز پہ سٹہ لانا چاہیئے' یہ تو پہلے ماؤف ہوا' جذباتی۔ وہاں ان کی کیفیت یہ کہ وہاں سرے سے ہے ہی نہیں عقل وفکر تو عقل وفکر سے وہ جواب کیا دیں گے۔ اور اگر وہ مجذوب نہیں بھی تو یاد رکھئے! کامیاب تریں پیر وہ ہوتا ہے''جیہڑا ابڑی آں ای واہیات گلاں کرے''۔ وہ عقل وفکر کی بات کرے تو سوچ سکتا ہے نا آدمی کہ صاحب! عقل کی رو سے بات انہوں نے غلط کہی ہے۔ وہ جب اس قسم کی باتیں کرتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ عالم بالا کی باتیں ہیں بھائی! اس کے معنی بڑے گہرے ہیں آپ لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ وہ نمبر اس انداز سے بتاتے ہیں آپ کو کہ اس میں عقل وفکر کی بات نہ آئے۔ جذباتی چیزیں ساری آپ کے ہاں کی۔ قرآن کہتا ہے(**لعلکم تفلحون**) بات کی ہے انہوں نے **تفلحون** کا لفظ تا کہ تمہاری کھیتی برومند ہو۔ ذرا سوچئے عزیزانِ من! یہ جو کھیتی اگائی جاتی ہے جب آپ کچھ بوتے ہیں اور کھیتی تک پہنچتے ہیں اس میں آپ کہیں بھی پانسوں سے قرعوں سے فال سے کوئی کام لیتے ہیں کہ صبح اٹھ کے آپ گرنتھ صاحب کھول کے بیٹھ جائیں کہ جی آج پانی دینا چاہیے یا نہیں دینا چاہیے۔ اور گرنتھ صاحب روز کہہ دیں کہ نہیں دینا چاہیے چوتھے دن کھیتی سوکھ جائے گی۔ آپ جانتے ہیں یہ زمیندار کسی کے پاس نہیں جاتا ان معاملوں کے لیے کہیں فالیں نہیں لیتا' کہیں قرعے نہیں ڈلواتا۔ اس کو معلوم ہے قاعدے کی رو سے کیسا بیج ہونا چاہیئے' کیسی زمین ہونی چاہیئے' کب پانی دینا چاہیئے' کب اس میں نال کرنی چاہیئے' گوڈائی کرنی چاہیئے' کب حفاظت کرنی چاہیے۔ سارا طریقہ اس کو معلوم ہے عقل وفکر کی رو سے۔ یہ کچھ کرو گے کھیتی پروان چڑھ جائے گی۔ اور اگر یہاں بھی تم نے اسی قسم کے کام کرنے شروع کر دیے کہ روز صبح اٹھ کے جا کے حضرت صاحب کے وہاں مزار سے جا کے پوچھا کہ یہ کرنا چاہیے یا نہیں کرنا چاہیے اور اس نے کہا کہ نہیں آج بھی نہیں پانی دینا چاہیئے' اس نے کہا یہ کر کے دیکھو پھر دیکھئے تو سہی کہ یہ فصل آپ کی کتنے کتنے بڑے خوشے دیتی ہے؟۔ **لعلکم تفلحون** ایک لفظ میں بات کہہ دی کہ سوچو تو سہی یہ جو تم کھیتی کا کاروبار کرتے ہو اس میں کبھی یہ چیز ہوتی ہے تمہارے ہاں کہ جو کچھ وہاں کرنا ہے تم نے کھیتی میں' وہاں فالیں لو اور قرعے ڈالو اور اس کے مطابق جو کچھ وہاں کہے وہ کچھ تم کرو۔ تم یہ کچھ وہاں کرنے لگو تو کھیتی نہیں اگ سکتی۔ عزیزانِ من! قرآن اس طرح سمجھ میں آتا ہے۔ ایک لفظ آخر میں وہ کہہ گیا خمر اور میسر اور انصاب اور ازلام کاٹ کے رکھ دیا۔ کیا کھیتیاں میسرہ سے اگ سکتی ہیں کہ محنت آپ نہ اس کے اوپر کریں اور آپ کی کھیتی اگ آئے۔ کھیتیاں قرعے اور فالوں سے اگ سکتی ہیں؟۔ **لعلکم تفلحون** ۔ وہ تو جذبات کی چیز ہے انسان کا تو یہ کچھ کرنے والے جو ہیں ان کی بھی کسی وقت عقل یا خالص جذبہ اوپر آ جائے وہ نہیں اس کو مانتا۔ عزیزانِ من! جس قوم میں تصوف نہیں ہوتا وہ ان کے قابو نہیں آتا جہالت ان کے ہاں ہوتی ہے۔ خالص عربوں کے ہاں تصوف نہیں تھا جہالت تھی وہ بھی بتوں کے پاس جاتے تھے فیصلہ لینے کے لیے۔ امراء القیس بھی گیا تھا فیصلہ لینے کے لیۓ' اسکے باپ کو کسی نے قتل کر دیا تھا۔ فیصلہ لینے کے لیے گیا تھا کہ میں

اس کا بدلا لوں یا نہ لوں۔ یہ جو ہے نا ازلام' یہ تیروں کا مٹھہ ہوتا تھا اس میں سے ایک تیر چلایا جاتا تھا اس تیر کے اوپر نہ اور ہاں لکھا ہوتا تھا۔ اگر وہ تیر جو چلایا جا کے دیکھا اگر اس کے پھل اوپر کی طرف ہاں لکھا ہے تو کر لو نہ لکھا ہے تو نہ کرو۔ اور وہ تین دفعہ یہ کیا جاتا تھا۔ یعنی میں آپ کو بتاؤں گا یہ تین پانچ سات نو جو آپ کے ہاں ہیں یہ کہاں سے آئے۔ خاص طور پہ وہ جنازے کے وقت تو آپ دیکھا کرتے ہیں نامردے کو اجازت ہی نہیں ہوتی کہ اندر جائے قبر کے جب تک وہ پانچ نہ ہو جائیں۔ خیر۔ وہ تین دفعہ پھینکا کرتے تھے تیر سے وہ دیکھا کرتے تھے وہ وہاں وہ ہوتا تھا وہ تیر پھینکنے والا کاہن۔ تیر پھینکا اس پہ لکھا ہوا تھا 'نہ' پھر پھینکئے جی' یہ شہزادہ تھا بہت بڑا شاعر تھا' پھر پھینکا اور اس پہ لکھا ہوا تھا 'نہ'۔ اس کے بعد پھر پھینکا تو لکھا ہوا تھا 'نہ'۔ ترکش کا مٹھہ نکالا اور اس بت کے منہ پہ زور سے دے کے کہنے لگا الو کے پٹھے! تیرا باپ مرجاتا پھر میں دیکھتا کیسے نہ کرتا ہے۔ عزیزانِ من! یہ بات ہنسنے کی نہیں ہے بہت بڑی چیز ہے کریکٹر ہے ان کے ہاں کا۔ جہالت تھی صرف' عقلیں ماؤف نہیں ہوئی ہوئی تھیں بالکل۔ کہ جب اس نے دیکھا کہ فیصلہ یہ ہے میرا اور ہونا یہ چاہیے کہ مجھے بدلا لینا ہے' اس کے خلاف اس کے بت کا فیصلہ اور ازلام سے بھی فیصلہ ہے تو اسکے منہ پہ مارتا ہے۔ پیر پرست کبھی یہ نہیں کرتا اس کی جرآتیں ساری ماؤف ہو چکی ہوئی ہوتی ہیں۔ وہ تو گھر میں اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا بھی اگر حضرت صاحب کے کسی فیصلے کے خلاف دل کی گہرائیوں میں بھی یہ چیز آتی ہے تو کانپ اٹھتا ہے روتا ہوا جاتا ہے وہاں' بخش دیجیے حضور! مجھ سے گستاخی ہو گئی۔ تصوف یہ کراتا ہے۔ وہ قوم اس لیے چند سالوں کے عرصے میں اس لیے وہ چھا گئی تھی ایران اور روم اور ان تمام علاقوں کے اوپر کہ ان میں تصوف بھرا ہوا تھا' عربوں کے ہاں تصوف نہیں تھا جہالت تھی عہد جاہلیہ اسی لیے کہا جاتا ہے۔ قرآن کی روشنی آئی انسانیت کی صف پہ کھڑے ہو گئے دنیا کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ اس کے بعد سازش آپ کے ہاں ہوئی یہ جس کا نام تصوف ہے۔ عالمِ بالا سے Mail آپ کے شروع ہوئے وہاں سے سندیں لینی شروع کیں دنیا کی ہر چیز حرام قرار دی گئی آپ کے اوپر۔ یہ چھایا ہوا ہے آپ کے اوپر عزیزانِ من! ۔ وقت ہو گیا۔ سورۃ ماۤئدۃ کی آیت 90 تک ہم آپہنچے۔ اسی سلسلے میں اگلی آیت بھی ہے بہر حال پھر ہم لیں گے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المآئدۃ۔ پندرھواں باب (آیات 91 تا 102)

عزیزانِ من!

آج جون 1971ء کی 20 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ المآئدۃ کی آیت 91 سے ہو رہا ہے (5:91)۔

یہ آیت سابقہ آیت کے تسلسل میں ہے اس لیے اتنا دہرا دینا ضروری ہے کہ اس آیت میں کہا یہ گیا تھا کہ خمر' میسر' انصاب و ازلام رجس ہیں شیطان کے اعمال میں سے' ان سے بچنا ضروری ہے تاکہ تمہارے اعمال کی کھیتیاں پروان چڑھیں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اگرچہ ان الفاظ کا ترجمہ تو مخصوص الفاظ میں کیا جاتا ہے خمر اس کے لیے شراب ترجمہ کیا' میسر جوا' انصاب و ازلام فال لینا بتوں کے آستانوں کے اوپر ذبح کرنا۔ لیکن یہ بڑے جامع الفاظ ہیں اور جن کا تعین قانونی اعتبار سے بھی کیا جائے گا اور وہ اسلامی مملکت کرے گی کہ اس کا مفہوم کیا ہے خمر کہتے کسے ہیں۔ جب آپ قانوناً اسے ناجائز قرار دیں گے تو ظاہر ہے کہ قانون کی رو سے آپ کو Define کرنا پڑے گا Definition دینی پڑے گی ان چیزوں کی کہ یہ ہوتی کیا ہے۔ اور اگر آپ اصولی طور پہ لیں گے تو پھر جامع اصطلاحات ہیں اصولاً جن مفہوم کی طرف یہ لے جاتی ہیں ان کے تابع جو جو چیز آئے گی وہ اسی کیٹگری کے اندر آ جائے گی۔ خمر میں نے عرض کیا تھا ہر وہ چیز جو انسانی عقل کو ڈھانپ دے فکر اور شعور کی قوتوں کو ماؤف کر دے وہ خمر کہلائے گی نشہ اس میں سب سے پہلے آئے گا۔ اور میں نے یہ عرض کیا تھا کہ یہ چاروں چیزیں نشہ آور ہوں یا کوئی چیز جو دماغ کو ماؤف کر دے میسر جسے گیم آف چانس کہتے ہیں انصاب و ازلام بھی قرعہ اندازیاں اور فال لینے' تو میں نے کہا تھا کہ ان چیزوں میں بظاہر یہ چیزیں تو بڑی مختلف نظر آتی ہیں ان کو ایک ہی جگہ بریکٹ کر دیا ایک ہی جگہ اکٹھا لے آیا ہے وہ۔ تو وہ اس لیے کہ ان میں ایک چیز قدرِ مشترک ہے اور وہ چیز یہ ہے کہ ان میں انسانی عقل و فکر کی رو سے بات نہیں کی جاتی عقل کا سوئچ آف کیا جاتا ہے اور محض جذباتی طریق پہ یا بائی چانس ایک چیز دی جاتی ہے۔ قرآن نے عقل کو بڑی اہمیت دی ہے دین نام ہی اس کا ہے کہ خدا کی طرف سے دیے ہوئے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں عقل انسانی سے کام لینا اسے دین کہا جاتا ہے۔ ان دونوں میں سے اگر ایک کیٹگری بھی ماؤف ہو جائے یا نہ رہے تو وہ دین نہیں بن سکتا۔ جیسا کہ میں عام طور پہ مثال سمجھایا کرتا ہوں سورج کی روشنی اور انسان کی آنکھ یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں دیکھنے کے لیے۔ روشنی نہ ہو تو انسان کی آنکھ تنہا کچھ کام نہیں دے سکتی اور روشنی کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو اگر انسان کی آنکھ بند ہو تو پھر بھی کام نہیں چل سکتا۔ تو عقل انسانی انسان کی آنکھ ہے وحی کی راہنمائی سورج کی روشنی ہے دونوں کا بیک وقت موجود ہونا پھر راستہ نظر آتا ہے۔ تو کوئی شے جو انسان کی عقل و فکر کی صلاحیتوں کو ماؤف کر دے اس کے بعد دین کا راستہ سامنے نہیں آ سکتا۔ اسی لیے

قرآن نے عقل کو بڑی ہی فضیلت دی ہے اور بہت زور دیا ہے اس کے اوپر۔ یہ موضوع تو کئی دفعہ سامنے آ چکا ہے Categorically کس طرح قرآن نے کہا ہے کہ جہنم میں جانے والوں کو داروغۂ جہنم کھڑا کر کے پوچھے گا کہ بھئی بتاؤ تو سہی تم جہنم میں کیوں آ گئے تم نے کیا کیا تھا جس کی بناء پہ جہنم میں آ گئے۔ وہ تفصیل تو بڑی طول طویل اس کی ہوگی کہ کیا کیا جرائم کیے تھے۔ وہاں وہ ایک لفظ کہتے ہیں جس میں ساری بات آتی ہے اور وہ یہ چیز تھی کہ اگر ہم وحی کی دعوت دینے والے کی بات کو سنتے (لو کنا نسمع) اور اس کے بعد اگر ہم عقل وفکر سے کام لیتے تو کبھی جہنم میں نہ آتے۔ وحی کی بات سنانے والے کی بات کو سنتے تو عقل وفکر سے کام لیتے ہم کبھی جہنم میں نہ آتے۔ اتنی اہمیت حاصل ہے عقل وفکر انسانی کو۔ تو کوئی شے جو انسانی عقل کو ماؤف کرتی ہے وہ دین کے خلاف جاتی ہے۔ ان چاروں چیزوں میں جہاں بھی آپ دیکھیں گے کوئی بات بھی عقل وفکر کی رو سے طے نہ کی جائے خواہ وہ نشے کی حالت میں ہو جہاں فکر بالکل ماؤف ہو جاتی ہے اور خواہ وہ یہ چانسز جسے آپ کہتے ہیں جوئے کی شکل میں ہو فال لینے کی شکل میں ہو استخاروں کی شکل میں ہو قرعہ اندازی کی شکل میں ہو آپ دیکھیں گے ان چیزوں میں ایک چیز قدر مشترک ہے عقل سے کام نہیں لیا جاتا ان میں۔ اسی لیے قرآن نے یہ کہا ہے اور اس کے بعد جو میں نے مثالاً کہا تھا اُس نے کہا تھا کہ اگر ایسی صورت اختیار کرو گے تمہاری کھیتی پروان نہیں چڑھ سکتی۔ کھیتی میں کبھی بھی یہ نہیں ہوتا کہ تم چانس کے ذریعے سے کوئی چیز کرو اور کھیتی تمہاری پروان چڑھ جائے۔ وہاں تو ہر شے قاعدے اور قانون کے تحت کرنی پڑتی ہے جب کھیتی پروان چڑھتی ہے۔ تو یہ اہمیت تھی ان چیزوں میں۔ اب آگے قرآن نے ان چار میں سے دو کو الگ کر دیا ہے۔ کیا بتاؤں میں کہ کیا کتاب ہے یہ!! کتاب کیا اقبالؒ کے الفاظ میں ہی

؎ کتابِ نیست چیزے دیگر است

چار چیزیں بتائی ہیں کہ جن میں واقعی عقل ماؤف ہوتی ہے ان میں دو چیزوں کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔ (**انما یرید الشیطٰن ان یوقع بینکم العداوۃ و البغضآء فی الخمر و المیسر**) (5:91) یاد رکھو! خمر اور میسر ایسی چیز ہے شیطان چاہتا ہے کہ اس کے ذریعے تم میں باہمی عداوت اور بغض اور کینہ پیدا کر دے۔ اگلی دو چیزیں تھیں فال اور قرعہ اندازی اس کو یہاں نہیں لایا اس سے عقل تو ماؤف ہوتی ہے لیکن باہمی عداوت اور کینہ نہیں پیدا ہوتا وہ جہالت ہے وہ توہم پرستی ہے۔ لیکن یہ دو چیزیں جو ہیں یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا اثر متعدی ہے دوسروں کے ساتھ معاملہ پڑتا ہے ان میں۔ اور اس معاملے کی صورت یہ ہے کہ پہلی چیز نشے کی حالت ہو یا غصے کی حالت ہو شراب کا نشہ اور غصہ دونوں ایک کیفیتیں پیدا کرتا ہے انسان کے اندر۔ اور اسی لیے قرآنِ کریم نے غصے کے متعلق بار بار یہ چیز کہی ہے یعنی مومن کا شعار یہ بتایا ہے کہ وہ مغضوب الغضب نہیں ہو جاتا غصے کو اپنے اوپر قابو نہیں پانے دیتا اپنا توازن برقرار رکھتا ہے بیلنس قائم رکھتا ہے ضبط قائم رکھتا ہے۔ شراب میں یہ چیز ایک طبعی Physical شے ہے جس

کے استعمال سے یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے۔شراب میں کیا کیفیت پیدا ہوتی ہے انسان کی؟ آپ Watch کر کے کبھی دیکھئے اس چیز کو شرابی پورے نشے میں ہوتا ہے تو کبھی میں نہیں کہتا اپنے آپ کو 'ہم' کہتا ہے''اوئے اسی بڑے ایں' ہمیشہ 'اسی' کیندا اے فیر او ہدے بعد' ہم یہ کریں گے صاحب۔انسان کا Ego بیدار ہوتا ہے اندر سے' وہ جو میں والی بات ہے وہ چیز نہیں رہتی ہم والی بات اس کے اندر آ جاتی ہے صاحب ایک نخوت ہوتی ہے ایک تکبر ہوتا ہے فخر ہوتا ہے۔پہلی چیز تو یہ ہے۔اور ظاہر ہے کہ یہ بات دور چلی جائے گی۔حیوانوں کے اندر جو جذبات بنیادی رکھے گئے ہیں جنہیں Instincts کہتے ہیں ان میں پہلی چیز تو Self Preservation ہے تحفظِ خویش اپنے آپ کی حفاظت۔لیکن اس کے لیے جو حربہ ان کے پاس یا جو ذریعہ ان کے پاس ہے وہ Self Aggression ہے تغلبِ خویش' دوسرے کے اوپر چڑھ دوڑنا۔یہ حیوانیت کی چیزیں ہیں تحفظِ خویش نہایت ضروری ہے۔لیکن جب انسانیت کے درجے میں آئے گا تو وہ تغلب کے ذریعے سے نہیں ہو گا وہ بقاءلِلا نفع کے ذریعے سے ہوگا جتنا زیادہ سے زیادہ دوسرے کو نفع پہنچاؤ اتنا زیادہ سے زیادہ تمہارا تحفظ ہوتا چلا جائے گا۔بقاءلِلاصلح نہیں بقاءلِلا نفع۔اس لیے یہاں یہ جو Aggression کی بات ہے Defence کے لیے تحفظ کے لیے یہ صحیح بات ہے کہ وہاں ضرورت قوت کی پڑے گی۔قوت کا استعمال اور Aggression میں بڑا فرق ہوتا ہے۔شراب کے نشے میں آپ دیکھتے ہیں کہ وہ جو حیوانی Instinct ہے اسے Ego کہتے ہیں (Self اور Ego میں بڑا فرق ہوتا ہے) وہ جو حیوانی Instinct ہے نا دوسرے کو دبانا اور اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ کے غالب کرنا یہ Aggression کہلاتا ہے Aggressive ہوتا ہے اس کے اندر۔تو جب بھی عقل و فکر کو ماؤف کیا جائے اور جذبات سرکش ہو جائیں انسان کے تو اس وقت انسان Aggression کے اندر آ جاتا ہے۔اور یہ وہ چیز ہے جسے 'میں' کی بجائے پھر وہ ہم کہتا ہے۔وہ تو مشہور ہے ہمارے ہاں کہ مہاراج رنجیت سنگھ جا رہے تھے ہاتھی پہ سوار اور کوئی باہر کا جاٹ نشے میں بدمست گذر رہا تھا۔اس نے دیکھا اور اسے کہا اور وہ دونوں پنجابی ہیں تو بات پنجابی میں ہی ہوگی۔''کہن لگا او کانے آ اے کٹا ویچنا ای'' آپ دیکھیں گے نشے کی حالت میں بات ہی یہ کرتا ہے ہر شخص ''او کانے آ اے کٹا ویچنا ای اوئے''۔اس نے اشارہ کیا کہ گرفتار کر لو وہ لے آئے رات بھر حوالات میں رکھا اتنے میں وہ نشہ ختم ہو گیا۔دوسرے دن اسے بلایا اور اسے کہا کہ بھئی اس وقت تو مجھے جلدی تھی عجلت تھی جواب نہیں دے سکتا تو وہ میں نے بیچنا ہے خریدتے ہو۔کہنے لگا ''او سوداگر تے لد گئے''۔وہ تو سوداگر کل ہی تھا وہ جو خریدار تھا وہ تو راتوں رات بستر بوریا باندھ کے چلا گیا۔اس حالت کے اندر اس کو ہاتھی بھی کٹا نظر آتا ہے مہاراج رنجیت بھی کانا نظر آتا ہے صرف۔اور جب وہ نشہ اتر جاتا ہے تو وہ پھر بیوپاری لد جاتے ہیں۔قرآن انسان کی یہ کیفیت پسند نہیں کرتا۔وہ چاہتا ہے کہ یہ ہر آن میں انسان رہے۔دوسروں کے ساتھ معاملے پڑیں گے جذبات کا تصادم ہوگا جذبات کے تصادم میں اگر کیفیت یہ ہو جائے غصے میں بھی تو یہی کچھ ہوتا ہے۔جب بھی

آپ کی عقل ماؤف ہو وہ کسی طرح سے ماؤف ہو اور سرکش جذبات غالب آجائیں آپ کے اوپر تو پھر آپ کے ہاں کا یہ توازن بگڑ جاتا ہے اور اس توازن کے بگاڑ میں Ego جو آپ کا ہے وہ اوپر آجاتا ہے اور اس وقت پھر وہ انسانیت کا تقاضا باقی نہیں رہتا Aggressiveness کی جو Instinct ہے وہ غالب ہوتی ہے خالص حیوانی جذبہ۔ قرآنِ کریم نے مومن کے شعار میں یہ بات کہی ہے کہ بالآخر انسان ہی ہوتے ہیں کبھی ایسا ہوجاتا ہے کہ اس پر بھی یہ چیز آجائے۔ آپ دیکھئے قرآن کس طرح حقائق کو سامنے لاتا ہے وہ انہیں فرشتوں کی جماعت نہیں کہتا۔ لیکن دیکھئے فرق کیا بتاتا ہے وہ۔ وہ کہتا ہے ٹھیک ہے آ کیسے جائے ذرا الفاظ قرآن کے ملاحظہ فرمائیے۔ کہتا ہے (ان الذین اتقوا) (7:201) تقویٰ شعار لوگوں کی کیفیت یہ ہے، مومن ہی کے لیے دوسری چیز ہے یہ۔ لیکن یہاں اتقوا اس لیے کہا کہ وہ جو قوانین خداوندی کی نگہداشت رکھتے ہیں سامنے رکھتے ہیں ان کی کیفیت یہ ہے کہ ایسا ہوسکتا ہے۔ (اذا مسھم طٓئف من الشیطٰن) (7:201) عجیب لفظ ہیں!! شیطان کے معنی یہ سرکش جذبات سمجھ لیجیے Aggressiveness کے، شطن کی جو بنیاد ہے اس میں Aggressiveness ہے بیباکیت ہے، شعلۂ بیباک بھڑکنے والے شعلے کو کہتے ہیں شیطان۔ اور جب اس کے بعد پھر وہ رات کو ٹھنڈا ہوجاتا ہے جاٹ کا نشہ تو دوسری صبح جو کیفیت ہوتی ہے او وہ ابلیسیت ہوتی ہے جسے مایوسی یا ندامت کہتے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں شیطان وابلیس کوئی دو الگ الگ نہیں ہیں ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ پہلا جذبات کا بھڑکنا ہے اس کو شیطنت کہتے ہیں اور جب وہ ٹھنڈا ہوجاتے ہیں تو اس کے بعد جو کیفیت انسان کے اوپر خود طاری ہوتی ہے کبھی مایوسی کی کبھی ڈپریشن کی وہ ہے جسے ابلیسیت کہتے ہیں۔

وہ کہتا ہے کہ یہ چیز آسکتی ہے کبھی کہ یونہی (مسھم طٓئف من الشیطٰن) (7:201) گھومتے پھرتے ہوئے کوئی چیز شیطنت کی چنگاری ان کو چھو جاتی ہے، خود نہیں جاتے اس چنگاری کی طرف یونہی گھومتے پھرتے ہوئے کبھی ایسا ہوجاتا ہے کہ وہ ذرا سی ان کو Touch کر جائے۔ تو کیا ہوتا ہے؟ اس چنگاری سے ان کا پورا؟؟ بھڑک اٹھتا ہے کیا، جنگل کی آگ بن جاتی ہے؟ مومن یہ بات نہیں کرتا۔ جونہی یہ چیز ہوتی ہے۔ کیا الفاظ ہیں!! میں اس لیے یہ کہہ رہا ہوں کہ یہاں بھی یہ چیز تھی پہلے یہ کہہ دوں کہ قرآن نے یہ کہا ہے کہ وہ عداوت اور بغضآء تم میں پیدا کرتے ہیں (و یصدکم ان ذکر اللہ) (5:91) وہ قانون خداوندی کی طرف آنے سے تمہیں روک دیتے ہیں یہ خمر اور میسر۔ یہاں کہا گیا ہے کہ ان کی کیفیت یہ ہے کہ اگر گھومتے پھرتے اس قسم کا کوئی خیال ان کو چھو جاتا ہے (تذکروا) (7:201) وہ فوراً قانون خداوندی کو اپنے سامنے لاتے ہیں۔ عزیزانِ من! الفاظ سنئے اور جھوم جایئے وہ سامنے لاتے ہیں تو (فاذاھم مبصرون) (7:201) وہ سامنے لاتے ہیں تو ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ کیا بات کرنے کا انداز ہے قرآن کا!! انسان ہے کبھی کبھی یہ خیال گذرے ہوئے یونہی گھومتے پھرتے چھو جاتا ہے اس کو،

اس کا انداز یہ ہوتا ہے کہ فوراً وہ خدا کے قانون کو سامنے لاتا ہے (**فاذاھم مبصرون**) (7:201) اس کا ترجمہ ''وہ دیکھو اس کی آنکھیں کھل گئیں'' فوراً حقیقت سامنے اس کے آجاتی ہے رک جاتا ہے۔ لیکن یہاں اس نے متنبہ کیا ہے ایک اور بات سے۔ عجیب ہدایت کی کتاب ہے عزیزانِ من! کہتا ہے اس کی کیفیت یہ ہوجاتی ہے کہ وہ رک جاتا ہے۔ لیکن کہا کہ یہاں ایک خطرے کی گھاٹی ہے اس سے بچنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ (**و اخوانھم یمدونھم فی الغی ثم لا یقصرون**) (7:202) لیکن ایسے وقت میں جو اس کے مشیر' مصاحب' ساتھی' اِدھر اُدھر بیٹھنے والے جن کا انداز یہ نہیں ہے وہ اس کو بھڑکاتے ہیں۔ نہیں جی! یہ ہوگیا اور یہ چیز ہوگئی اور بڑی اس میں ذلت ہے۔ کہا کہ یہ اس کے جو بھائی بند ساتھی ہیں وہ اس کے لے جاتے ہیں اسی طرف آگے آگے۔ تو پھر یہ صورت ہے کہ وہ کمی نہیں ہوتی اس کی اس شدت کے اندر' آگے بڑھتی جاتی ہے یہ چیز۔ لہٰذا کہا کہ بچنے کی بات یہ ہے کہ جب کبھی بھی اس قسم کا جذبات کو بھڑکانے والا کوئی خیال تمہارے آئے' مومن کا شعار یہ ہے کہ فوراً خدا کے قانون کو سامنے لاتا ہے اور اس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں وہ اندھا نہیں ہوتا۔ کہا اگلی چیز بچنے کی یہ ہے کہ ایسے وقت میں اس قسم کے ساتھی جو خدا کے قانون کو یوں نہیں سامنے رکھتے وہ غلط راستے کے اوپر ڈال دیں گے اس لیے ان سے بچنے کی بڑی ضرورت ہے۔ یہ کیا جائے تو اس نے کہا کہ کوئی بات نہیں! پھر یہ اس قسم کے جو جذباتی نشے ہیں بھڑکنے والے وہ کچھ نہیں کرتے انسان کا۔ اور یہ چیز جو قرآن نے کہی دوسری جگہ اور یہ بات بڑی عمدہ کہی کہ اس معاملے میں یاد رکھو تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ جب یہ احساس ہوجائے کہ یہ چیز غلطی ہوگئی ہے تو اس کے بعد اسے Undo کرنے کے لیے جسے توبہ کہتے ہیں اس کا ازالہ کرنے کے لیے۔ ایک بڑی نفسیاتی چیز قرآن نے کہی ہے کہ اس میں پھر دیر نہیں لگانی چاہیے جب یہ احساس بیدار ہوجائے کہ یہ غلطی ہوئی ہے۔ قرآنِ کریم کے الفاظ میں آپ کے سامنے لاتا ہوں۔ (**انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوٓ بجھالۃٍ**) (4:17) پہلی چیز تو توبہ کی شرطیں ملاحظہ فرمائیے۔

پہلی چیز تو یہ ہے کہ توبہ اس کی ہے کہ اس نے وہ غلطی جو ہے نادانستہ کی ہو جان بوجھ کر نہیں' جہالت سے ہوجاتا ہے یہ۔ ہوگئی ایک چیز۔ اس کے بعد جب اس کا احساس ہوا کہ جہالت ہوئی (**ثم یتوبون من قریب**) (4:17) جونہی اس کا احساس ہو کہ غلطی ہوگئی تو فوراً اس کے ازالے کی طرف آجائے۔ ورنہ اگر دیر لگادی تو عقل حیلہ کار پھر سو Justificatory Reasons پیش کرتی چلی جائے گی۔ اور پھر اس احساس کی شدت جو ہے وہ بھی آہستہ آہستہ مدھم ہوجائے گی۔ (**فاولئک یتوب اللہ علیھم**) (4:17) یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی طرف خدا لوٹ کر آئے گا۔ جونہی احساس بیدار ہو تو ازالے کے لیے فوراً وہ تدبیر کرے۔ جہالت سے ایک چیز ہوگئی ہوئی ہو اس کے بعد فوری طور پہ اس کا ازالہ کرلے تو یہ ہے جس کی طرف خدا لوٹ کر آجاتا ہے۔ اس کے بعد ہے کہ (**و لیست التوبۃ للذین یعملون السیاٰت حتٰی اذا حضر احدھم الموت**

قال انی تبت الئن) (4:18) یہ نہیں ہے کہ اس کے بعد یہ ہو گیا ہے پھر چلا ہوا ہے قصہ چلو صاحب دیکھا جائے گا۔حتیٰ کہ موت سامنے آ کھڑی ہوئی جب موت سامنے آ کھڑی ہوتی ہے تو پھر ڈر لگتا ہے کہ او ہو مجھے تو توبہ کرنی چاہیے۔وہ کہتا ہے اس وقت پھر جو وہ توبہ کرتا ہے تو وہ توبہ ہوتی نہیں ہے۔توبہ کے معنی ہوتا ہے ایسے وقت میں اپنی اس غلطی کا اعتراف کر لینا اور اس کے ازالے کے لیے اقدام کرنا جب ابھی کچھ کام کرنے کے لیے گنجائش باقی ہو۔یہ جو 'یا اللہ میری توبہ' کی بات نہیں ہے وہ تو موت کے وقت بھی کہا جا سکتا ہے۔سوال تو یہ ہے کہ جو غلطی ہوئی اور جو اس سے نقصان ہوا ہے اس کا ازالہ اسی صورت میں ہوگا کہ اس کے بعد ایسے کام کیے جائیں کہ اس نقصان کا بھی ازالہ اور اس سے زیادہ اور مثبت کردار میں آپ کے اور مثبت چیزیں آ جائیں۔تو یہ اسی صورت میں ہو سکے گا نا کہ جب آپ کے پاس وقت ابھی اتنا ہو کہ آپ یہ کچھ کر سکیں۔موت سامنے آ کھڑی ہو تو چونکہ یہ وقت ہی نہیں اس کے پاس ہوتا لہٰذا توبہ کے معنی کچھ نہیں ہوتے۔اور یہ وجہ ہے جو قرآن نے یہاں تو یہ بات اتنی کہی ہے اور اس کی مثال تو ہمارے سامنے آتی ہے فرعون کی مثال۔وہ سب کچھ کرنے کے بعد جب وہ غرق ہونے لگا ہے تو اس وقت اس نے کہا کہ میں ایمان لاتا ہوں موسیٰؑ اور ہارونؑ کے رب پر۔بڑی بات ہے صاحب فرعون جیسا مجسمہ تکبر کا اور وہ اس وقت جھکتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ایمان لاتا ہوں ربِ موسیٰؑ اور ہارونؑ پر۔لیکن یہ کس وقت ہوتا ہے جب ڈوبنے لگتا ہے اور موت سامنے کھڑی ہوتی ہے۔بظاہر نظر آتا ہے کہ ہونا چاہیے یہ تھا کہ اتنے بڑے آدمی کی توبہ آئندہ کے لیے بطور سرٹفیکیٹ پیش کی جا سکتی تھی فوراً Accept کر لی جاتی۔اس نے یہ کہا تو قرآن نے وہاں یہ کہا (الئن) اب کہہ رہے ہو یہ بات '' فٹے منہ ہو کچھ نئیں تے ''

؎ درکفر ہم پختہ؟؟ زنار رار سوا مکن

کم بخت موت کے ڈر سے اس کفر سے توبہ کر رہا ہے۔یعنی یہ چیز جو ہے آپ غور کیجیے قرآن انسان کی نفسیات کو کہاں تک لے جاتا ہے کہ یہ احساسِ ندامت نہیں یہ اس کا ازالہ نہیں موت کا خوف ہے جس سے یہ تم کچھ کر رہے ہو۔ڈر اور خوف کے مارے تو برادرانِ عزیز! کوئی نیک کام بھی نیک نہیں ہوتا۔اس کی توبہ پہ وہاں سے اتنی بڑی پھٹکار پڑی ہے اور ایک لفظ ہے (الئن) اچھا اب توبہ ہو رہی ہے بڑا افسوس ہے۔یہ توبہ کیا ہے جاؤ کافر کے کافر تم مرو۔قرآن نے کہا یہ ہے کہ یہ چیزیں جو ہیں خمر کی میسر کی یہاں دونوں کا کہا (ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضآء فی الخمر و المیسر) (5:91)۔دیکھئے وہ چار چیزیں تھیں پہلے خمر اور میسر اور انصاب و ازلام۔تو وہ دوسری دو چیزیں تھیں فال لینا استخارے سے اپنے لیے کوئی فیصلہ کرنا دوسرے کے ساتھ معاملہ نہیں پڑتا اس لیے اس میں دوسرے سے عداوت اور نفرت کی بات نہیں ہے۔لیکن یہ خمر و میسر جو ہے اس کا معاملہ دوسروں کے ساتھ پڑتا ہے۔لہٰذا یہ کہا کہ یہ بیباک سرکش جذبات تمہارے جن پہ تم قابو نہیں رکھ سکتے وہ کرتا یہ ہے کہ تم میں باہمی عداوت پیدا کر دیتا

ہے۔اور دوسرا لفظ ہے بغضآء بغض کی شدت کو کہتے ہیں وہ کینہ وہ نفرت جو دلوں کے اندر انسان پرورش دیتا رہے جس کو۔کہتا ہے یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔او یہ تو ایسا زہر ہے جو اندر ہی اندر تمہیں گھلا کے خود رکھ دے گا دوسرے تک پہنچنے کی بات تو بہت بعد میں آئے گی۔اور اسی لیے قرآن نے جنت میں جانے والے مؤمنین کے متعلق یہ کہا ہے کہ ان کے سینوں میں ہر وہ چیز دور کر دی جائے گی الگ کر دی جائے گی وہ جسے وہ گلیلے کی طرح یا مٹھے کی طرح یوں باندھ کے اندر جو انہوں نے رکھا ہوا ہوگا نا بس اس کو کھول دیا جائے گا۔بڑے عجیب الفاظ ہوتے ہیں قرآن کے۔"گلیلا وٹ کے اندر رکھیا ہویا جیہڑا ہووے گا نا او ہناں اے ہوئی اوہدی گل" جو وہ کہتا ہے وہ کھول دیے جائیں گے۔یہ بڑی چیز ہے۔قرآن عزیزانِ من! وہ جو کہتا ہے کہ میں سینے کے مراض کا علاج کرتا ہوں یہ معنی نہیں ہیں اس کے کہ وہ برانکائٹس کا علاج کرتا ہے یا نمونیہ کا علاج کرتا۔سینے کے امراض کے معنی دل کے امراض دوسری جگہ اس نے کہا ہے نفسیاتی روگ جو ہیں انسان کے قرآن ان کا علاج کرتا ہے۔یہ صرف قانون کے ذریعے سے اصلاح نہیں 'کرتا' قانون کے ذریعے سے جو Exceptional Cases ہوتے ہیں ان کا علاج صرف ہوتا ہے۔جو عام انسانیت کا اس کا علاج تو نفسیات کی اصلاح سے ہوتا ہے اور قرآن کرتا یہ ہے۔اب یہ چیزیں جو ہیں ان کے متعلق کہا کہ جنت میں جانے کے لیے وہ جو توازن بدوش نفسیاتی کیفیت یا Balanced Personality ہوگی اس کی ایک صفت یہ ہوگی کوئی چیز ایسی دوسروں سے چھپائی ہوئی اس نے نہیں رکھی ہوگی کہ وہ نفرت اور کینہ اور بغض اور انتقام کے جذبات پرورش پا رہے ہوں۔کہتا ہے وہ تو جنت ہو نہیں سکتی۔اور جنت تو کسی مقام میں داخلے کا نام نہیں ہے وہ تو انسان کی اپنی کیفیت کا نام ہے۔تو اس لیے وہ کہتا ہے کہ یاد رکھو یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن سے شیطان تم میں باہمی عداوت اور کینہ اور نفرت کے جذبات پیدا کرتا رہتا ہے۔اور نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ وہ تمہیں (یصدکم عن ذکر اللہ) (5:91) قانونِ خداوندی کی طرف نہیں آنے دیتا۔وہ جو False Prestige کا خیال پیدا ہو جاتا ہے انسان کے اندر وہ اس کو اس طرف آنے نہیں دیتا۔(و عن الصلوٰۃ) (5:91) اور نظامِ صلوٰۃ قائم نہیں کر سکتے۔اب آپ دیکھئے کہ یہاں کہاں قرآن لایا ہے صلوٰۃ کے متعلق وہ چیز۔کہ ٹھیک ہے کہ پہلی آیت جو تھی اس میں یہ کہا تھا کہ (لا تقربوا الصلوٰۃ و انتم فکارٰی)

حالت نشہ میں صلوٰۃ کے اجتماعات کے اندر نہ جاؤ۔ٹھیک ہے وہاں تو عقل و ہوش کی باتیں ہونی ہیں وہاں تو ایک توازن بدوش راستہ سامنے لانا ہے وہاں تو ایک اجتماعی نظم و نظام ہے جس کے تم نے ممبر بننا ہے۔اور جب عقل ہی مدہوش ہو تو اس کے بعد اس اجتماع کے اندر شرکت کے معنی کیا ہونگے۔اسی لیے وہ کہتا ہے کہ قرآن کا جو اجتماعی نظام ہے اس میں ذکر اللہ قوانین خداوندی اور متوازن شخصیت جو بیباک جذبات سے مغلوب نہ ہوئی ہوئی ہو یہ وہ لوگ ہیں جو نظامِ صلوٰۃ قائم کر سکتے ہیں۔اور آپ نے دیکھا کہ جب یہ مفہوم ذہنوں سے مفقود ہوا تو یہ جو سب سے زیادہ ہمارے

ہاں پابند ہوتے ہی صلوٰۃ کے' پابند ہی نہیں امامت کرتے ہیں یہ حضرات جو علمائے کرام یا ائمہ جو ہوتے ہیں صلوٰۃ کے۔ ذرا کوئی بات ان کے خلاف کہہ کے دیکھئے اور اسکے بعد دیکھئے سر سے پاؤں تک اس قدر مغلوب الغضب وہ ہوتے ہیں ماتھے پہ تیوریاں پڑ رہی ہیں آنکھیں خشمگیں ہو رہی ہیں جھاگ منہ سے بہہ رہی ہے اور پاگل ہو رہے ہیں۔ اس کا نام حمیت دینی' اس پاگل پن کا نام۔ صلوٰۃ یہ کرتی ہے؟ کہتا ہے جہاں تمہاری عقل ماؤف ہوئی صلوٰۃ گئی۔ وہ جو کہتے ہیں نا کہ صاحب اوذرا سو کے آیا ہے جاوضو کر' وضو نہیں رہا۔ وہ بات وضو کی نہیں ہے نہ بات وہ سونے کی ہے وہ تو جونہی آپ کی عقل ذرا سی دیر کے لیے موقوف ہوئی آپ اس اجتماع میں شرکت کے قابل نہیں رہے Disqualify ہو گئے جسے آپ کہیں گے۔ یہ کچھ کہنے کے بعد کہا(فھل انتم منتھون) (5:91) کہ کیا اب بھی ان چیزوں سے باز آتے ہو یا نہیں۔ عام طور پہ کہا جاتا ہے اور ہمارے پاس تو اکثر استفسارات آتے رہتے ہیں کہ صاحب وہ دیکھئے نا! وہ سؤر کو تو قرآن نے لحم خنزیر کو تو حرام کہہ دیا ہے' شراب کو حرام نہیں کہا اس لیے اسمیں گنجائش نکل رہی ہے یعنی حرام نہیں ہے۔ رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ اور اس کے بعد فھل انتم منتھون ۔ کیا باز آتے ہو اس سے یا بغاوت کا علم بلند کرتے ہو ہمارے خلاف۔ اور اس کے باوجود صاحب! حرام کا لفظ نہیں آیا صاحب۔ تو حرام کا لفظ تو ان چیزوں پہ ہے جو معمول میں کھانے پینے کی تمہارے تھیں۔ اُن چیزوں کے متعلق تو کہا یہ جائے گا کہ باز آتے ہو یا نہیں۔ یعنی ایک ہی آیت میں آپ دیکھئے کیا کیا کچھ کہہ گیا ہے قرآن ان چیزوں کے متعلق(فھل انتم منتھون) (5:91)۔ اب اس کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ طریقہ یہ ہے کہ (اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واحذروا) (5:92)

اطاعت ہے اس نظام کی جو خدا کے قانون کے مطابق اس کا رسول متشکل کر رہا ہے۔ جو Definition یہ ان چیزوں کی دیں گے وہ Definition ہوگی' اس کے متعلق جو جو یہ قوانین مقرر کریں گے وہ قوانین ہونگے جن کی اطاعت کی جائے گی۔ اور اس کے بعد واحذروا اب بچو تم ان چیزوں سے۔ (فان تولیتم) (5:92) اور اگر اس کے بعد بھی تم پھر جاؤ یہی کچھ کرنا شروع کرو تو (فاعلموا) (5:92) تو پھر یاد رکھو کہ یہ بات اس رسول کے متعلق نہیں ہے کہ تم نے کچھ اس کا بگاڑا ہے' یہ سوال نہیں ہے۔ (فاعلموا انما علیٰ رسولنا البلٰغ المبین) (5:92) رسول کے ذمے یہ چیز تھی کہ یہ تمہیں کھلے کھلے طور پر بات پہنچا دے تم تک۔ قانون کا کام ہی یہ ہے' حکومت کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے قوانین کو واضح کرتی چلی جائے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ایک فرد کے سرہانے ایک ایک سپاہی کھڑا کر دیا جائے کہ وہ کرے ہی نہیں۔ بتایا جائے کہ یہ کرو گے تو یہ اس کی سزا ہوگی یہ اس کا نتیجہ ہوگا۔ یہ ہے بلاغ۔ یہ بات نہیں ہے کہ رسول وعظ کہتا ہے اور کہتا ہے کہ بھائی! چھوڑ دو دیکھو میاں خدا کے لیے خدا کے رسول کے لیے یاد رکھو نہیں تو جہنم میں چلے جاؤ گے بابا' منتیں کر رہا ہے سوال ہی نہیں ہے۔ نظام ہے یہاں تو' نظام میں قانون کا فریضہ یہ ہے کہ اس

کا Proclamation ہو عام اعلان کر دیا جائے' بلاغ ہے یہ۔ اور اس کے بعد اگر خلاف ورزی کوئی کرتا ہے ابھی آگے لفظ آتے ہیں' سوال نہیں ہے قانون کی گرفت ہے اس کی سزا مقرر ہے وہ دی جائے گی۔ اطاعت' اطاعت ہے نظام کی جس کی رو سے ان چیزوں سے بچ سکتا ہے انسان۔ یہ انفرادی طور پہ آج ہمارے ہاں جو کچھ ہو رہا ہے آپ دیکھتے ہیں ہزار وعظ و نصیحت کے باوجود کوئی ان چیزوں سے نہیں رک رہا۔ خالی وعظ و نصیحت Effective نہیں ہوتا۔

؎ عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

اور یہ جتنی خرابیاں معاشرے میں پیدا ہوتی ہے یاد رکھئے! یہ عصا کی کمزوری ہوتی ہے۔ اب اس کے بعد اگلی بات اور۔ یہ قانون کی چیز جو تھی خمر و میسر وغیرہ کی یہ ساری یہ آئی۔ (**لیس علی الذین اٰمنوا و عملوا الصٰلحٰت جناح فیما طعموا اذا ما اتقوا و اٰمنوا و عملوا الصٰلحٰت ثم اتقوا و اٰمنوا ثم اتقوا و احسنوا و اللہ یحب المحسنین**) (5:93) بات واضح طور پہ بتا دی یہ یہ چیزیں حرام ہیں یہ چیزیں ممنوع ہیں یہ مضر ہیں ان سے رکنا ہے یہ خلاف قانون ہیں۔ کھانے پینے کی چیزیں وہی وہ جو چار چیزیں قرآن نے کہی ہیں حرام ہیں۔ پھر کہا کہ جو حلال ہے طیب طریقے کے اوپر کھاؤ۔ اب اس کے بعد آگے چلی بات۔ یہودیوں کی شریعت یا آپ کے ہاں کی فقہ' کھایا کیسے جائے۔ میز کرسی کے اوپر کھانا مکروہ ہے' چھری کانٹے کے ساتھ کھانا مکروہ ہے تحریمی ہے' کھڑے ہو کے کھانا بالکل ناجائز ہے' بائیں ہاتھ سے کھانا عمل شیطان ہے۔ سوال ہی نہیں ہے یہ۔ وہ کہتا ہے حرام چیزوں سے جب تم بچتے ہو تو باقی جو حلال و طیب کھاتے ہو کس طرح سے اسے کھاتے ہو یہ تمہارے اپنے ہاں کی Convenient کی بات ہے معاشرے کی ایک چیز ہے آدابِ معاشرہ کی بات ہے جو طریقہ بھی تمہیں خوشگوار اور پسند نظر آئے اس کے مطابق یہ کچھ کرو۔ بات تو ساری یہ ہے کہ جن چیزوں سے روکا گیا ہے ان کے رکنے پر ایمان ہے؟ پھر ان سے بچنے کے متعلق دل کے اندر احساس ہے؟۔ وہ آیا ہے دو تین مرتبہ۔ وہ ایمان ہے وہ احساس ہے؟ وہ ایمان ہے وہ احساس ہے تو پھر ٹھیک ہے جس طریق سے بھی کھاؤ۔ وہ سعدیؒ

؎ درویش صفت ذی و کلاہ تتری پوش

کہتا ہے یہ سوال ہی نہیں ہے کہ اس قسم کی کلاہ جو ہے شاہانہ جسے کروفر کی کہتے ہیں وہ پہنی جائے یا نہ پہنی جائے۔ وہ کہتا ہے کہ نفسیاتی کیفیت ایک درویش کی پیدا کرو اور اس کے بعد جو جی میں آئے پہنو۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ چیزیں جو ہیں یہ طور طریقے یہ آدابِ معاشرت کی چیزیں ہیں Social Atticates کے اندر یہ چیزیں آتی ہیں بدلتی رہتی ہیں Convenient کے ماتحت بھی بدلتی رہتی ہیں ضرورت کے ماتحت بدلتی رہتی ہیں۔ پوچھو فوج کے ایک سپاہی سے میدانِ جنگ میں کہ کس انداز سے پھر وہ کھاتا ہے اور کس انداز سے پیتا ہے۔ وہ کہتا ہے اس میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے۔

واحسنوا بات ساری یہ ہے کہ تم ان قوانینِ خداوندی کی احتیاط برت کے ان کی نگہداشت کر کے ایک توازن بدوش حسین زندگی بسر کرنی ہے تم نے۔ واللہ یحب المحسنین بس یہ بات پیدا کرنی ہے۔ اور بڑی چیز تو یہ ہے کہ اس میں حسن کارانہ انداز ہونا چاہیے۔ اب ایک چیز آ گئی یہ جو انداز بھی تمہارے ہاں کھانے پینے کا ہو اگر چہ یہ بات ایسی نہیں ہے کہ اس میں یہ شرعی ہے یہ غیر شرعی ہے۔ لیکن اس نے کہا ہے کہ بہر حال یہ معاشرہ ان لوگوں کا ہے کہ جن کی ذوق سلیم بہت بلند ہے طبائع میں نزاکت ہے لطافت ہے حسن ہے بیوٹی کی Appreciation ہے۔ اس لیے انداز ایسے رکھو جو بڑے حسین انداز ہوں خوشگوار انداز ہوں شگفتہ انداز ہوں۔ اجڈ لوگوں جیسے بدتمیزوں جیسے یہ نہیں ہونے چاہئیں۔ یہ ہونا چاہیے' باہر بھی یہ ہونا چاہیے اور اندر کی کیفیت بھی تمہارے ہاں ایک متوازن ہونی چاہیے۔ متوازن شخصیتیں نہایت حسین انداز کی فضا کے اندر جن چیزوں سے منع ہے ان سے رک کے باقی سب کچھ کھاؤ پیؤ جس انداز سے جی چاہے کھاؤ پیؤ۔ (یٰایھا الذین اٰمنوا لیبلونکم اللہ بشیءٍ من الصید تنالہ ایدیکم و رماحکم لیعلم اللہ من یخافہ بالغیب) (5:94) وہ کہتا ہے اب تمہیں بتائیں یہ توازن کیسے پیدا ہوتا ہے جذبات پہ کنٹرول کیسے آتا ہے۔ کہتا ہے یہ چیزیں تو حرام ہے ناں ان سے عام طور پہ تم رک جاؤ گے لوگ رک بھی جاتے ہیں۔ سؤر کا گوشت جسے کہتے ہیں آپ دیکھتے ہیں کہ اس کے متعلق یونہی گھن آ جاتی ہے۔ وہ کہتا یہ ہے کہ اصل شے یہ ہے کہ تمہارا اپنا Self Disciplined ہوا ہے یا نہیں۔ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز پہ کہہ دیا جا کہ ہالٹ وہی کھڑا ہو جائے سپاہی۔ وہ اس وقت یہ نہیں پوچھے گا کہ صاحب اس مقام پہ آپ نے ہالٹ کا حکم کیوں دیدیا میں سمجھتا ہوں میری بصیرت کے مطابق تو اس وقت دو قدم آگے چلنا چاہیے تھا' ڈسپلن نہیں رہ سکتا۔ کہا آؤ تمہیں بتائیں کہ تمہارے اندر یہ ڈسپلن پیدا کرنے کے لیے کہ تم حرام چیزوں کی طرف تکو بھی نہیں۔

بعض حلال چیزوں کے اوپر کچھ عارضی سی پابندی لگا دی جاتی ہے کہتا ہے حالت حرم میں۔ یعنی احرام کی حالت میں حج کی تقریب پر ایک تو مقام ہوتا ہے نا میقات جہاں سے وہ حدود شروع ہو جاتی ہیں۔ ان حدود سے ایک کیفیت اپنے اندر طاری ہو جاتی ہے جسے اس اجتماع عظیم میں شرکت کے لیے ضروری قرار دیا ہے ایک مساوات کی کیفیت' Concentrate کرنا ارتکاز کرنا اپنے مقصد کے اوپر۔ اور اس طرح سے اس اجتماع میں جمع ہونا۔ کہا کہ ایسی حالت میں یہ چلتے پھرتے جانور کہیں سے ہرن آ گیا سامنے یہ تیتر آ گیا ہے سامنے' کہا ہے کہ ایسی حالت میں کہ جب احرام کی حالت میں تم ہو ان چیزوں کا شکار ہم نے ممنوع قرار دیا ہے۔ کہا ہے کہ ذرا سوچو! حلال جانور تمہارے ہاتھ کے نیچے نیزے کی زد میں ہے تلوار کی دھار کے نیچے ہے ہاتھ سے پکڑ سکتے ہو شکار کر سکتے ہو اتنی Temptation ہے اس کے اندر۔ لیکن کہا یہ ہے کہ رک جاؤ۔ اور وہاں رک جانے سے ایک ڈسپلن ہو جائے گی تمہاری طبیعت۔ یہ کہا ہے (لیبلونکم) جس کے عام معنی کیے جاتے ہیں آزمائش کرتا ہے۔ آزمائش نہیں' اس

کے معنی ہوتے ہیں اس قسم کے مواقع بہم پہنچانا جہاں تم اپنے آپ کو ٹیسٹ کرسکو کہ وہ کیفیت پیدا ہوگئی ہے یا نہیں۔ یہاں کہا(**ما یخافه بالغیب**)

(5:94) بڑی حسین چیز ہے عزیزانِ من! کہتا ہے کہ اگر تم عقل وفکر کی رو سے Justification کی رو سے منطق (Logic) کی رو سے دیکھو

تو اس میں تمہیں کوئی نقصان نظر نہیں آتا۔ ارے بھئی! پاس تیتر جا رہا ہے حلال جانور ہے یوں پکڑ لو گے تو وہ تمہارے قابو آ جائے گا۔ ذہن میں آتا

ہے نا کہ حرج ہی کیا ہے اس کا کوئی نقصان بدیہی تمہیں نظر نہیں آتا اس وقت۔ اس کے نقصان رساں نتائج تمہاری آنکھوں سے پوشیدہ ہیں اور وہ

نقصان رساں نتائج کیا ہیں؟ کہ تم اپنی Temptation کے اوپر قابو نہیں رکھ سکو گے۔ اگر کیفیت یہ ہوئی کہ جونہی کوئی شکار ہاتھ تلے آیا اور تم نے

مارا ہاتھ' یہ بات نہیں ہے۔ وہاں یہ فرق کرنا پڑے گا یہ تو حیوان کی بات ہے کہ کوئی کھیت سامنے آیا بھوک ہے اور منہ مار دیا۔ انسان تو ایسے وقت میں

پھر دیکھے گا کہ کھیت کس کا ہے میرے لیے اس میں منہ مارنا جائز ہے یا نہیں۔ یہ وہی کرے گا کہ جو اپنی طبیعت کو Disciplined رکھے گا۔ یہ ہم جو

مفاد عاجلہ کے اوپر روز یوں گر پڑتے ہیں یہ ہو کیا رہا ہے؟ طبائع میں ڈسپلن نہیں رہا' اپنے آپ کو روکنے کی عادت نہیں رہی۔ وہ کہتا ہے کہ بعض

اوقات حلال چیز سے تمہیں روکا جاتا ہے حلال چیز سے رکنے کی عادت پڑ جائے گی حرام کے قریب ہی تم نہیں جاؤ گے۔ یہ جو روزے آپ کے ہاں

آتے ہیں جسے صیام کہا جاتا ہے صوم کہا جاتا ہے صوم کے معنی ہی ہیں بیباک دوڑنے والا گھوڑا جو ہے اس کو یوں روک دیا جائے۔ بھاگنے کی اتنی قوتیں

موجود ہیں روک دیا جائے۔ گھوڑے میں ڈسپلن اس صورت میں پیدا ہوتا ہے جو اسے رکنا سکھایا جائے۔ کہا اس قسم کی چیزیں ہم دیتے ہیں تمہیں تاکہ

تم یہ جو ہے نا خدا تمہاری آزمائش کرتا ہے یہ ترجمہ اس کا غلط ہے' خدا نے آزمائش کیا کرنی ہے کسی۔ اس کا ترجمہ ہوتا ہے کہ تم اپنی آزمائش کر کے

دیکھو کہ تم کہاں تک اپنے اندر ایک ڈسپلن کریکٹر پیدا کر سکے ہو۔ کیا ایسے وقت میں جب جذبات برانگیخت ہو تو روک سکتے ہو تم اپنے آپ کو۔ اور اس

کے لیے طریقہ یہ ہے کہ یہ نہیں کہ سؤر کا گوشت سامنے آیا ہے کہا ہے نہ کھاؤ' وہ کہتا ہے وہ تو تمہارے اندر سے طبیع اِبا کرے گی تم تو قے کر دو گے۔ کہا

یہ ہے کہ حلال وطیب شے تمہارے سامنے آئی' رک جاؤ ہاتھ نہیں لگانا اس کو۔ کہا خاص طور پہ یہ جو اس قسم کی تقریبات ہوتی ہیں اس کے اندر تو بڑی

ڈسپلن کی ضرورت ہوتی ہے اجتماع میں۔ وہاں اگر بیباک ہو جائے تمہاری عقل اور وہاں اگر جذبات سے بے قابو تم ہو جاؤ تو سارا فائدہ ہی اس اجتماع

کا ختم ہو جائے گا۔(**فمن اعتدیٰ بعد ذٰلک فله عذاب الیم**) (5:94) یعنی اگر یہ حکم نہ ہو اس جانور کا پکڑ لینا کوئی عیب نہیں' دلائل کی رو

سے بھی کوئی نقصان نہیں۔ لیکن حکم دیدیا ہے پیچھے سے کہ نہیں پکڑنا۔ کہا جو اس سے نہیں رکتا آگے بڑھتا ہے اس نے اپنے آپ کو ڈسپلن نہیں کیا' بڑا

دردناک انجام ہوتا ہے ان چیزوں کا۔ ان ڈسپلن قوم عزیزانِ من! یعنی جو اپنے آپ پہ ضبط نہیں رکھ سکتی بڑے ہی نقصان رساں نتائج اس سے برآمد

ہوتے ہیں فرد کی زندگی میں بھی قوموں کی زندگی کے اندر بھی۔(**یٰایها الذین اٰمنوا لا تقتلوا الصید و انتم حرم و من قتله منکم متعمدًا**

فجزآء مثل ما قتل من النعم یحکم بہٖ ذوا عدلٍ منکم ھدیًا بلغ الکعبة او کفارة طعام مسٰکین او عدل ذٰلک صیامًا لیذوق وبال امرہ عفا اللہ) (5:95)

کہتا ہے کہ شکار نہیں کرنا ایسی حالت کے اندر۔ اگر کوئی شخص ایسا کر بیٹھے یہ جانتے ہوئے بھی کہ ایسا کرنا جرم ہے تو اس سے منع کیا گیا ہے تو وہ ایسی چیز ہے کہ پھر جس کا کفارہ دینا ہوگا۔ دیکھئے ناڈسپلن توڑا ہے کفارہ ہے اس کے اوپر۔ کچھ تو محسوس ہو کہ غلط بات ہوگئی۔ ''یا اللہ میری توبہ نال تے گل نئیں بنڑ دی نا''۔ وہ کہا ہے کہ اس کے متعلق تو پہلی چیز یہ ہے کہ جس قسم کا جانور تھا اس قسم کا ایک جانور خرید کے اوران حاجیوں کی ضیافت کے لیے وہاں کعبے میں پہنچاؤ۔ اور یہ خود ہی مقرر نہ کرلو کہ اس کی کتنی قیمت تھی کہتا ہے جو صاحب عدل لوگ وہاں موجود ہوں ان سے یہ بات کر وہ فیصلہ کریں کہ کتنی قیمت کا جانور لینا چاہیے۔ جانور نہیں ملتا تو اس نے کہا کہ ٹھیک ہے غریبوں کو کھانا کھلا دو وہاں جو بھوکے ہوں۔ وہ کہا کہ جی! یہ بھی نہیں ہے۔ تو اس سے کہا کہ ٹھیک ہے پھر اپنے ہاں ڈسپلن قائم کرنا ہے روزے رکھو۔ لگے تھے ناجھپٹا مارنے اس کے اوپر۔ تین دن کے لیے روزہ رکھو تو سمجھ میں بات آئے گی ہر وقت یاد رہے گا کہ صاحب! وہ کیا تھا اس کے لیے یہ ہے۔ یہ ہیں وہ چیزیں جو کوارٹر گارڈ جو کر دیتے ہیں اور لا دکے بستر ا اور کہتے ہیں کہ چلو مارچ کرو تھوڑا۔ وہ یاد دہانی کرانی ہوتی ہے اس چیز کہ واقعی میں اپنے آپ پہ ضبط نہ کرسکا۔ (عفا اللہ عما سلف) (5:95)

پہلے تم جہالت کے زمانے میں سب کچھ کرلیا کرتے تھے قانون ???? سے لاگو نہیں ہوتا تھا پچھلے کی تاریخ سے نہیں آتا جس دن اناؤنس ہوتا ہے اس تاریخ سے آگے چلتا ہے۔ وہ کہتا ہے پچھلی بات جو تھی وہ تو ہم چھوڑتے ہیں۔ (ومن عاد فینتقم اللہ منہ واللہ عزیز ذو انتقام) (5:95) لیکن یاد رکھو! اب یہ اعلان ہوگیا تمہیں پتہ چل گیا اناؤنسمنٹ ہوگئی قانون بن گیا بلاغ بھی ہوگیا اب اگر کوئی اس میں سے قانون شکنی کرتا ہے تو پھر اس کی سزا ملے گی۔ یاد رکھئے یہاں جو اللہ کے متعلق آتا ہے ذو انتقام اور انتقام وہ وہ انتقام ہمارے اردو کا انتقام نہیں ہوتا وہ انتقام تو بڑی بری چیز ہوتی ہے وہ تو نفرت کا جذبہ اندر پرورش کرنا پڑتا ہے ہر وقت اس کو پالنا پڑتا ہے پھر اسکے بعد اس کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ تو کوئی صحیح انسانی نفس کی پرورش نہیں ہے نشوونما نہیں ہے وہ تو بڑا کھلا ہوا صاف صاف ہونا چاہیے۔ لہٰذا عربی زبان کے اندر جہاں قرآن میں آتا ہے جرم کی سزا کے متعلق یہ چیز آتی ہے۔ جج کینہ اور بغض کی بناء پہ سزا نہیں دیتا وہ اس کی سزا انتقام ہمارے لفظوں میں انتقام نہیں کہلا سکتی قرآن کے لفظوں میں وہ انتقام کہلاتی ہے۔ (احل لکم صید البحر و طعامہ و متاعًا لکم و للسیارة و حرم علیکم صید البر مادمت حرمًا) (5:96) یہ جو ابھی ابھی کہا گیا ہے کہ صاحب! یہ وہ شکار نہ پکڑو حالت احرام میں۔ (و حرم علیکم صید البر مادمت حرمًا) (5:96) حالت احرام میں خشکی کے جانور کے متعلق یہ ڈسپلن کی بات تمہیں کہی ہے۔ (واتقوا اللہ الذی الیہ تحشرون) (5:96) اور خدا کے قوانین کی نگہداشت کرو جس کے

مقرر کردہ پروگرام کی خاطر تم یہاں اس مرکز میں جمع ہو رہے ہو۔ یہ تحشرون ہر جگہ وہ حشر کے میدان والی بات نہیں ہے بلکہ جس مقصد کے لیے بھی تمہیں ایک جگہ جمع ہونا ہے اسے بھی کہتے ہیں اور یہ جو فوج کا محاذ ہوتا ہے میدانِ جنگ کے لیے جو نکلنا ہوتا ہے اسے تو قرآن نے خود حشر کہا ہے۔

(جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیمًا للناس و الشھر الحرام و الھدی القلآئد) (5:97)

کہتا ہے کہ یہ حج کا اجتماع کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ محض ہمارے تصور کے مطابق یا عقیدے کے مطابق آج جو ہم نے وضع کر لیا ہے زم زم کے پانی میں گناہ آلودہ کپڑے دھونے کا نام نہیں ہے۔ ہمارے ہاں تو یہ ہے نا کہ وہاں سے جو ہو آئے وہ پہلی ساری عمر کے گناہ جتنے بھی ہیں وہ ایک دفعہ ہی معاف ہو جاتے ہیں۔ کرتے رہیں، بس اتنے سے پیسے جمع کر لینے چاہئیں وہاں گئے دھوبی کی بھٹی پہ چڑھایا بالکل صاف ستھرا اجلا سا پھر واپس آ گئے اور اس کے بعد پھر وہی کرتے رہے اور سامنے ڈھیر ہے ٹوٹے ہوئے پیمانوں کا۔ سوال یہ نہیں ہے۔ کہا یہ بڑی عظیم چیز ہے یہ کانفرنس جس کے لیے تم جمع ہوتے ہو۔ ایک لفظ ہے للناس، عزیزانِ من! اس کی شرح کرتے چلے جایئے اور جھومتے چلے جایئے۔ کہا یہ اجتماعِ عظیم اس لیے ہے قیامًا للناس تا کہ انسانیت اپنے پاؤں پہ کھڑی ہو جائے کوئی فرد کسی دوسرے کا محتاج نہ ہو اس دنیا کے اندر۔ عزیزانِ من! میں کیا عرض کروں کہ کیا الفاظ قرآن کے ہیں۔ لیکن الفاظ سننے والا بھی تو سوچئے کون تھا۔ اور پھر اس زبان پہ جایئے ہزاروں کی تعداد میں الفاظ اس کے لیے بکھرے پڑے ہونگے۔ اس چننے والے نے ایک لفظ اس میں سے قیامًا للناس یہ اجتماع کسی ایک قوم کا اجتماع نہیں ہے کسی ایک جماعت کے لیے نہیں ہے کسی ایک اہل مذہب کا نہیں ہے۔ آپ کو یاد ہوگا میں نے حج کے متعلق یہ کچھ کہا تھا سارے قرآن میں حج کے متعلق جہاں ذکر ہے عزیزانِ من! وہ للناس کہا ہے نوعِ انسانی کے لیے ایک چیز ہے۔ اور یہ ہے کہ آوازیں دے دے کے بلاؤ ان لوگوں کو تا کہ یہ آ کے **لیشھدوا منافع لھم** تا کہ یہ لوگ آ کے دیکھیں کہ تم ان کے منفعت کے لیے کیا کچھ کر رہے ہو۔ سوچتے ہیں آپ کاہے کے لیے تھا یہ حج؟ قیامًا للناس تا کہ پوری انسانیت اپنے پاؤں پر کھڑی ہونے کے قابل ہو جائے۔ عزیزانِ من! آپ سوچئے افراد کو تو چھوڑیئے کتنی قومیں آج دنیا میں ہیں جو یہ کہہ سکتی ہیں ہم اپنے پاؤں پہ کھڑی ہیں؟ اور دنیا میں جس قدر فساد برپا ہے کیا وہ اسی لیے نہیں ہے کہ وہ اسی لیے نہیں ہے کہ بیشمار قومیں ایسی ہیں جو اپنے پاؤں پہ آپ کھڑی ہونے کے قابل نہیں ہیں دوسروں کے سہارے سے کھڑی ہیں۔ ہر وقت کانپتی ہیں لڑکھڑاتی ہیں کہ سہارا اگر چھوٹ گیا گر پڑے ہم۔ اس نے کہا ہے کہ یہ ہے غلط نظام جس کی وجہ سے ایک فرد دوسرے فرد کا محتاج ہے ایک پارٹی دوسری پارٹی کی محتاج ہے ایک قوم دوسری قوم کی محتاج ہے۔ اور اس نے کہا ہے کہ جہاں کوئی انسان دوسرے کا محتاج ہو انسانیت کی تذلیل ہو جاتی ہے وہاں جا کے۔ ایک ایسا نظام ہے جس کے اندر مقصود اس کا قیامًا للناس ہے۔ کہتا ہے یہ تو مقصد ہے لیکن یاد رکھو! ان مقاصد کے لیے یہ اجتماعات اس کے لیے یہ انتظامات، پہلی چیز تو یہ کہ اس قسم کا وقت مقرر

کرنا جس میں قرآن نے لڑائی کو حکماً بند کر دیا ہوا ہے۔ اس اجتماع کے لیے بین الاقوامی ایک وہ جینوا کنونشن آج کی اصطلاح میں کہتے ہیں قرآن کی جینوا کنونشن ہے یہ کہ چار مہینے ایسے رکھنے چاہئیں سال کے اندر جن میں جنگ کہیں بھی ہو رہی ہو جنگ ختم کر دی جائے۔ بڑی عجیب چیز ہے یہ عزیزانِ من!۔ جنگ تو ہوتا ہی جذبات کو جوش میں رکھنے سے جنگ جاری رہتی ہے جہاں یہ جذبات ذرا ٹھنڈے پڑ جائیں جنگ خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔ اور اگر جنگ کو تین مہینے کے لیے مسلسل بند کر دیا جائے وہ خود بخود ہی ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ تین مہینے تو یہ ہیں **قیاماً للناس** کے۔ اس اجتماع کے لیے سفر بھی بے خطر' اجتماع بھی بے خطر' واپسی بھی بے خطر۔ دوسری جگہ کہونگا کہ یہ اجتماع عظیم حج ہے' عمرہ ہوتا ہے وہ اجتماع جو ایم جنسی کے وقت میں جو چھوٹی چھوٹی کانفرنسیں آپ بلا لیتے ہیں وہ عمرہ اس کو کہتے ہیں۔ اس کے لیے بھی ایک مہینہ الگ رکھا ہوا ہے قرآن نے۔ **والشھـــر الحـرام** کہا کہ یہ جو چیزیں اس سے متعلق ہیں اس اجتماع سے وہ بھی ایسی ہیں جن کا Respect ضروری ہے۔ (**والھـدی والـقـلآئـد**) (5:97) اس اجتماع کے لیے کھانے پینے کی چیزیں جو لوگ بھیج رہے ہیں تحفۃً بھیج رہے ہیں ساتھ تمہارے آ رہی ہیں ان کا احترام بھی ضروری ہے۔ اس لیے کہ مقصد جتنا عظیم ہوگا اس کے حصول کے لیے ذرائع اتنے ہی اہم ہو جاتے ہیں۔ کتنا سنبھال کے آپ گتے کے اس ٹکڑے کو رکھتے ہیں جسے ٹکٹ کہتے ہیں۔ راستے چلتے ہوئے گاڑی میں بیٹھے ہوئے ٹٹول لیتے ہیں کہ او ہو ٹکٹ ہیگا نا۔ اس کی قیمت کچھ نہیں ہوتی وہ ایک ٹوکن ہوتا ہے ایک نشان ہوتا ہے ایک سمبل ہوتا ہے یہ ذرائع اور Symbol جو ہیں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ فوج کا جھنڈا ایک بانس اس پہ ذرا سا ایک کپڑا لپیٹا ہوا لیکن قوموں کی شکست و فتح کا راز اس کے کھڑے رہنے اور اس کے جھک جانے میں ہوتا ہے۔ یہ ہیں **الھدی و القلآئد**۔ (**ذٰلک لتعلموا ان اللہ یعلم ما فی السمٰوٰت و ما فی الارض و ان اللہ بکل شیءٍ علیم**) (5:97) کہتا ہے یہ اس لیے ہے کہ تم سمجھ رکھو اس بات کو غور کرو کہ باہر کا نظام اس حسن و خوبی سے کیوں چل رہا ہے کہ ہر شے خدا کے قانون کے مطابق چل رہی ہے۔ اور قانون اس خدا کا ہے جو جانتا ہے سمجھتا ہے دیدہ ور ہے بصیر ہے سمیع ہے علیم ہے دھاندلی نہیں ہے استبداد نہیں ہے۔ تو نظام کائنات اس طرح چل رہا ہے۔ اور ہم چاہتے یہ ہیں کہ تمہارا نظامِ زندگی بھی اسی طریق سے چلنے والا ہو۔ اور اسی صورت میں چل سکتا ہے کہ خدائے علیم کے بتائے ہوئے قوانین کے مطابق تمہارا نظم و نسق قائم ہو۔ (**اعـلموا ان اللہ شدید العقاب و ان اللہ غفور رحیم**) (5:98) یاد رکھو! دونوں چیزیں یاد رکھو شدید العقاب بھی ہے غفور رحیم بھی ہے۔ کیا بات ہے صاحب!!۔ سرکشی میں جو جرم کرتا ہے قانون کو توڑتا ہے دیدہ دانستہ یہ کچھ کرتا ہے بڑی سختی سے پکڑنے والا ہے **شـدیـد العقاب**۔ وہی میں نے کہا تھا کہ دین وعظ کا نام نہیں۔ جس قانون کے پیچھے قوتِ نافذہ نہ ہو عزیزانِ من! وہ قانون نہیں ہوتا Law کے پیچھے؟؟؟؟ بڑی ضروری ہے اور پھر اس کے بعد ایسا انتظام کہ اس کو Inforce کر سکے اس؟؟؟ کو۔ **شـدید العقاب** بڑی سختی سے پکڑنے والا۔ لیکن یہی بات نہیں ہے کہ

ڈنڈا ہاتھ میں لیا ہوا ہے اور ہر مقام پہ وہ کھڑا ہوا ڈنڈے سے ہر کام لے رہا ہے۔ **غفور رحیم** جہاں وہ دیکھتا ہے کہ اصلاح ہو سکتی ہے وہ سامانِ حفاظت دیتا ہے سامانِ نشوونما عطا کرتا ہے۔ دومنٹ کے لیے ایک ہنسی والی بات میں کہوں کہ پچھلے ہفتے ایک چھوٹی سی بچی نے ایک سوال کیا اُس نے کہا یہ کہ یہ ہم قرآن میں دیکھتے ہیں کہ اللہ اپنے متعلق کہتا ہے ہم رحیم ہیں ہم کریم ہیں ہم رزاق ہیں تو یہ اپنی تعریف آپ ہی اللہ میاں کرتا چلا جاتا ہے یہ تو کچھ اچھی نہیں لگتی۔ بچی کی بات بڑی صحیح تھی اس نے اپنے تصور سے یہی سوچا۔ یہ جتنی چیزیں قرآن کی آتی ہیں یوں کہیے خدا کیسا ہے کوئی انسانی ذہن بتا نہیں سکتا۔ **سبحان اللہ تعالیٰ عما یصفون** تم جو کچھ بھی اس کے متعلق کہو وہ اس سے ماوراء ہے وہ ادراکِ انسانی میں آ نہیں سکتا۔ اب خدا کیسا ہے یہ کیسے پتہ چلے۔ اس نے کہا کہ خدا خود بتائے گا کہ وہ کیسا ہے۔ اب خدا نے بتایا یہ وحی کے ذریعے سے تو صیغہ متکلم کا وہ Use کرے گا نا تو وہ کہے گا نا میں ایسا ہوں اور میں ایسا ہوں۔ اب یہ اس کا کہنا کہ میں رحیم ہوں میں کریم ہوں وہ تعریف نہیں اپنی بیان کر رہا بلکہ بتا رہا ہے کہ میں کیسا ہوں۔ اگر کوئی دوسرا شخص بتاتا اگر یہ قرآن خدا کا نہ ہوتا رسول کا ہوتا رسول کہتا خدا ایسا ہے خدا ایسا ہے پھر یہ بظاہر شبہ نہ پیدا ہوتا کہ خدا اپنی تعریف کر رہا ہے کہتے ہم کہ رسول خدا کے متعلق یہ کہہ رہا ہے۔ لیکن قرآن تو خدا کے الفاظ میں ہے خدا اپنے متعلق بتاتا ہے۔ اور اگر اس کی کیفیت یہ ہوتی کہ وہ یہی کہتا ہے شدید العقاب بھی ہوں عذاب الیم بھی ہوں ایسا بھی کرتا ہوں یہ کرنے والا ہوں اور یہ جو باقی چیزیں جن کو کہتے ہیں صفات اچھی ہیں اس کے متعلق وہ کہتا ہے کہ اس سے شرم آتی ہے لوگ کہیں گے کہ جی ''اپنے منہ میاں مٹھو بندا پیا ہیگا وے۔ فیرا ے گلاتے رہ ای جاندیاں''۔ یہ خدا نے صفت نہیں کی۔ میں نے مثال سے سمجھایا تھا کہ اگر شہد کو زبان مل جائے اور وہ یہ کہے کہ میں بڑا ہی میٹھا ہوں وہ اپنی تعریف نہیں کر رہا اپنی خصوصیت بتاتا ہے۔ تو قرآن میں خدا نے خدا کی خصوصیت بتائی یوں کہیے نا۔ اس لیے یہ الفاظ آئے ہوئے ہیں۔ (**ما علی الرسول الا البلٰغ**) (5:99) رسول کے ذمے تو بات کو صرف پہنچا دینا ہے Anouncement Law کی قانون کی وہ یہ کرتا ہے۔ (**واللہ یعلم ما تبدون و ما تکتمون**) (5:99) اور پھر یہ چیز کہ بظاہر تم کیا کچھ کرتے ہو یہ کچھ بھی قانون دیکھتا ہے۔ لیکن تم کرتے کیا ہو اور چھپاتے کیا ہو اصل چیز یہ ہے۔ اور یہاں خدا کی ضرورت پڑتی ہے نہ رسول جان سکتا ہے نہ تمہارا یہ قانونی نظام جان سکتا ہے نہ کوئی جج جان سکتا ہے نہ کوئی داروغۂ جیل سمجھ سکتا ہے۔ اور ساری بات انسانیت کی اس پہ ہے جو دل میں ہے تمہارے ہم اسے جانتے ہیں۔ یہاں کی سزائیں یہاں کی اور جو تم بنے ہوئے ہو وہ ہمارے پاس آئیں گے سارے۔ (**قل لا یستوی الخبیث و الطیب ول اعجبک کثرۃ الخبیث فاتقوا اللہ یاولی الالباب لعلکم تفلحون**) (5:100)

کہا کہ غلط نظام معاشرہ دنیا میں پھیلا ہوا ہے (**ظھر الفساد فی البر و البحر**) خشکی اور تری میں فساد ہی فساد ہے۔ پتہ نہیں قرآن نے

تو شاید اپنے زمانہ نزول کی بات کی ہوگی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس سے زیادہ آج یہ چیز لاگو ہورہی ہے فساد ہی فساد برپا ہے۔ فساد کے غلط نظام میں وہ کہتا ہے خباث جن چیزوں کو خبیث کہا جاتا ہے وہ بڑی عام ہوجاتی ہیں۔ یہ سب چیزیں یہ حرام کی اور رشوت ستانیوں کی قانون شکنیوں کی یہ سمگلنگ کی اور جتنی چیزیں بھی۔ کہ جبھی ایک لفظ خبیث قرآن نے ایک بات کہدی۔ طیب بہت کم رہ جاتی ہیں۔ کہتا ہے کہ تمہارا شعار یہ ہے کہ خبیث کی کثرت تمہیں کتنی ہی Tempting کیوں نہ معلوم ہو کہ کچھ نہیں کرنا پڑتا یوں کیا جاتا ہے تو دس ہزار روپیہ آجاتا ہے کثرت ہے یہ خبیث کی۔ کہتا ہے یہ چیز بڑی Tempting ہوتی ہے۔ لیکن مومن کا شعار یہ ہے کہ خبیث کی کثرت ہی کتنی ہی زیادہ Tempting اس کے لیے کیوں نہ ہوجائے وہ کبھی اس کی طرف نہیں جاتا وہ طیب کے اندر رہتا ہے کم ہی کیوں نہ ملے۔ اس دور میں عزیزانِ من! بڑی ہی ضرورت ہے اگرچہ بڑے ہی کریکٹر کی ضرورت ہے۔ اور یہ میں عرض کرونگا ایک دوست سے رات میں کہہ رہا تھا ایک گھر کے اندر اگر آپ یہ انتظام کرلیں کہ خبیث کے آنے کے امکانات کے باوجود وہاں آپ رزق حلال لاتے چلے جائیں تو وہ جو کہا تھا نا اس مائی نے' محمود غزنویؒ نے یہاں حملہ کیا ایک بڑھیا کا بیٹا ساتھ آیا فوج میں۔ واپس گئی فوج بڑھیا کا بیٹا نہیں تھا میدانِ جنگ میں مارا گیا اس نے آن کے پوچھا اس کے ساتھیوں سے میرا بیٹا مارا گیا کیسے ہوا۔ ان ساتھیوں نے اس سے کہا کہ وہ بھگوڑا تھا بھاگا' پیچھے اس کے تیر لگا اور وہ مرگیا۔ کہنے لگی کہ یہ نہیں ہوسکتا تم غلط کہتے ہو۔ بات آگے بڑھ گئی۔ محمود نے خود بلایا اس بڑھیا کو' کہا تم اس دعوے کو کیسے کہہ رہی ہو وہ ساتھی ہیں اس کے ساتھ تھے تم کیسے کہہ رہی ہو کہ میدانِ جہاد سے وہ پیٹھ دکھا کے نہیں بھاگا تھا۔ بڑھیا نے کہا کہ میں نے جو اس بیٹے کی پرورش کی تو ایک قطرہ دودھ کا رزقِ حرام کا اس کے گلے میں نہیں ٹپکایا اس لیے ناممکن ہے میدانِ جہاد سے وہ پیٹھ دکھا کے آجائے۔ اس کے ساتھیوں نے آکے محمود سے معافی مانگی کہا کہ ہم نے تو مذاق کیا تھا واقعی اس کے سینے میں تیر لگا تھا۔ کہا جائے گا کہ یہ بات کس عزم و یقین سے کیسے اس نے کہہ دی۔ یہ بات ایسی نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آئے۔ عزیزانِ من! جس گھر میں یہ انتظام ہو کہ رزق حلال ہی آئے گا خواہ فاقہ کیوں نہ آجائے اس گھر میں جو بچے پرورش پاتے ہیں ان کی تربیت نہایت طیب ماحول کے اندر ہوتی ہے بڑا بلند کریکٹر ان بچوں کا ہوتا ہے۔ روز دیکھتے ہیں کہ ساتھ والے گھر کے اندر چھنن چھنن ہورہی ہے ادھر دیکھتے ہیں یا تو بمشکل روٹی ملتی ہے اور اکثر فاقہ بھی آتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ یہاں سب کچھ ہوسکتا ہے سب کچھ' اسکے باوجود یہ کہتے ہیں کہ نہیں بیٹا! طیب کا حکم ہے وہی ہونا چاہیے خبیث کی کثرت کتنی ہی کیوں نہ للچائے ہیں ہونی چاہیے۔ اس تعلیم و تربیت اور ماحول اور فضا کا جو اثر اس گھر کے اندر پڑتا ہے اس فضا میں سانس لینے والا بچہ میدان جنگ میں پیٹھ دکھا کے نہیں بھاگ سکتا۔ مائی کو منطق تو نہیں آتی تھی بات بڑی صحیح تھی اس کی عزیزانِ من!۔ جس گھر میں بچہ یہ دیکھتا ہے کہ صاحب! سب کچھ ہونے کے باوجود چلا آرہا ہے یہ سارا کچھ جو کچھ بھی ہے اس کے سامنے ہورہا ہوتا ہے وہ پروان چڑھتا ہے اس فضا میں۔ کہا کہ خبیث کی کثرت'

عجیب چیز ہے عزیزانِ من! جو قرآن یہ کہہ گیا ہے۔ اس سے پیشتر ہمارے ہاں بھی رشوت وغیرہ ہوتی تھی لیکن وہ خبیث کی کثرت نہیں ہوا کرتی تھی۔ وہ جو قرآن نے دوسری جگہ کہا ہے کہ ایسا معاشرہ جہنمی آئے گا (شرًا مستطیرًا) کہ شر کی چنگاریاں اڑ کے جا لگیں گی دوسروں کو۔ خبیث کی کثرت جو ہے وہ تمہیں کہیں للچا نہ دے، طیب کے اوپر رہو۔ تم بھی اپنی زندگی نہایت حسین، متوازی، پاکیزہ بسر کرو گے اولاد بھی اس فضا کے اندر پروان چڑھے گی آنے والی نسلیں بھی یہی روایات آگے چلیں گی۔ اب تم دیکھو گے کہ اس کے بعد ایک دن خبیث ختم ہو جائے گا طیب کی کثرت ہو جائے گی۔ (**فاتقوا الله یاولی الالباب لعلکم تفلحون**) (5:100) کہا بات یہ ہم جو کہہ رہے ہیں محض عقیدے کی نہیں ہے۔ **یاولی الالباب** اے صاحبانِ عقل و ہوش! یہ بات عقل کی ہے جو ہم کہہ رہے ہیں۔ **لعلکم تفلحون** ۔ یہ خبیث اور طیب کھیتی ہوتی ہے۔ خبیث وہ کھیتی ہوتی ہے جس میں کوئی پھل نہ لگے پتے بہت زیادہ خواہ ہوں۔ طیب ہوتا ہے جس کو پھل لگیں۔ اس نے کہا ہے کہ غلط قسم کی کھاد دے کے دیکھو تو سہی کھیتی کو، غلط قسم کا پانی، غلط قسم کی زمین ان چیزوں کے اندر محنت کر و ڈالو بیج پھر دیکھو کیا اگتا ہے۔ کہا یہ بات ہم نے کوئی مذہب یا عقیدے کی تو نہیں کی نا عقل و فکر کی ہے نا۔ کہتا ہے بس عقل فکر کی بات اولی الالباب ہے، کہتا ہے یہ ایک عام سی عقل تھی ہم عقل کا جو'تت' جسے کہتے ہیں نا نچوڑ اسے کہتے ہیں الباب' لبِ لباب عقل کا یہ ہے کہ جو بات تم اس طرح سے کھیتی میں دیکھ رہے ہو اپنی ذات کی کھیتی کے اوپر اس کو منطبق کر کے دیکھ لو۔ (**یاولی الالباب لعلکم تفلحون**) تاکہ تمہاری اپنی ذات کی کھیتیاں نشو و نما پائیں۔ عزیزانِ من! اپنی خاطر نہیں آنے والے بچوں کی خاطر تو یہ بات کیجیے کہ ان کی کم از کم تربیت، یہ سانس لیں اس فضا میں کہ جس میں ان کو پتہ ہو کہ فاقہ آ گیا ہے حرام رزق کا ایک نوالہ اس گھر میں نہیں آئے گا۔ قرآن نے یہاں طیب اور خبیث صرف دو لفظ کہے ہیں تشریح نہیں کی۔ قرآن اصول دیتا ہے عزیزانِ من! دیگر مقامات میں ان کے مفہوم واضح کرے گا اصول کی جزئیات نہیں دے گا۔ رزق حرام میں کیا کیا کچھ داخل ہو جاتا ہے تفصیل نہیں وہ دیتا قرآن کا اصول ہے۔ اور یہاں بات چلی آ رہی ہے کھانے پینے کی ان اعتراضات کی، ایسی عظیم ایک آیت آتی ہے اور مجھے لے ہی آنا چاہیے خواہ دو منٹ زیادہ بھی ہو جائیں۔ قرآن کا اصول عزیزانِ من! بڑی سمجھنے کی بات ہے یہ جو قرآن کہتا ہے۔ قرآن نے کہا یہ ہے کہ (**تمت کلمت ربک صدقًا و عدل لا مبدل لکلمت الله**) جو کچھ خدا نے کہنا تھا مکمل طور پہ کہہ دیا اتمام ہو گیا اس کا، ہمیشہ کے لیے غیر متبدل ہو گیا نہ تبدیلی ہوتی ہے نہ اضافہ ہو گا نہ اس میں سے منسوخ ہو گی۔ (**اکملت لکم دینکم**) اتمامِ دین ہو گیا مکمل ہو گیا۔ بڑی چیز ہے مکمل ہو جانا۔ مکمل ہو گیا کلمت رب تو یہی ہے نا جسے قرآن آپ کہتے ہیں، قرآن میں دین مکمل ہو گیا۔ اعتراضات آتے ہیں صاحب کہ جی دین مکمل ہو گیا تو بتائیے صاحب ظہر کی کتنی رکعتیں ہیں قرآن میں یہ تو نہیں ہے۔ میں ایک تو یہ عرض کر دوں اعتراض ایسے یہ کرتے ہیں جیسے کوئی عیسائی پادری یا پنڈت اعتراض کر رہا ہو کسی کے اوپر۔ اور قرآن کے متعلق یہ کہنے والے کہ یہ مکمل

ہو گیا یوں سمجھتے ہیں جیسے قرآن اس کا ہے اپنے متعلق کوئی بات کہتا ہے اس لیے جو اعتراض ہوسکتا ہے جڑ واس کے اوپر بھاگ کے کہاں جاسکتا ہے۔ بتاؤ جناب ! مکمل ہو گیا دین قرآن کے اندر' کہتے تھے صاحب کہاں ہے اس میں لکھا ہوا' کہاں لکھا ہے کہ ہاتھ کہاں باندھنے چاہئیں' کہاں ذکر آیا ہے کہ زکوٰۃ اڑھائی پرسنٹ ہے کیسے دینی چاہیئے' کیسے مکمل ہو گیا۔ وہ مناظرے میں ہوتا یہ ہے سوچتا نہیں ہے کہ یہ اعتراض کس پہ کر رہا ہے۔ یہ خدا کی آیت پڑھ رہا ہے کہ تمت کلمت ربک مکمل ہو گیا وہ قرآن کے اندر دین' کہتا ہے مکمل ہو گیا بتاؤ! رکعتیں کہاں ہیں۔ بظاہر اس کو شکست دے رہا ہے اس پہ اعتراض کر رہا ہے جس نے اعلان کیا ہے کہ دین مکمل کر دیا میں نے اس کے اندر۔ کہاں مکمل کر دیا بتاؤ؟ پوچھو اللہ میاں سے۔ یہ جتنی چیزیں اور ہیں جزئیات جسے آپ زندگی کی کہتے ہیں یہ تو قرآن میں نہیں ہیں۔ قرآن آخری کتاب خدا کی قیامت تک کے آنے والے انسانوں کی تیرہ سو سال پہلے کی نازل ہوئی ہوئی۔ غور کیجیے کہ انسانیت کن راہوں میں کن ارتقائی مراحل میں سے گذر رہی ہے اس کا تمدن اس کی تہذیب اس کا معاشرہ اس کی سیاست اس کی اقتصادیات اکنامکس کن کن دوائر میں سے گذرتی ہوئی آگے بڑھتی چلی جا رہی ہیں۔ کیا یہ ممکن بھی تھا کہ یہ قیامت تک کے لیے جن جن تقاضوں کی ضرورت پڑنی ہے ایک ایک جزئی بات اس کے اندر دیدی جاتی آپ کو پھر۔ اور دیدی جاتی تو پھر اس میں یہ Determine کیا کیا جاتا کہ یہ پہلے دوسو سال کے لیے ہے پھر تقاضا بڑھے گا پھر اس کو منسوخ سمجھ لینا پھر اس کے بعد یہ ہوگا اب اس کے بعد اگر دوسو سال کی بجائے دوسو سال ایک مہینہ ہو گیا تو کیا ہوگا۔ یعنی آپ سوچئے کہ اگر ایک ایک جزئیات تک غیر متبدل طور پر کسی وقت کسی کتاب میں دیدی جائیں تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ چل ہی نہیں سکتا انسان۔ قیامت تک کے لیے دین وہی رہ سکتا ہے کہ دین کی حدود تو غیر متبدل طور پر متعین کر دی جائیں تلک حدود اللہ یہ Boundry Line یہ اصول ہیں یہ غیر متبدل ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی مکمل بھی ہیں ان میں کسی اضافے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔ ان حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنے اپنے زمانے کے تقاضے کے مطابق ان پر عمل پیرا ہونے کے طریقے خود وضع کرو۔ یہ طریقے بدلتے جائیں گے یہ جزئیات بدلتی جائیں گی وہ حدود اپنی جگہ قائم رہیں گی۔ فٹبال کے کھیل کا میدان ہے وہ چار باؤنڈری لائنز اندر لگی ہوتی ہیں اس کے بعد کہہ دیا جاتا ہے کہ مقصد زندگی تمہارا یہ ہے کہ اس گول کے اندر بال کو لے جاؤ اور تم اس کے اندر لے جاؤ۔ کھلاڑیوں کو اس کی اجازت ہوتی ہے ایک ایک سانس کے اوپر وہ خود فیصلہ کرتے ہیں کہ اب مجھے ہیڈ لگانا چاہیے اب مجھے پیچھے کی طرف بھیجنا چاہیے اب مجھے پاس کرنا چاہیے۔ اور اگر شروع میں وہ کہیں کہ صاحب ہمیں پورے گھنٹے بھر کے متعلق Instructions دیدیجیے Definite کہ کیا کرنا چاہیے پانچ منٹ بھی کھیل سکتی ہے وہ ٹیم؟۔ یہ جو چیز ہے کہ یہ ایک چیز غیر متبدل اصول' ان اصولوں کی روشنی میں اپنے زمانے اور اپنی ضروریات کے مطابق اس کے طریقِ کار کی جزئیات خود متعین کرو ان کو متعین نہ کرا لو جکڑے جاؤ گے چل نہیں سکتی یہ بات۔ اور پھر اگر یہ دین کہیں دو چار سو برس کے لیے رہنا

ہوتا تو چلئے کچھ وقت کے لیے چلتے اس کے بعد جکڑے جاتے اس کو چھوڑ دیتے پھر ایک دوسرا رسول آ جاتا وہ تبدیلیاں پیدا کر دیتا۔ اب رسول تو دوسرا آنا نہیں' قرآن ہے یہی۔غور فرمایا آپ نے۔اس کے لیے نظام کی ضرورت ہوگی آپ کو ان اصولوں پر عمل پیرا ہونے اور کرانے کے لیے ایک نظام' مرکز' مملکت جو ان اصولوں کے تو اندر رہے خود اور ان کے مطابق جزئیات مرتب کرتی چلی جائے۔ یہ ہے اسلام کا سیاسی نظام عزیزانِ من!۔ Permanents & Change کا انتظام' ثبات اور تغیر کا ایک امتزاج وہ اٹل غیر متبدل یہ بدلنے والی چیزیں۔اب قیامت تک چلے گا یہ نظام' کہیں دقت ہی نہیں پیش آئے گی۔ یہ جو زمانہ تھا اس میں یہودیوں کا سامنے تھا۔ یہودی شریعت میں آپ دیکھئے صاحب! وہ جزئیات انہوں نے جو متعین کی ہیں ایک مرغی ذبح کرنے کو دید یجیے ان کے ہاں کے (وہ کرتا ہی ان کے ہاں کا پریسٹ ہے نا) تو من تیل ہوتا ہے تو رادھا ناچتی ہے' آدھا دن ہو جاتا ہے اس کی جزئیات پورا کرنے کے لیے۔ ایک ایک چیز کے اندر ان کے ہاں یہ کیفیت ہے۔ان کے سامنے بھی تو یہ بات تھی کہ دین تو بہر حال ایسا ہونا چاہیے نا جو یہ بتا دے صاحب! اٹھو کیسے' بیٹھو کیسے' دایاں قدم آگے رکھو بایاں پیچھے رکھو' مسجد میں جاؤ یہ کرو' جوتا اتارو تو یہ کرو ایک ایک چیز غیر متبدل سارے زمانے کے لیے ساری دنیا کے لیے ہر قوم کے لیے ہر معاشرے کے لیے ہر زمانے کے لیے ابدی طور پر۔ یہ تھا ذہن میں۔ سنئے اب قرآن کی آیت جس تک میں آیا ہوں بڑی اہم آیت ہے قرآن کے سیاسی نظام کا عروۃ الوثقیٰ' بنیاد' نقطۂ ماسکہ۔(**یاایھا الذین اٰمنوا لا تسئلوا عن اشیآء ان تبدلکم تسؤ کم**) (5:101)

جو تفصیلات و جزئیات ہم خود نہیں دے رہے ان کے متعلق کرید مت کیا کرو جزئیات کے متعلق پوچھنا شروع کر دیا کرو۔ یاد رکھو! (**ان تبدلکم تسؤ کم و ان تسئلوا عنھا حین ینزل القراٰن تبدلکم**) (5:101) وحی نازل ہو رہی ہے تم اصرار کر رہے ہو کہ نہیں صاحب! ساری جزئیات یہ بتایئے دایاں قدم رکھا جائے گا یا بایاں رکھا جائے گا' اِدھر مڑا جائے گا یا ادھر مڑا جائے گا' ٹوپی کیسے پہنی جائے گی جوتا کیسے ہونا چاہیے۔ کہا وحی نازل ہو رہی ہے اصرار تم کر رہے ہو' اگر یہ ساری چیزیں متعین کر دی گئیں (**ان تبدلکم**) مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔تو ہم تو اتنی وسعت دے رہے ہیں تم اپنی زندگی کو اجیرن کیوں کر رہے ہو۔ وحی جب ختم ہو جائے گی اس کے بعد تو سوال ہی نہیں کہ کوئی بتانے والا ہو وہ کہے گا کہ صاحب نبوت ختم ہوگئی۔ جب ابھی نبوت جاری ہے رسول اللہ ﷺ موجود ہیں وحی نازل ہو رہی ہے اصرار کر رہے ہو۔ اگر تمہارے اصرار کے اوپر رسول یا خدا اس کا جھک جائے اور یہ چیزیں جو ہیں وحی کے ذریعے سے تمہیں دیدے وہ جزئیات تو تم مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔(**عفا اللہ عنھا**) (5:101) یہ جو تم اس وقت تک کر گئے ہو کر رہے ہو یہ دوسروں کی دیکھا دیکھی تمہارے ذہن میں بات تھی اللہ اس سے آگے گذر جاتا ہے درگذر کرتا ہے۔ یاد رکھو! آئندہ یہ کچھ نہ کرنا مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔(**واللہ غفور حلیم**) (5:101) آہاہاہا۔ بات ایسی تھی جس کے اوپر گلا پکڑ لیا جاتا

لیکن خدا حلیم ہے۔آپ کو شاید یاد ہے میں نے حلیم کے معنی بتائے تھے۔''آ اک تے جیہڑی حلیم ہے نا جیہڑی اوحرم اچ پکدی ہوندی اے'' یہاں تو محرم میں پکتی ہے دلی میں یہ حلیم شریف روزوں میں آخری جمعہ کو جامعہ مسجد میں جمع کی نماز ادا کرنے کے لیے بیس بیس میل کے گاؤں تک کے لوگ آیا کرتے تھے جمعرات کی شام کو ہی آ کے بیٹھ جایا کرتے تھے۔رات بھی وہاں رہتے تھے پھر جمعۃ الوداع وہاں پڑھتے تھے بڑے زور کا وہ جمعہ ہوتا تھا دلی میں۔اس کے بعد تو پیں چلتی تھیں۔تو اندر جمعہ ہو رہا ہوتا تھا تو باہر ہی سڑک کے کنارے وہاں بڑی بڑی دیگیں دوکانداروں نے چڑھا رکھی ہوتی تھیں حلیم شریف کی۔تو وہاں نماز پڑھنے کے بعد یہ ہجوم کر کے باہر آتے تھے اور اسی وقت حلیم کھانا شروع کر دیتے تھے حلیم شریف۔وہ حلیم وہ ہوتی ہے جس میں وہ ست ناجہ ڈالتے ہیں اور پھر وہ حلیم ہو جاندی ہیگی اے صاحب اور ہمارے ہاں اسی سے حلیم الطبع ہوتا ہے جس میں کوئی جان ہی باقی نہ رہے''ذرا کتے رڑکداوی نہ ہووے''۔بڑی عظیم چیز ہے خدا نے اپنے متعلق کہا ہے۔یہ جو چیز کہی ہے آپ نے دیکھا اس میں بڑا بچپن سا ہے کہ ذرا ذرا سی چیز آ کے بچہ پوچھتا ہے نا کہ''ابا جی نلکا نئیں کھلدا اکی کراں میں'' بیٹا یوں کرلو''او جی نلکا بند نئیں ہوندا ابا جی'' یوں کرو جی''او جی میں موڑھے تے کس طراں بیٹھاجی'' بھئی چوکی رکھ لو بچپن ہے۔آپ بچے کی اگر ان چیزوں سے تنگ آجائیں تو بچے کی Incrusative Nature جو ہے ناپوچھ کے علم حاصل کرنا' بچہ علم اس طرح سے حاصل کرتا ہے' وہ دب کے رہ جائے گا۔اس کو ڈانٹئے یہ کچھ کیجیے تو وہ آپ کے پاس تو ڈر کے مارے آئے گا نہیں پوچھے گا کسی سے نہیں تو سیدھی سی بات ہے کہ یا ہاتھ جلا لے گا یا ڈوب کے مر جائے گا یا دوسری طرف چلا جائے گا یا بعض چیزوں کے اندر محتاط ہو گا Undevelope رہ جاتا ہے بچہ۔آپ کو اس کے لیے بہت بڑا وسیع القلب ہونا پڑتا ہے کہ غصہ نہ اس کی باتوں پہ آئے بتاتے چلے جائیں۔یہ جو کچھ قرآن نے کہا ہے کہ تم بچوں کی طرح چھوٹی چھوٹی سی باتیں آ کے پوچھنی شروع کر دیتے ہو اوس سے غصہ چڑھنا چاہیے نا۔حلیم ان کے ہاں کہتے تھے ایسا اونٹ' ایک تو کمزور سا بیل ہوتا ہے نا لاغر' کمزور سے بیل کے پاس سے بھی جاؤ تو وہ یوں کرتا ہے وہ سمجھتا مجھے مارنے آ رہا ہے یہ' جھٹ بھڑک اٹھتا ہے اور ہر کمزور آدمی جو ہے وہ دیکھیں گے وہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھڑک اٹھے گا۔اور جو بڑا بھرپور طاقت والا انسان موجود ہو جانور' آپ نے کہیں بیلوں کو یا بھینسوں کو دیکھا ہو گا جو بھرپور ہوتی ہیں بچے اس کے اوپر چڑھے ہوئے ہیں گردن پکڑی ہوئی ہے کان مروڑ رہے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ یوں کر کے پھر وہ جگالی کرنے لگ جاتی ہیں۔ایسا اونٹ عربوں کے ہاں بھرپور توانائیوں کے اندر متوازن شخصیت لیے ہوئے اطمینان سے بیٹھا جگالی کرتا ہے دس بیس بچے اس کے اوپر چڑھے ہوئے ہیں اس کا کان مروڑ رہے ہیں وہ ہنس تو سکتا نہیں وہ کبھی کبھی یوں کر دیتا ہے اور پھر اطمینان سے بیٹھا ہے کہ بچے ہیں ان پہ غصہ کیا کرنا۔اس اونٹ کو وہ حلیم کہتے تھے۔کہا باتیں تم نے یہ بچپن کی کی ہیں لیکن (واللہ غفور) تمہیں سامانِ حفاظت بھی وہ دے گا کہ تم بچ کیسے سکتے ہو جہالت نہ رہے۔اور یہ نہیں کہ وہ ان باتوں سے بھڑک اٹھتا ہے وہ بڑا حلیم واقع ہوا ہے۔قانون

دینے والے کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ کہا لیکن سمجھ رکھو کہ ایسا اگر کرو گے تو ہوگا کیا (قد سالھا قوم من قبلکم ثم اصبحوا بھا کٰفرین) (5:102)
تم سے پہلے ایک قوم نے ایسا کیا تھا (ام تریدون ان تسئلوا رسولکم کما سئل موسٰی من قبل) (2:108) کیا تم بھی یہ چاہتے ہو کہ
جیسے بنی اسرائیل ذرا ذرا سی بات آ کے پوچھا کرتے تھے اور اپنے لیے پھر مصیبت مول لے لی شریعت ایسی بن گئی کہ جکڑ بندی کے اندر پھنس گئے وہ۔
کہتا ہے کہ اس سے پیشتر ایسی حرکت ایک قوم نے کی تھی۔ (ثم اصبحوا بھا کٰفرین) (5:102) عجیب بات عزیزانِ من! کہی۔ کہا اس کے
بعد یہ جزئیات جو متعین کرائیں وہ بچے کا چھوٹا جوتا تھا' جوتا اس وقت تو پاؤں میں آ گیا وہ اس کے اور اگر اصرار یہ ہو کہ یہ جوتا ساری عمر میں یہی
پہنوں گا۔ دو تین چار برس کے بعد پاؤں بڑھ جائے گا جوتا چھوٹا ہو جائے گا پھر کرے گا کیا سیدھی سی بات ہے کہ جوتا اٹھا کے پھینک دے گا۔ انہوں
نے کہا کہ انہوں نے کیا یہ کہ ان جزئیات کو لے کے جکڑ بندی جو اپنے اوپر قائم کی' تھوڑی دور آگے چلے تو زندگی کا گذارنا اجیرن ہو گیا۔ (ثم
اصبحوا بھا کٰفرین) (5:102) تو بجائے اس کے کہ ان جزئیات کے متعلق سمجھتے کہ ہم نے غلطی' خود دین سے ہی بیزار ہو گئے۔ چل سیا پا مکا۔
یہ جو آپ کے ہاں کا نوجوان آج ہو رہا ہے عزیزانِ من!۔ دین کے اصولوں سے یہ کبھی بھی بیزار نہیں ہو سکتا' دین کے اصول اس کے سامنے رکھئے
اور میرا تو تجربہ ہے میرے سامنے یہ آتے ہیں۔ یعنی مذہب سے بھاگے ہوئے نوجوان' دین کے اصول ان کے سامنے پیش کیجیے سر جھک جاتا ہے
ان کا۔ کس چیز سے بھاگے ہیں؟ یہ جو وہ جزئیات ان کو کہی ہیں کہ اٹل ہیں صاحب! کوٹ پتلون نہیں پہن سکتے' ٹائی نہیں لگا سکتے' شیو نہیں کرا
سکتے' میز کرسی پہ بیٹھ کے نہیں کھا سکتے۔ ہوتا کیا ہے؟ نا قابلِ عمل تو ہوتی ہیں یہ جزئیات' اصبحوا بھا کٰفرین تو وہ دونوں میں تمیز کرنا ان کو سکھایا
جاتا وہ اپنے دین کو ہی اٹھا پھینکتے ہیں ''جاؤ سیا پا مکا''۔ کہا اس سے پیشتر بھی ایک قوم نے ایسا کیا تھا اور اس کے بعد ہوا یہ کہ نبھا سکی نہیں وہ اصل سے
ہی منکر ہو گئی' ایسا نہ کر دینا تم نے کہیں۔ قرآن نے یہ کہا تھا عزیزانِ من! اور اس کے بعد پھر آپ نے کیا کیا' جب تک تو یہ نظام قائم رہا اس کی
ضرورت پیش نہیں آئی جب وہ نظام بدلا اور مذہبی پیشوائیت آپ کے ہاں آئی اب پھر فقہ کی جزئیات آپ کے ہاں چلیں۔ ایک ایک اٹھنے بیٹھنے
سونے جاگنے ان چیزوں کے متعلق اس میں آپ دیکھئے یہ جو سات سات برس لگا کے آتے ہیں یہ آپ کے علمائے کرام کر کے کیا آتے ہیں' یہ سارا
کچھ۔ اور یہ بھی سارے مسلمانوں کے لیے ایک نہیں' ہر اہلِ فقہ کے ہاں مختلف۔ صندوقوں کے صندوق لدے ہوئے ہیں ان جزئیات کے۔ زمانے
کے تقاضے ساتھ نہیں دے رہے وہ کہتے ہیں غیر متبدل ہیں یہ' یہی کرنا پڑے گا۔ ٹھیک ہے جو پرانی روش کے ماتحت ابھی کچھ چلے آتے ہیں وہ تو کسی
طرح مرتے دھرتے کچھ کرتے ہیں اور یہ جو صورت نہیں آگے آپ کی قوم کے نوجوانوں کی وہ اٹھا کے اس لبادے کو ہی پھینک دیتے ہیں صاحب۔
کتنی عظیم آیت ہے عزیزانِ من!۔ نظام یہ ہے کہ قرآن میں جو کچھ دیا ہے دین ہے وہ' وہ ہیں بالعموم بجز چند مستثنیات کے اصولی چیزیں۔ ان

اصولوں کی جزئیات اسلامی مملکت کوئی فرد نہیں، کوئی گروہ نہیں صرف اسلامی مملکت ان کے طور طریقے Procedure ان کا Lay Down کرے گی متعین کرے گی اور چلتی جائے گی۔ یہ چیزیں بدلتی چلی جائیں گی اصول اپنی جگہ قائم رہے گا دین مکمل ہے آپ کے ہاں، دین کی شریعت وہ طریقہ جس کے مطابق دین نے آگے چلنا ہے عمل میں آنا ہے بدلتی چلی جائے گی آپ کے ہاں۔ یہ ہے جو قرآنِ کریم نے کہا عزیزانِ من! دیکھا آپ نے کتنی عظیم بنیادی آیت قرآن نے یہ کہہ دی۔ ہم سورۃ المآئدۃ کی آیت 102 تک پہنچ گئے 103 آیت سے آئندہ ہم لیں گے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم . بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المآ ئدۃ۔سولھواں باب (آیات 103 تا 105)

عزیزانِ من!

آج جون 1971ء کی 27 تاریخ ہےاور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ المآ ئدۃ کی آیت 102 سے ہو رہا ہے (5:102)۔ سابقہ آیت جو پچھلے درس کے اخیر میں سامنے آئی تھی یوں سمجھئے کہ اسے ہم چھوکر آگے بڑھ گئے تھے۔لیکن وہ آیت ایسی ہے کہ جس میں تکمیلِ دین٬ ختمِ نبوتﷺ٬ اسلامی نظام٬ مقام انسانیت یہ تمام کے تمام سمٹ کر آ گئے ہیں۔اوراس اعتبار سے میرا خیال ہے آپ مجھ سے متفق ہونگے کہ اس قسم کی اہم اور بنیادی آیت یا آیات کو صرف چھوکر آگے نہیں بڑھ جانا چاہیے۔میں سمجھتا ہوں کہ وہ آیۂ جلیلہ تو ایسی ہے کہ اس پہ کتنے ہی درس اس کے اوپر دیے جانے چاہئیں۔لیکن بہرحال میں کوشش کرونگا کہ اس کی رو سے یہ تمام نقاط جو میں نے ابھی عرض کیے ہیں وضاحت سے سامنے آ جائیں۔اس لیے بھی کہ جیسا کہ عام؟؟؟ کے اعتبار سے توقع ہے یہ آیات شاید درس کے سلسلے میں پھر سامنے نہ آئیں۔اور میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ میں بتوفیق ایزدی قرآن سے سمجھا ہوں آپ احباب کے سامنے بہ تمام وکمال حتی الامکان آ جائے۔بڑی اہم آیت ہے۔اور اسی اعتبار سے آج کا درس بھی وہ کچھ اس میں ایسے ہوگا جیسے ایک کلاس روم میں بات کو سمجھایا جاتا ہےاور درس کے تو معنی ہی یہ ہوتے ہیں۔مجھے بات ذرا پیچھے سے شروع کرنی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ذمہ دار پیدا کرنے والے کی حیثیت سے اس کی ذمہ داری تھی کہ اسے زندگی کے جتنے وسائل اور اسباب کی ضرورت تھی وہ پیدا کر کے دیتا اس نے یہ پیدا کر کے دیے۔لیکن اس کے ساتھ انسان کو کچھ اور بھی ضرورت تھی اور وہ یہ تھی کہ زندگی کے مشکل مقامات اور شاہراہِ حیات کے موڑ جہاں دوراہے ہوں اس کی راہنمائی بھی ساتھ کی جائے۔انسان کو عقل وفکر کی صلاحیت تو دی گئی تھی اور جیسا کہ میں آگے چل کے عرض کرونگا یہ بہت بڑی نعمت بہت بڑا شرف تھا انسانیت کا۔لیکن اس کے باوجود جیسا کہ میں ابھی عرض کرونگا اس کو راہنمائی کی ضرورت تھی ضرورت ہے ضرورت رہے گی۔اس راہنمائی کے دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو طریق تجویز کیا وہ بڑا ہی سائنٹفک تھا ہونا ہی چاہیے تھا سائنٹفک وہ تو حکیم ہے۔اور جسے آپ سائنٹفک آپ کہتے ہیں مبنی بر حکمت ہی اسکا ترجمہ کیا جائے گا نا۔اس طریق کو سمجھنے کے لیے مثال کے طور پر آپ بچے کو سامنے لائیے۔بچے میں عقل وفکر کی صلاحیتیں تو رکھی ہوئی ہوتی ہیں لیکن بچپن کے زمانے میں وہ ناپختہ ہوتی ہیں Undeveloped ہوتی ہیں۔ اب آپ دیکھئے کہ اس زمانے میں بچے کی راہنمائی کس طرح سے ہوتی ہے آپ کیا کرتے ہیں بچہ کیا کرتا ہے۔بچہ ذرا چلنا سیکھتا ہے بولنا سیکھتا ہے تو

آپ دیکھتے ہیں کہ وہ قدم قدم پہ سوال آپ سے کرتا ہے ابا جی یہ کیا ہے وہ کیا ہے یہ کیسے ہے یہ کیوں ہے وہ ایسے کیوں ہے۔ جتنا زیادہ Intelligent بچہ ہوتا ہے اتنے ہی زیادہ اس کے سوالات ہوتے ہیں اور یہ بہت بڑی چیز ہے جو اس کے اندر رکھی گئی۔ آپ اس کے سوالات کا جواب دیتے ہیں اس کی راہنمائی کرتے چلے جاتے ہیں۔ چلنا سیکھتا ہے ذرا بڑا ہوتا ہے آپ اکیلے باہر نہیں اسے جانے دیتے اسے قدم قدم پہ خطرے ہوتے ہیں آپ اس کے ساتھ چلتے ہیں۔ آپ کو راستے معلوم ہوتے ہیں اسے راستے معلوم نہیں ہوتے اسے ضرورت ہوتی ہے کسی ایسے کی جسے راستے معلوم ہوں۔ ہجوم آجاتا ہے تو آپ اس کی انگلی پکڑ کے چلاتے ہیں۔ اور اس طرح سے راہنمائی پاتے پاتے بچہ بڑا ہونا شروع ہو جاتا ہے اور آپ دیکھتے ہیں کہ جوں جوں بڑا ہوتا ہے جسے میں نے کہا ہے بڑا ہوتا ہے یہ بڑا ہونا صرف سن وسال کے اعتبار سے ہی نہیں عقل وفکر کی پختگی آنے کے اعتبار سے بڑا ہونا سمجھئے۔ کیونکہ ایسے انسان ایسے بچے اور اس کے بعد جوان اور پھر خواہ بڑھاپے تک پہنچ گئے ہوں جو عمر کے اعتبار سے تو بڑھتے چلے جائیں لیکن ان کی عقل وفکر میں اس نسبت سے پختگی نہ آئے اسے بڑا نہیں کہا جا سکتا۔ اور بہت سی غلطیاں تو ہماری اسی سے ہوتی ہیں کہ ہم محض عمر کے اعتبار سے کسی کو بڑا سمجھ لیتے ہیں۔ بات دوسری طرف چلی جائے گی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی نسبت سے اس کی عقل وفکر میں پختگی آتی جاتی ہے اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ اس کے سوالات کم ہوتے جاتے ہیں۔ جو باقی رہتے ہیں پہلے کی نسبت زیادہ اہم ہوتے ہیں زیادہ مشکل ہوتے ہیں زیادہ پیچیدہ ہوتے ہیں۔ اور اس سے پیشتر جو بات آپ یونہی چند لفظوں میں اس کی عقل کی سطح کے مطابق جواب دے کے آگے بڑھ جاتے تھے اب وہ ان جوابات سے Satisfy نہیں ہوتا اس سے ذرا اونچی سطح پہ جوابات دینے ہوتے ہیں۔ باہر جاتا ہے تو نسبتاً اسے اس کی کم ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی ساتھ چلے۔ جوانی کے زمانے میں پہنچ جاتا ہے عقل وفکر میں پختگی آجاتی ہے اسکے اس قسم کے سوالات ختم ہو جاتے ہیں۔ اس زمانے میں اس کو کیا ضرورت ہوتی ہے وہی مثال جو میں اکثر دیا کرتا ہوں زندگی کی راہیں اور جہاں کراس روڈ یا موڑ آئے وہاں سائن پوسٹ کہ یہ راستہ کدھر جاتا ہے دوسرا راستہ کس طرف جاتا ہے۔ اس میں ان سائنز کے پڑھنے کی صلاحیت' آنکھوں میں بینائی' باہر روشنی یہ چیزیں موجود ہوں تو آپ بلاخوف وخطر اس بچے کو باہر بھیج دیتے ہیں۔ بلاخوف وخطر بھیج ہی نہیں دیتے یہی بچہ جسے پانچ سات سال اُدھر آپ لے کے چلے تھے تو انارکلی میں انگلی پکڑ کے چل رہے تھے۔ یہ جب اٹھارہ بیس سال کا آپ کے ساتھ ہو تو انارکلی میں ذرا اس کی انگلی پکڑیئے چلتے وقت' وہ جھلا اٹھے گا وہ کہے گا ابا جی! کیا کرتے ہیں آپ مجھ کو ابھی تک آپ بچہ ہی سمجھ رہے ہیں۔ عقل میں پختگی آچکی ہو تو اس کو پھر بچہ سمجھ کے آپ دیکھئے اسے بے حد ندامت ہوتی ہے اس پہ' وہ سبکی محسوس کرتا ہے' تحقیر محسوس کرتا ہے اپنی' تذلیل محسوس کرتا ہے کہ میں ابھی بچہ ہی ہوں۔ اور اگر عمر کی اس پختگی کے باوجود وہ باتیں ایسی ہی کرے جیسے بچہ کیا کیا کرتا ہے تو ہر شخص یہ کہتا ہے کہ صاحب! بچوں جیسی باتیں کر رہا ہے بالکل بچہ رہا یہ۔ یہ بھی تحقیر ہے اس کی۔ وہ ایسی سٹیج میں پہنچ گیا ہے عمر

کے کہ جہاں اب وہ نہ بار بار چھوٹی چھوٹی چیزوں کا سوال کرتا ہے نہ اس قسم کے جوابات سے مطمئن ہوتا ہے نہ وہ انگلی پکڑ کے چلنے والے کی راہنمائی اور سہارے کا محتاج رہتا ہے۔ وہ خود اپنے پاؤں پہ چلنا چاہتا ہے کوشش کرتا ہے کہ اپنے معاملات کو خود حل کرے۔ حتیٰ کہ جو عقل وفکر میں اس سے پیچھے رہ گئے ہوتے ہیں اسے ان کی راہنمائی کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ اسے ضرورت ہوتی ہے زندگی کے چند اہم اصولوں کی اور اس کی روشنی میں اپنی آنکھوں سے اپنی عقل وفکر سے کام لے کر خود چلنے کی۔ اس میں وہ فخر محسوس کرتا ہے وہ اس میں غلطی بھی کرتا ہے تو وہ اس کو باعثِ ذلت نہیں سمجھتا وہ کہتا ہے کوئی بات نہیں تجربے کی کمی تھی اس کے بعد یہ درست ہو جائے گا۔ اتنی قیمتی ضرورت ہوتی ہے۔ اب اگر وہ کہیں پھسلتا ہے تو پھر ابا جی کہہ کے پکارتا نہیں کسی کو' کسی اٹھانے والے کا انتظار نہیں کرتا بلکہ یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہے کہ کسی نے دیکھا تو نہیں۔ اور بڑی جلدی جھٹ سے اٹھتا ہے وہ' خود اٹھتا ہے' اٹھانے والے کی احتیاج اسے باقی نہیں رہتی۔ یوں آگے چلتا ہے وہ۔ یہ سائنٹفک طریقہ ہے راہنمائی دینے کا۔ نوع انسانی اپنے ابتدائی ایام میں اس کا ذہن بچپن کے زمانے میں تھا۔ جہاں تک تاریخ ہمارے سامنے آتی ہے قریباً آج سے چھ ہزار سال پہلے تک کی تاریخ آ رہی ہے اس زمانے کے انسان کو دیکھئے اور آج کے انسان کو دیکھئے وہ ایک Sepcies ایک نوع کی جنس ہی نظر نہیں آتے۔ یوں کہیے کہ انسانیت بچپن کے زمانے میں تھی چھوٹی چھوٹی باتوں کے سوالات کرتی تھی چھوٹی چھوٹی باتوں کے جوابات دینے والوں کی ضرورت ہوتی تھی' تنہا دو قدم نہیں چل سکتی تھی ایک راہنما کی ضرورت ہوتی تھی' گرتی تھی اٹھ نہیں سکتی تھی انگلی پکڑنے والی کی ضرورت تھی' سہارے کی ضرورت تھی اس کو۔ قرآنِ کریم سوالات کے ان جواب دینے والے ان سہاروں کو ان راہنمائی دینے والوں کو رسول کہہ کر پکارتا ہے۔ اگر وہ انہی میں سے ہوتا تو انہی جیسا ہوتا انہی کی سطح پہ ہوتا۔ یہ جو رسالت یا نبوت ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ فکری طور پر انہی میں سے نہیں تھا اس کو یہ چیزیں خدا کی طرف سے ملتی تھیں۔ اس لیے کہ نہ تعلیم اتنی تھی نہ تجربہ اتنا تھا نہ انسانیت کی فکری سطح اتنی بڑی تھی کہ زندگی کے اہم سوالات کا جواب کوئی ایک فرد بھی از خود معلوم کر سکتا۔ خدا کی طرف سے اسے یہ راہنمائی ملتی تھی اور اسے وہ اس انسانیت کے ذہن کے عہد طفولیت میں ان کی راہنمائی کرتا تھا ان کے سوالوں کے جواب دیتا تھا ان کو صحیح راستوں پہ چلاتا تھا گرتے تھے تو انگلیاں بھی پکڑتا تھا۔ اور یوں آہستہ آہستہ انسانیت بچپن سے جوانی کی طرف آتی چلی گئی۔ اس بچپن کی کیفیت قرآن یہ کہتا ہے ہر قریہ میں رسول' ہر دور میں رسول' ہر بستی میں رسول' ہر قوم میں رسول' ہر زبان میں رسول۔ ضرورت تھی اس چیز کی۔ اور جوں جوں یہ بچپن کا زمانہ آگے بڑھتا چلا گیا رسالتوں اور نبوتوں کے دائرے بھی ذرا وسیع ہوتے چلے گئے۔ وہ چھوٹے چھوٹے سوالات جو تھے کم ہوتے چلے گئے سوالات بھی ذرا بڑے آنے شروع ہو گئے۔ قدم قدم کے اوپر ان کو سہاروں کی ضرورت نہ رہی۔

اور اس طرح سے بات آگے بڑھتی چلی گئی تا آنکہ انسانیت عہد شباب میں پہنچ گئی اور اس وقت پھر ضرورت محسوس یہ ہوئی کہ زندگی کے

دوراہوں پرنشانات نصب کردیے جائیں نہایت پختہ روشنائی سے لکھ کے کہ جو مٹ نہ سکیں چمکدار' روشن راستے متعین دوراہوں کےاوپرنشانات۔ انہیں ابدی اقدار' ازلی اصول حیات کہا جاتا ہے۔غیر متبدل اقداراوراصول حیات انہیں دیدیے جائیں اس شکل میں کہ وہ محفوظ رہیں ہمیشہ کے لیے ۔انسانیت کی راہنمائی کے لیے جتنا کچھ اصولی طور پہ ضروری تھا وہ دیدیا گیا یہ انتظام کردیا گیا کہ وہ محفوظ رہے۔اعلان کردیا کہ **الیوم اکملت لکم دینکم** کہہ دیا گیا کہ **تمت کلمت ربک صدقًا و عدلًا** دین کی تکمیل ہوگئی۔خدانے جتنے بھی قوانین دینے تھے جواقداردینی تھیں انسانیت کی راہنمائی کے لیے آخرتک غیر متبدل جن اقدار کی ضرورت تھی ان کا اتمام ہوگیا دیدیا انہیں۔(**نحن نزلنا الذکر و انا له لحفظون**) اوراس کے بعد اسے محفوظ کردیا۔مکمل غیر متبدل محفوظ اصول زندگی اقدار حیات' کیوں؟ اس لیے کہ انسانیت اب جوانی پہ پہنچ گئی ہوئی ہے۔اور یہ دینے کے بعد کہہ دیا کہ اب کسی سہارے کی تمہیں ضرورت نہیں رہی انگلی پکڑ کر چلانے والے کی اب حاجت نہیں رہی یہ تو بلکہ تمہاری ذلیل ہوگی۔اب تم بالغ انسان ہو چکے ہواس لیےان اصولوں کی روشنی میں زندگی کے راستے تمہیں خود طے کرنے ہونگے۔گروگےتو کوئی آ کے پکڑ کے اٹھانے والانہیں ہوگا خوداٹھنا ہوگا' راستہ بھولو گےتو پھراسی دوراہے پہ جانا پڑے گا جہاں سے غلط قدم اٹھا تھا وہاں خود سائن پوسٹ کو پڑھ کے صحیح راستے پہ چلنا ہوگا۔اور یہ راستے تمہیں منزل مقصود تک پہنچادیں گے۔اور یہ اہتمام کیا۔

میں کہتا ہوں کہنے کی ضرورت نہیں منطقی نتیجہ ختمِ نبوتﷺ ہے اس کا۔انسانیت کے بلوغ کے زمانے میں جب وہ خود ذمہ داریاں سنبھالےاور یہ کچھ دیدیا جائے میں کہہ رہا ہوں جیسا میں نے ابھی عرض کیا ہے انارکلی میں جوان بچے کوانگلی پکڑ کے چلایئے تو سہی آپ' میں نے کہا ہےاسکی تذلیل ہےاس کی تحقیر ہے وہ ندامت محسوس کرے گا انگلی چھڑالے گا وہ آپ سے۔کہے گا کہ اباجی! کیا کررہے ہیں آپ' مجھے بالکل ہی بچہ ہی سمجھ لیا ساری عمر کے لیے۔شرفِ انسانیت کا اعلان ہے ختمِ نبوتﷺ کا اعلان عزیزانِ من! بہت بڑا مقام ہے جوانسانیت کو دیا گیا تھا۔اگر اس کے بچپن کے زمانے میں اس کی ضرورت تھی کہ قدم قدم پہ اس کے سوالوں کے جواب دینے والا ہوتا تو اس کے بالغ ہونے کے بعد ضرورت اس امر کی تھی کہ اب یہ اپنے اپنے معمات کوخود حل کرتا۔بڑا سائنٹفک طریقہ ہے۔بین ہی اس مقام پرآ کرتکمیل دین' ختمِ نبوتﷺ لازم وملزوم۔سوال ہی نہیں اس کے بعد نہ دین میں کسی شے کے اورآنے کی کہ وہ ناقص نہیں تھا مکمل تھا' نہ خدا کی طرف سے کسی اورآنے والے راہنما یا سہارا دینے والے کی ضرورت' انسانیت بالغ ہو چکی ہوئی تھی۔جیسا میں نے عرض کیا ہے ختمِ نبوتﷺ اس کا Logical Consequence تھا فطری نتیجہ تھا اس کا' منطقی نتیجہ اس کا تھا۔لیکن انسانی زندگی دین کی رو سے انفرادی زندگی تو نہیں تھی انسان نے تو مل جل کر رہنا ہے اس کی زندگی تمدنی تھی اجتماعی زندگی تھی۔تمدنی اوراجتماعی زندگی کے مسائل اس کی ضروریات' اس کے تقاضے یہ تو نت نئے ہوتے جاتے ہیں اس کے لیے کیا کیا جائے۔

اگر ہر فرد کو چھوڑ دیا جائے کہ وہ خود ہی طے کرے معاملہ' اپنی ذات کے لیے تو وہ طے کرتا پھرے' جس معاملے کا تعلق میرا ان سے بھی ہے آپ سب سے بھی ہے اور ہر ایک کو اس کا اختیار دیدیا جائے کہ وہ آپ اپنے فیصلے کرتا چلا جائے انارکی پھیل جاتی ہے۔ختمِ نبوت ﷺ کے بعد ایک لازمی فطری چیز تھی کہ ایک نظام قائم کیا جاتا۔انسان کی تمدنی زندگی کا تقاضا تھا۔مذہب انفرادی شے ہوتی ہے وہاں اسکی ضرورت نہیں ہوتی۔دین اجتماعی زندگی کا نام ہے۔ایک نظام کی ضرورت تھی۔وہ نظام کیا کرتا ہے؟ مملکت کا نظام بڑے اہم مسائل اس کے سامنے ہوتے ہیں جن کو حل کرتا ہے۔لیکن مملکت کا نظام یہ بھی بتاتا ہے کہ سڑک پہ بائیں طرف چلو Keep to the left۔چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ جو ہے Keep to the left کوئی ایسا اصول نہیں ہے غیر متبدل ہمیشہ کے لیے ایسا ہی رہنے والا' یہ بدلا جاسکتا ہے۔لیکن افراد نہیں اسے بدل سکتے۔اگر میں صبح کو اٹھ کے کہوں کہ صاحب کونسا غیر متبدل اصولِ زندگی ہے Keep to the left' امریکہ میں Keep to the right ہوتا ہے میں Keep to the right چلونگا۔آپ دیکھیئے دو قدم چلنے کے بعد' نہ انجن بماند نہ انجینئری' آپ بھی اور سامنے سے آنے والا بھی دونوں کا ٹکراؤ ہوتا ہے۔قدم قدم کے اوپر مفادات کا ٹکراؤ ہوگا اگر ہر فرد کو اجازت دیدی جائے کہ وہ زندگی کی ان جزئیات کو خود طے کرے۔ہمیشہ کے لیے طے کی جائیں اگر یہ جزئیات تو کام پھر بھی نہیں چل سکتا کہ انسانیت بچپن میں رہتی ہے۔جزئیات کو غیر طے شدہ چھوڑ دیا جائے تو پھر بھی کام نہیں چلتا کیونکہ انسان نے اجتماعی زندگی بسر کرنی ہے انارکی پھیل جاتی ہے قدم قدم پہ ٹکراؤ ہوگا۔کیا کیا؟ نظامِ زندگی وضع کر دیا ایک مملکت کا نظام' معاشرے کا نظام جسے کہا یہ گیا کہ یہ ہیں اصول غیر متبدل جنہیں تم بدل نہیں سکتے۔ان اصولوں پر عمل پیرا کس طرح سے ہوا جائے گا کہ اس کی ساری جزئیات (امرھم شوریٰ بینھم)

باہمی مشاورت سے یہ طے کرو کہ Keep to the left تمہارا زندگی کا شعار ہوگا یا Keep to the right چاہیے تمہیں۔نمبر پلیٹس موٹروں کے انگریزی میں لکھے جائیں گے یا اردو میں لکھے جائیں گے' وہ نمبر کس قسم کے ہونگے۔کوئی ایک مرکز ہو جہاں سے یہ چیزیں طے شدہ ہوں تاکہ افراد کے اندر ہم آہنگی پیدا ہو انارکی پیدا نہ ہو۔یہ نظام تجویز کر دیا۔اور اس طرح سے نبوت کے دروازے بند کر کے دین کے اصول مکمل کر کے نظام انسانوں کو دے کے کہا کہ اب چلو اس شاہراہِ حیات پہ۔نظام میں جو باہمی مشورے سے باتیں طے ہونی تھیں' کس اصول پہ ہونی تھیں؟ عقل و فکر کی بنیاد کے اوپر' شعوری طور پہ فکری طور پہ۔لیکن ان اصولوں کی چاردیواری کے اندر رہتے ہوئے۔اصول غیر متبدل' باہمی مشاورت سے عقل و فکر کی رو سے جزئیات طے شدہ' جب ضرورت پیش آئے بدلتے چلے جایئے کہ یہ دین نہیں دین پر چلنے کے طریق ہیں۔اور اس طرح سے مستقل ثبات اور اس تغیر کے حسین امتزاج سے یہ کاروانِ انسانیت آگے چلنا شروع ہوگیا۔عقل و فکر اور قرآن نے اس کی اہمیت جو دی ہے عقل و فکر کو وہ اسی لیے دی ہے کہ انسانیت کو بالغ تصور کر لیا گیا ہے۔ختمِ نبوت کے معنی یہ تھے کہ وہ اصول اور انسان کی عقل و فکر کو یہ مقام دیدیا جاتا کہ

اب زندگی کے تمام مسائل ان اصولوں کی روشنی میں طے کرنے کے قابل ہوا اور ہو جائیں گے وہ طے۔ یوں یہ نظام آگے چلنا تھا عزیزانِ من!۔اس نظام کو الدین کہا جاتا ہے۔غور فرمایا آپ نے اس میں۔لیکن اس میں دو باتیں بڑی اہم تھیں ایک چیز تو یہ کہ اب جب بچہ' بالغ انسان ہو جائے جوان ہو جائے کاروبار اس کے سپرد کر دیا جائے کہہ دیا جائے کہ تم نے خود ہی اپنے مسائل کو حل کرنا ہے۔ بڑی اہم چیز ہے عزیزانِ من! غور سے سنئے گا کہ یہیں سے یہ چٹان ہے جہاں آپ کی کشتی ٹوٹی تھی۔ جب یہ کچھ کر دیا جائے ذمہ داری اس کے اوپر عائد ہو جاتی ہے Responsibility کا بوجھ وہ خود ذمہ دار ہو جاتا ہے اپنے تمام اعمال کے اپنے فیصلوں کے۔اور اس کے بعد یہ بتانے والے یہ چلانے والے حتیٰ کہ ماں باپ تک درمیان میں سے ہٹ جاتے ہیں۔ یہ وجہ ہے جو آپ کو معلوم ہے کتنی بار میں یہ کہہ چکا ہوں کہ اس مقام پہ پہنچ کے قرآن ماں باپ کی اطاعت فرض نہیں قرار دیتا۔ اطاعت فرض قرار دینے کے معنی ہونگے کہ وہ بچے کا بچہ رہا' ہر معاملے کا فیصلہ یہ کریں وہ صرف Carry out کرے وہ صرف اس پہ عمل پیرا ہو۔ یہ جوان ہوا نہیں۔ بڑی عجیب چیز قرآن کس مقام پہ ہے۔ دنیا کا ہر مذہب یہ کہتا ہے ماں باپ کی اطاعت فرض ہے قرآن نہیں یہ کہتا۔ وہ کہتا ہے کہ ان کی اطاعت؟ ومن معمر و منقص فی الخلق بہت پیچھے رہ گئے یہ' تم بہت آگے بڑھ گئے ہو' اس عمر میں آ کے تو انسان کی عقل اوندھی ہو جاتی ہے۔ ذمہ داری۔غور سے سنئے گا یہ دو چیزیں۔ یہ درمیان میں جو آنے والے تھے یہ درمیان سے ہٹ گئے یہ قریب ترین تھے جو درمیان میں آنے والے بچے کے جنہیں ماں باپ آپ کہتے ہیں۔ یہ سارے راستے سے ہٹ گئے۔ مذہب کے میدان میں یہ درمیان میں آنے والے کون ہوتے ہیں؟ مذہبی پیشوائیت' خواہ وہ شریعت کی رو سے ہو یا آپ کے ہاں کی طریقت کی رو سے ہو۔ یہ درمیان میں آنے والے ہیں۔ختم نبوتﷺ کے معنی ہیں بلوغ انسانیت کے معنی یہ ہیں کہ درمیان میں آنے والے ہٹ جائیں کوئی پریسٹ ہڈ آپ کے ہاں نہیں رہی۔طریقہ موجود ہے طریقت اور معرفت معنی کیا ہیں صاحب! ختم ہوا قصہ۔ دین کے مکمل اصول' قرآن کے اندر غیر متبدل' ایک نظام زندگی جو جزئیات کو متعین کرے۔ یہ نظام انسانوں کی عقل وفکر کی رو سے باہمی مشاورت سے طے ہوگا۔ان کے فیصلوں کی ذمہ داری ان پہ عائد ہوگی۔ بہت بڑا بوجھ تھا انسان کو اٹھانا چاہیے تھا۔ساری دنیا تو اس قابل ابھی نہیں ہوئی تھی۔ یہ ایک امت تیار کی گئی تھی (کنتم خیر امة اخرجت للناس) نوع انسانی کی بھلائی کے لیے تمہیں پیدا کیا گیا ہے (تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر) اور (شھدآء علی الناس) دوسری طرف کہا۔ یہ جو گارجین تھے یہ پلیٹو کی اصطلاح میں گارجین وہ ان کو کہتا ہے۔ یہ جو پاسبان تھے باقی انسانیت کے ان کے ذمہ یہ قرار دیا کہ تم خود اس طرح سے چلو اور نگرانی کرو باقی اقوامِ عالم کی بھی کہ وہ اسی راستے کے اوپر چلیں۔ بہت بڑی ذمہ داری تھی۔اور ذمہ داری سے تو انسان؟؟ کرتا ہے یہیں سے تو کسمساتا ہے چاہتا نہیں ہے۔ ذمہ داری کا قبول کرنا عزم الامور میں سے ہے صاحب' بڑے حوصلے کی ضرورت ہے' بڑی مردانگی کی ضرورت ہے جسے کہتے ہیں۔ اِدھر یہ

کیفیت کہ یہ بڑی ہمت اور حوصلے کا کام تھا ذمہ داری کا لینا' اُدھر وہ جو درمیان میں سے ہٹے ہوئے تھے ان کے مقامات سارے چھن گئے۔ان کی کوشش یہ کہ درمیان میں پھر کسی؟؟؟؟ آ جائے۔انہیں اس میں فائدہ یہ کہ ذمہ داری جو تھی وہ ہٹ گئی اُن کے سر پہ آ گئی۔کوئی معاملہ آیا مسئلہ کوئی پیش ہوا جا کے پوچھا صاحب کہ کیا کروں جی اس میں میں۔اس کے لیے بظاہر کتنا آسان ہو گیا۔پھر بچہ بننا شروع کیا اس نے' پھر اپنے مقام سے وہ جو شرف کا مقام تھا نیچے گرا اس کی اس نے پرواہ نہیں کی۔معاملہ آسان ہو گیا اس کے لیے' کن معاملوں میں؟ زندگی کی ہر جز کے متعلق ہر چھوٹے سے چھوٹے مسئلے کے متعلق۔وہی بچپن کی کیفیت اٹھو اس طرح' بیٹھو اس طرح' قدم ایسے بڑھاؤ' قدم ایسے پیچھے ہٹاؤ' دایاں یوں کرو بایاں یوں کرو' یوں چلو یوں پھرو' یہ کھاؤ یہ کرو۔وہی بچپن کی کیفیت' وہی حالت آپ دیکھئے گا بچے کو جو آپ دسترخوان پہ بھی بیٹھے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ بیٹا! دائیں ہاتھ سے کھاؤ یہ' بیٹا اس طرح سے یوں بیٹھو' یہ لقمہ منہ میں ایسے ڈالو' یہ چباؤ اس طرح سے۔سارے کے سارے جتنے بھی آپ مسائلِ شریعت جنہیں آپ کہتے ہیں۔زندگی کا چھوٹے سے چھوٹا معاملہ بھی یہ خود نہیں طے کریں گے۔اسے تو ہو گئی کوٹڈ کھو نگا 'موت'۔

؎ جو غم ملا اسے غم جاناں بنا دیا

یہ الگ بات تھی کہ شرفِ انسانیت کی قیمت دے کر یہ چیز اس نے حاصل کی۔بات سمجھ میں نہیں آتی! اس جوان آدمی کو دیکھئے کہ جو اتنی سی بات کے لیے یہ کہے کہ میں ذرا ابا جی سے پوچھ آؤں باہر کیسا اس کا مضحکہ اڑتا ہے۔انسانیت کی صف میں تو اس کا مضحکہ اڑا اس نے اپنے لیے بڑا ہی آسان سمجھا۔ادھر اس نے آسان سمجھا اُدھر آنے والوں کی دوکانیں کھل گئیں ان کی پھر موج۔وہی مقام کہ جسے یہ ماں باپ بچے کی جوانی پختگی کے عالم تک بھی چھوڑنا نہیں چاہتے وہ پھر آ گئے۔یہ کب ہوا؟ جب وہ نظام باقی نہ رہا۔یوں کہیے کہ انہوں نے آ کے خود یہ نظام کو درہم برہم کر دیا کہ اس کی موجودگی میں تو ان کی ضرورت باقی نہیں رہتی تھی۔اب اسکے بعد وہی کچھ ہوا جو اس سے پیشتر انسانیت کی عہد طفولیت میں ہوتا چلا آتا تھا۔چھوٹی چھوٹی سی بات کے اوپر جا کے پوچھ رہے ہیں مولوی صاحب سے۔پہلے تو ان کی یہ کیفیت تھی کہ ان چھوٹی چھوٹی سی باتوں میں کچھ رعایت رکھ لیتے تھے وقت کی تقاضے کی۔کچھ عرصے کے بعد ان میں بھی تن آسانی آئی اور انہوں نے بھی یہ کہہ دیا کہ صاحب! جو ایک دفعہ یہ حل ہو گیا ہے یہ ہمیشہ کے لیے حل ہو گیا یعنی وہ جزئیات بھی آپ کے ہاں غیر متبدل قرار پا گئیں۔انہیں بھی ہر مسئلے کے لیے یہ زحمت نہ اٹھانی پڑی کہ کچھ تو سوچنا پڑتا تھا نا ان کو کہ کیا حل بتائیں۔ان کے پاس بنے بنائے ہوئے حل' اس کے پاس بنا بنایا ہوا راستہ۔ذمہ داری اس نے چھوڑ دی عقل وفکر سے کام لینا انہوں نے چھوڑ دیا۔نتیجہ کیا ہوا؟ یہ امت جو نوع انسانی کی امامت کے لیے آئی تھی انسانیت کی صف میں سب سے پیچھے رہ گئی۔جس نے عقل وفکر سے کام لینا ہی چھوڑ دیا۔اور مگن اس بات کے اندر کہ وہ جو آیتیں ان کے سامنے پڑھتے چلے جائیں' بہترین قوم دنیا کے اندر خیر امة' **شهدآء علی الناس**

ہیں تمہارے لیئے' مکمل دین تمہارے پاس ہے کسی قوم کے پاس یہ دین نہیں ہے مطمئن ہیں خوش ہیں۔اور کیفیت یہ ہے کہ چھ ہزار سال پہلے کی زندگی میں پہنچ چکے ہیں۔دین مذہب کی سطح پہ آ گیا بلوغت میں پہنچی ہوئی قوم پھر بچپن کی سطح کے اوپر آ گئی۔یہ ساری قوتیں جو درمیان میں ہٹائی تھیں بالغ ہونے کے بعد ساری در آئیں آپ کے ہاں۔ہزار سال سے آپ اس مقام پہ چلے جا رہے ہیں۔اور اسے اتنا مقدس بنا دیا گیا کہ اب اسے Touch نہیں کر سکتے آپ' اس کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکتے۔وہ جکڑ بندیاں اتنی مضبوط ہوگئیں' اتنی محکم ہوگئیں(و اشربوا فی قلوبھم الاجل) گھوسالے کی محبت دل کی گہرائیوں کے اندر پیوست ہوگئی۔یہ کیا چیز تھی جو مقدس اتنی ہوگئی؟ (اسمآء ھم سمیتموھا و انتم ابآؤ کم) کچھ نام ہیں جو تم نے رکھ لیئے تمہارے بڑوں نے رکھ لیئے' صرف نام ہیں۔

حضورِ نبی اکرمﷺ نے وہ نظام قائم کیا اپنی زندگی میں' اس نظام نے جزئیات مرتب کیں۔کرنی تھیں۔چھوٹی چھوٹی چیزوں کی جزئیات مرتب کیں' Keep to the left اور Keep to the right جیسا میں نے مثال سے کہا ہے یہ بھی متعین کیا کرنا چاہیے تھا اجتماعی زندگی کے تقاضے تھے۔لیکن کیا یہ اس نظام کی تجویز کردہ متعین کردہ یہ جزئیات جو تھیں یہ ابدی تھی کیا؟ عزیزانِ من! یہ ابدی ہونی ہوتی تو قرآن تو نازل ہو رہا تھا۔خود قرآن اس چیز کو کہتا ہے۔ان لوگوں نے یہ سمجھا کیونکہ اسی روش پہ چلی آ رہی تھی انسانیت اور مذہب کی دنیا میں تو ان کے سامنے یہودی تھے نصاریٰ تھے۔نصاریٰ کے ہاں تو قانون نہیں۔یہودیوں کے ہاں تو جیسا میں نے عرض کیا تھا اتنی جزئیات چھوٹی چھوٹی جزئیات متعین اور اتنی متشدد ہیں وہ کہ اس سے ذرا اِدھر اُدھر نہیں ہٹ سکتے تھے وہ۔ان کے ہاں کے احبار و رہبان جو تھے ہر شخص ان کی طرف جاتا تھا ہر زندگی کے مسئلے کے متعلق' چھوٹی چھوٹی بات کے متعلق' چاند نکلا ہے یا نہیں نکلا صاحب۔اپنی آنکھیں بند رکھو آسمان کی طرف جاؤ نہیں اُدھر جاؤ پوچھو کہ نکلا ہے یا نہیں۔ان کے ہاں یہ کیفیت تھی یہ مقام حاصل تھے۔انہیں میں وہ لوگ تھے یہ جو تھے عرب انہوں نے تو یہ نیا نیا دین قبول کیا لیکن دین داروں کا نقشہ ان کے سامنے وہ تھا۔انہوں نے بھی اس قسم کے سوالات شروع کیے اور چاہا یہ کہ ان کے جوابات وحی کی رو سے قرآن کے اندر آ جائیں۔اب سوچئے کہ اگر ان جزئیات کے جوابات وحی کی رو سے قرآن کے اندر آتے اور قرآن کے متعلق کہا جاتا (لا مبدل لکلمت اللہ) ان کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا تو کیا حشر ہوتا انسانیت کا۔اس سے پہلے تو یہ بھی پھر بات تھی کہ کچھ زمانہ آگے بڑھتا تھا مثال کے طور پہ میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ بچپن میں جو جوتا لے کے دیا تھا بچے کو وہ اگلی عید تک آپ دیکھتے ہیں اس بچے کے پاؤں کھانے لگ جاتا ہے پاؤں بڑھتا ہے جوتا اتنے کا اتنا رہتا ہے۔پھر اس کا ایک حل تو وہ ہے جو چین والوں نے کیا ہوا تھا وہ عورتوں کے پاؤں ہی باندھ دیتے تھے کہ سوال ہی پیدا نہ ہو جوتا بدلنے کا۔اور پھر اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ساری عمر کے لیے اپاہج ہو کے رہ جاتی تھیں وہ۔لیکن دوسرا طریقہ تو یہ ہے نا کہ پاؤں بڑھا ہے تو اس پاؤں کی پیمائش کے اعتبار سے جوتا بدلا جائے۔یہ چھوٹی

چھوٹی باتیں جو پوچھنے کے معنی یہ تھے کہ اگر وہ وحی کی رو سے متعین طور پہ دیدی جاتیں قرآن میں اور کہہ دیا جاتا کہ غیر متبدل ہیں تو یہ مثال کے طور پہ وہ جوتا ہوتا جو پانچ سات سال کے بچے کے پاؤں میں پہنایا اور کہا کہ ساری عمر یہ اسی طرح سے جوتا رہے گا۔ کیا کرے گا یہ بچہ اسکے بعد تنگ آ کر؟ پہلے تو جوتے کو کاٹے گا جب جوتا اس کے پاؤں کو کاٹتا ہے تو' پھر اس کے بعد گم کردے گا کہ طریقہ ہی یہ ہے اس کا۔ ہو گیا' جان چھڑاؤ۔ یہ جو ذہنی کیفیت تھا نا ان کی جنہوں نے اسلام لائے یہ عرب' ان کے پہلے مذہب نہیں تھا ان کے ہاں' تو اہم پرستی کی باتیں تھیں۔ لیکن انہوں نے یہ جو یہود و نصارٰی وغیرہ کو دیکھا تھا کہ وہ قدم قدم پہ یہ کرتے ہیں انہوں نے بھی یہ چیزیں پوچھنی شروع کیں ان کی روش میں۔ اس کے جواب یہ کہا (**یٰـایھـا الـذین لا تسـئلـوا عن اشیآء ان تبدلکم تسؤ کم**) (5:101) جوان بیٹے! اب یہ چھوٹی چھوٹی سی چیزیں جو ہیں ان کو اس طرح سے نہ پوچھو۔ (**و ان تسـئلوا عنھا حین ینزل القراٰن تبدلکم**) (5:101) وحی کا سلسلہ جاری ہے رسول سے پوچھو گے اس حیثیت سے' وحی کی رو سے اگر اس کا جواب آ گیا تو غیر متبدل ہو جائے گی وہ چیز' زندگی کی ساری جزئیات چھوٹی چھوٹی جو ہیں ان کو غیر متبدل کرا لو گے۔ اگر یہ ہوا تو **تبدلکم تسؤ کم** مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ عزیزانِ من! کتنی عجیب وغریب آیت ہے یہ۔ روکا جا رہا ہے یوں کہیے کہ وہ بچہ جب بالغ جوان ہو گیا ہے وہ کوئی بچپن کی سی بات کرتا ہے تو آپ اسے کہتے ہیں کہ بیٹا! ابھی تم اپنے آپ کو وہ پانچ سال کا بچہ ہی سمجھ رہے ہو اوخود سوچو اس معاملے کے اندر۔ یہ بعین ہی وہ چیز ہے۔ اور اسے کہا جائے گا کہ اگر تمہیں یہ عادت پڑ گئی اس طرح سے ہر بات باہر سے بھاگ کے آ گئے کہ ابا جی! بتایئے کہ کیا کروں تو ساری عمر بیٹا! بچے رہو گے تم کیا کرو گے زندگی میں۔ بعین ہی یہ چیز ہے۔ او بابا! یہ چھوٹی چھوٹی سی باتیں اس طرح سے نہ پوچھو کہ دین میں اگر وہ دیدی گئیں وحی کی رو سے' غیر متبدل ہو جائیں گی۔ یہ زمانے کے بڑھتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ نہیں دیں گی تم کہو گے یہ بدلی نہیں جا سکتیں تو کیا ہوگا پھر۔ کہا تم سے پہلے بھی یہ جو یہودی تمہیں نظر آتے ہیں نا انہوں نے یہ کیا تھا۔ میں ابھی عرض کرونگا کہ اگرچہ وہ وحی کی رو سے نہیں آئی تھیں چیزیں' انہوں نے ان جزئیات کو خود کہہ دیا تھا کہ یہ وحی کی رو سے آئی ہیں۔ ابھی عرض کرونگا کہ یہ کیسے ہوا' ہمارے ساتھ بھی ہوا ہے نا۔ نتیجہ اس کا یہ تھا کہ ان کے ہاں کی آپ فقہ ان کے ہاں کی روایات کو دیکھئے وہ تورات تو؟؟؟ موسیٰؑ اتنی سی پانچ چھوٹی چھوٹی سی کتابیں ہیں اتنے سے حصے میں آ جاتی ہیں۔ اور یہ اس کے بعد جو ان کی روایات اور فقہ جو ہیں اس کے بعد صاحب بارِ شتر۔ وہ کس طرح سے اتنی بڑی بنیں؟ ہر جزوی مسئلہ زندگی کا جتنا بھی تھا آتا چلا گیا اور غیر متبدل قرار پاتا چلا گیا۔ نتیجہ یہ کہ پاؤں بڑھ گیا جوتا اتنا ہی رہا۔ قرآن نے کہا ہے (**قد سالھا قوم من قبلکم ثـم اصبحوا بھا کٰفرین**) (5:102) یہ روش اس سے پیشتر اس قوم نے اختیار کی تھی جن کی دیکھا دیکھی تم بھی یہ کچھ پوچھنے لگ گئے ہو اور چاہتے یہ ہو ہے کہ ان کے جوابات غیر متبدل طور پر وحی کی رو سے آئیں۔ انہوں نے بھی اپنے لیے یہ کیا تھا نتیجہ یہ نکلا کہ پاؤں بڑھ گیا جوتا چھوٹا رہا اس کے

بعد انہوں نے جوتا ہی اٹھا کے پھینک دیا۔انہوں نے کہا کہ فطری طریق ننگے پاؤں پھرنا ہے یعنی مذہب کا لبادہ اٹھا کے پھینک دیا۔ یہ جو سیکولر اسٹیٹ بنی ہیں آپ کے ہاں یورپ میں' آپ کو معلوم ہے کیوں بنی ہیں یہ؟ زندگی کے اہم بنیادی اصول جو ہیں ان سے تو انسان کبھی بھی اعراض نہیں برت سکتا ان کے بغیر چارہ ہی اس کا نہیں ہے۔یعنی زندگی کے بلند اصولوں کو مذہب یا دین کی صف سے نکال کے یو این او کے چارٹر میں ان کو داخل کرنا پڑا۔بغیر غور طلب چیز ہے عزیزانِ من! اس کے بغیر چارہ ہے نہیں تھا۔سیکولر کیوں بنی؟ وہ ان جزئیات کو جو کسی زمانے میں اس زمانے کے تقاضوں کے مطابق بچے کے پاؤں کے ماپ کے مطابق جوتا دیا تھا وہ کہتے تھے کہ یہ غیر متبدل ہے یہی جوتا پہننا پڑے گا۔انہوں نے کہا کہ گرجے کے اندر تو پہنا لیجیے گا باہر تو نہیں پہنا جا سکتا۔ مذب سمٹ کے وہاں جو جی میں آئے وہاں کیجیے' زندگی کے معاملات سیکولر۔وہ کرتے کیا اور۔قرآن کہتا ہے کہ اس سے پیشتر اس قوم نے ایسا کیا تھا جب وہ جزئیات جن کو خود غیر متبدل بنا کے اپنے گلے میں ڈال لیا وہ ساتھ نہیں دیتی تھیں تو انہوں نے سرے سے دین ہی کو اٹھا کے پھینک دیا کہ سیکولر سٹیٹس بن گئیں صاحب۔ یہ جو آپ کے ہاں بھی اولاد بعض اوقات سرکش ہو جاتی ہے کبھی آپ نے غور کیا ہوتا کیا ہے؟ آپ ان سے بسا اوقات وہ چیزیں منواتے ہیں کہ جو واقعی فٹ ان نہیں کرتیں ان کی اس حالت میں جس وہ اس وقت ہوتے ہیں۔گھر سے بھاگ جاتے ہیں' ماں باپ سے ہی سرکش ہو جاتے ہیں۔وہ جسے قرآن نے کہا ہے کہ خود مذہب کا لبادہ ہی اٹھا کے پھینک دیتے ہیں سیکولر ہو جاتے ہیں سرکش ہو جاتے ہیں۔یہ جو آپ کے ہاں ہو رہا ہے آج کل۔کہا یہ نہ کرنا۔غور فرمایا! یہ آیۂ جلیلہ کتنی اہم ہیں کیا کچھ کہہ گئیں چار لفظوں کے اندر۔ دین کا سارا نظام دے گئیں' ختمِ نبوتﷺ کی لم دے گئیں' انسانیت کا مقام متعین کر دیا۔او بالغ جوان صاحبِ عقل وشعور انسان! تمہیں اب زیب نہیں دیتا کہ بچوں والی باتیں یہ پوچھو۔اور اگر تم نے پوچھیں اور ہم نے یہ کہہ دیا کہ یہ ہمیشہ کے لیے اس پہ عمل کرنا ہو گا نہیں کر سکو گے پھنس جاؤ گے جوتا تنگ ہو جائے گا۔جو کچھ دین میں دینا تھا ہم نے وہ اصولی طور پر وہ متعین کر کے دیدیا' نظامِ زندگی آگے چلا یہی ہر رسول کے زمانے میں ہوتا تھا۔اس کے بعد ہم نے کیا کیا؟ یہ نظام قائم کیا نبی اکرمﷺ نے اور اسی لیے قرآنِ کریم نے یہ کہہ دیا **(ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افئن ماتوا قتل ؟؟؟؟)** او بھئی رسول اس کی ایک طبعی زندگی ہے اس میں کل کو وفات پا جائے قتل ہو جائے یہاں تم میں وہ نہیں رہے گا تو پھر یہ باتیں کس سے جا کے پوچھو گے۔رسول کی وفات پانے سے کچھ نہیں بگڑے گا اس کے بعد نئے نبی کی ضرورت نہیں رہے گی آسمان سے کسی نئے راہنمائی لینے والے کی ضرورت نہیں رہے۔سلسلہ ختم ہو گیا یہ اس میں موجود ہے نظام زندگی کا تمہارا قائم ہے اس کو تم قائم رکھو کچھ نہیں بگڑے گا۔وہ جسے خلیفۂ رسول آپ کہتے ہیں جانشینِ رسول یہ نظام ہے رسول اللہﷺ کی جگہ لینے والا۔نبوت تو ختم ہو گئی قرآن کے اندر' نظام جاری رہنا تھا آگے۔جو نبی اکرمﷺ کی وفات پر جب کہرام مچا ہے ان کے اندر تو وہ جس نے جانشین بننا تھا اس نظام کے ذمام کو اپنے ہاتھ میں لینا تھا۔آپ غور

کیجیے! کیوں ہے یہ تاریخ بتاتی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اٹھ کے یہ اعلان کیا تھا اور کسی نے کیوں نہیں کیا تھا۔ اس لیے کہ سب سے پہلے اسؓ نے یہ ذمہ داری اپنے اوپر لی تھی نا حضورﷺ نے فرمایا تھا۔ اُسؓ نے یہ اعلان کیا اٹھ کے کہ کیا کہہ رہے ہو کہ رام کیوں مچ گیا' دین تو خدا کا عطا کردہ ہے جو حی و قیوم ہے وہ نہیں مرتا۔ رسولﷺ نے اس کا دین دیا مکمل ہو گیا دین ضائع نہیں ہو گا اس کی حفاظت کا ذمہ اس نے لیا۔ نظام کا سربراہ جو ہے اس کی موت ہو گئی ہر ایک کی موت ہونی ہے' نظام قائم رکھئے سربراہ کا جانشین جو ہے اس کو مقرر کر دیا' یہ کچھ بھی نہیں بگڑا تمہارا۔ کیسے سمجھے تھے یہ لوگ۔ اور اگر یہ بھی نہ سمجھتے تو اور کون سمجھتا اس کے بعد۔ اور بات کتنی صاف سی ہے کہ جس کے لیے کسی ارسطو کے دماغ کی ضرورت نہیں سمجھنے کی۔ نظام قائم ہوا رسولﷺ کی عدم موجودگی کو کسی نے مس ہی نہیں کیا محسوس ہی نہیں کیا کہ کوئی کمی ہو گئی۔ کمی ہو ہی کوئی نہیں گئی تھی دین کا ہر اصول **تمت کلمت ربک** مکمل طور پر موجود' اس کے چلانے کے لیے نظام موجود۔ جسے سنت رسول اللہﷺ کہا جاتا ہے عزیزانِ من! یہ تھی وہ سنت رسول اللہﷺ نظام کا قیام' جس طرح حضورﷺ نے قائم فرمایا اسی طرح سے قائم کرو۔ اور وہ جو ایک چمکتی ہوئی روایت ہے ہیرے کی طرح کہ تم پر میری سنت کا اور میرے جانشینوں کی سنت کا اتباع جو ہے وہ لازم ہے۔ ان کی سنت کا اتباع کیوں لازم ہے' یہ سنت کیا تھی؟ یہ روش اس طرح سے نظام قائم کرو **امرھم شوری بینھم**۔ رسول اللہﷺ سے کہا گیا **شاورھم فی الامر**۔ جیسے حضورﷺ مشاورت کرتے تھے ان کو بھی کہا کہ باہمی مشاورت کرو۔ پہلے سربراہ رسول اللہﷺ تھے اس کے بعد کہا کہ آپﷺ کا جانشین۔ آپﷺ کا جانشین نبی اور رسول تو نہیں تھا۔ وہ تو نبوت ختم ہو گئی ہے نظام قائم ہے جانشینی قائم ہے سلسلہ قائم رہے گا۔ یہ جو نظام قائم رکھنا ہے اس طرح سے' اسی انداز سے جیسے حضورﷺ نے قائم فرمایا یہ سنت رسول اللہﷺ ہے۔ نظام کے فیصلے باہمی مشاورت سے ہوتے تھے' پھر بھی مشاورت سے ہوئے۔ جو جو فیصلے ایسے تھے کہ جو آئندہ اسی طرح چلتے گئے وہ علیٰ حالہ قائم رہے' جن میں تبدیلیوں کی ضرورت تھی نظام نے تبدیلی کر دی' جن کی جگہ دوسرے فیصلوں کی ضرورت تھی دوسرے فیصلے دیدے۔ یہ نظام ہی دین کا نظام تھا۔ یہ جانشینی تھی اس کی جس نے پہلے نظام قائم کیا۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں کی ضرورت تھی پوچھنے کی' اب کس سے پوچھا جاتا رسول نہیں ہیں۔ کسی مذہبی پیشواء سے نہیں' کسی پیرِ طریقت سے نہیں نظام سے پوچھو۔ (**فان تنازعتم فی شیءٍ فردوہ الی اللہ ؟؟**) وہ جہاں اللہ اور رسول کہا ہے قرآن نے' وہ نظام ہے جو خدا کی ابدی ہدایت کے تابع رسولﷺ نے سب سے پہلے قائم کیا تھا اور رسولﷺ کی وفات کے بعد آگے چلا تھا۔ کسی معاملے میں جب تمہیں اختلاف ہو جائے اس کے لیے وہاں Refer کر دیا کرو سنٹرل اتھارٹی کی طرف' وہاں سے طے ہو کر آ جائے گا۔ وہ ابدی طور پہ طے ہو کے نہیں آ جائے گا۔ وہ جب ضرورت سمجھیں گے اس میں کسی تبدیلی کی تبدیلی کر دیں گے بات آگے چل پڑے گی۔ یہ سلسلہ آپ کے ہاں نظام کا جاری رہا۔ تاریخ تو ہماری بڑی غیر یقینی ہے وہ تو خود تاریخ کا جو معیار ہے اس پہ بھی آپ دیکھئے تو اس میں بھی وہ تو

پوری نہیں اترتی۔ تین سو سال کے بعد پہلے سے کسی Written Record کے بغیر اس دور کی ایک تاریخ مرتب کی ہوئی یقیناً اس میں غلطیوں کے امکانات ہیں۔ اور یہ جس قدر سر پھٹول آپ میں ہو رہی ہے اختلافات ہو رہے ہیں یہ سارے کا سارا روز جھگڑے ہو رہے ہیں یہ اس تاریخ کی ہی بناء پر ہو رہے ہیں جسے ہم نے تقدس کا مرتبہ دے رکھا ہے وحیِ الٰہی کی طرح منزل من اللہ۔ کوئی بات آپ کیجیے قرآن کی' تاریخ کا ایک واقعہ لائیں گے صاحب! انہوں نے تو یہ کہا تھا۔ ارے! کہاں کہا ہے' جی! تاریخ میں لکھا ہے صاحب۔

نظام جب تک یہ قائم رہا اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی کہ یہ جزئیات متعین شدہ غیر متبدل قرار پا جائیں۔ میں آگے جا کے عرض کرونگا کہ یہ نظام سارا بگڑا پھر دین مذہب ہوگیا پھر درمیان میں آنے والے آ گئے پھر جزئیات پوچھنی شروع ہوگئیں پھر جزئیات غیر متبدل ہوگئیں۔ دین نام ہے قرآنِ کریم کے غیر متبدل اصول اور انسانی عقل و فکر۔ باقی رہی اس کی جزئیات جو ہیں وہ زمانے کے تقاضے کے ماتحت باہمی مشاورت سے طے ہوتی ہیں اسی طرح زمانے کے تقاضے بدلنے سے باہمی مشاورت سے تبدیل ہو جائیں گی۔ آپ غور فرما رہے ہیں۔ یہ ہونا تھا کہ جو پھر یہ اس قسم کی بات کرے اس کے متعلق وہی کچھ کہا جائے جو تاریخ میں اور فقہ میں آپ کے ہاں کہا گیا ہے۔ لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ کتنی یہ صحیح ٹھکانے کی بات ہے۔ اس کے خلاف یہ چیز جو تھی یہ پیدا ہوئی کہ نظام کی متعین کردہ جزئیات جو ہیں ان کو غیر متبدل قرار دیدیا جائے وہیں لے آئیں جہاں اس سے پیشتر وہ یہ تھے۔ یہ وہ دور تھا جہاں یہ چیز پہلی دفعہ یہ چیز آپ کے ہاں آئی ہے۔ عزیزانِ من! پھر عرض کر دوں درس میں اور محفل میں مختلف خیالات کے مختلف نظریات کے مختلف عقائد کے احباب جمع ہوتے ہیں۔ مجھے کسی سے تعرض نہیں ہے ہر ایک کو اپنا اپنا خیال مبارک ہو۔

میرے ہاتھ میں قرآن ہے اور میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ قرآن ہاتھ میں لینے والے کی ذمہ داری بڑی شدید ہوتی ہے۔ کسی اور کی ہو یا نہ ہو مجھ پہ تو وہ چیز آ جاتی ہے جو قرآن نے کہا تھا کہ ہم نے امانت کو پہاڑوں پہ رکھا تو وہ بھی کانپ اٹھے' میں تو کانپ اٹھتا ہوں جب قرآن میرے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اس لیے مجھے نہ تو کسی سے پرخاش ہوتی ہے نہ کسی کی رعایت رکھنا جو ہے اس کو بجا سمجھتا ہوں میں شرک سمجھتا ہوں کسی کی مخالفت یا کسی کی رعایت کے اعتبار سے کوئی ایسی بات کہنا جسے میری قرآنی بصیرت جو کہہ رہی ہو کہ قرآن کے خلاف ہے۔ میں یہ نہیں کرونگا خواہ کسی کو کتنا ہی شاک کیوں نہ گذرے۔ سب سے پہلے تو یہ شاک گذرے مجھے جس کی آدھی زندگی اسی میں گذری کہ جو عام طور پہ عقائد چلے آتے ہیں شریعت کے بھی طریقت کے بھی۔ سب سے پہلے تو قرآن کی رو سے میں نے انہیں چھوڑا۔ لیکن میں کسی پہ جبر نہیں کرتا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہوں کہ قرآنِ خالص کی روشنی میں یعنی ہوسکتا ہے کہ قرآن کے سمجھنے میں کہیں میں نے غلطی کی ہو لیکن جو سمجھا ہوں اس کو بغیر اس قسم کے اثر لیے ہوئے کہ کسی کے عقیدے کے خلاف جائے گا یا کسی کے حق میں میں کوئی بات کروں بالکل ایسا نہیں کرتا میں درس نہ کبھی کرونگا عزیزانِ من! یہ شرک ہے۔ مجھے کیا

ضرورت ہے خوامخوہ کے لیے اتنے بڑے جرم کا مرتکب ہو جاؤں۔ لہٰذا یہ قرآن کی بات برملا میں کہے چلا جاتا ہوں کسی کے خلاف جاتی ہے ٹھیک ہے وہ یہ کہدے کہ بکتا ہے یہ شخص' اپنا عقیدہ لے کے چلا جائے۔

پہلی دفعہ آپ کے ہاں تاریخ میں یہ خیال آپ کے ہاں عقیدے کی شکل اختیار کر گیا کہ جو جزئیات اس سے پیشتر متعین ہوئی ہیں غیر متبدل ہیں۔ امام شافعیؒ نے سب سے پہلے یہ خیال آپ کے ہاں پیدا کیا۔ یہاں سے ٹکراؤ ہوتا ہے دو تحریکوں کے اندر۔ غیر متبدل ہونے کے لیے یہودیوں کے ہاں ایک عقیدہ چلا آتا تھا کہ وحی کی دو قسمیں ہیں ایک تو وحی متلو ہوتی ہے جو تورات کے اندر آتی ہے جو خدا نے موسیٰؑ کو دی تھی اور ایک وہ ہے جو روایات کے ذریعے سے ہمارے ہاں آئی حضرتِ ہارونؑ کی آل میں سے۔ انہوں نے کہا یہ دوسری قسم وحی کی جو ہے یہ دونوں ایک ہی وحی ہیں حقیقت میں' ان کا مقام ایک ہے ان کی حقیقت ایک ہے منبع ایک ہے حیثیت ایک ہے غیر متبدل ہیں۔ بھئی دو قسمیں کیوں ہیں؟ ہمارے ہاں بھی یہ سوال ہوا تھا کہ صاحب پھر یہ دو قسمیں کیوں ہیں؟ جواب دیا گیا تھا کہ اگر قرآن میں یہ دی جاتیں تو تو قرآن انسائیکلوپیڈیا بری ٹینکا جتنا بڑا ہو جاتا یعنی ضخامت کرنے کے لیے۔ میں جواب کا عرض کر رہا ہوں۔ وحی کی دو قسمیں ہیں دونوں وحی منزل من اللہ ہیں۔ اب سیدھی بات ہے کہ اگر وہ وحی منزل من اللہ ہیں یقیناً غیر متبدل ہیں۔ یہ ایک عقیدہ ہے جو آپ کے ہاں آیا اس سے پہلے کہیں نہیں مل رہا ہے آپ کے ہاں۔ عجیب بات یہ اتفاق یہ ہے تاریخ میں بھی نہیں ملتا اس سے پہلے۔ یہ ٹرم نہیں ملتی یہ اصطلاح نہیں ملتی اس سے پہلے کہ وحی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو اس پورے دو اڑھائی سو سال کے اندر زبانی روایات جو جمع ہوئیں جو جمع کی گئیں وہ روایات جمع کرنے کی ضرورت اس دور میں پیش آئی جب یہ عقیدہ آپ کے ہاں آیا کہ جزئیات جو ہیں یہ غیر متبدل ہیں۔ تو پہلی دفعہ روایات اس زمانے میں جمع ہوئیں۔ کئی دفعہ انسان پوچھتا ہے غور بھی کرتا ہے کہ صاحب! ایسی اہم چیزیں رسول اللہ ﷺ کے اس قدر اقوال صادقہ' صحابہ کبارؓ نے کیوں نہ جمع کیے خلفائے راشدینؓ نے کیوں نہ جمع کیے' تابعین نے کیوں نہ جمع کیے۔ اڑھائی سو سال کے بعد کہیں جا کے یہ چیزیں جمع ہونا شروع ہوئیں۔ یہ ہوا کیا ہمارے ساتھ؟ ہوا یہ ہے کہ یہ پہلی دفعہ اڑھائی سو سال کے بعد یہ عقیدہ آپ کے ہاں آیا قریباً دو سو سال کے بعد اور اس کی ضرورت کی وجہ سے یہ چیزیں آئیں۔

ے ز ذوق پروردگارِ؟؟؟؟

یہ جمع کی گئیں۔ اب اس کے متعلق سیدھی سی بات ہے اختلافات ہونے تھے۔ اختلافات مٹانے کے لیے پھر آ گے اس کے لیے پھر شرائط مقرر کیں انسانوں نے۔ خدا کی وحی اور انسان بیٹھ کے فیصلہ کرتے ہیں کہ ان میں سے کونسی صحیح ہے کونسی غلط ہے۔ اس ضرورت کے تابع ان کو یہ مقام دیا گیا۔ نسبت ان کی نبی اکرم ﷺ کی طرف۔ بڑا نازک مقام ہے صاحب۔ سیدھی سی بات ہے کسی کے سامنے بھی کہہ دیجیے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا' کس کی جرآت ہے کہ اس کے بعد سرتابی کر سکے اس سے۔ یوں منوایا گیا۔ حضور ﷺ کی طرف تو اگر کسی کپڑے کی دھجی کی نسبت کی جاتی ہے یہ شاہی مسجد کے اوپر تبرکات رکھے ہوئے ہیں ان کے متعلق جب وہ کہہ دیتا ہے گائیڈ کہ حضور ﷺ کا چغہ ہے' نظر آ رہا ہے سامنے کہ حضور ﷺ کا نہیں ہوسکتا اس لیے کہ وہ تو اطلس و؟؟؟ چغے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ایک احترام ہوتا ہے کیونکہ نسبت ہوگئی ہے حضور ﷺ کی طرف۔ پتھر کے نشان کے متعلق جب کہا جاتا ہے کہ قدم شریف ہے اس قدم کو قدم شریف کہا جاتا ہے۔ تو اگر یہ اقوال رسول اللہ ﷺ کہہ دیا جائے جن کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کی گئی تھی' اقوالِ رسول اللہ ﷺ نہیں اقوال منسوب الی الرسول ہیں۔ اس نسبت سے ہی ان کے ہاں ایک تقدس پیدا ہوا۔ اور یہ ہے جس سے وہ مقام حاصل ہوا ان کو۔ آگے چلو۔ اختلافات ضروری تھے۔ چھ تو آپ کے ہاں صحاحِ ستہ ہی ہیں۔ اور یہ تو سنی حضرات کے ہیں شیعہ حضرات کے اسی طرح سے چار حدیث کے مجموعے بالکل الگ ہیں ان سے۔ ان چھ کے اندر اختلافات۔ پھر ان کی تقسیم احادیث کی کہ ضعیف ہے یہ کمزور ہے یہ احسن ہے یہ منقطع ہے یہ ساری چیزیں اس میں۔ پھر انسان آئے اُنہوں نے ان زاویوں کے متعلق یہ کچھ کیا۔ انسانوں کی ساری کوششیں دین کا اصول جسے وحی کہا جا رہا ہے اس کی چھان بین چھان پھٹک ہو رہی ہے اس طرح سے۔ اختلاف تو ہونے تھے۔ مقام ان کو یہ دیدیا غیر متبدل۔ کسی دور کی متعین شدہ جزئیات غیر متبدل۔ یہ ساری اکٹھی ہوگئیں۔ چلئے صاحب! کہیں تو یہ سلسلہ ختم ہوا۔ قرآن قرآن کے ساتھ پھر انہوں نے کہا کہ یہ سنتِ رسول اللہ ﷺ ہے چلئے یہ غیر متبدل ہے۔ اب بات یہاں بھی نہیں رکی' بات تو آگے چلنی تھی۔ ان سے بھی ابھی سلطنت آپ کے ہاں مسلمانوں کی تھی ابھی مسائل زندگی نئے نئے سامنے آتے تھے ابھی وہ دور تھا جس میں وہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ ان مسائل کے متعلق اسلام کیا کہتا ہے۔ اب قرآن میں تو یہ جزئیات تھی نہیں' یہ جزئیات جو احادیث کے اندر آئیں کچھ تو یہ بھی صورت تھی کہ بعض ایسی نئی آئیں جو ان میں بھی نہیں تھیں۔ بعض وہ تھیں احادیث جن میں اختلاف تھا۔ آگے یہ بات پیدا ہوئی کہ صاحب ان کی روشنی میں تفقہ کیا جائے فکر سے کام لیا جائے۔ چلئے صاحب! فکر ہے۔ پھر کہیں فکر کا مقام آیا۔ اس قسم کا تفقہ کرنے والا ہمیں سب سے امام اعظم علیہ الرحمۃ نظر آتے ہیں بڑی جلیل القدر ہستی ہیں۔ لیکن وہ ٹھیک ہے وہ تو ایک خاص گروہ ایک فرقے حنفیوں کے نزدیک رہ گیا مخالف تو ان کو بھی معتزلہ کہتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کا مسلک یہ بیان کیا جاتا ہے کہ غیر متبدل تو قرآن ہی کے اصول واحکام ہیں اس کے بعد انسان کی عقل وفکر کی رو سے لینا چاہیے احادیث بھی جو آتی ہیں ان کو اس کی روشنی میں پرکھنا چاہیے۔ غیر متبدل قرار نہیں دیا انہوں نے۔ اور یہ وجہ ہے جو یہ کہہ رہے ہیں امام ابوحنیفہؒ نے بھی جتنے بھی مسائل فقہ کے دیے اتنی بڑی فقہ مرتب کرنے والے' اس میں وہ کہتے ہیں کہ سترہ حدیثیں ہیں ساری جن سے انہوں نے استنباط کیا ہے۔ یہ فقہ آپ کے ہاں کی آگے چلی۔ چلئے صاحب! دوسرے درجے یہ ہی سہی زندگی کی جزئیات کے معاملوں کو اپنے دور کے تقاضوں میں پرکھ کے کچھ تو عقل وفہم کو اس میں دخل دیا سہی' کچھ تو روشنی اس میں آ

رہی تھی یہ فقہ مرتب ہوتی چلی گئی۔ اوراس کے بعد اگلا دور یہ آیا نظر یہ آتا ہے کہ یہ سوچنے والے بھی شاید تھک گئے انہوں نے بھی کہا ''سیاپا مکاؤ'' انہوں نے کہا کہ صاحب! فقہ میں بھی آگے اجتہاد کا دروازہ بند۔ چلئے صاحب۔ غیر متبدل قرآن تلاوت کے لیے اس لیے کہ ساری جزئیات تو کسی کے نزدیک احادیث کے اندر آ گئیں اوراس سے جو ثواب اعظم امت کا چلا؟؟ ان کے نزدیک وہ فقہ کے اندر آ گئیں۔ زمانہ آگے بڑھتا جارہا ہے فقہ ایک خاص دور میں آ کے منجمد ہوگئی۔ یعنی آگے اس میں اب اجتہاد نہیں کیا جا سکتا' غیر متبدل قرار پا گئیں وہ بھی۔ یعنی پانچ سات سال کے بچے کی عمر یہ نہ سہی چودہ پندرہ سال کی عمر سہی۔ وہ بھی غیر متبدل قرار پا گئیں۔ صدیوں سے آپ اس مقام پہ کھڑے ہیں عزیزانِ من!۔ جس قرآن نے کہا تھا کہ مسلمانو! جو چیزیں قرآن میں نہیں دیں وہ دین نہیں ان کے متعلق سوالات نہ کرو۔ اگر وہ جزئیات بتا دی گئیں قرآن میں آ گئیں ہمیشہ کے لیے غیر متبدل رہ جائیں گی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ انہوں نے ایک ایک جز کے متعلق پوچھ کر یا نہ پوچھ کر طے کر کے متعین کر کے اکٹھا کر کے ان کو رکھ لیا کچھ روایات کی رو سے کچھ فقہ کی رو سے' کہہ دیا یہ غیر متبدل ہمیشہ کے لیے۔ جس چیز سے روکا ہے قرآن نے' اس طرح سے سب کچھ وہ کر دیا اوراسے عین دین بنا دیا۔ پوچھو یہ روکا کیوں تھا قرآن نے؟ یہ کہا تھا کہ بھئی اس وقت نہ پوچھو؟۔ دوسری جگہ یہودیوں کے متعلق کہ اپنے نبی کو ستاتے تھے روز آ کے یہ کچھ پوچھ کے۔ انہوں نے کہا کہ صاحب! اس وقت تو چھوڑ دو۔ ان کو جانے دیجیے پھر ان جزئیات کے متعلق دیکھئے گا ہم کیسے پوچھتے ہیں اور کیسے پھر متعین ہوتی ہیں اور کیسے غیر متبدل نہیں ان کو ہم قرار دیتے۔ یہ سارا کچھ عزیزانِ من! آپ کے ہاں یہ ہوا۔ یہ ہے جسے اب اسلام کہا جا رہا ہے۔ ٹھیک ہے آپ کے ہاں روایتی طور پہ تواتر سے یہ چیزیں آپ کے گھرانوں میں آ رہی تھیں اس سے پیشتر کے دور کے بچے بھی جو کچھ ماں باپ کو دیکھتے تھے کرتے چلے آ رہے تھے۔ اب وہ دور آ گیا ہے جس میں اب بچوں نے خود سوچنا شروع کر دیا ہے۔ اور پھر انتہائی خوش قسمتی سے' معاف کیجیے اگر میں کہوں کہ ان کی بدقسمتی سے آپ کی ایک مملکت ایسی آ گئی جس نے کہا ہم اسلام کے نام پہ وجود میں آئے ہیں۔ اب یہاں تقاضا شروع ہو گیا کہ صاحب! اسلام کی رو سے بتایئے ان کا حل کیا ہے۔ اسلام کی رو سے جب یہ حل بتاتے ہیں تو وہ چھ سو سال پہلے کا ہوتا ہے آج فٹ ان نہیں کرتا بچے کا پاؤں بڑھ گیا۔ وہ کہتا ہے کہ صاحب! نیا جوتا نہ دید یجیے اس میں؟؟ کچھ کیجیے' وہ کہتے ہیں نہیں صاحب! اسے نہیں چھیڑا جا سکتا۔ اب جوان کو یہ تنگ کیا جاتا ہے تو اس کے بعد ایک ہی نہیں کہ یہ کہا جا رہا ہے بیس جواب ملتے ہیں ایک ایک جزیے کے۔ اوبابا! مملکت کا ایک قانون بننا ہے وہ سب پہ اس کو لاگو ہونا ہے وہ ایک قانون تو بنا دو یعنی جزئیات ایک تو متعین کر دو۔ سر پھٹول آپس میں ہو رہا ہے۔ سارے علمائے کرام آپ کی ملت کے آپ کی امت کے آپ کے پاکستان کے یہ نہیں بتا سکے مسلمان کسے کہتے ہیں۔ ایک قانون کا ضابطہ متعین کرنا جس میں جزئیات آ جائیں متفق علیہ ان کے نزدیک۔ بیس اکیس سال تک تو اس جھل میں رکھتے رہے نا کہ صاحب یہ بنے گا' ان کو بنایئے۔ بالآخر کہنا پڑا کہ صاحب!

یہ نہیں یوں بن سکتا۔ نہیں بن سکتا تو کیا کیا جائے۔ کہا کہ کسی ایک فرقے کی فقہ جو ہے اس کو رکھ لیجیے۔ یعنی وہی چیز۔ وہ جس نے آگے اجتہاد کا دروازہ بند کیا ہوا ہے وہ؟؟؟ کے زمانے تک تھی۔ اس میں وہ لے کے آج کے زمانے میں من وعن اس کو نافذ کر دیجیے۔ سوچنے والوں نے سوچا کہ چل نہیں سکتے۔ شور مچا دیا کہ اسلام سے باغی ہیں۔ بچے نے یہ کہہ دیا بہت اچھی بات صاحب! آداب عرض!! آپ کا یہ اسلام آپ کو مبارک' زندگی کے مسائل جس طرح باقی قومیں حل کرتی ہیں ویسے ہی کرلیں گے۔ وہیں جا پہنچے جو قرآن نے کہا تھا کہ یاد رکھو! اگر یہ کچھ تم نے کیا **اصبحوا بھا کفرین** تم اس اسلام کو ہی چھوڑ کے الگ ہو جاؤ گے یہاں سے۔ دیکھ رہے ہیں آیۂ جلیلہ۔ دین اسی وقت پھر آئے گا عزیزانِ من! جب یہ بات سمجھ لی جائے کہ قرآن نے یہ کیوں کہا تھا کہ جو چیزیں ہم نے اس میں نہیں کہیں ان کو نہ پوچھو۔ پوچھو گے تو مصیبت میں پڑ جاؤ گے ہم بتا دیں گے وہ غیر متبدل ہو جائیں گی۔ وہ غیر متبدل نہیں' جو غیر متبدل رہنے والی تھیں وہ دیدیں۔ طے یہ ہو گیا کہ دین جو مکمل ہوا ہے دین وہ ہے جو قرآن کے اندر ہے خارج از قرآن دین نہیں ہے دین پر چلنے کے طریقے ہیں جو بدلتے رہیں گے۔ کہا یہ چھوٹی چھوٹی سی چیزیں ہیں۔ اس زمانے میں عربوں کے ہاں میں نے کہا کہ یہودیوں میں یہ چیزیں تو نہیں تھیں تو اہم پرستی کی یہ چیزیں تو تھیں نا۔ یہ صاحب اونٹنی نے پانچ دس بچے دیدیے اس کا کان چیر دیا کہہ دیا کہ یہ مقدس ہو گئی صاحب۔ کہ یہ نہ رہے اس کی دو نسلیں آگے بڑھ گئی ہیں اس کو چھوڑ دیجیے دو پاؤں پہ نام کے اوپر یہ کچھ کر دیا۔ اس قسم کی چیزیں وہ کرتے تھے اور ان چیزوں کو غیر متبدل کہتے تھے۔ قرآن نے ان کی مثال دی ہے یہاں خود عربوں کی کہ تمہارے ہاں بتاؤ' کہنے لگا سوچو تو سہی یہ کتنا بچپن ہے' یہ بھی وہ چیزیں ایسی ہیں کہ جو غیر متبدل ہو جائے کہ کسی اونٹنی نے دس بچے دیدیے تو اس کے بعد اس کو دیوتا یا دیوی بنا لیا تم نے۔ **(ما جعل اللہ من بحیرة ولا سآئبةٍ ولا وصیلة ولا حام ولکن الذین کفروا یفترون علی اللہ الکذب)** (5:103) یہ اس قسم کی چیزیں یہ اس قسم کی جزئیات اس قسم کے اعتقادات جو تم میں رائج ہو رہے ہیں او خدا نے دین میں یہ نہیں دیے یہ ان لوگوں نے دیے ہیں جنہوں نے خدا پہ افتراء کیا ہے کذب کیا ہے اپنی طرف سے وضع کیا ہے خدا کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ دیکھتے ہیں آپ! کہاں آیت آئی ہے اس کے بعد' دیکھتے ہیں ربط آیات کے اندر۔ کہا یہ کیوں ہو رہی ہیں یہ ساری چیزیں' کیوں مانتے چلے آرہے ہیں اسی طرح سے کہ ہاں صاحب! یہ اونٹنی جو ہے یہ دیوی ہو گئی یہ اونٹ جو ہے یہ دیوتا ہو گیا اب اس کو نہیں ہاتھ لگا سکتے ہم۔ آپ کے ہاں بھی جزئیات دیکھئے صاحب! اس قسم کی تو اہم پرستیوں میں تو اب آپ ہنس دیں گے کہ صاحب پرانے لوگوں کی باتیں ہیں۔ میں کہتا ہوں قربانی کے لیے ایک بکرا خریدنے جائیے اور پھر دیکھئے کیا کچھ اس میں نہیں بتایا جاتا۔ کہا کہ خدا نے یہ کچھ تجویز نہیں کیا تھا' افتراء ہے اللہ پر۔ کیوں ہوتا چلا جا رہا ہے؟ عزیزانِ من! بڑے غور سے سننے کی بات ہے۔

(اکثرھم لا یعقلون) (5:103)

اس لیے کہ عقل وفکر سے کام نہیں لے رہے۔ بچے رہنا چاہتے ہیں' عقل وفکر سے کام نہیں لینا چاہتے۔ عقل وفکر سے کام نہ لے تو پھر ہوتا کیا ہے صاحب؟ پھر کیسے یہ چیز آتی ہے' کہتا ہے آسان ہے۔**(و اذا قیل لھم تعالوا الیٰ ما انزل اللہ و الی الرسول قالوا حسبنا ما وجدنا علیہ اٰبآء نا)** (5:104) کہتا ہے یہ کیسے پھر چلی آئی بات ایسی؟ عقل وفکر سے ذرا سوچیے تو نظر آتا ہے کہ صاحب! بڑی واہیات سی بات ہے۔تقدس اتنا ہے کہ Touch نہیں کرتے۔کرتے چلے آرہے ہیں' بھئی یہ کیوں ہورہا ہے؟ اس لیے ہورہا ہے کہ جو کچھ ماں باپ کرتے چلے آئے (ماں باپ کے معنی اپنے گھر کے ماں باپ نہیں' جنہیں اسلاف کہتے ہیں وہ ہیں یہ) جو کچھ ہوتا چلا آرہا ہے کرتے چلے گئے۔جب ان سے کہا جائے کہ صاحب جو ہوتا چلا آرہا ہے آیئے! اس کو خدا کے غیر متبدل اصولوں کی طرف' اس نظام کی طرف جو رسول اللہ ﷺ نے قائم کیا تھا اسکے سامنے لے آیئے دیکھئے تو سہی اس پہ پورا اترتا ہے؟۔کہتے ہیں نہیں صاحب ہمیں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔یہ جو ہمارے بڑے تھے نا وہ بڑے سمجھدار لوگ تھے یہ کام انہوں نے کرلیا۔آپ نے دیکھا یہ کیا ہے؟ ذمہ داری سے یہ شرک کر رہا ہے یہ' ذمہ داری اپنے اوپر نہیں لینا چاہتا۔ابا جی نے فیصلہ دیدیا ہے' انہوں نے یہ کہہ دیا تھا اور دیکھئے نا وہ تو ماں باپ ہیں ان کا فیصلہ جو ہے۔اب اس میں کریڈٹ بھی لے رہا ہے یعنی بجائے اس کے کہ وہ کہے کہ میں عقل وفکر سے عاری ہوں میں نہیں کام لیتا' جاہل ہوں میں نہیں کام لیتا۔اسلاف کا فیصلہ چلا آرہا ہے۔یعنی ذمہ داری سے شرک کر رہا ہے' عقل وفکر سے کام نہیں لے رہا۔بجائے اس کے کہ اس کے اوپر کبھی کھڑے ہو کے ندامت ہو کہ میں کیا کر رہا ہوں' فخر کر رہا ہے اس چیز پہ۔دیکھا آپ نے ایک معیوب چیز کو کس طرح سے ممدوح بنا کے رکھ دیتا ہے عقیدہ۔اسی بناء پہ یہ ساری چیزیں چلی آرہی ہیں نا یہ ساری جزئیات غیر متبدل کہ جو ہوتا چلا آرہا ہے ہو رہا ہے۔جب کہو کہ صاحب! قرآن کی طرف آیئے' تو صاحب! وہ قرآن تم سے زیادہ جانتے تھے۔یہ قرآن نے کیوں کہا ہے کیوں اس نے کہا ہے کہ جو ہوتا چلا آرہا ہے اسلاف کے ہاں سے اس کو کبھی خدا کی کتاب کے سامنے لا کے بھی تو رکھو نظام وہ قائم کرو جو حضور ﷺ نے قائم کیا تھا اس سے پوچھو کہ یہ اس پہ غیر متبدل ہیں ایسے ہی چلتے جائیں یا اسمیں کچھ فیصلہ ہوگا۔کہا نہیں!۔اب یہ جو چیز اس طرح سے کی جاتی ہے اپنی عقل وفکر سے کام نہ لے کر' جو ہو رہا ہے اس کے مطابق کیا جائے پھر مثال لایئے بچے کی۔آٹھ نو دس سال کا بچہ جو ہے اسے ہم ساتھ نماز میں کھڑا کر لیتے ہیں۔اس سے ذرا پہلے وقت تو وہ تھے کہ ہر نماز میں ساتھ کھڑا کیا جاتا تھا اسکے بعد کچھ ایسا وقت آیا کہ کم از کم عید میں ساتھ لے جاتے تھے۔اب وہ اگلا دور یہ ہے کہ عید میں وہ اپنی پکنک مناتے ہیں لیکن بہر حال نماز میں وہ بچہ کھڑا ہو جاتا تھا کیا کرتا تھا؟ پاک صاف کپڑے' ویسے ہی وضو جیسے باپ نے کیا ہے' اسی طرح سے وہ کھڑا ہو گیا' جو کچھ باپ کر رہا ہے وہ سارا کچھ کر رہا ہے اسی طرح سے بالکل بعینہٖ۔اس بچے نے نماز پڑھ لی ہے نا' کیا اس بچے کو نماز کے متعلق کچھ پتہ بھی چلا کہ یہ کیا کر لیا ہے میں نے۔مطمئن ہو گیا' باقی بچوں کے مقابلے میں قابلِ فخر بات بھی

یہ ہے جواس طرح سے نماز پڑھتا ہے۔کوئی نماز کی غایت کوئی نماز کی غرض کوئی علت سوال ہی نہیں ہے۔ یہ جو ساتھ باپ کھڑا تھا اس کی کیا کیفیت تھی ؟ اس نے اپنے باپ کو دیکھا تھا وہ اسی طرح سے کر رہا تھا۔فرق یہ ہے کہ یہ دس بارہ سال کا باپ کو دیکھ کے کر رہا ہے وہ پچیس تیس سال کا باپ کو دیکھ کے کر رہا تھا۔ جو نماز اس بچے پہ اثر کر رہی ہے وہی نماز اس بڑے پہ اثر کر رہی ہے۔(ما وجدنا علیه اباۤء نا) (5:104) بچے سے پوچھو کہ بھئی تم یہ یہاں ہاتھ کیوں باندھتے ہو؟ وہ کہے گا ابا جی نے یہاں باندھے تھے۔ابا جی سے پوچھو کہ تم کیوں باندھتے تھے؟ وہ کہتے ہیں ہمارے ابا جی نے باندھے تھے سیدھی سی بات ہے۔نماز کے اسلام کے ارکان پہ عمل ہو رہا ہے عین ہی اسی طرح سے۔کیوں کر رہے ہو؟ ابا جی کر رہے ہیں۔کیا کسی ایسے عمل کا کوئی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ جسے اس طرح سے Formalism کے اندر آپ لے آئیں کہ جو چیزیں محسوس ہیں یرآؤن جو سورۃ ماعون میں قرآن نے کہا تھا کہ صلوٰۃ کی تکذیب کرنے والے یرآؤن جو محسوس عمل ہے نماز کا اس کو تو یہ کرتے چلے آرہے ہیں غایت اس کی جو ہے اس کا کچھ علم نہیں ہے' نہ اس بچے کو علم ہے نہ بچے کے باپ کو علم ہے۔کرتے چلے آرہے ہیں' دلیل (وجدنا علیه اباۤء نا) (5:104)۔قرآن سن لیجیے عزیزانِ من! جب آپ نے اباۤء نا کہا تھا تو اس میں تو اسلاف سارے لے آئے تھے آپ۔(اولو کان اباۤؤھم لا یعلمون شیئاً ولا یھتدون) (5:104) خواہ وہ اسلاف بڑے بوڑھے ان کے ماں باپ جن کی نقل کرتے ہوئے یہ چلے آرہے ہیں نہ ان میں علم وبصیرت ہو نہ خدا کی راہنمائی انہیں حاصل ہو' جو وہ کرتے چلے آرہے ہیں یہ بھی کرتے چلے جائیں گے۔عزیزانِ من! انہیں چھوڑ دیجیے جو آپ کے ہاں برگشتہ ہو رہیں اگلی نسلیں دین کی' جو مذہب پہ قائم ہیں ان کی یہی کیفیت ہے یا نہیں جو قرآن کہہ رہا ہے؟ جن کو مطعون کہہ رہا ہے جن کو مذموم قرار دے رہا ہے ان چیزوں کو وہ ہمارے نزدیک قابل فخر قرار پاگئیں۔کہتا ہے یہ کیا ہوا؟ وہی بات' ایک تو یہ پیشوائیت آگئی جنہوں نے یہ اپنا پیشہ بنا لیا Profession بن گیا۔

اپنی ضرورت لاینفک Indespesible قرار دیدی اس حد تک قرار دیدی کہ مسجد کے اندر آپ کے بیس نمازی جمع ہیں پڑھے لکھے اچھے بھلے' نماز آتی ہے انہیں' پڑھتے ہیں روز۔چلیے صاحب! مغرب عشاء کی نماز میں نہ سہی کہ کچھ اونچا کہنا پڑتا ہے ظہر کی نماز میں تو اونچا بھی کچھ نہیں کہنا پڑتا۔کھڑے ہیں انتظار ہو رہا ہے' او کیا ہو رہا ہے؟ مولوی صاحب نہیں ابھی آئے۔''اوستیاناس تہاڈا'' او تمہیں نماز نہیں آتی' وہ کوئی خاص بات ہے جو اسے ہی آتی ہے تمہیں نہیں آتی۔کھڑے ہیں۔''اوئے آواز دیو وقت تنگ ہو گیا ہیگا'' یعنی کھڑے ہیں۔مردہ لیے قبر کے سرہانے کھڑے ہیں جانتے ہیں نماز جنازہ ان سب نے پڑھنی ہے پتہ ہے' نہیں صاحب مردہ نہیں دفن ہو سکتا مولوی صاحب نہیں ہیں۔اپنی ضرورت کو Indespensible بنا رہے ہیں۔غور فرمایئے آپ۔اور ان کی کیفیت انہوں نے کیوں اس میں آسودگی محسوس کی؟ ذمہ داری دوسرے کے سر

عائد کردی' خود یہ کچھ Decision ہی نہیں Take کر رہے۔ٹھیک ہے آسائش تو ہوئی ان کی روٹی کا بھی انتظام تم نے کرلیا خود ذمہ داری سے بھی ٹل گئے' رہے کہاں؟ چھ ہزار سال پہلے جہاں انسان تھا وہاں رہے' قوموں کی صف میں آپ زندگی کے معیار پہ پورے نہیں اتر رہے۔کمیشن بٹھا رہے ہیں کمیٹیاں بٹھا رہے ہیں کہ اسباب زوال امت۔ارے! امت کیا' بچے کے پاؤں میں وہ جوتا ہے۔؟؟ کے نوابوں کے بچے' امائیں اس کو گود میں اٹھائے اٹھائے پھرتی رہتی تھیں' چودہ چودہ پندرہ سال کے بچے۔نتیجہ یہ کہ وہ اپاہج ہو جاتے تھے چل ہی نہیں سکتے تھے اس کے بعد۔قوم اپاہج ہو چکی ہے آپ کی عزیزانِ من! قوموں کی صفوں کے ساتھ نہیں چلنے کے قابل رہی' آپ نے اس کو گود میں اٹھا کے رکھا ہوا ہے۔زندگی کا ہر چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ کہ صاحب دین کے مطابق اسلام کے مطابق چلنا ہے کہاں سے پتہ ہوگا؟ وہاں جا کے پوچھنا ہوگا تمہیں' خود نہیں کچھ کہتے۔ جو بتایا جائے گا عقل وفکر سے کام نہیں لیا جائے گا اس کے مطابق چلنا ہے آپ نے۔قوم اپاہج ہوگئی۔قرآن نے یہ منع کیا تھا یہاں۔اور آیئے عزیزانِ من! آخری پانچ منٹ ہیں شاید کچھ وقت اور میں زیادہ لے لوں بات یہاں ختم کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سب کچھ کہنے کے بعد دیکھئے عزیزانِ من! آیاتِ قرآنی کے اندر کا ربط دیکھئے کیا چیز ہے یہ' نظر آتا ہے صاحب کہ انسان کا کلام نہیں ہے۔یہ سارا کچھ کہنے کے بعد' کہاں سے بات شروع کی تھی سنئے ناوہ خمر' میسر' ازلام اور انصاب حرام ممنوع کیوں قرار دیے؟ کہا اس لیے کہ اس میں عقل وفکر کی رو سے فیصلے نہیں ہوتے چانس سے فیصلے کرتے ہو۔عقل وفکر کو ماؤف کر رہے ہو۔اس کے بعد یہ کہا کہ یہ چھوٹی چھوٹی سی چیزیں آ کے دوسروں سے پوچھتے ہو' بچے ہو تم؟ بڑے ہو چکے ہوئے ہو ان کی ضرورت نہیں ہے۔یہ چیز کان کٹا ہوا بکرا کیا کر رہے ہو تم کس مقام پہ کھڑے ہو' سند تمہارے پاس کیا ہے؟ صاحب! ہوتا چلا آ رہا ہے۔کہا تمہیں بتاؤں تم کیوں کرنا چاہتے ہو یہ سب کچھ۔عزیزانِ من! سنئے جلی حروف سے لکھ کے رکھئے آیہ جلیلہ کو۔(**یٰایھا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم**) (5:105)

مومن وہ ہے جو اپنی ذمہ داری آپ قبول کرتا ہے۔تمہارے ہر عمل کی ذمہ داری تم پہ ہے یہ نہیں کہہ کے تم چھوٹ سکتے میں نے اس سے پوچھا تھا صاحب' اس نے یہ کہا تھا۔(**علیکم انفسکم**) عزیزانِ من! مقامِ انسانیت بڑا بلند کر دیا قرآن نے۔بچہ جوان ہو گیا ہے اب' اسے کہا ہے بیٹا! اپنے معاملات خود فیصلہ کرو اب۔جو فیصلہ کرو گے تم پہ ذمہ داری عائد ہوگی ہم تم سے پوچھیں گے کہ تم نے ایسا کیوں کیا ہے۔یہ چیز کہہ کے ٹال دینا کہ صاحب! یہ اسلاف ایسا کرتے چلے آئے تھے اس واسطے میں نے ایسا کیا ہے۔سنتے ہو اس کے متعلق یہ اسلاف کے متعلق جو تم کچھ کہتے ہو سنو اس کے متعلق۔اسلاف اولوالعزم اسلاف' ان کے نام لے لے کے گنا کے یہ کہا سنو! **علیکم انفسکم** . (**تلک امة قد خلت**) (2:141) یہ گروہ' یہ جماعتیں' یہ اسلاف کے یہ سارے بڑے بڑے ہجوم سب اپنے اپنے وقتوں میں چلے گئے۔(**لھا ما کسبت ولکم ما**

کسبتم) (2:141) جوانہوں نے کیا ان کی ذمہ داری ان پہ عائد ہوتی ہے جو تم کرو گے اس کی ذمہ داری تم پہ عائد ہوگی۔ یہ بات کہ صاحب! انہوں نے یہ کیا تھا اور انہوں نے یہ کہا تھا(ولا تسئلون عما کانوا یعملون) (2:141)

تم سے ہم پوچھیں گے نہیں کہ انہوں نے کیا کیا تھا' پوچھیں گے یہ تم نے کیا کیا تھا۔ عزیزانِ من! یہ مقام ہے آپ کی امت کا۔ تم سے پوچھا جائے گا کہ تم کیا کرتے ہو۔ یہ کہہ کے نہیں چھوٹ سکتا۔ آج کی قانونی عدالت میں یہ کہہ کے نہیں آپ چھوٹ سکتے صاحب! اس نے مجھے کہا تھا اس کو ماردو۔ قرآن کہتا ہے تم بالغ ہوگئے ہو تمہارا یہ عذر مسنون نہیں ہوگا قابل پذیرائی نہیں ہوگا کہ صاحب! اس نے مجھے کہا تھا کہ مسئلہ یہ ہے' انہوں نے کہا میرے ماں باپ ایسے کرتے تھے میں بھی یہ کرتا چلا آرہا ہوں۔(تلک امة قد خلت) (2:141) عزیزانِ من! مذہب کی سٹیج پہ کھڑے ہو کے یہ اعلان کرنا' صرف خدا اعلان کرسکتا تھا(تلک امة قد خلت) ۔یعنی امت کے اندر آپ وہاں دیکھیں گے انبیائے کرامؑ کے نام بھی ہیں ان کی طرف بھی جو لوگ یہ منسوب کر کے تمہیں کہتے ہیں وہ بھی نہیں قابلِ پذیرائی ہوگا' سوال نہیں ہے' وہ چیز اپنی اصلی شکل میں نہیں رہی ۔(تلک امة قد خلت) ۔(لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم) وہ جو کچھ کر گئے ہیں ان سے پوچھیں گے' تم سے یہ پوچھیں گے تم نے کیا فیصلے کیے تھے۔ اور پھر اس کے بعد مثبت(ولا تسئلون عما کانوا یعملون) انہوں نے کیا تھا تم سے نہیں پوچھا جائے گا یہ چیز۔ لہٰذا یہ سند پیش کرنا کہ صاحب! وہ یہ کرتے تھے اس لیے میں یہ کرتا ہوں۔ قرآن سوچئے کیا کہتا ہے۔ کہا جی یہ آیتیں منسوخ ہیں' ٹھیک ہے ذمہ داری سے بچنے کا بڑا آسان طریقہ ہے۔ تم نے ان چند آیتوں کو کہا آپ کے آنے والی نسل سارے قرآن ہی کے متعلق انہوں نے کہہ دیا یہ ہو رہا ہے کہ صاحب! وہ ٹھیک ہے اس دور میں یہ چل سکتا تھا۔ قرآن تو انہوں نے نہیں پڑھا' ان کے سامنے تو آپ وہ فقہ یا وہ روایات یا وہ جزئیات پیش کر رہے ہیں کہ جو ساتھ نہیں دے رہیں زمانے کا۔ وہ ٹھیک کہتے ہیں وہ واقعی جزئیات اس زمانے کے لیے تھیں آج کے لیے نہیں تھیں۔ آپ کہتے ہیں یہ اسلام ہے وہ کہتا ہے ہمارے ساتھ تو نہیں چل سکتا آپ کے ساتھ چلتا ہے چلا لیجئے' اسلام علیکم۔ کہیے کہ نہیں بیٹا! جو انہوں نے کیا ہے اس کے متعلق سوال نہیں ہے تم سے پوچھا جائے گا تم خود فیصلے کرو اس کے متعلق۔(یایھا الذین امنوا انفسکم) (5:105)۔ بچے جوان ہوگئے بالغ ہوگئے ہو بیٹا! اپنے فیصلے کی ذمہ داریاں لو۔ یہ ہے مقام انسانیت۔(لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم) (5:105) تم کہو گے کہ صاحب! وہ تو قرآن کے خلاف یہ چیز ہے ہم نے قرآن سے پڑھا ہے تو وہ تو اس کا عقیدہ یہ نظر آتا ہے اس کے خلاف یہ چلا آرہا ہے۔ کہا ڈرو نہیں' بالکل ڈرنے کی بات نہیں ہے اس میں۔ اگر تم قرآن کے بتائے ہوئے طریقے پہ صحیح چلتے رہو گے لا یضرکم من وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اس لیے کہ وہاں یہ نہیں پوچھا جائے گا ان سے کہ فرمایئے حضور! آپ کے طریقے کے مطابق یہ چلا تھا یا نہیں۔ اور جو وہ کہیں گے کہ جی نہیں چلا تھا تو ہم یہ نہیں کہیں گے

لے جاؤ جہنم میں۔ کیا عجیب چیز ہے!! ڈرتا اسی لیے ہے نا انسان کہ صاحب ان کے طریقے کے خلاف یہ کچھ نہ کرلیں' وہ کانپتا ہے۔ کہتا ہے **لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم** ہدایت اس کے اندر ہے اس کے مطابق چلو وہ کچھ نہیں تمہیں نقصان پہنچا سکیں گے۔ کیوں نہیں نقصان پہنچا سکیں گے؟ (**الی اللہ مرجعکم جمیعًا**) (5:105) یہ فیصلے یہاں تمہارے ہاں کی مسجدوں میں نہیں ہونے خانقاہوں میں نہیں ہونے درسگاہوں میں مکتبوں میں نہیں ہونے عدالت میں ہونے ہیں ہمارے سامنے آ ؤ گے۔ ہم جو تمہیں کہتے ہیں کہ ہم تم سے نہیں پوچھیں گے کہ انہوں نے کیا کیا' کیوں ڈرتے ہو ان سے۔ فیصلہ آخری ان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ آج ڈر یہ ہے کہ فیصلہ ان کے ہاتھ میں ہے جونہی ان کی کسی بات کے خلاف کہا کفر کا فتویٰ ہوا مرتد بنا مرتد کی سزا قتل ہوئی۔ آج تو ابھی غنیمت ہے کہ بچ رہے ہیں آپ۔ کہا قطعاً نہ ڈرو اس لیے کہ معاملہ ان کے ہاں نہیں پیش ہونا ہمارے ہاں ہونا ہے اس نظام کے سامنے پیش ہونا ہے جو ہماری ہدایت کے مطابق قائم ہوگا۔ (**فینبئکم بما کنتم تعملون**) (5:105) ہم بتائیں گے کہ تم نے جو کیا تھا ٹھیک کیا تھا یہ غلط کہتے ہیں۔ ہم بتائیں گے ان سے کیوں ڈرتے ہو۔ عزیزانِ من! یہ دیکھ لیجیے۔ اور پھر اگلی بات جو اور بھی زیادہ سچی اور نہایت نازک مقام ہے۔ جزئیات کچھ لیں روایات کی رو سے باتیں لیں روایات کی رو سے' فقہ کے بھی دروازے بند ہوئے تو شخصیتیں تو نہیں رہیں کس کی طرف جا کے پوچھیں۔ پھر یہ تصور کہ وقتاً فوقتاً خدا کی طرف سے آتے رہیں گے۔ وہ ختمِ نبوت ﷺ کے ماننے والے یہ عقیدہ رکھ رہے ہیں۔ اوا س کی طرف سے ہی آنا تھا تو یہ نبوت ﷺ کا خاتمہ کا اعلان کیوں کیا گیا۔ (معاذ اللہ معاذ اللہ) اعلان کرنے کے بعد پھر یہ after thought ??? ہوا کہو کہ نہیں صاحب کام نہیں چلا (معاذ اللہ معاذ اللہ)۔ پھر صاحب کہہ چکے ہیں آپ کو کہ نبوت ﷺ ختم ہوگئی نہیں آ سکتا اس کی طرف۔ کوئی بات نہیں نام کچھ اور رکھ دیتے ہیں۔

؎ رست از یک بند پا افتاد در بندے دگر

ایک رسی کاٹو ان کی' دوسری میں پاؤں جا کے دیدیتا ہے۔ چلا پھر سلسلہ آپ کے ہاں کا۔ مامور من اللہ' بالکل نبی کا اصطلاح بدلی ہوئی نام صرف بدلا ہوا ہے وہی خدا کے ہاں سے براہِ راست علم پانے والے۔ اب یہ سندیں نہ ان روایات کی رہیں نہ ان فقہ کی رہیں پھر شخصیت پرستی ان کے پاس آ ئیے صاحب جو انہوں نے کہہ دیا ہے خدا سے براہِ راست پا کے کہہ رہے ہیں صاحب۔ چل بھئی! ختم نبوت ماننے والے ہیں یہ لوگ۔ چلے آ رہے ہیں پھر۔ اب وہ اس قسم کا دعویٰ کرنے والے یا جن کو اس قسم کا بنا دیا ہم نے وہ تو پھر بھی کہیں وقتاً فوقتاً ؟؟؟؟ ہوا ان کے درمیان ان کے جانشین جو ہیں باطنی علم والے وہ جو ؟؟؟ کی اندر کی جیب میں ہوتا ہے وہ مسلسل چلے آ رہے ہیں۔ ایک حضرت صاحب کہیں ہوئے تھے چھ سو برس پہلے' اب ان کے ہاں کے خلفاء چلے آ رہے ہیں ان کی طرف چلے جا رہے ہیں صاحب۔ ان کا باطنی علم ان کو ملا ہوا ہے۔ ارے بھئی! یہ قرآن وغیرہ۔ یہ تو

صاحب یہ تو ہڈیاں ہیں مولانا روم کے الفاظ میں

؎ استخواں پیشِ سگاں؟؟

ہڈیاں ہیں۔مغز انہیں ملا تھا ان کی وساطت سے ہمیں ملا ہے۔ارے بھئی کہاں؟ سینوں کے اندر ملا ہے باطنی علم ہے۔مسلسل سلسلہ۔یہ قوم ختمِ نبوتﷺ کی ماننے والی۔جس قوم کو دنیا میں سب سے بڑی آزاد قوم ہونا چاہیے تھا عزیزانِ من! زندگی کے غیر متبدل باؤنڈری لائنز ان کے اندر یہ ٹیم یہ دیکھ کے کہ اس گیند کو فلاں گول کے اندر ہم نے پہنچانا ہے' جو تقاضا ہوتا ہے اس وقت کک مارنے کا ہیڈ مارنے کا لیفٹ کی طرف پاس کرنے کی پیچھے بھیجنے کا چلو یہ کچھ کرو۔اس قوم کی کیفیت یہ کہ ایک بند جو ہے صاحب ایک فرقہ اس میں کہ صاحب روایات میں جو کچھ آیا ہے غیر متبدل ہے۔اور آگے بڑھے انہوں نے کہا یہ ثواب اعظم ہے ہمارا صاحب' کیا ہے صاحب؟ فقہ کی کتابوں میں جو کچھ آیا ہے اس کے اوپر چلو۔اور آگے بڑھے انہوں نے کہا صاحب! فقہ بھی ختم ہوگئی۔یعنی وہ بھی جب دروازے بند ہوئے وہ ختم ہوگئی اب آگے کیا ہے۔کہ نہیں صاحب! یہ سب باطل ہے غلط ہے۔خدا کی طرف سے اس طرح سے یہ الہام پانے والے اس کی طرف علم پانے والے جو ہیں وہ حضرات آتے رہے۔اچھا جی وہ آگئے تھے پھر آئیں گے' نہیں جی! ان کے درمیان میں یہ سلسلہ جو ہے نا وہ انہی جیسا ہے ان کے ہاں سے یہ سارا کچھ ملے گا۔قدم قدم کے اوپر یہ جوان ہوا ہوا بچہ بچپن کی سطح کے اوپر آ گیا ہے تذلیلِ شرفِ انسانیت ہے۔ختمِ نبوتﷺ نے کیا کیا تھا یہ اشخاص درمیان میں سے ہٹا دیے تھے شخصیت پرستی کا دور ختم کر دیا تھا بچہ جوان ہوگیا تھا۔اس نے ذمہ داری کو شرک کیا درمیان میں آنے والوں نے اپنے منصب کو پھر سے سنبھالا دین مذہب کی سطح پہ آ گیا۔قوموں کی صف میں سب سے پیچھے مذہب پرست قوم ہوتی ہے دنیا میں عزیزانِ من!۔دنیا کی قوموں کی تاریخ دیکھ لیجیے۔مجھے معاف رکھئے گا دو چار منٹ لے لیتا ہوں اس لیے کہ پھر دوبارہ یہ آیتیں نہیں آئیں گی۔ساری دنیا میں آپ دیکھ لیجیے دین خدا کی طرف سے دیا ہوا مذہب یہ جو کچھ میں نے کہا ہے۔جہاں جہاں مذہب کے اوپر کوئی قوم رہی ہے ہمیشہ قوموں کی صف میں پیچھے رہی ہے۔یورپ کا عیسائی جب تک Christianity پہ قائم رہا یعنی یہ ایشیاء کی قومیں جو ہیں یہ ان سے کتنی آگے تھیں اس زمانے میں بھی امامت کر رہے تھے آپ دنیا کی مذہب کو چھوڑ کے۔یہ ہندو آپ کا کل کا اگلی نسل نے تو دیکھا نہیں ہم نے تو ان کے؟؟؟؟ دیکھے ہیں ان کے اندر بھی ایک گروہ تھا سناتن دھرمیا' قدامت پرست اسلاف پرست۔وہ خود ہندوؤں کے اندر سب سے پیچھے تھا۔ان میں پیدا ہوا جے آنند اس نے آریا سماج' ان بندھنوں سے اس کو توڑا ان کو آگے لے کے آیا روشنی دی۔اس وقت انڈیا کو جو Rule کر رہا ہے آریا سماج Rule کر رہا ہے' مذہب چھڑا دیا۔اس میں کچھ چیزیں ابھی تھیں ماننے کی۔اگلی ان کی جنریشن جو ہے انہوں نے سیکولر گورنمنٹ قائم کر دی کہ صاحب وہ آریوں کا ہو یا سمادھیوں کا ہو جینیوں کا یا بدھوں کا ہو اپنے اپنے مندروں میں لے جایئے

بات ہمیں عقل وفکر کی رو سے کرنی چاہیے ہم جوان ہوگئے۔اس تیئس سال کے عرصے میں بھی آپ نے کبھی سوچا کہ وہ آپ سے بھی آگے کیوں ہوگئے۔اور وجوہات تو آپ کے ذہن میں آئیں گی یہ بات نہیں آپ کے ذہن میں آئے گی کہ تیئس سال میں آپ آئین اس لیے نہیں بنا سکے ہر آئین کے متعلق درمیان میں ''ہڑک لادتی اے'' کہ یہ اسلامی نہیں غیر اسلامی ہے۔اور اسلام کی کوئی Definition نہیں ہر فرقے کا اسلام الگ ہے اس کی سندیں الگ ہیں۔بن نہیں سکا بن سکے گا نہیں برادرانِ عزیز! آپ کے ہاں۔او جو قوم تیئس سال میں مملکت بناکے آئین نہ بنا سکے جو بنایا اس کے خلاف ہے جو بنایا اس کے خلاف ہے جو بنایا اس کے خلاف۔ارے بھئی! آپ خود بنا دیجیے' کہنے لگے بناؤ تو آپ ہی' ہم تو مخالفت کرنے والوں میں سے ہیں۔''اے ادھیڑونیں''۔تیئس سال سے آپ کے ساتھ یہ ہو رہا ہے۔اور عزیزانِ من! اگر اسی مقام کے اوپر آپ رہے تیئس سو سال تک یہی ہوتا چلا جائے گا۔قرآن کی رو سے مقام یہ تھا آپ کا (یٰایھا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم (5:105) او! ذمہ داریاں اپنی آپ سنبھالو۔ہم تم سے یہ نہیں پوچھیں گے کہ اسلاف کی طرف سے یہ کیا ہے۔(تمت کلمت ربک صدقًا) یہ کلام اللہ ہے مکمل ہو گیا اس کے اندر۔یہ لو اس کے بعد (امرھم شوریٰ بینھم) باہمی مشاورت سے عقل وفکر سے کام لے کے دنیا کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ کرتے چلے جاؤ خیر امۃ ہو جاؤ گے دنیا کے اندر۔اس لیے کہ باقی قوموں کے پاس یہ غیر متبدل اقدار نہیں ہیں جہاں ان کی کشتی ٹوٹے گی تمہاری حفاظت سے آگے چلی جائے گی۔یہ تھا عزیزانِ من!۔105 آیت تک ہم آ گئے۔میں سمجھتا ہوں کہ بہر حال جو کچھ میں قرآنی بصیرت سے سمجھ سکا ہوں میں نے آپ احباب کے سامنے رکھ دیا۔شاید میں نے جیسا کہا ہے کہ یہ آیات دوبارہ نہیں آئیں گی اس لیے مجھے کھل کے بات کرنی پڑ رہی ہے۔یہ طریقہ ہے اگر یہ نہیں اختیار کرو گے یاد رکھئے

؎ بہ آدم نہ رسیدی خدا چہ مے گوئی

اقبالؒ کہتا ہے تم آدمی کی صف کے اوپر نہیں آسکو گے خدا تو بہت دور ہوتا ہے۔وقت ہو گیا بلکہ میں نے دس منٹ زیادہ بھی لے لیے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المآ ئدۃ۔سترہواں باب(آیات 106 تا120اختتام)

عزیزانِ من!

آج جولائی 1971ء کی 11 تاریخ ہےاوردرسِ قرآنِ کریم کا آغازسورۃ المآ ئدۃ کی آیت106 سے ہوتا ہے (5:106)۔

پچھلے اتوارکودرس کا ناغہ رہا تھااس لیےتجدید یادداشت کے لیےعرض کردوں کہ موضوعِ کلام یہ چلا آ رہا تھا کہ دین کی تکمیل کردی۔ وہ تکمیل قرآنِ کریم کے اندرآ کرہوئی قرآنِ کریم کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کردیا۔لہٰذااب نبوت کی ضرورت نہ رہی تو ختمِ نبوت ﷺ اس کا منطقی نتیجہ تھا۔اور یہ اس لیے کہ اب خدائی پروگرام کے مطابق انسانیت اپنے بچپن کے زمانے سے نکل کر بلوغت کے دور میں پہنچ رہی تھی بچہ بالغ ہورہا تھا۔اسے اب زندگی کے بڑے بڑے اصولوں کی ضرورت تھی مستقل راہنمائی جواصولی طور پہ سامنے آئے یہ کیا گیا۔اور جزئیات کے متعلق کہا گیا کہ ہر دور کا اسلامی نظام اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق ان اصولوں کی روشنی میں اس کی عملی جزئیات خود متعین کرے گا۔اوراس طرح قرآن میں بیان کردہ ثبات' غیرمتبدل اصول اوراسلامی نظام کے متعین کردہ جزئیات ان دونوں کے امتزاج سے یہ سلسلہ دین کا آگے بڑھتا چلا جائے گا۔اوراسی بناء پہ اس نے یہ کہا تھا کہ جو باتیں قرآن میں نہیں بتائی گئیں ان کے متعلق کرید کر کے یہ نہ کہو کہ وحی کے ذریعے سے ہی وہ بتائی جانی چاہئیں ۔ وہ وحی کے ذریعے سے متعین کردی جائیں گی تو وہ ہمیشہ کے لیے غیر متبدل ہوجائیں گی اور یہ منشائے خداوندی ہےنہیں کیونکہ ضرورتیں زمانے کی بدلتی جائیں گی ۔ جزئیات کواگر ہمیشہ کے لیے مستقل طور پر غیر متبدل قرار دیدیا تو وہ زمانے کے بدلنے والے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکیں گی ۔لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ بعض ایسے بھی قوانین ہیں کہ خودان کی جزئیات بھی قرآنِ کریم نے ہی دیدی ہیں ۔تو وہ جزئیات عام طور پہ جسے ہم عائلی زندگی کہتے ہیں خاندانی زندگی گھر کی زندگی وہ ان سے متعلق ہیں۔لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا تھاختمِ نبوت ﷺ پرعقیدہ رکھنے کے باوجوداورعقیدے کی شدت کی یہ کیفیت کہ یہ چیز ہمارے لیے جزوِایمان ہےاس Issue کےاوپرآپ دیکھتے ہیں کتنے کتنے جھگڑےاور فسادات ہوتے ہیں۔کفراوراسلام کا یا معیار ہے یہ درست ہے۔لیکن ختمِ نبوت ﷺ کا اس شدت سے اقرار کرنے کے بعداس نبوت کے دروازے کوتوڑنے کے لیے انہی لوگوں نے اتنی کوششیں کیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ ختمِ نبوت ﷺ محض ایک عقیدے کی حیثیت سے تو باقی رہ گئی عملاً یہ دروازہ بالکل چوپٹ کھل گیا۔اور جتنی یہ کوششیں ہوئی تھیں ان میں میں نے یہ عرض کیا تھا کہ کہیں روایات کا ایک انبار لگا دیا گیا جو نبی اکرم ﷺ کی وفات کے قریب اڑھائی سو سال بعد انسانی کوششوں نے مرتب کیا۔ پتہ نہیں کتنی ان میں وضعی حدیثیں تھیں جتنی تحریف اس کے اندر ہوئی ۔ پھر فقہ کے مسائل کو ہمیشہ کے لیے مستقل تسلیم کرلیا

گیا۔یعنی وہ جزئیات جنہیں قرآن نے نہیں دیا تھا تاکہ وہ مستقل نہ سمجھی جائیں وہ تمام جزئیات اس طریقے سے متعین کی گئیں۔ پھر اس کے بعد تصوف کا دروازہ کھولا گیا کہ ایک باطنی علم ہے جو خدا کی طرف سے وہ پاتے ہیں یہ حضرات اور وہ ہمیشہ تک کے لیے سلسلہ رہے گا۔ پھر آنے والوں کا عقیدہ آپ کے ہاں جزوِ دین بن گیا کہیں تو وہ سو سال کے بعد آنے والے کہیں آخری زمانے میں آنے والے۔یعنی یہ سارا سلسلہ آپ دیکھیں گے غور کر کے تو یہ جو ایک ختمِ نبوتﷺ کا قرآن نے نظریہ اصول یا عقیدہ دیا تھا یہ سارا اس کے خلاف جانے والی چیزیں تھیں۔ یہ چیز کہ مثلاً روایات میں اس طرح سے اس بنیادی عقیدے کی خلاف ورزی کی اس ایک مثال سامنے آتی ہے اور میں سمجھتا ہوں عجیب قرآن کا یہ معجزہ ہے کہ اسی مقام پر وہ اس چیز کو سامنے لایا ہے جو اس باب میں ایک بین شہادت ہے۔قرآنِ کریم نے وصیت کرنا ہر مسلمان پر فرض قرار دیا۔ایسا فرض کہ آپ دیکھئے الفاظ کیا استعمال ہوتے ہیں(**كتب عليكم اذا حضر احدكم الموت ان ترك خيرا الوصية للوالدين و الاقربين بالمعروف حقًا على المتقين**) (2:180)

فرض قرار دیا گیا ہے تمہارے اوپر کہ ہر وہ شخص جو کچھ مال چھوڑ کے مرے وہ وصیت کر کے جائے اپنے ماں باپ کے لئے اپنے عزیزوں کے لئے اقربا کے لیے قاعدے قانون کے مطابق۔ پہلے **كتب عليكم** فرض قرار دیا تمہارے اوپر آخری الفاظ ہیں **حقًا على المتقين** یہ متقیوں کے اوپر واجب ہے فرض ہے ضروری ہے۔یعنی آیت کی ابتداء **كتب عليكم** انتہا **حقًا على المتقين** ۔اس سے تاکیدی الفاظ بھی کوئی ہو سکتے ہیں کسی حکم کے لیے کہ وہ وصیت کرے۔ یہ اتنی اہم چیزیں تھیں کہ یہاں یہ چیز بطور حکم کے دی۔ یہ آیت جو آج ہمارے سامنے آتی ہے اس آیت میں اتنی تفصیل دی ہے اس وصیت کے متعلق(**یٰایها الذين اٰمنوا شهادة بينكم اذا حضر احدكم الموت حين الوصية اثنٰن ذوا عدل منكم او اٰخرٰن منكم غيركم ان انتم ضربتم فى الارض فاصابتكم مصيبة الموت تحبسونهما من بعد الصلوٰة فيقسمٰن بالله ان ارتبتم لا نشترى به ثمنًا ولو كان ذا قربىٰ ولا نكتم شهادة الله انا اذًا لمن الاٰثمين**) (5:106)اور اس سے آگے بھی۔(**فان عثر علىٰ انهما استحقا اثمًا فاٰخرٰن يقومٰن مقامهما من الذين استحق عليهم الاوليٰن**) (5:107)یعنی یہ ساری چیزیں اس وصیت کے متعلق یہ ان تین آیتوں کے اندر 106 سے 108 تک دی گئی ہیں۔ کہ وصیت کرو تو دو آدمیوں کو اپنے میں سے گواہ مقرر کر لو اگر کہیں باہر سفر میں ہو اپنے لوگ نہ ملیں کوئی دوسرے غیر جو ہوں انہیں گواہ مقرر کرو۔ انہیں اس طرح سے مسجد میں صلوٰۃ کے بعد روک لو اس لیے کہ اس زمانے میں ہماری عدالت گاہیں مساجد ہی ہوتی تھیں۔ان سے اس بات کی قسم لو اگر شبہ ہو کہ وہ لوگ اس وصیت میں کچھ تحریف کر دیں گے کچھ ردو بدل کر دیں گے تو ان کی جگہ دوسرے لوگوں کو بلاؤ وہ اس قسم کی قسم دیں۔اس قسم کے بعد ان کے سامنے یہ وصیت والی بات پیش کرو۔یعنی یہ

ساری تفصیل ان تین آیتوں میں دی اس ایک آیت کی جو وصیت کے فرض قرار دینے کے لیے اس سے پہلے بیان ہوئی تھی۔ تو اب یہ دیکھئے کتنی اہم چیز ہوگئی یہ کہ قرآن جس نے زندگی کے بڑے بڑے اہم مسائل کے متعلق اصولی باتیں ہی بیان کی ہیں وہ ایک چیز کے متعلق اتنی تفصیل سے بات کر رہا ہے اتنی اہمیت اس کو دے رہا ہے فرض قرار دیا ہے حقًا علی المتقین کہا ہے تفصیل اس کی تین لمبی لمبی آیتوں میں دی ہے۔ کیسے وصیت کی جائے' کیسے اس میں شہادت دی جائے' کس طرح سے گواہ مقرر کیے جائیں' گواہوں سے کس طرح سے قسم لی جائے یعنی کتنی بڑی تفصیل ہے اس کے متعلق۔

لیکن آپ کو معلوم ہے کہ اب آپ کے ہاں وصیت کی اجازت نہیں ہے۔ تو یقیناً آپ حیران ہونگے کہ یہ کیا ہوا۔ دین مکمل ہوا اس کے اندر' بعد میں تو کوئی نبی آیا نہیں کہ جس نے کوئی خدا کی طرف سے وحی پانے کے بعد اس کو منسوخ کر دیا ہو۔ آپ کو معلوم ہے کہ آج آپ کے ہاں یہ آیت منسوخ ہے۔ اب آپ کے ہاں حکم یہ دیا گیا ہے شریعت کی رو سے کہ وصیت صرف ایک تہائی کے اندر کر سکتا ہے ایک شخص اور وہ بھی اپنے وارثوں کے لئے' ماں باپ اور اقربین کے لیے نہیں کر سکتا۔ قرآن نے اس میں یہ لکھا تھا وصیت کی جائے گی جو کچھ چھوڑا ہے اس سب کے متعلق وصیت کی جائے گی۔ والدین اور اقربین کے لیے وصیت کا خاص طور پہ حکم ہے قرآن کے الفاظ ہیں۔ اس کے بعد یہ کہا گیا کہ نہیں! یہ آیت منسوخ ہے۔ صرف تہائی میں وصیت کی جا سکتی ہے وہ بھی وارثوں کے لیے' والدین اقربین کے لیے نہیں کی جا سکتی۔ آپ حیران ہونگے کہ قرآن کے ایسے کھلے ہوئے الفاظ' اسکے بعد یہ کس چیز نے اس کو منسوخ قرار دیا۔ ایک روایت' صرف ایک حدیث اور وہ بھی عجیب انداز کی ہے کہ صحابہؓ میں سے ایک بیمار ہوئے نبی اکرم ﷺ ان کی عیادت کے لیے گئے انہوں نے یہ کہا کہ میں تو اب آخرت میں جا رہا ہوں میرے پاس جو کچھ بھی ہے میں نے وہ سارے کا سارا خدا کی راہ میں دینے کی وصیت کر دی ہے کہ یہ دیدیا جائے۔ اس روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں! سارے کے سارے وصیت میں نہیں' کچھ اپنے بعد میں رہنے والے وارثوں کے لیے بھی چھوڑو۔ اُس نے کہا کہ میں آدھے کے لے وصیت کر دوں' آپ ﷺ نے کہا کہ نہیں! یہ بھی زیادہ ہے تو اس نے کہا کہ اچھا میں ایک تہائی میں یہ کر دیتا ہوں وصیت۔ یہ ایک حدیث ہے صرف۔ آپ کے ہاں عقیدہ اب یہ ہے کہ اس ایک حدیث نے قرآنِ کریم کی اس آیت کو منسوخ کر دیا ہے۔ اب وصیت نہیں کی جا سکتی وارثوں کے لیے اور غیرِ ورثہ کے لیے بھی ایک تہائی میں صرف کی جا سکتی ہے قرآن کی اس آیت اور اتنی تفصیل کے علی الرغم۔ کہ آپ ﷺ نے انہوں نے یہ کہا کہ نہیں! سارے کا سارا نہیں۔ اور ضمناً میں عرض کر دوں کہ اس کے ساتھ ہی اسی سانس میں بڑے فخر سے یہ بھی بیان کیا جاتا ہے ہمارے سامنے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب ایک دفعہ اپیل کی کہ بڑی ضرورت پڑ گئی ہے جہاد کے لیے جتنا کچھ کوئی دے سکتا ہے لائے۔ حضرتِ ابوبکر صدیقؓ تشریف لائے اور انہوں نے جو کچھ گھر میں تھا

سب کا سب لا کے حاضر کر دیا۔ اور انؓ سے پوچھا گیا کہ تم نے گھر والوں کے لیے بھی کچھ رکھا تو انہوںؓ نے کہا کہ یہ ایک کمبل جو میں نے لپیٹ رکھا ہے۔ یعنی یہ چیز بھی ہمارے سامنے پیش کی جاتی ہے اور بڑے فخر سے پیش کی جاتی ہے' ہے ہی قابلِ فخر۔ یعنی یہاں وہ چیز ہے کہ سارے کا سارا وہ لے آئے ہیں۔ اور اسی کے ساتھ اسی سانس میں یہ کہا جاتا ہے کہ اس صحابیؓ نے یہ چیز کہی کہ میں نے سارے کا سارا خدا کی راہ میں دیدیا تو اسے کہا جاتا ہے کہ نہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے اور پھر اس میں تہائی تک کی اجازت دی جاتی ہے۔ یہ آپ کے ہاں کی احادیث' روایتیں ہیں۔ بہرحال اس روایت نے اس قرآن کی آیت کو (ان کا عقیدہ ہے) منسوخ کر دیا ہوا ہے۔ تو کہیے کہ وہ ختمِ نبوت ﷺ کہاں رہی پھر؟۔ قرآن کے اندر جو دین کی تکمیل ہوئی تھی اس کو جو کہا تھا اس نے کہ (لا مبدل لکلمت الله) اللہ کے ان قوانین کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ یہ کہاں گئی یہ قرآن کی آیت۔ تکمیلِ دین' غیر متبدل یہ چیزیں جو قرآن میں آ چکی ہیں اتنی تفصیل سے یہ چیز آئی ہوئی ہے۔ کہا گیا کہ نہیں!۔ اور پھر یہ کوئی ایک آیت منسوخ ہوئی ہے۔ میں نے عرض کیا ہے کہ پہلے تو یہ عقیدہ ہوا کہ قرآن کی بعض آیتیں قرآن ہی کی دوسری آیتوں سے منسوخ ہیں۔ اور خدا نے کہیں سارے قرآن میں نہیں یہ کہا کہ اس آیت سے ہم نے فلاں آیت کو منسوخ کیا ہے' کہیں نہیں کہا۔ ارے بھئی! کیسے یہ معلوم کریں پھر؟ کہ جی ہم بتائیں گے۔ یہ مفسرین اور علمائے کرام آپ کے بتا رہے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے فلاں سے یہ منسوخ ہے فلاں سے۔ یہ خدا کی کتاب کے ساتھ یہ ہو رہا ہے جس میں کہا گیا تھا لا مبدل لکلمت الله کوئی نہیں تبدیلی اب اس میں کر سکتا۔ خدا کہتا ہے ہم نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے جی! الفاظ کی حفاظت ہے آپ کرتے رہیے ہم سرے سے اس کو منسوخ ہی قرار دیتے ہیں۔ یہ تلاوت کے لیے رہ گئی۔ سوچئے کس مقام پہ ہیں ہم لوگ۔ اور پھر کسی ایک آدھ آیت کے متعلق یہ ہوا ہے؟

جیسا میں نے عرض کیا ہے قرآنِ کریم کی ابتداء میں جو منسوخ آیتیں تھیں پانچ سو کے قریب تھیں اور وہ اس قسم کی روایات کی رو سے ان کو منسوخ قرار دیا گیا ہے۔ یہ ابھی ہم روایات تک پہنچے ہیں اس کے بعد ان روایات کی روشنی میں پھر فقہ مرتب ہوئی ہے آپ کے ہاں۔ انبار در انبار پھر وہ اس فقہ کے مسائل آپ کے ہاں ہیں۔ اب وہ فقہ جو ہے وہ بھی اسی طرح سے منسوخ کرتی ہے ان چیزوں کو' وہ غیر متبدل ہے' روایات غیر متبدل ہیں یعنی قرآن کی آیتیں نہیں' ان میں تو تبدیلیاں سب کچھ کیں پہلے روایات نے کیں پھر فقہ نے کیں۔ روایات غیر متبدل ہیں اور وہ فقہ غیر متبدل ہے۔ اور اس کے بعد پھر جو یہ روز آپ کے ہاں دعوے کرتے ہیں آنے والے تو ان کے ہاں کے الہام جو ہیں وہ وحی ہے وہ Latest Edition ہیں۔ وہ تو یقیناً پہلے جتنی چیزیں ہیں ان کو Supercede کریں گی۔ نئے نبی نے آپ کے ہاں یہ کہہ دیا کہ ہاں صاحب! وہ جہاد کا سارا حکم قرآن میں جو تھا تیرہ سو سال پہلے کی بات ہے' اب میں جو نیا دین لے کے آیا ہوں خدا کی طرف سے جو میں نے وحی پائی ہے اس کی رو سے جہاد

کے وہ سارے مسائل منسوخ ہیں۔ چلئے صاحب! یوں سلسلہ شروع ہوگیا۔ ختمِ نبوت ﷺ کے اوپر آپ فساد کرتے رہیے دنگے مچاتے رہیے وہ بھی اپنی جگہ ہے اور ختمِ نبوت ﷺ کا عملاً یہ حشر ہو رہا ہے آپ کے ہاں۔ اور اسی لیے اگلی آیت۔ یہ آیتیں جو ہیں وصیت کی میں نے عرض کیا کہ اس میں ساری تفصیل موجود ہے ترجمے میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اور اس کے بعد پھر کہا کہ (**یوم یجمع الله الرسل فیقول ماذا اجبتم قالوا لا علم لنا انک انت علام الغیوب**) (5:109)

کہا کہ کہیے! کہ جس دن جمع ہو جائیں گے سارے رسول بھی اور پھر ان کی امتیں بھی۔ اور رسول سے پوچھا جائے گا کہ تمہاری تعلیم کا کس طرح سے ان لوگوں نے استقبال کیا تھا کیسے اسے Receive کیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کا جواب تو قرآن میں موجود ہے کہ حضور ﷺ کہیں گے کہ اے میرے رب! یہ ہے وہ قوم کہ جس نے تیرے قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔ یہ اس سوال کے جواب میں حضور ﷺ کا جواب تو قرآن کے اندر موجود ہے۔ باقی رسول اپنی اپنی امتوں کے متعلق جو جواب دیں گے وہ تو الگ رہا یہ جو جواب یہاں موجود ہے قرآن کے اندر۔ تو قرآن یہ کہتا ہے کہ اس وقت ہم پوچھیں گے کہ تمہاری تعلیم جو تم نے خدا کی تعلیم جو ان تک تم نے پہنچائی تھی انہوں نے کس طرح سے Responde کیا تھا اس کے اوپر۔ تو یہ ہے نا جو کچھ میں بیان کر رہا ہوں ایسے کیا نا ہم نے اس تعلیم کے ساتھ۔ یہ ہم کہیں گے نا وہاں' ہم کہیں گے کیا گویا ہماری پوری امت کے اعمال یہ بتائیں گے وہاں' عقائد بتائیں گے ہمارے کہ صاحب! ہم نے کیا یہ تھا کہ خدا خود کہیں گے کہ تمہارے ان احکام کو آیات کو منسوخ قرار دیا تھا۔ ان چیزوں کے اوپر ہم عمل کرتے تھے پہلے روایات کے اوپر' پھر فقہ کے اوپر' پھر یہ باطنی تعلیم جو پیش ہوتی تھی اس کے اوپر' پھر آنے والے جو لاتے تھے اس کے اوپر یہ کچھ ہم کرتے تھے تمہاری کتاب کے ساتھ۔ اور رسول یہ کہیں گے کہ ٹھیک ہے (آگے بات آتی ہے) کہ جب تک ہم ان میں رہے اس وقت تک کے تو ہم ان کے ذمہ دار تھے ہمارے بعد انہوں نے کیا کیا ہے اس کی ذمہ داری ہم پہ عائد نہیں ہوتی۔ تو جانتا ہے اس کے بعد کہ انہوں نے پھر کیا کیا تھا۔ اور پھر میں عرض کر دوں کہ حضور ﷺ کا جواب تو قرآن میں موجود ہے کہ یہ وہ قوم ہے کہ جس نے تیرے قرآن کو محظورًا قرار دیدیا تھا۔ ایک ہی جواب ہے 'قرآن کو چھوڑ دیا تھا'۔ اب یہ جو چیز آئی ہے کہ جب تک میں موجود تھا اس وقت تک تو میں اس کا ذمہ دار ہوں بعد میں انہوں نے کیا کچھ کیا مجھ پہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ اس کے لیے حضرتِ عیسیٰؑ کا واقعہ قرآن سامنے لایا ہے۔ اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ سے پہلے وہ جو امت تھی وہ امتِ عیسویؑ تھی وہ حضرتِ عیسیٰؑ کی تعلیم پر اپنے آپ کو بتاتی تھی کہ ہم اس پہ کاربند ہیں۔ لیکن جو ان کے Immediately عقائد تھے قرآن بتا رہا ہے اور آج بھی ہمارے سامنے ہے صریح شرک اور کفر کے عقائد تھے۔ کہیں حضرتِ مسیحؑ کو خدا کا بیٹا بنایا جا رہا ہے' کہیں خود خدا بنایا جا رہا ہے' کہیں ان کی والدہ کی بھی ساتھ پرستش ہو رہی ہے' کہیں کفارے کا عقیدہ ساتھ آ رہا ہے ان کے۔ عجیب عجیب قسم کے عقائد۔ تو

یہ چونکہ اس زمانے میں یہ عقائد جو تھے عیسائیوں کے ان کی بڑی دھوم تھی اور یہ حضورﷺ سے پہلے Immediately یہی مذہب آیا ہوا تھا اسے مثال کے طور پہ پیش کیا۔ اور یہاں سے بات شروع کی کہ دیکھئے! رسولوں کے بعد امتیں کیا کیا کرتی ہیں۔ لیکن وہاں تو ایک چیز تھی کہ ان رسولوں کی کتابیں اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں رہی تھیں ان امتوں نے پہلے یہ کیا تھا۔ یہاں یہ دشواری تھی کہ اس کتاب کی حفاظت کا ذمہ خدا نے لے لیا تھا' کتاب کے الفاظ کو تو یہ بدل نہیں سکتے تھے۔ لیکن الفاظ جو رکھے اسی طرح سے محفوظ وہ تو صرف رمضان کی تراویحوں میں دہرانے کے لیے رکھے اور وہ بھی بلا سمجھے ہوئے' ختم پڑھنے کے لیے رکھے' قل کے ختم کے اندر ایک ایک پارہ بانٹنے کے لیے رکھے' مردے بخشوانے کے لیے رکھے۔ زندگی میں عمل سارا ان چیزوں کے اوپر ہوا جنہوں نے قرآن کو منسوخ کیا بقول ان کے۔ لیکن قرآن نے یہ پیش کیا ہے عیسائیوں کے عقائد پہ کہ انہوں نے کیا کیا اپنے رسول کے بعد۔ رسول نے کیا جواب دیا بات یہاں سے شروع ہوتی ہے۔ یہ چیزیں پہلی جو ہیں یہ پہلے اس سے آچکی ہوئی ہیں تفصیلاً اس لیے میں مزید تفصیل میں نہیں جاؤنگا۔ (اذ قال اللہ یٰعیسی ابن مریم اذکر نعمتی علیک و علٰی والدتک اذ ایدتک بروح القدس تکلم الناس فی المھد و کھلًا و اذ علمتک الکتٰب و الحکمۃ و التورٰۃ و الانجیل و اذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر باذنی فتنفخ فیھا فتکون طیرًا باذنی و تبریء الاکمہ و الابرص باذنی و اذ تخرج الموتٰی باذنی) (5:110) یہ سورۃ اٰلِ عمران میں تفصیل سے یہ چیزیں آ گئیں کہ خدا حضرت عیسیٰؑ سے کہے گا کہ تم یاد کرو کہ ہم نے تم پہ تمہاری والدی پہ کتنے احسانات کیے۔ یہ یہودی جو کچھ انہوں نے تمہاری پیدائش بلکہ اس سے بھی ذرا پہلے تمہاری والدہ کے ساتھ کیا تمہارے پیدا ہونے کے بعد تمہارے خلاف جو کچھ انہوں نے کیا۔ اس طرح سے تمہاری والدہ کو تمہارے والدین کو تمہیں بچپن میں ہی لے کے کسی اور جگہ جانا پڑا جان بچا کے وہاں سے بھاگنا پڑا۔ تم آئے تو تمہارے ساتھ انہوں نے کیا کچھ کیا۔ لیکن اس کے باوجود ہم نے کس طرح سے تمہاری حفاظت کی تمہیں وحی دی وحی کے ذریعے سے تقویت پہنچائی۔ یہ تمہارے خلاف ہر قسم کی تہمتیں لگاتے تھے اور تمہاری کیفیت یہ تھی کہ تم بچپن میں بھی بڑی دانائی کی باتیں کیا کرتے تھے۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ تمہیں اسی زمانے میں قتل کر دیا جائے تمہیں لمبی عمر بھی ہم نے دی۔ بڑی عمر میں بھی تم اسی طرح سے باتیں کرتے تھے وحی تمہیں دی' کتاب وحکمت تمہیں سکھائی تورات وانجیل تمہیں دی۔ یہ وہ چیزیں آ گئیں آ گے جن کا ذکر پہلے آ گیا ہے۔ عام ترجموں میں جن کے متعلق آپ نے دیکھا ہوگا اور تفسیروں میں بھی کہ وہ مٹی کی چڑیا بناتے تھے بچپن میں' وہ جیسے بچے کھیلتے ہیں اور پھر اس کے بعد اس میں وہ پھونک مار دیتے تھے تو اڑ جاتی تھی۔ پھر وہ اندھوں کی آنکھ پہ ہاتھ پھیرتے تھے تو ان کو بینائی واپس آ جاتی تھی' کوڑھیوں کو اسی طرح سے وہ اچھا کر دیا کرتے تھے' مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔ میں نے جب یہ آیات پہلی دفعہ آئی ہیں تو تفصیل سے یہ عرض کیا تھا کہ قرآنِ کریم کی یہ آیات اس قسم کی جو سامنے آتی ہیں اس میں یہ یاد رکھئے کہ الفاظ کے

ایک معنی تو حقیقی یا لغوی یا Literal Meaning ہوتا ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ وہ شیر ہے تو ایک شیر تو سچ مچ کا درندہ ہوتا ہے ایک تو شیر کے لفظ کے یہ معنی ہوئے۔لیکن دوسرے معنی ان الفاظ کے مجاز ہوتے ہیں۔جب ہم کہتے ہیں کہ وہ تو شیر ہے او میرا شیر بچہ' تو آپ جانتے ہیں اس کے معنی کیا ہوتے ہیں؟ اس کے معنی بہادر کے ہوتے ہیں۔ یہ ہر زبان کا یہ طریقہ ہے۔خدا نے قرآن کو یہ کہا کہ ہم نے عربی مبین میں اسے نازل کیا تمہاری قوم کی زبان میں نازل کیا ہے۔قرآن کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے دیکھا جائے کہ اس زبان میں یہ چیزیں کس طرح سے استعمال ہوتی تھیں۔اپنے ہاں کی اردو کی کتاب بھی کوئی آپ کسی کو دیجیے اقبالؒ کا کلام دیجیے غالب کا کلام دیجیے نثر کی کتابیں بھی دیجیے اس میں آپ دیکھیں گے کہ جو الفاظ تشبیہاً استعمال ہوتے ہیں استعارے کے طور پہ استعمال ہوتے ہیں جن کے معنی لغوی نہیں لیے جاتے مجازی معنی لیے جاتے ہیں ان کو انہی معنی میں سمجھنا چاہیے۔ورنہ اگر ان کتابوں میں بھی جو الفاظ آئے ہیں ان کے معنی ہم حقیقی معنی لے لیں تو آپ دیکھیں گے کہ کچھ بات ہی نہیں بنے گی۔وہ یہی مجبوری تھی جس کے ماتحت غالب نے کہا تھا کہ

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

وہ بات تو مشاہدۂ حق کی ہوتی ہے لیکن وہ حقائق ہیں بسیط' مجرد (Abstract) وہ بات سمجھائی نہیں جا سکتی۔وہ کہتا ہے سمجھانے کے لیے مجبوری ہے کہ انہیں بادہ و ساغر کی تشبیہات میں پیش کیا جائے۔لیکن اگر ہم بعد میں یہ لیں کہ نہیں صاحب! وہ بادہ کے معنی شراب ہی ہیں اور ساغر کے معنی سچ مچ کا پیالہ ہیں جس میں یہ لوگ پیتے تھے تو خیر آپ غالب وغیرہ کے متعلق تو کہہ لیجیے لیکن یہ الفاظ تو آپ کے ہاں بڑے بڑے مقدسین کے ہاں ملیں گے۔ان کے تو یہ معنی نہیں لیے جائیں گے۔اسے کہتے ہیں مجازی معنی لینا۔اور حضرت عیسیٰؑ کی تو تعلیم آپ دیکھیں گے اس دور میں غالباً یہ انداز عام تھا۔انجیل آپ اٹھا کے دیکھئے ہر وعظ حضرت عیسیٰؑ کا بڑی حسین نادر تشبیہات کے اندر آپ کو ملے گا' ہر بات تمثیلاً ملے گی' بہترین تمثیلات آپ کو ملیں گی انجیل کے اندر۔حالانکہ یہ ہے کہ پوری کی پوری ان کی نہیں ہو سکتی لیکن جتنی بھی ہے اس میں آپ دیکھیں گے انداز ہی وہاں تمثیلات اور استعارات اور تشبیہات کا ہے۔تو یہ جتنی چیزیں قرآن نے کہی ہیں یہ وہی تشبیہات ہیں جو حضرتِ عیسیٰؑ نے اپنے ہاں استعمال کی ہیں۔یہ کیا ہیں؟ جب ہم مٹی کا مادھو کہتے ہیں کسی کو تو یہ تھوڑا ہوتا ہے کہ وہ مٹی کا سچ مچ کا کا باکا بنا ہوا ہے۔وہ کہہ یہ رہے ہیں بنی اسرائیل کو کہ تم جو اس وقت جن سے حرکت بھی سلب ہو گئی' زندگی کی حرارت بھی سلب ہو گئی تم ایک زندہ انسان نہیں ہو ایک مٹی کے پیکر رہ گئے۔آؤ! میں تمہیں بتاؤں ایسی تعلیم تمہیں دوں کہ تم میں زندگی' حرکت' حرارت اتنی پیدا ہو جائے کہ فضا کی پہنائیوں میں اڑنے کے قابل ہو جاؤ۔یہ وہی چیز ہے جسے اقبالؒ نے کہا تھا کہ

اگر یک قطرہ خوں داری اگر مشتے پرے داری

اگر تم میں ابھی ایک قطرۂ خون بھی باقی ہے اگر کوئی دو چار پر بھی باقی ہیں

بیا من ؟؟ آموزم طریقِ شہبازی را

آ ؤ میں تمہیں بتاؤں کہ عقاب اور باز کیا کرتے ہیں دنیا میں۔

وہ یہ بات کہہ رہے ہیں کہ تم اس وقت بے جان مٹی کی چڑیاں بنی ہوئی ہو آ ؤ میں تمہیں سکھاؤں کہ اس فضا میں کس طرح سے کہ اذن بال کشائی ملتا ہے تمہیں۔ تو میری تعلیم یہ کرے گی۔ تمہاری آج کیفیت یہ ہے اندھے ہو گئے ہو تم۔ قرآن میں اندھے کا اور بینا کا لفظ استعمال ہوا ہے گمراہوں کے لیے اور ان کے لیے جو صحیح راستے پہ چلتے ہیں۔ ہم بھی آج یہ کہتے ہیں اندھے ہو چکے ہو تم راستے کھو چکے ہو آ ؤ! تمہیں میں نئے سرے سے آنکھیں عطا کروں۔ انہوں نے کہا ہے یہ ابـــ ر ص کس کو کہتے ہیں؟ وہ کھیتیاں جو اجڑ گئی ہوں ویران ہو چکی ہوں۔ یہ ٹھیک ہے کوڑھی کو بھی کہتے ہیں انسان کو۔ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں تمہاری کھیتیاں اجڑ چکی ہیں ویران ہو چکی ہیں۔ یا تم ایسے ہو چکے ہو کہ ساری دنیا تمہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے کوئی تمہیں قریب نہیں اپنے آنے دیتا۔ آ ؤ! تمہیں میں بتاؤں کہ تمہاری مزرعِ ہستی کس طرح سے نئے سرے سے پھر کھیتیاں اگا سکتی ہیں تمہیں کس طرح سے تندرستیاں عطا ہو سکتی ہیں۔ اے وہ جو زندگی کی حرارتوں سے محروم ہو چکے ہو مردو آ ؤ! میں تمہیں بتاؤں زندگی کیا ہوتی ہے۔ یہ انداز ہے گفتگو کا' یہ بات ہے جو کر رہے ہیں۔ اور انہوں نے کر کے دکھا دیا بنی اسرائیل کے اندر وہ انقلاب پیدا کیا صاحب روما جیسی سلطنت کو الٹا کے رکھ دیا۔ کوئی چھوٹی بات نہیں تھی۔ **(و اذ کففت بنی اسرآئیل عنک اذ جئتھم بالبینٰت فقال الذین کفروا منھم ان ھٰذا الا سحر مبین)** (5:110) تم یہ کچھ اس قوم کے لیے کرنا چاہتے تھے اور قوم کی یہ کیفیت کہ وہ تمہیں ہی پکڑ کے چاہتی تھی کہ کہیں صلیب پہ چڑھا دے تمہیں۔ تم ان کے پاس ایسی قوم کے پاس زندہ دلائل لے کر آئے۔ دیکھئے لے کے کیا وہ آتے ہیں؟ بینات لے کے آتے ہیں دلائل لے کے آتے ہیں تعلیم لے کر آتے ہیں۔ اس کا جواب' کہنے لگا اس کا جواب جو ہمیشہ ملتا رہا ہے ایسی قوموں سے' کھلا ہوا جھوٹ ہے جو بنایا ہوا ہے فریب دے رہا ہے جو کہہ رہا ہے کہ مجھے خدا کی طرف سے یہ تعلیم ملتی ہے قطعاً غلط ہے۔ **(و اذ اوحیت الی الحوارین ان اٰمنوا بی و برسولی)** (5:111) اور پھر جب میں نے تمہارے حواریوں کی طرف وہ جو شاگرد تھے صحاب تھے ان کے۔ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے قرآن کا انداز۔ کہ انجیل میں دیکھئے تو حضرتِ عیسیٰؑ کے حواریوں کے متعلق لکھا یہ ہے کہ بارہ تھے وہ چنے ہوئے۔ ان میں سے ایک نے تو حضرت عیسیٰؑ کو تیس روپے کے عوض پولیس کے حوالے کر دیا اور باقی گیارہ کے گیارہ سارے کے سارے بھاگ گئے ان کو تنہا چھوڑ کر۔ یہ انجیل میں لکھا ہے ان حواریوں کے متعلق۔ اور قرآن

آ کے کہتا ہے ان حواریوں کے متعلق کہ جب حضرتِ عیسیٰؑ نے کہا کہ کون ہے جو خدا کے لیے میرے ساتھ کھڑا ہو جائے' حواریوں نے کہا کہ ہم تمہارے ساتھ کھڑے ہونگے' دیکھو آزما کے ہمیں ہم جانیں دیدیں گے تمہاری خاطر۔قرآن ان کے متعلق یہ شہادتیں دے رہا ہے کیا بات ہے صاحب!!!۔اب یہ ایک لفظ (اذا اوحیت الی) یہ جوئی نبوتیں ہمارے آتی ہیں وہ تنکوں سے پھر پل بناتی ہیں پھر ہاتھی گذارتی ہیں اس کے اوپر کہ صاحب وحی دیکھئے وحی کا سلسلہ غیر نبی کو تو ملتا ہے لکھا ہوا ہے قرآن میں حواریوں کی طرف ہم نے وحی کی۔ارے! عربی زبان میں پوچھو تو سہی کہ یہ وحی کا لفظ جو آتا ہے اس کے معنی کیا ہوتے ہیں؟ کسی کی طرف حکم بھیجنا' کسی کی طرف پیغام بھیجنا۔یہ نہیں کہ براہِ راست خدا کی طرف سے اس کے اوپر آئے۔نبی جو وحی اپنی امت کو دیتا ہے براہِ راست جو سامنے ہوتا ہے قرآن ان کے لیے یہ لفظ استعمال کرتا ہے۔یہ جو نازل کی گئی چیز ہے قرآن نے یہ کہا ہے وہ رسول کے اوپر تو نازل ہوتی ہے۔رسول کے یہ جو امتی ہیں ان کے متعلق کہا ہے و انزلنا علیکم تمہارے اوپر ہم یہ نازل کر رہے ہیں قرآن۔نبی کی وساطت سے جو تعلیم ملتی ہے اس کے لیے قرآن یہ لفظ استعمال کرتا ہے۔کسی رسول کو کسی نبی کو حضرتِ موسیٰؑ کی والدہ کی طرف بھیجا اور کہا کہ خدا کا حکم یہ ہے کہ اس بچے کو دریا میں پھینک دو' وہاں بھی وحی کا لفظ ہے۔یہ کہتے ہیں دیکھئے صاحب! اب موسیٰؑ کی ماں کو تو وحی ہو سکتی ہے ہمارے حضرت صاحب کو کیوں نہیں ہو سکتی۔کیا بتائے کوئی کسی کو' جہالت کا کیا علاج؟۔پوچھو کہ یہ وحی کے معنی کیا ہوتے ہیں' پوچھو کہ یہ انزلنا علیکم جو قرآن نے کہا ہے کہ کیا پھر یہ قرآن ساری امت کے اوپر اسی طرح سے جبریل لے کے آیا کرتا تھا؟۔اس کے معنی ہوتے ہیں' نبی موجود ہے رسول موجود ہے' کہا کیا جا رہا ہے کہ تم خدا پہ ایمان لاؤ تو حضرتِ عیسیٰؑ ان سے کہتے تھے کہ خدا پہ تم ایمان لاؤ۔عربی زبان میں استعمال ہوتا ہے یہ لفظ۔ان سے کہا گیا کہ ہم پہ ایمان لاؤ ہمارے رسول پہ ایمان لاؤ۔(قالوا اٰمنا و اشهد باننا مسلمون) (5:111) انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لاتے ہیں تمہارے اوپر۔اور کہا کہ گواہ رہیے اے خدا ہم تیرے قوانین کے سامنے جھکنے والے ہیں۔حضرتِ عیسیٰؑ کے حواریوں کے متعلق جن کے متعلق ان کی انجیل یہ کہتی ہے یہ قرآن ان کے متعلق یہ شہادت دیدیتا ہے ہر انقلابی آواز میں اس کا ساتھ دینے والے۔انہوں نے یہ کچھ کہا۔آگے ایک چیز آتی ہے بڑی عجیب ہے اور آج کا درس تو غالباً اسی چیز کو لے لے گا۔(اذ قال الحواریون یعیسی ابن مریم هل یستطیع ربک ان ینزل علیا مآئدةً من السمآء قال اتقوا اله ان کنتم مؤمنین) (5:112) حواریوں نے حضرتِ عیسیٰؑ سے کہا۔میں عام ترجمہ جو ہے پہلے وہ پیش کرتا ہوں پھر اس کی آپ کے ہاں کی تفسیر پیش کرونگا پھر اس کے بعد بتاؤنگا کہ بات کیا تھی۔تو جب حواریوں نے حضرتِ عیسیٰؑ سے کہا کہ کیا خدا تمہارا اس کی طاقت رکھتا ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان اتارا کرے بہت بڑا کھانے کا آسمان سے اتارا کرے۔دیکھئے قرآن دو لفظوں میں بات کیسے صاف کر جاتا ہے۔آگے چلنے سے پہلے ہی کہا (قال اتقوا الله ان کنتم مؤمنین) (5:112) ان کنتم کے معنی یہ بھی ہو سکتا ہے اگر تم

مومن ہو۔لیکن ان کے مومن ہونے میں تو شبہ نہیں۔اس لیے ان کے معنی عربی زبان میں یہ بھی ہوتا ہے کہ چونکہ جب تم مومن ہوا یمان لے آئے ہو خدا کے اوپر تو خدا کے قوانین کی نگہداشت کرو' یہ بھی پھر ہو جائے گا۔تو یہ جو انہوں نے مانگا تھا جو کچھ بھی' جسے ترجے اور ہماری تفسیر عام تفسیر کے اعتبار سے کہا کہ آسمان سے پکے پکائے ہوئے کھانے کا ایک طباق نازل ہوا کرے۔اس کے لیے کہا یہ ہے کہ چونکہ خدا پہ ایمان رکھنے والے ہو اس کے قوانین کا اتباع کرو گے تو ایسا بھی ہو جائے گا۔تو کیا جتنے بھی لوگ پھر متقی ہیں قوانینِ خداوندی کا اتباع کرتے ہیں ان کے ہاں کبھی بھی اس کے بعد یہ ہوا ہے کہ آسمان سے پکا پکایا پلاؤ کا رکاب اتر رہا ہے روز کے روز؟۔قرآن نے تقوے کا یہ نتیجہ بتایا ہے۔تو تقوے کا نتیجہ تو حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کے لیے ایسا نہیں ہوگا جہاں بھی تقویٰ ہوگا جو بھی متقی ہوگا اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے۔یہیں سے بات صاف کر گیا کہ تقوے کے نتیجے میں کوئی بات ہونے والی ہے۔(قالوا نريد ان ناكل منها و تطمئن قلوبنا و نعلم ان قد صدقتنا و نكون عليها من الشٰهدين) (5:113)

انہوں نے کہا کہ ہم یہ اس لیے کہہ رہے ہیں کہ ہم اس سے کھائیں تو اطمینانِ قلب نصیب ہو جائے۔کیا بات ہے قرآن کی!!۔یعنی بات تو یہ ہونی چاہیے تھی نا کہ بھوکے ہیں وہ آئے کھائیں پلاؤ بھی ہو اور پیٹ بھر جائے۔کہا یہ بات نہیں کہی۔ایسا کھانا جس سے اطمینان قلب نصیب ہو جائے۔ بڑی چیز کہہ گیا ہے قرآن' کھانے اور کھانے میں بڑا فرق کر گیا ہے قرآن۔ایک کھانا وہ ہے کہ جس سے پیٹ تو بھرتا ہے لذت بھی آتی ہے لیکن قلب جو ہے اس میں اضطراب کی؟؟ اٹھتی رہتی ہے۔آپ نے دیکھا ہے یہ جتنے بڑے بڑے آپ کے ہاں کے لوگ ہیں جن میں سے نوے کروڑ کے نوٹ تو جنہوں نے سوخت ہی کر دیے' کھانے کے اعتبار سے دیکھئے ان کے ہاں پکتا کتنا ہے۔پوچھئے اس کھانے کے بعد کہ کیفیت کیا ہوتی ہے؟ کسی شخص کو بھی نیند آتی ہے ان میں سے؟۔کہا یہ کھانا نہیں' ایسا کھانا کہ جس کے کھانے کے بعد پیٹ تو بہر حال کھانے سے بھرے گا اس کے ساتھ اطمینان بھی نصیب ہو جائے گا۔کھانے اور کھانے میں یہ فرق ہے نا جسے اقبالؒ نے یہ کہا ہے کہ

اے طائر لا ہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

انہوں نے یہ کہا تھا۔میں ابھی عرض کرتا ہوں جو میں کہہ رہا ہوں اس کی شہادتیں ہیں ہمارے ساتھ۔دل کو اطمینان نصیب ہو اور ہم مانیں کہ جو تو تعلیم لے کے آیا ہے کہ میری تعلیم پہ عمل کرو کھانے کو ملے گا حلال ملے گا طیب ملے گا ایسا ملے گا کہ دل کو اطمینان بھی نصیب ہو جائے تمہارے۔پھر ہم یہ دیکھ لیں اس پہ گواہ رہیں کہ واقعی تو نے جو کہا تھا وہ تو سچا تھا اور ہم اس کی شہادت دیں۔دعوئ نبوت یا نبی جو دعوے کرتا ہے اس کی صداقت محسوس شکل کے اندر سامنے آنی چاہیے۔ذہنی طور پہ تو ہم ہر عقیدے کو مان لیتے ہیں۔یہ جو کہا ہے نا الشٰهدين شہادت تو محسوس شے کی ہوتی ہے' یہ چیز عملاً ہونی

چاہیے ہمارے ساتھ؛ ایسا ملنا چاہیے۔ایک رزق تو بنی اسرائیل کو مل رہا تھا جن میں یہ لوگ تھے؛ یہ بنی اسرائیل میں سے ہیں نا سارے کے سارے؛ حضرتِ عیسٰیؑ بھی ان کے حواری بھی؛ انہیں بھی مل تو رہا تھا کس طرح سے مل رہا تھا؟ (ضربت علیهم الذلة و المسکنة ؟؟ بغضب من الله) ہر جگہ جاتے تھے تو جوتیاں کھاتے تھے دھتکارے جاتے تھے مار پڑتی تھی ذلت اور مسکینی کے عذاب ان کے اوپر مسلط تھا۔روٹی تو ملتی تھی ایسے ملتی تھی۔ انہوں نے یہ چیز کہی تھی کہ تو جو تعلیم دے رہا ہے تیرا دعویٰ یہ ہے کہ روٹی ملے گی رزقاً کریم ملے گا۔قرآن نے کہا ہے نا رزق کے ساتھ شرط مومن کی؛ رزق کریم باعزت روٹی ملے گی۔تو ایسا انتظام پھر کر کہ وہ ویسا ملے رزق کہ جس سے پھر یہ ہماری ذلتیں اور خواریاں دور ہوں اور رزق کریم ہمارے لیے۔(قال عیسی ابن مریم اللّٰھم ربنا انزل علینا مآئدة من السمآء تکون لنا عیدًا لاولنا و اٰخرنا و اٰیة منک) (5:114) آپؑ نے بھی پھر یہ کہا کہ ہاں اے ہمارے نشوونما دینے والے! ایسا انتظام ہونا چاہیے کہ یہ ذلت کی روٹیاں جو مل رہی ہیں اس کی بجائے عزت کی روٹی ملے۔یہ جو ارض اور سماء کے دو لفظ قرآن میں آتے ہیں بڑے عجیب لفظ ہیں۔یہ جتنی چیزیں جس میں یہ آپ کے ہاں کے غلط نظام کی آلائشیں موجود ہوتی ہیں ان کو وہ خالص ارض کہہ کے پکارتا ہے جسے آپ Materialistic کہتے ہیں چیز کو؛ مادی چیزیں کہتے ہیں۔خالص مادی نقطۂ نگاہ سے ایک رزق ملتا ہے اسے ارض کہا ہے قرآن نے۔سماء وہ ہوتا ہے کہ جس کے اندر اقدارِ خداوندی کے مطابق جو کچھ وہ ہوتا ہے۔اور حضرتِ عیسٰیؑ کی تو یہ مشہور ہے تمثیل: آسمان کی بادشاہت۔یہ ارض کی دنیا کی یہ سب چیزیں ان کے لیے ہیں آسمان کی بادشاہت تمہارے لیے ہے۔جس کو یہ سمجھ لیا کہ اب اگلی دنیا میں جا کے یہ ملے گی اگلی دنیا کی بات نہیں ہے۔وہ تو یہاں کہہ رہے ہیں حضرت عیسٰیؑ۔میں نے کہا ہے محرف انجیل میں یہ چیزیں موجود ہیں کہ جیسی تیری مرضی آسمانوں پہ پوری ہوتی ہے وہی تیری مرضی زمین پہ بھی پوری ہو۔کتنے حسین الفاظ میں یہ بات کر جاتے ہیں۔اس کائنات میں جس طرح سے تیرا نظام چل رہا ہے انسانوں کی دنیا کے اندر بھی ایسا ہی نظام تیرا چلے۔اسے سماوی نظام کہتے ہیں۔ہم بھی تو اقدارِ سماوی کہتے ہیں نا۔کہا کہ ہاں! یہ انداز ہونا چاہیے اس نظام کے ماتحت ان کو یہ ملنا چاہیے تا کہ وہ جشن کا باعث بن جائے ہمارے لیے بھی اور جو آنے والے ہیں ان کے لیے بھی۔سوال یہ ہے کہ اگر یہ اوپر سے طباق اترتا تھا تو ان کے لیے تو یہ ہو گیا جنہوں نے یہ کھایا اور یہ جو بعد میں آنے والے ہیں ان کے لیے یہ باعثِ اطمینان و تسکین اور وجۂ اطمینان بن جائے گا انہوں نے دیکھا بھی نہیں ہے۔تو کوئی ایسی چیز تھی کہ اگر وہ ایمان و تقویٰ کے مطابق اختیار کی جاتی تو ان کے لیے بھی جشن کا باعث بنتی اور اس کے بعد جتنے آنے والے بھی اس روش کے اوپر چلتے ان کے لیے بھی وہ باعثِ جشن بن جاتی۔عید جسے قرآن نے کہا ہے عزیزانِ من! لفظ تو ہمارے ہاں بھی ہے۔آسمانی رزق ملنے کا نام قرآن نے عید قرار دیا ہے۔آگے ہے (وارزقنا و انت خیر الرّٰزقین) (5:114) رزق تو ملتا ہی ہے لیکن وہ حسین رزق وہ بہترین رزق جو ہے وہ وہی ہے جو تیری طرف سے ملے۔

یہ تیری طرف سے ملے والی بات پھر یہاں آ گئی۔ابھی عرض کرتا ہوں۔(قال اللہ انی منزلھا علیکم فمن یکفر بعد منکم فانی اعذبہ عذابًا لا اعذبہ احدًا من العلمین) (5:115) کہا کہ ٹھیک ہے اس کا انتظام ہو جائے گا' تمہارا ایمان تمہارا تقویٰ اس کے نتیجے میں یہ بات ہو جائے گی۔لیکن یہ بھی یاد رکھو کہ اس کے بعد اگر اس نظام کی ناقدری کی ناشکر گذاری کی (اور یکفر کے معنی اگر بنیادی لیں) کہ اگر تم نے پھر جو ملا ہے اس طرح سے اس کو چھپا کے رکھنا شروع کیا تو پھر عذاب بھی وہ آئے گا تمہارے اوپر جو کبھی کسی پہ نہیں آیا تھا۔اس نظام کے تابع جب اس قسم کا رزق ملتا ہے کہ جس میں کوئی کسی کا محتاج نہیں ہوتا کوئی کسی کا محکوم نہیں ہوتا اس نظام کی جب ناقدری کی جاتی ہے چھپایا جاتا ہے وہ عذاب ہوتا ہے اس کے بعد جس میں ہم ہزار برس سے محفوظ چلے آ رہے ہیں عزیزانِ من!۔یہ سارا عذاب ناقدری تھی اس نظام کی جس میں خدا نے اس طرح سے ہمیں رزق دیا تھا کہ وہ خطۂ زمین جو Greenery کہلاتا تھا دنیا میں اس خطۂ زمین کے اندر رہنے والے روٹی کے لیے دوسروں کے محتاج ہیں اور وہ شرطیں عائد کر رہے ہیں کہ اپنی آزادی بیچو تو بھیک کا ٹکڑا تمہاری جھولی میں پڑے گا۔کوئی چھوٹا عذاب ہے یہ؟۔وہ قوم جو ابھی دوسری جنگِ عظیم میں 1945ء میں جرمنی ایک ایک ٹکڑے کے لیے ساری دنیا کی محتاج ہو گئی تھی۔اس جنگ کے بعد جو ان کی حالت ہو گئی تھی ایک مکان سارے ملک کے اندر باقی نہیں تھا ایک وقت کی روٹی ان کو نہیں ملتی تھی۔اس کے دو ہی سال کے بعد ہمیں آزادی ملی ہے اور جہاں سے ہم چلے ہیں ان سے بدرجہا بہتر حالت تھی ہماری۔آج حالت یہ ہے کہ اس جرمنی کی حکومت بھی ہم سے یہ کہہ رہی ہے کہ ٹھیک ہے تمہاری جھولی میں بھیک کا ٹکڑا ہم ڈالیں گے بشرطیکہ ہماری شرطیں مانو۔

؎ حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

(اعذبہ عذابًا لا اعذبہ احدًا من العلمین) (5:115) ایسا عذاب جس کی مثال تمہیں کہیں دوسری قوم میں نہیں ملے گی۔یہ ہے جی آسمان سے نازل ہونے والا مآئدۃ۔ترجمے آپ دیکھ لیجیے گا یہی آپ کو ملے گا آسمان سے ایک طباق اتارو جس میں کھانے کے لیے ہو۔ترجمے تو ایک ایک لفظ میں ہوتے ہیں کہا ہم سے جاتا ہے کہ قرآنِ کریم سمجھ میں نہیں آ سکتا تاوقتیکہ اسے احادیث یا روایات کی روشنی میں نہ دیکھا جائے کیونکہ سب سے بہتر قرآن سمجھنے والے نبی اکرمﷺ تھے۔جہاں تک اس دلیل کا تعلق ہے اس میں کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔جو حضورﷺ نے سمجھا ہے قرآن ویسے سمجھنا کا دعویٰ کون دنیا میں کر سکتا ہے۔سوال صرف یہی ہے کہ جسے یہ کہہ کے پیش کیا جاتا ہے کہ یہ حضورﷺ کا سمجھا ہوا قرآن ہے وہ حضورﷺ کا ہے بھی سمجھا ہوا قرآن یا ڈھائی سو تین سو سال بعد جا کے از خود یہ چیزیں وضع کی گئیں اور انہیں منسوب کر دیا گیا نبی اکرمﷺ کی طرف۔یہ ہیں وہ ہمارے ہاں کی تفسیریں جو روایات کے اوپر مبنی ہیں۔جیسا میں نے عرض کیا تھا سب سے پہلی تفسیر امام طبری کی ہے وہی سب سے پہلی ام التفسیر ہے

آپ کے ہاں۔ساری تفسیر میں بزعمِ خود اپنی طرف سے نہیں کچھ کہا ہر تفسیر کی تائید میں ایک نہ ایک حدیث نقل کی۔وہ بڑی ضخیم کتاب ہے تیس جلدوں میں۔اس کا ملخص ہے تفسیر ابن کثیر۔وہی چیزیں اس کے اندر ہیں وہ وہاں جو Repeatition ہوئی ہے وہ اس کے اندر نہیں ہے۔میرے سامنے ہے تفسیر ابن کثیر کا اردو ترجمہ خود انہی کا کیا ہوا۔میں اس لیے خود عربی عبارتیں یا وہ نہیں پیش کیا کرتا کہ اس میں فوراً یہ آجاتا ہے کہ صاحب اپنی مرضی کے مطابق ترجمہ کر دیتے ہیں۔مرضی کے مطابق نہیں! یہ آیت ہے۔معاف رکھئے گا بات ذرا لمبی ہے لیکن اس کے بعد اس کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکے گا کہ ہماری تفسیروں میں کیا لکھا ہوا ہے۔

یہ تفسیر ہے یہ کہا گیا ہے کہ یہ بیان کردہ نبی اکرم ﷺ کی صحابائے کبارؓ کی رو سے۔کہا بات چلی آرہی ہے کہ انہوں نے یہ مانگا کہ اس قسم کا ہمیں طباق دو۔یہاں سے اب سنئے گا۔اب حضرتِ عیسیٰؑ اٹھے صوف کا جبہ اتار دیا سیاہ بالوں کا لبادہ پہن لیا اور چادر بھی بالوں کی اوڑھ لی۔''آ جس طراں تیکیے دے فقیر کردے نیں نا نقشہ ای سارا ایس طراں دا دسیا ہویا ہیگا''۔کہ اللہ کے حضور میں دعا کرنے لگے تو وہ کمبل اس نے اوڑھ لیا۔وضو کر کے غسل کر کے مسجد میں جا کے نماز پڑھ کے قبلے کی طرف متوجہ ہو کر کھڑے ہو گئے دونوں پیر ملا لیے ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے ملا لی۔وہ جیسے اہل حدیث نماز پڑھتے ہیں نا بالکل سارا نقشہ وہ ہے۔انگلیاں بھی ملا لیں اپنا داہنا ہاتھ سینے پر رکھا۔یہ اہل حدیث ہے مفسر تو حضرت عیسیٰؑ کی نماز تو ویسے ہی ہو گی نا ''جس طراں وہابی پڑھدے نیں' او حنفیاں والی نماز تے نئیں نہ ہوسکدی''۔نگاہیں زمین میں گاڑ لیں سر جھکا دیا نہایت خشوع و خضوع سے نہایت عاجزانہ طور پر گریہ زاری شروع کر دی۔آنسوں رخساروں سے بہہ کر داڑھی کو تر کر کے زمین پر ٹپنے لگے یہاں تک کہ زمین بھی تر ہو گئی۔اب دعا کی جس کا بیان اس آیت میں ہے یہ دعا کی۔اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دعا کو قبول فرمایا اور ایک سرخ رنگ کا خوان دو بادلوں کے درمیان آسمان سے اترا جسے اترتے ہوئے سب نے دیکھا۔سب تو خوشیاں منا رہے تھے لیکن روح اللہ کانپ رہے تھے یعنی حضرتِ عیسیٰؑ کانپ رہے تھے رنگ اڑ گیا تھا زار و قطار رو رہے تھے کہ اللہ ہی خیر کرے ذرا بے ادبی ہوئی اور مارے گئے۔زبانِ مبارک سے یہ دعا نکل رہی تھی کہ خدایا! اسے تو سببِ رحمت بنا سببِ عذاب نہ بنا۔خدایا بہت سی عجیب و غریب چیزیں میں نے تجھ سے طلب کیں اور تو نے عطا فرمائیں' باری تعالیٰ! تو ان نعمتوں کے شکر کی ہمیں توفیق عطا فرما۔اے پرودگار! تو اپنی اس نعمت کو ہمارے لیے سببِ غضب نہ بنا الٰہی! تو اسے سلامتی اور عافیت کر' اسے فتنہ اور عذاب نہ کر۔یہاں تک کہ وہ خوان زمین تک پہنچ گیا اور حضرتِ عیسیٰؑ اور حواری اور عیسائیوں کے سامنے رکھ دیا گیا۔ایسی پاکیزہ خوشبوئیں آرہی تھیں کہ کسی دماغ وہ خوشبو اس سے پہلے کبھی نہیں آئی۔حضرتِ عیسیٰؑ اور آپؑ کے صحاب اسے دیکھ کر سجدے میں گر پڑے۔یہودی بھی سب کچھ دیکھ رہے تھے اور جل بھن رہے تھے۔حضرتِ عیسیٰؑ اور آپؑ کے ساتھی اس دستر خوان کے اردگرد بیٹھ گئے دیکھا کہ اس پر ایک رومال ڈھکا ہوا ہے۔مسیحؑ نے فرمایا

کہ کون نیک بخت جرآت اور ہمت کر کے کھولتا ہے۔حواریوں نے اے کلمۃ اللہ آپ سے زیادہ حقدار اس کا کون ہے۔ یہ سن کر حضرتِ عیسیٰؑ کھڑے ہوئے نئے سرے سے وضو کیا مسجد میں جا کر کئی رکعت نماز ادا کی' دیر تک روتے رہے پھر دعا کی کہ خدایا! اس کے کھولنے کی اجازت مرحمت ہو اور اسے برکت و رزق بنایا جائے۔ پھر واپس آئے اور بسم اللہ خیر الرازقین کہہ کر رومال اٹھالیا تو سب نے دیکھا کہ ایک بہت بڑی لمبی چوڑی موٹی بھنی ہوئی سالم مچھلی ہے جس کے اوپر چھلکا نہیں ہے اور جس میں کانٹے بھی نہیں ہیں۔ گھی اس میں سے ٹپک رہا ہے بہہ رہا ہے۔ اسی میں ہر قسم کی سبزیاں بھی ہیں سوائے ؟؟ اور مولی کے۔ اس کے سر کے پاس سرکہ رکھا ہوا ہے دم کے پاس نمک ہے۔ سبزیوں کے پاس پانچ روٹیاں ہیں ایک پر زیتون کا تیل ہے دوسری پر کھجوریں ہیں ایک پر پانچ انار ہیں۔ شمعون نے جو حواریوں کے سردار تھے کہا کہ اے روح اللہ! یہ دنیا کا کھانا ہے یا جنت کا۔ آپؑ نے فرمایا ابھی تک تمہارے سوال ختم نہیں ہوئے ابھی تک کرید باقی ہی ہے۔ واللہ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے کہیں اس پر تمہیں عذاب نہ ہو جائے۔ حضرتِ شمعون نے کہا ہے اسرائیل کے معبودِ برحق کی قسم میں یہ کسی سرکشی کی بناء پر نہیں پوچھ رہا۔ اے سچی ماں کے اچھے بیٹے! یقین مانئے کہ میری نیت بد نہیں تھی۔ آپؑ نے فرمایا نہ یہ طعامِ دنیا ہے نہ طعامِ جنت بلکہ خدائے تعالیٰ نے اپنے خاص حکم سے اسے آسمان اور زمین کے درمیان اسی طرح سے پیدا کیا ہے اور تمہارے پاس بھیج دیا ہے۔ اب اللہ کا نام لے کر کھاؤ اور کھا کر اس کا شکر ادا کرو شاکروں کو وہ زیادہ دیتا ہے۔ شمعون نے کہا اے نبی اللہ ! ہم چاہتے ہیں کہ اس نشانِ قدرت میں ہی اور نشانِ قدرت دیکھیں۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ گویا ابھی تم نے نشانِ قدرت دیکھا ہی نہیں۔ اچھا لو دیکھو۔ یہ کہہ کر آپ نے اس مچھلی سے فرمایا اے مچھلی خدا کے حکم سے جیسی تو زندہ تھی زندہ ہو جا۔ اسی وقت اللہ کی قدرت سے وہ زندہ ہوگئی اور ہل جل کر چلنے پھرنے لگی آنکھیں چمکنے لگیں دیدے کھل گئے اور شیر کی طرح منہ پھاڑنے لگی اور اس کے جسم پر کپڑے بھی آ گئے۔ یہ دیکھتے ہی دیکھتے حاضرین ڈر گئے اِدھر اُدھر ہٹنے اور دبکنے لگے۔ آپؑ نے فرمایا دیکھو خود ہی نشان طلب کرتے ہو خود ہی اسے دیکھ کر گھبراتے ہو۔ واللہ مجھے تو ڈر لگتا ہے کہ یہ مائدۂ آسمانی تمہارے لیے غضبِ خدا نہ بن جائے۔ اے مچھلی تو بحکم خدا جیسی تھی ویسی ہو جا۔ چنانچہ اسی وقت وہ ویسی ہوگئی۔ اب سب نے کہا کہ اے نبی اللہ! آپ اسے کھانا شروع کیجیے اگر آپ کو برائی نہ پہنچے تو ہم بھی کھائیں گے۔ بڑے کاریگر تھے۔ یعنی اس سے اگر مرے تو نبی مرے ہم کیوں مریں۔ ملاحظہ فرماؤ۔ پہلے کھایئے جی آپ۔ آپؑ نے فرمایا (معاذ اللہ) وہی پہلے کھائے جس نے مانگی ہے۔ اب تو سب کے دلوں میں دہشت بیٹھ گئی کہ کہیں اس کے کھانے سے کسی وبال میں نہ پڑ جائیں۔ حضرتِ عیسیٰؑ نے یہ دیکھ کر فقیروں کو مسکینوں کو بیماروں کو بلالیا اور حکم دیا کہ تم کھانا شروع کر دو۔ ٹھیک ہے'' پہلے بیمار ہیگے سن مر گئے تاں کی ہو گیا''۔ پس تیرہ سو آدمیوں نے بیٹھ کر پیٹ بھر کر کھانا کھایا لیکن وہ کھانا مطلقاً ختم نہیں ہوا کم نہیں ہوا تھا۔ پھر سب کے دیکھتے ہوئے وہ خوان آسمان پر چڑھ گیا اور کل فقیر غنی ہو گئے وہ تمام بیمار تندرست ہو گئے اور ہمیشہ تک امیری اور صحت

والے رہے۔ حواری اور صحابی سب کے سب بڑے ہی نادم ہوئے اور مرتے دم تک حسرت اور افسوس کرتے رہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد جب یہ دسترخوان اترتا تو بنی اسرائیل اِدھر اُدھر سے دوڑے بھاگے آتے کیا چھوٹا کیا بڑا کیا امیر کیا تندرست کیا مریض ایک بھیڑ لگ جاتی ایک دوسرے پر گر پڑتا۔ اسے دیکھ کر باری مقرر ہوگئی ایک دن اترتا ایک دن نہ اترتا۔ چالیس دن تک یہی کیفیت رہی کہ دن چڑھے اترتا اور اس کے سونے کے وقت چڑھ جاتا جس کا سایہ سب دیکھتے رہے۔ بات تو ابھی دو صفحے اور لمبی ہے لیکن چونکہ یہ اب چڑھ گیا آسمان ''ایں واسطے ہن کا ہدے واسطے'' اب انتظار کرو اس کا۔ عزیزانِ من! یہ تفسیر ابنِ کثیر ہے اور یہ جو میں نے پڑھا ہے اس کے ساتھ لکھا ہے کہ فلاں فلاں صحابیؓ نے اس کی روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ تفسیر بیان فرمائی تھی اس مائدہ کی۔ غور فرمایا آپ نے۔ ان کے متعلق یہ کہنے والا کہ یہ ہمارے رسول ﷺ کی چیزیں نہیں ہوسکتیں اسے کافر قرار دیا جاتا ہے۔ غور فرمائیے آپ کہ کیا باتیں ہورہی ہیں۔ یہی ہیں وہ علوم جو سات برس تک آپ کے ہاں ان دارالعلوموں میں پڑھا کر ان کے سر کے اوپر فضیلت کی دستار باندھ دی جاتی ہے اور ہاتھ میں عصا دیدیا جاتا ہے کہ اب جاؤ اور ساری دنیا کو کافر بناتے پھرو تم۔ یہ ہے وہ جو علم پڑھ کے یہ لوگ آتے ہیں۔ کہا کیا تھا؟ انت خیر الرّٰزقین ۔ جس نظام جس نظام کے تابع یہ لوگ زندگی بسر کرتے تھے انتہائی سرمایہ دارانہ نظام تھا۔ ایک غیر قوم کی محکومیت بھی تھی رومنز کی اور اس محکومی میں جو کچھ وہ ان غلاموں اور محکوموں کے ساتھ کرتے تھے تاریخ میں وہ چیزیں موجود ہیں۔ صاحب! روٹی کی نوعیت پہ نہ جائیے کسی کو محکوم اور غلام بنانے کے بعد بہترین کھانا دیتے چلے جائیے آپ' وہ ذلت کا کھانا جو ملتا ہے شرفِ انسانیت کو تباہ کر کے رکھ دیتا ہے۔ یہ رسول آتے کس لیے تھے؟ آج تو ہمارے نقشہ یہ کھینچا جاتا ہے ان کا اور خاص طور پہ حضرتِ عیسٰیؑ کا کہ جیسے یہ تکیے اور دائرے کے فقیر ہوتے ہیں بھیک منگے (معاذ اللہ) اس قسم کے یہ تھے آپؑ بھی آپؑ کے ساتھی بھی۔ وہ جا کے گاؤں سے جھولی میں آٹا واٹا مانگ لیا کرتے تھے بس یہ ان کی کیفیت تھی۔ اللہ اکبر۔ خدا کا رسول اس مقصد کے لیے آتا ہے؟ وہ عظیم انقلاب کا پیامبر ہوتا ہے وہ دنیا کے باطل نظام کی جگہ خدا کا صحیح نظام قائم کرنے کے لیے آتا ہے۔ وہ دنیا کی ہر باطل کی قوت سے ٹکراتا ہے آ کر' اسے پاش پاش کر کے رکھ دیتا ہے اور اس کی جگہ صحیح نظامِ خداوندی قائم کرتا ہے۔ یہ وہ باطل کا نظام تھا جس کے اندر یہ لوگ موجود تھے یہ مکے کی زندگی تھی ان کی جس میں یہ کشمکش جاری تھی ان کے خلاف' یہ بڑی بڑی سرکش قوتیں۔ اس زندگی میں جو کچھ کھانے کو مل سکتا ہے آپ جانتے ہیں کہ کیا کیفیت اس میں ہوسکتی ہے۔ کہا یہ تھا کہ ہمیں باعزت روٹی دے۔ یہ جو لفظ کہا ہے کہ انسانوں کے ہاتھوں سے روٹی نہ ملے' ایسا انتظام کرو کہ خدا کے ہاں سے روٹی ملے۔ کتنی عظیم چیز ہے کہ انسانوں کے واسطے ہٹاؤ درمیان سے۔ کتنی اچھی کیوں نہ روٹی ملے عزیزانِ من! کسی انسان کے ہاتھ سے اگر وہ ٹکڑا ملتا ہے آپ کو' ذلت کی روٹی ہے۔ کہا یہ ہے۔ کیسے یہ ملے گا؟ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے تقویٰ اختیار کرو گے تو یہ ہوجائے گا۔ ایسی روٹی ملے گی کہ ان کا تمہیں محتاج

اور محکوم نہیں ہونا پڑے گا ان کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرنا پڑے گا عزت کی روٹی تمہیں ملے گی۔ایک نظام قائم کیا آپؐ نے۔کس قسم کا نظام تھا؟ ہمیں افسوس یہ ہے کہ انجیل اور اس کے بعد کی ان کی تاریخ اپنی اصلی شکل میں باقی نہیں رہی۔اس لیے وہ نقشہ بھی پورے طور پہ باقی نہیں رہا۔وہ تو ایک طرف رہا عزیزانِ من! ہمارے اپنے ہاں کی جو صورت ہے جو ہم اتنا دعویٰ کر رہے ہیں کہ جس قدر علمِ حدیث میں یا تاریخ میں مسلمانوں نے کمال کر دکھایا دنیا کی کسی قوم نے نہیں کیا۔اپنی ہماری حالت یہ ہے کہ پہلے دور کی صحیح تاریخ آج کہیں آپ کو نہیں مل سکتی۔تین سو سال کے بعد جا کے زبانی روایات کی بناء پہ آپ کی تاریخ مرتب ہوئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی چیز قرآن کی پیش کی جائے کہ صاحب قرآن نے تو یہ کہا ہے کہ ضرورت سے زیادہ کوئی شخص مال رکھ ہی نہیں سکتا اور فوراً لے آتے ہیں کہ صاحب لو وہ صحابہؓ کبارؓ عبدالرحمٰن بن عوف وہ تجارت کرتے تھے ان کا تجارت کا قافلہ پچھلا اونٹ مصر میں ہوتا تھا اگلا اونٹ مدینے میں ہوتا تھا۔فلاں صحابیؓ صاحب! ان کے ہاں ایک ایک وقت میں اندر دس دس کروڑ روپیہ تھا سونے کے انبار لگے ہوئے تھے۔کہو کیا کہتے ہو قرآن کی اس آیت کو۔یہ کیا چیز کہاں سے یہ آئی چیزیں؟ آپ کی تاریخ سے آتی ہیں۔کہ صاحب زمین پہ تو کسی کی ذاتی ملکیت ہو نہیں سکتی قرآن علی الرغم اس کے خلاف جاتا ہے نہیں ہو سکتا یہ۔کہ صاحب! یہ دیکھئے فلاں صحابیؓ تھے ان کے پاس اتنی زمین تھی انہوں نے بٹائی پہ دے رکھی تھی رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہے۔رسول اللہ ﷺ نے اپنی زمین بٹائی پہ دے رکھی تھی۔چل بھئی! سب سے بڑے زمیندار یہ ہو گئے۔یہ کہاں سے آئی ہیں چیزیں آپ کے ہاں؟ تاریخ سے آئی ہیں۔آپ کے ہاں کی تاریخ کی یہ کیفیت ہے وہ جو عیسائیوں کی تاریخ جن کے ہاں کی کتاب مقدس اپنی شکل میں موجود نہیں اس میں کیا ملے گا۔اس کے باوجود عزیزانِ من! عجیب چیز ہے یہ کہ اس مسخ شدہ تاریخ میں بھی بچے کھچے انداز میں بھی نظر آتا ہے کہ آپ نے نقشہ کیا قائم کیا تھا۔عجیب وغریب نقشہ ہے۔وہی نقشہ جو پہلے دن سے خدا نے تجویز کیا ہے دین کے لیے جسے حضرتِ نوحؑ نے قائم کیا تھا جسے ہر نبیؑ نے قائم کیا تھا جس کی تکمیل نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں آئی تھی۔وہ نقشہ کہ جس میں کسی فرد کی کوئی شے ذاتی ملکیت نہیں رہتی۔ہر فرد محنت کرتا ہے زیادہ سے زیادہ اپنی بساط کے مطابق' جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ سارا امت کا قوم کا ملت کا مشترکہ سرمایہ ہوتا ہے۔اس میں سے ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق ملتا چلا جاتا ہے کوئی شخص اپنی ضرورت سے محتاج نہیں رہتا۔اور جو ملتا ہے اس میں کسی ایک شخص کا رہینِ منت نہیں ہوتا۔اس لیے کہ وہ کسی فرد کی طرف سے نہیں ملتا خدا کی طرف سے ملتا ہے۔سمجھ لیا کہ خدا کی طرف سے ملتا ہے کہ کیا معنی ہوئے جس میں انسان کا کوئی دخل نہ ہو۔یہ گھر کے دسترخوان کے اوپر آپ دیکھتے ہیں وہ بچے بھی جو کچھ نہیں کماتے کس تان اور مان سے وہاں بیٹھتے ہیں وہ سب سے بہتر حصہ ان کے حصے میں چلا جاتا ہے۔جو کچھ گھر میں آتا ہے فاقہ گھر میں ہو بچہ جو پیدا ہوا ہے سب سے پہلے اس کا دودھ آتا ہے اس میں سے' حالانکہ وہ تو کچھ بھی کمائی نہیں کرتا۔آپ غریبی میں گذارہ کیا جائے گا بچے کی فیس سب سے پہلے دی جاتی ہے۔دسترخوان پہ

بیٹھے ہوئے آپ دیکھئے گا کہ ان کا دھیان ہوتا ہے۔اور پھران میں سے کسی کے ذہن میں بھی یہ بات آتی ہے کہ ہم کسی غیر کا دیا ہوا کھاتے ہیں۔ یونہی دھندلا سا نقشہ میں یہ کہہ رہا ہوں۔ اگر چہ بڑا ہونے کے بعد جہالت کی وجہ سے باپ طعنہ دیدیتا ہے بیٹے کو کہ میں نے تمہیں پالا پوسا ہے۔ یہ جو دستر خوان پہ بیٹھا ہوا ہوتا ہے کبھی احساس نہیں ہوتا۔ وہ اس لیے کہ جو کچھ آتا ہے سارے گھر کی مشترکہ ملکیت ہوتا ہے الگ الگ حصہ نہیں ہوتا۔ اگر یہی ہو کہ جتنا کوئی کماتا ہے اسی کو مل جائے تو وہ کمانے والا ایک ہوتا ہے گھر کا خاندان کا باپ' سب کچھ اس کو ملنا چاہیے یہ سارے بچے اور یہ سارے جتنے گھر والے ہیں ان کا تو کچھ حصہ ہی نہیں ہونا چاہیے' تھوڑا حصہ اس کا ہوتا ہے۔ یہ ایک نظام ہوتا ہے جسے رسول قائم کرتا ہے آ کر۔ دنیا میں تباہی کا موجب عزیزانِ من! تصور ہے پرائیویٹ پراپرٹی کا' ذاتی ملکیت۔ بس یہ چیز آپ دیدیجیے اور پھر اس کے بعد تو انتہا ہی کوئی نہیں رہتی۔ یہ ہے نقشہ جو قائم کرتا ہے نبی۔ اور یہ تھا نقشہ ان حواریوں کے لیے جو قائم کیا جنہوں نے کہا کہ ان کے ہاتھوں سے روٹی نہ ملے بڑی ذلت اٹھانی پڑتی ہے۔ میں نے کہا بچے کھچے آثار ہیں جو انجیل میں موجود ہیں۔ انجیل میرے سامنے ہے اور یہ بھی اردو ترجمے کی۔ عہد نامۂ جدید کو انجیل کہتے ہیں۔ اس میں اعمال اس کا اردو میں کتاب 'رسولوں کے اعمال' یہ ہے میرے سامنے۔ اس میں دوسرا باب ہے 45 ویں آیت سے بات شروع ہوتی ہے۔ لکھا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے تھے یہ جماعت ان کی جو ہے وہ سب مل کر ایک جگہ رہتے تھے اور ساری چیزیں ان میں مشترک تھیں۔ اس انجیل میں یہ لکھا ہے۔ اور اپنی جائیداد و اسباب بیچ بیچ کر ہر ایک کی ضرورت کے موافق سب کو بانٹ دیا کرتے تھے۔ یہ تحریف شدہ انجیل کے اندر ابھی یہ نقشہ مل رہا ہے۔ یہ مشترک اور شریک میں نے کہا ہے وہ جھٹ سے مجھ پہ تو فتویٰ لگے گا کہ صاحب! یہیں سے تو لفظ اشتراکیت نکلا ہے' سوشلسٹ ہے کمیونسٹ ہے۔ کیا کروں وہاں لکھا ہوا ہے میں کیا کروں۔ سب کو بانٹ دیا کرتے تھے۔ ہر روز ایک دل ہو کر ہیکل میں جمع ہوا کرتے تھے اور گھروں میں روٹی توڑ کر خوشی اور سادہ دلی اور اطمینان سے کھا لیا کرتے تھے۔ قرآن نے کہا ہے انہوں نے کہا تھا تاکہ اطمینان کی روٹی ملے۔ کھا لیا کرتے تھے اور خدا کی حمد کرتے تھے اور سب لوگوں کو عزیز رکھتے تھے۔ اور جو اس طرح سے نجات پاتے تھے خدا ان کو بھی ان کے اندر ملاتا چلا جاتا تھا۔ یہ دوسرے باب کی بات میں نے کہی ہے اسی میں چوتھے باب میں 32 ویں آیت سے بات شروع ہوتی ہے۔ ایمانداروں کی جماعت ایک دل اور ایک جان تھی۔ دیکھتے ہیں مؤمنین کی جماعت۔ اور کسی نے بھی اپنے مال کو اپنا مال نہ کہا بلکہ ان کی سب چیزیں مشترک تھیں اور یہ ان پر سب سے بڑا فضل تھا۔ کیونکہ ان میں کوئی بھی محتاج نہ تھا۔ اس لیے کہ جو لوگ زمینوں اور گھروں کے مالک تھے ان کو بیچ بیچ کر بکی ہوئی چیزوں کی قیمت لاتے اور رسولوں کے پاؤں میں رکھ دیتے تھے۔ پھر ہر ایک کو اس کی ضرورت کے موافق بانٹ دیا جاتا تھا۔ یہ ہے آسمان سے نازل ہونے والا رزق عزیزانِ من! جس میں کسی فرد کے ہاتھ سے روٹی مل کے عمر بھر کے لیے اس کا غلام اور ممنونِ احسان نہیں رہنا پڑتا۔ سب ایک جگہ رہتے تھے جو کچھ کسی کے پاس تھا لا کے حاضر کر دیتا

تھا' ہرایک کی ضرورت کے مطابق اس میں سے مل جاتا تھا۔ یہ تھا جو نظام قائم کیا تھا۔ اوراس پہ پھرآپ سوچ لیجیے کہا کہ اس کے بعد اگر کوئی شخص اس نظام کے خلاف چل کے اس کی خلاف ورزی کرے گا اوراس پہ بھی پردہ پوشیاں کرنے لگے گا تو پھر وہ ذلت نصیب ہوگی وہ عذاب انہیں ملے گا جو کسی قوم کو ایسا عذاب نہیں ملا۔ عزیزانِ من! قرآن کی تعلیم تو واضح ہے اس معاملے کے اندر' سوال ہی نہیں قرآن کو قرآن سے سمجھا جائے تو اس میں ذاتی ملکیت کا سوال بھی نکل آئے سوال ہی نہیں ہے۔ (**للہ ما فی السمٰوٰت و الارض جمیعًا**) ۔لیکن تحریف شدہ کتابیں جو آپ کے ہاں کی ہیں روایات اوراحادیث کی ان میں بھی اسی طرح جیسے اس کے اندر یہ چیزیں کہیں کہیں مل جاتی ہیں ایسی روایتیں اورحدیثیں ملتی ہیں جو چمکتے ہوئے موتیوں کی طرح ہیں جو بتارہی ہیں کہ واقعی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہوگا۔ وہ ایک پہلی حدیث جو عام طور پہ ہم نقل کیا کرتے ہیں طلوعِ اسلام کے ٹائٹل پہ کہ اسلام سے پہلے ہی ایک عشری قبیلہ تھا عربوں کے ہاں کا ان کے کیفیت یہ تھی کہ جب کبھی قحط پڑتا یا جنگ ہوتا یا کمی آتی تو ان میں ہرایک شخص اپنے اپنے گھر میں جو کچھ موجود ہوتا باہر لا کے ایک جگہ اکٹھا کر لیتے اور وہاں ہرایک کی ضرورت کے مطابق مل بانٹ کے کھا لیتے۔ یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں عشریوں میں سے ہوں میرا نظام یہ ہوگا۔ یہ ہاشمی المطلبی نہیں ہوں میں عشریوں میں سے ہوں اور میرا نظام یہ ہوگا۔ اوراسی لیے اس نظام کی خصوصیت یہ بتائی رسول اللہ ﷺ نے کہ یادرکھو! جس بستی میں کوئی ایک شخص بھی اس طرح سے رات کو سوگیا کہ اس نے صبح اس طرح کی کہ رات بھر بھوکا رہا اس بستی سے خدا کی حفاظت کی ذمہ داری سلب ہوجاتی ہے۔ قرآن نے کہا کہ مملکت اسلامیہ کو جو کہتے ہیں اسلامی نظام اسلامی مملکت' کہا ہمارے نام پہ مملکت قائم کرنی ہے تو پھر اس ذمہ داری کا اعلان کرو کہ (**نحن نرزقکم و ایاکم**) ہم تمہارے اور تمہارے بال بچوں کے رزق کے ذمہ دار ہیں۔ یہ ہے جو آسمان سے مائدہ اترتا ہے عزیزانِ من! یہ ہے جس سے پھر یہ باعث جشن ہوتا ہے ان کے لیے بھی آنے والوں کے لیے بھی جب تک یہ نظام قائم رہے گا۔ اور جب اس سے کفر برتا جائے گا تو پھر تو جو عذاب آتا ہے اس میں ہم مبتلا ہیں۔ یہ ہے عزیزانِ من! مائدہ۔ تھوڑی سی بات آگے دوسری چلی ہے لیکن حضرتِ عیسیٰؑ کے متعلق ہے وہ بھی میں عرض کردوں۔ (**و اذ قال اللہ یعیسی ابن مریم ء انت قلت للناس اتخذونی و امی الٰهین من دون الله قال سبحٰنک ما یکون لی ان اقول ما لیس لی بحق ان کنت قلته فقد علمته تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک انک انت علام الغیوب**) (5:116)۔

خدا ان سے پوچھے گا کہ عیسیٰؑ! کیا تم نے اپنی اس قوم سے اوراپنی اس امت سے کہا تھا کہ میری اور میری ماں کی پرستش کیا کرو' معبود بنالیا کرو یا نہیں۔ بات یوں یہ نہیں ہے کہ وہاں اکٹھے ہونگے یہ کہا جائے گا سوال یہ ہے کہ یہ کیفیت ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم ہے۔ قرآن یہ کہتا ہے کہ جب حضرتِ عیسیٰؑ سے پوچھا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ یا اللہ! توبہ توبہ میں بھلا اس قسم کی کوئی بات کہہ سکتا تھا اورتو تو سب کچھ جانتا

ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جن چیزوں کو تو نہیں ہمیں بتانا چاہتا اپنے علم میں سے وہ ہم تو نہیں جانتے وہ تو تیری بات ہے۔ لیکن ہماری تو ہر بات تو جانتا ہے جو ہم کہتے ہیں وہ بھی جانتا ہے جو ہمارے دل میں ہے وہ بھی جانتا ہے۔ تو اچھی طرح سے واقف ہے میں یہ بات کہنے لگا تمہارا رسول ہو کر توبہ توبہ توبہ۔ یعنی ان کو ابھی سے حجت کر دی کہ تمہارا رسول جو ہے وہ اس طرح سے انکار کرے گا' اس کی تعلیم یہ نہیں تھی یہ کہا گیا ہے۔(**ما قلت لهم الا ما امرتني به ان اعبدوا الله ربي و ربكم**) (5:117) میں نے تو اس کے سوا کچھ کہا ہی ان سے نہیں کہ صرف ایک خدا کی محکومیت اختیار کرو۔ وہ تمہارا بھی رب ہے وہ میرا بھی رب ہے۔(**و كنت عليهم شهيدًا مادمت فيهم**) (5:117) جب تک میں ان میں تھا میں اس باب میں ان کی نگرانی کرتا تھا کہ یہی ان کا عقیدہ ہو یہی ان کا مسلک ہو میں اس کا نگران تھا میں اس پر گواہی دیتا ہوں میں ذمہ دار تھا۔(**فلما توفيتني كنت انت الرقيب عليهم**) (5:117) پھر جب مجھے تو نے وہ وفات دیدی تو میں تو ان میں رہا نہیں۔ اس کے بعد انہوں نے کیا کیا یہ تو جانتا ہے تو ان کے اوپر نگران تھا میری ذمہ داری تو ختم ہوتی ہے صاحب۔(**انت علٰى كل شيءٍ شهيد**) (5:117) اور تو تو ہر شے کے اوپر گواہ ہے۔ میری ذمہ داری اس وقت تک تھی جب تک کہ میں ان میں تھا اور جب تم نے مجھے وفات دی پھر میں ذمہ دار نہیں رہا۔ کیسی صحیح صاف بات ہے۔ آپ کو پتہ ہے کہ یہ آیت آپ کی تاریخ میں کہاں چسپاں کی جاتی ہے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت میں میں دیکھونگا کہ فرشتے ایک گروہ در گروہ لوگوں کو جہنم کی طرف لیے جا رہے ہیں۔ میں غور سے دیکھونگا تو پکارونگا یا اللہ! صحابی صحابی یا اللہ! یہ تو میرے صحابہ ہیں یہ تو میرے صحابہ ہیں یہ جہنم کی طرف کہاں لیے جا رہے ہیں ان کو آقا' یہ کیا ہو رہا ہے۔ سنئے عزیزانِ من! بخاری کی حدیث۔ کہا خدا کی طرف سے یہ جواب ملے گا کہ تیرے مرنے کے بعد یہ سب مرتد ہو گئے تھے (معاذ اللہ) اس لیے ان کو جہنم میں لیے جا رہے ہیں۔ تو حضور ﷺ یہ فرمائیں گے کہ (**و كنت عليهم شهيدًا مادمت فيهم فلما توفيتني كنت انت الرقيب عليهم**) (5117) کہ ٹھیک ہے جب تک میں ان میں تھا میں ذمہ دار تھا جب میں مر گیا اس کے بعد تو جان یہ جان۔ ٹھیک ہے انہوں نے کیا ہی ہوگا۔ یا اللہ یا اللہ۔ صحابہؑ کبارؓ جن کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ مؤمنین حقا تھے۔ مہاجرین اور انصار دونوں کا نام لے کے قرآن کہتا ہے' قرآن کہتا ہے کہ ہم نے ان کو بخش دیا ان کے لیے جنت لکھ دی ان کو بشارتیں دیدوائے رسول اس چیز کی۔ ان صحابہؓ کے متعلق آپ کے ہاں بخاری شریف کی حدیث ہے اور یہ وہاں ہے کہ حضور ﷺ نے کہا کہ میں بھی اس وقت اپنے بھائی عیسیٰؑ کی زبان میں یہ کہونگا کہ جی ہاں! جب تک میں ان میں تھا میں ذمہ دار تھا اور میرے مرنے کے بعد پتہ نہیں انہوں نے کیا کیا۔ اللہ اکبر۔ حضرتِ عیسیٰؑ کی پھر بات آ رہی ہے۔(**ان تعذبهم فانهم عبادك و ان تغفر لهم فانك انت العزيز الحكيم**) (5:118) ٹھیک ہے تو جان یہ جانیں معاملہ ان کے ساتھ ہے ٹھیک ہے۔ ان کے یہ جرائم ایسے ہیں جو سزا کے مستوجب ہیں یہ سزا دے' تیرے

بندے ہیں مجھے کیا ہے اس سے ۔ کیا بات ہے ۔ میرا تعلق تو اس تعلیم سے تھا اس تعلیم پہ یہ رہے ہوں تو میرے تعلیم سے پھر گئے میرا تعلق ہٹ گیا ''ایناں نوں جیس طراں مرضی کرو'' ۔ کیا بات ہے یہ کہنے کی صاحب! کتنا حسین انداز ہے ۔ ٹھیک ہے اور اگر تو سمجھتا ہے کہ کوئی چیز ان کی ایسی ہے جس سے کچھ حفاظت کا سامان نکل سکتا ہے تو حفاظت کا سامان کر' میں تو بالکل دخل نہیں دیتا ۔ یہ وہ رسول ہیں جن کے متعلق ان کا عقیدہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی جان صلیب پہ دیدی تا کہ اپنی امت کے تمام گناہوں کا کفارہ ادا کر دیں ۔ یہ تمام گناہوں کا کفارہ ادا کرنے والا رسول یہ کہہ رہا ہے بری الذمہ ہو کے کھڑا ہو کے میرا واسطہ ان لوگوں سے نہیں ہے تو بخش دے تو عذاب دیدے ۔ (انک انت العزیز الحکیم) (5:118) آ ہاہاہا قرآنِ کریم پہ وجد آ جاتا ہے ۔ بات یہاں عذاب اور مغفرت کی تھی ۔ عام حالات میں ذہن میں یہ ہے کہ یہاں آنا چاہیے تھا کہ انک انت الغفور الرحیم کہ تو بخشنے والا ہے رحم کرنے والا ہے ۔ انت العزیز الحکیم تو تو ہر شے قانون کے مطابق کرتا ہے غالب ہے تو اور تیرے قانون حکمت کے اوپر مبنی ہیں تو جان تیرا قانون جانے اس کے مطابق فیصلہ کر دے مجھے اس سے کیا غرض ہے ۔ غفور و رحیم یہاں نہیں کہا ۔ جب سے حضرتِ عیسیٰؑ کے کفارے پہ آ جاتا تو تھوڑی سی شہ دے گئے ۔ قرآن ہے عزیزانِ من! ۔ (قال اللہ ھٰذا یوم ینفع الصٰدقین صدقھم) (5:119) جواب ملے گا کہ آج نہ کوئی رشتہ داری نہ کسی نبی سے کوئی نسبت نہ یہ کہ ہم اس کی امت میں سے ہیں یا اس کے واسطے میں سے ہیں ۔ آج تو صرف اس شخص کو اس کے عمل کا بدلہ ملے گا جس نے اپنے ایمان کو اپنے اعمال سے سچا کر دکھایا ہوگا سچوں کو ان کے صدق کا بدلہ مل جائے گا ۔ جواب ملتا ہے خدا کی طرف سے' کفارے اور شفاعتیں ساری ختم ہو جاتی ہیں اس میں ۔ (لھم جنٰت تجری من تحتھا الانھٰر) (5:119) یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے لیے وہ باغات ہیں کہ جن کی شادابیاں کبھی ختم نہیں ہونگی ۔ (خٰلدین فیھا ابدًا) (5:119) وہاں سے ان کو کوئی نکالے گا بھی نہیں ۔ (رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ) (5:119) انہوں نے خدا کے قانون سے ہم آہنگی اختیار کی اس قانون کے نتائج ان کے ساتھ ہم آہنگ ہو گئے اس طرح سے یہ آگے بڑھے ۔ (ذٰلک الفوز العظیم) (5:119) کتنی بڑی Acheivement ہے یہ ۔ میں نے کہا ہے کہ قرآن نجات کا قائل نہیں ہے وہ تو As you were ہو جانا ہے ۔ فوز ہے Acheivement ہے کتنی بڑی چیز ہے جو انہوں نے حاصل کی ہے زندگی میں' constructive چیزیں ہیں آگے بڑھیں گے یہ ۔ اور یہ اس خدا کے قانون کی رو سے ہے (للہ ملک السمٰوٰت و الارض و ما فیھن) (5:120) ساری کائنات میں جس طرح سے اس کا قانونِ اسباب و علل (Cause & Effect) چل رہا ہے اسی کے مطابق یہاں فیصلے ہوتے ہیں ۔ (و ھو علٰی کل شیءٍ قدیر) (5:120) اس نے ہر شے کے پیمانے مقرر کر رکھے ہیں انہی پیمانوں کے متعلق اے عیسیٰؑ! تیری امت کا بھی انجام ہو گا ان کے بھی اعمال اسی طرح سے تولے جائیں گے' اسی کے مطابق ان کو بھی جسے کہا ہے عذاب مل جانا یا حفاظت

کی صورت پیدا ہوجانا یہ اسی صورت میں ہوگا جو ہم نے اپنے پیمانے مقرر کیے ہیں۔(**ان العزیز الحکیم**) یہ ہے خدا کا عزیز و حکیم ہونا جسے کہا جاتا ہے۔عزیزانِ من ! وقت بھی ہوا اور آج سورۃ المآئدۃ ختم بھی ہوگئی۔ 120 آیت کی یہ سورۃ تھی یہ ختم ہوگئی آئندہ درس میں ہم انشاءاللہ سورۃ الانعام شروع کریں گے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم